فائدہ : تفسیر کاشفی میں ہے کہ اس سے رحمت ذاتیہ جیسے رحمت مطلقہ کہا جاتا ہے اور وہ رحمت ہے جو ہر ایک کو پہنچے اور بے مانگے ہر ایک کو ملے نہ ہی مستحق و غیر مستحق کو دیکھے۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے ؎ (۱) دَر عدم ما مستحقاں کے بُدیم ٭ کہ بریں جان و بریں دانش زدیم

(۲) مانبودیم و تقاضا مانبود ٭ لطف تو ناگفتہ ما مے شنود

ترجمہ (۱) ہم عدم میں اس کے کب مستحق تھے کہ ایسی جان و دانش حاصل کرتے۔

(۲) ہم نہ تھے اور نہ ہی ہمیں ایسے تقاضے تھے تیرے لطف و کرم نے ہمارے سوال کے بغیر ہماری بات سُن لی۔

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو اجزاء ہیں ان میں ننانوے اجزاء اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں رکھے ہیں اور باقی صرف ایک زمین پر نازل کیا گیا۔ اسی ایک جُز سے تمام مخلوق رحم کرتی ہے۔ یہاں تک کہ پرندے اپنے گھونسلے اونچے رکھتے ہیں اور وہاں پہنچ کر بچوں کو دانہ دُنکا کھلاتے ہیں تو بھی اسی رحمت سے (سبق) اس سے مومن کو بشارت و رجا ہے کہ دُنیا میں اُس کی رحمت کی یہ شان ہے کہ بہت بڑے انعامات و کرامات سے ہمیں نوازا جا رہا ہے اور نہ صرف ظاہری نعمتوں سے بلکہ اس کی باطنی نعمتیں بھی بے بہا ہیں۔ پھر اندازہ کیجئے کہ باقی ننانوے رحمت کے حصص جو صرف آخرت کے لئے ہیں مخصوص کئے گئے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

حکایت : حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں چند قیدی لائے گئے۔ ان میں ایک عورت تھی جو اپنے بچے سے بچھڑ گئی جس نے تلاش بسیار کے بعد اپنے بچے کو پا لیا اور اُسے جلدی سے اُٹھا کر اپنے پستانوں سے لگا لیا۔ اس کی حالت دیکھ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا بتاؤ کیا یہ عورت اپنے بچے کو عمداً آگ میں ڈالے گی۔ ہم نے عرض کی نہیں بلکہ جہاں تک اسے قدرت ہوگی اپنے بچے کو آگ سے بچانے کی کوشش کرے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ اس عورت سے زیادہ رحیم و کریم ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) آتش از قہر خدا خود ذرہ ایست ٭ بہر تہدید لئیمان درہ ایست

(۲) باچنیں قہرے کہ زفت و فائقت ٭ برو لطفش بیں بروے سابقست

(۳) رحمت بیچوں چنیں دان اے پدر ٭ زانکہ اندر وہم از وے جُز اثر

ترجمہ : (۱) آگ تو اس کے قہر کے آگے ایک ذرہ ہے نالائقوں کے لئے ایک کوڑا ہے۔

(۲) ایسے قہر و غضب کے باوجود کہ وہ غالب ہے لیکن اس کی رحمت اس پہ سابق ہے۔

(۳) اے بزرگ اس کی رحمت کو یوں جان کہ وہ حد و حساب سے باہر ہے نہ اس کا کوئی نشان ہے۔

لطیفہ : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فتوحات مکیہ شریف میں لکھا ہے۔ آیت رحمت صرف
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" ہے اور یہ آیت ہزار معانی کو متضمن ہے۔ اِس کا
ہر معنیٰ عرصہ دراز کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ اس کے جمیع معانی کو حاصل کرے۔ اس لئے کہ جس پر
جو معنےٰ کھلتا ہے۔ اس پر اُسی قدر حقیقت واضح کر دی جاتی ہے اس لئے اس اُمت کے ایک ایک فرد کے لئے ایک ہزار
سال عمر ضروری تھی" اے اللہ ہمیں اس وقت اپنی رحمت کی آغوش میں لے لے (جب انسان پسینہ پسینہ ہو جائے گا
اور آہ و فغان کا شور ہوگا اور ہم پر ہمارے دوست روئیں گے اور طبیب ہماری زندگی سے مایوس ہو جائے گا) یعنی خاتمہ
ایمان پر ہو اور ہمارے حال پر رحم فرما (جب ہمیں مٹی سے چھپائیں گے اور ہم سے دوست الوداع کر کے واپس لوٹیں گے
اور دنیوی نعمتیں ہم سے منقطع ہو جائیں گی اور دُنیا کی ہوائیں ہم سے بند ہوں گی) یعنی جب ہم قبر میں دفنائے جائیں تو
اپنے فضل و کرم سے ہمیں قبر کے عذاب سے بچانا۔ اے اللہ رحم فرما جب ہمارا نام مٹ جائے گا۔ اور ہمارا جسم چُورا
چُورا ہو جائے گا اور ہماری قبر کے نشانات بھی ختم ہو جائیں گے اور ہمیں یاد کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا یعنی برزخی زندگی
بخیر و خوبی گزرے" اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما جبکہ راز کھل جائیں اور دل کی باتیں سامنے آجائیں اور ہر ایک
کا عمل نامہ کھل جائے گا اور ترازوئے عمل نصب کیا جائے۔ اَللّٰهُمَّ یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَارَحْمٰنُ یَارَحِیْمُ بِرَحْمَتِكَ
نستعین"، یہ تمام مناجات حضرت الشیخ الاکبر محی الدین صاحبِ فتوحات مکیۃ (قدس سرہ) کی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ
بہترین اور عمدہ ترین مناجات ہے۔

تفسیر عالمانہ ۱۲ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِؕ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہ جو رات و
دن میں ساکن ہے۔ **(شانِ نزول)** مروی ہے کہ کفار مکہ حضور سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقر و فاقہ نے تنگ کر رکھا ہے۔ اس
وجہ سے آپ ہمیں نئے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم آپ کے لئے بڑے دُور کے علاقوں اور اپنی طرف سے بہت بڑا
چندہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح سے آپ دُنیا کے امیر ترین انسانوں سے گنے جائیں گے لیکن مہربانی فرمائیے کہ آپ ہمیں اس
نئے دین کی دعوت نہ دیجئے۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ جو کچھ رات اور دن میں مستقر ہے
اور جن پر یہ دونوں مشتمل ہیں وہ تمام اللہ تعالیٰ کا ہے اگر وہ چاہے تو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا سے مالا مال
کر دے اور وہ تمام مخلوق سے غنی ترین ہوں۔

سوال : رات اور دن میں تو کوئی نہیں ٹھہرتا، بلکہ مکان میں ٹھہرا جاتا ہے۔

جواب : مجازاً مکان کے بجائے زمان کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اشیائے زمانیہ کیا اشیاء مکانیہ
کے قائم مقام کھڑا کیا جا سکتا ہے۔" وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ اور وہ ہر مسموع شئے کو بہت زیادہ
سُنتا ہے اور وہ ہر معلوم شئے کو بہت جانتا ہے۔ نہ اس کے ہاں کسی کے اقوال مخفی ہیں نہ افعال۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں دو جوہر پیدا فرمائے ہیں۔ (۱) ظلمانی (۲) نورانی۔ ہر نور والی شئی کو اس جوہر سے خلاصہ کے طور لیا گیا۔ یہ دن اسی خلاصہ کردہ جوہر سے ہے۔ اس کے بقایا سے پیدا کی گئی۔ اسی طرح ظلمانی جوہر کے خلاصہ سے ظلمانی اشیاء لی گئیں۔ انہیں میں سے رات ہے اس کے بقایا بہشت پیدا کی گئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جنت اللیل سے اور نار جہنم النہار سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرتی طور رات انسان کو انس ہے اور محبین بھی رات کو چاہتے اور محبوبین بھی رات کے طالب ہیں۔ اس لئے وصل و وصال رات رنگ لاتا ہے۔" (نکتہ) اللیل کو النہار پر مقدم کرنے میں یہی راز ہے کہ رات خدمت مولا کے لئے اور دن خدمت ... کے لئے ہے (لطیفہ) تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معراج رات کو ہوئی اور وہ ایسی رات ہے کہ جس کی عبادت ہزار ماہ سے بہتر ہے اور دنوں میں سے کوئی دن ایسی بزرگی اور شرافت والا نہیں۔

فائدہ : ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب رات آتی تو وہ فرماتے "جَاءَ الْخَلْقُ الْأَعْظَمُ"، اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عظمت والی مخلوق تشریف لائی (اُن کا یہ مقولہ رات کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے)

اعجوبہ : جسے رات کے اسرار و رموز سے بے خبری اور لاعلمی ہے اور اُسے اس کی مناجات کے مزے اور اُس کی خلوت و وحدت کے ذوق سے بے بہرگی ہے تو وہ رات پر دن کو ترجیح دیتا ہے "۔ **فائدہ** : منقول ہے کہ ثعلب نحوی کہتے تھے وددت ان اللیل نصیر اللیل نہارًا حتی لا تنقطع عنی اصحابی کہ کاش رات بھی دن بن جاتی۔ تاکہ مجھ سے میرے دوست مجھ سے جُدا نہ ہوجاتے اس سے ثابت ہُوا کہ اُسے یہ حرص اس لئے تھا کہ رات نہ آئے بلکہ دن ہی دن ہو۔

(دیگر) اہل علم باعمل یعنی مجتہدین و دیگر محدثین و مفسرین وغیرہم رات کو دن پر ترجیح دیتے ہیں مثلاً امام اعظم رضی اللہ عنہ دن کو درس و تدریس میں مشغول رہتے اور رات کو بیدار رہتے ؎

ہر گنج سعادت کہ داد بحافظ ‏ ‏ ‏ ‏ از یمن دُعائے شب و ورد سحری بود

ترجمہ : جتنا خزانے اللہ تعالیٰ نے حافظ کو عطا فرمائے یہ تمام دعائے شب اور ورد سحری کی برکت ہے۔

مسئلہ : تقریر مذکور سے معلوم ہُوا کہ رات دن سے افضل ہے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے ایک فرشتہ پیدا فرمایا جو اس کے لئے نگرانی وغیرہ کے لئے ساتھ رہتا ہے۔ اسی طرح رات اور دن کے لئے بھی ایک فرشتہ مقرر ہے (حدیث شریف میں ہے) سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے روائت کیا کہ رات کے لئے جو فرشتہ مقرر ہے اس کا نام شراحیل ہے جب رات قریب آتی ہے تو وہ ایک سیاہ منکہ لے کر مغرب کی جانب لٹکا دیتا ہے جب سُورج اس منکے کو دیکھتا ہے تو اس طرف آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور اسے حکم ہے کہ جب مغرب کی طرف ڈوبے تو وہ سیاہ منکے کو لٹکا دے جب

سُورج غرب کرتا ہے تو رات اپنے پَر پھیلاتی ہے (جس پر فرشتے نے دو پر پھیلائے ہُوئے ہیں اور وہی منکہ لٹکا رہا ہے) یہاں تک کہ دن کا مؤکل فرشتہ آتا ہے جس کا نام ھراھیل ہے وہ سفید منکہ لاتا ہے جو طلوعِ شمس کی جگہ پر جا کر لٹکا دیتا ہے۔ جب اُسے سُورج دیکھتا ہے تو وہاں آنکھ جھپکنے سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور اسے حکم ہے کہ جب سفید منکہ نظر آئے تو اس وقت مشرق میں پہنچ جائے۔ جب سُورج طلوع کرتا ہے تو دِن فرشتے کے دو پَروں کے نیچے اپنا نُور پھیلا دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ دن کے لئے بھی ایک فرشتہ مقرر ہے اور رات کے لئے بھی یعنی طلوع و غروب فرشتے کے ذریعے ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

تفسیرِ عالمانہ ۱۴ قُلْ ،، اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ مکہ سے فرمائیے۔

شانِ نزول : یہ آیت اُس وقت نازل ہُوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ نے شرک اور اپنے آباء کے دین کی دعوت دی تو یہی آیت اُتری۔ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا ،، کیا اللہ تعالیٰ کے غیر کو مستقل بالاشتراک معبود بناؤں۔ حالانکہ ازل سے ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا حبیب بنایا۔

حدیث شریف میں ہے : لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا غَيْرَ اللّٰهِ لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ صَاحِبَكُمْ خَلِيلًا ،، اگر میں غیر اللہ کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے خلیل ہوتے۔ ہاں میرے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل بنایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہُوا کہ میں غیر اللہ کو خلیل یعنی معبود نہیں بنایا۔ آیت و حدیث میں اس کا انکار ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر اللہ کو معبود بنانے والے نہیں (اس کا وہ مطلب نہیں جو دہابیوں دیوبندیوں نے سمجھا کہ کسی کو ولی بھی نہ بناؤ)

فائدہ : مفعول کی تقدیم اس لئے ہے کہ نفی کا دارومدار اسی پر ہے۔

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،، وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے یعنی اُن کی پیدائش کی مثال پہلے نہیں تھی۔ یہ جُملہ لفظ اللہ (جلّ جلالہ) سے بدل ہے۔ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ،، مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ رزق کا محتاج نہیں۔

سوال : آیت میں لفظ طعام واقع ہے اور تم نے رزق کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا۔

جواب : مقصد رزق ہی ہے لیکن چونکہ انسان وغیرہ کو اُس کی حاجت سخت تر ہوتی ہے۔ اس لئے صرف اسی کا نام لیا گیا ذکر الخاص بارادۃ العام کے قبیل سے ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے شک میں مامور من اللہ ہوں کہ ہو جاؤں میں سب سے پہلا اسلام لانے والا یعنی میں اپنا منہ اس کی طرف پھیر دوں اور مخلص ہو کر اور آپ کے لئے اوّلیت کی قید اس لئے ہے کہ آپ اپنی تمام اُمت کے امام ہیں۔ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

اور مجھے کہا گیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہراؤں امور دینیہ میں سے کسی امر میں۔ خلاصہ یہ کہ مجھے اسلام کا حکم ہے اور شرک سے روکا گیا۔

صوفی کا اسلام اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ وجود کی تمام قیدوں سے فارغ ہو جانا ہے اور یہ حضرت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے (قیامت میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے۔ آپ اُمتی اُمتی فرمائیں گے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ ،، فرما دیجئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اپنے رب کے امر و نہی کی مخالفت کر کے اگرچہ معمولی گناہ سے بھی بے فرمانی کروں تو ڈرتا ہوں۔ **عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ** ٥ بہت بڑے دن کے عذاب سے۔ اس سے قیامت کے دن کا عذاب مراد ہے اور عذاب یوم عظیم ،، اخاف کا مفعول بہ ہے۔ اس میں کفار کو بتایا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دین کے داخلہ کی کوئی اُمید نہ رکھیں بلکہ اپنی خیر منائیں کہ انہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ **مَنْ یُّصْرَفْ عَنْہُ یَوْمَئِذٍ** ،، **یُصْرَفْ یَوْمَئِذٍ** کا ظرف ہے۔ یعنی جسے اس بہت بڑے دن میں عذاب ہٹایا جائے گا۔ **فَقَدْ رَحِمَہٗ** ،، تو ہر ایک کو یقین ہو جائے گا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ہے۔ یعنی اپنے فضل و کرم سے اسے عذاب سے نجات دے کر بہت بڑی نعمتوں سے نوازا ہے۔ **وَذٰلِکَ** ،، اور اس سے عذاب ہٹا لینا۔ **الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ** ٥ اس بندے کے لئے بہت بڑی کامیابی ہو گی یعنی اُسے نجات نصیب ہو گئی ٥ **وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللہُ بِضُرٍّ** اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی دُکھ اور درد پہنچائے یہ دُوسری دلیل ہے۔ اس معنی کے لئے کہ سمجھدار پر لازم ہے کہ مصیبت اور مرض وغیرہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دُوسرے کو حقیقی اور مستقل بالذات مشکل کشا نہ سمجھے۔

فائدہ : بِضُرٍّ کی باء تعدیہ کی ہے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ ہوگا ،، اگر برساند خدا بتو سختی ،،

فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ ،، تو کسی کو قدرت نہیں کہ اس سختی اور دُکھ درد کو ٹال سکے یا دُور کر سکے۔ **اِلَّا ھُوَ** ،، سوائے اس اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہٗ کے **وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ** ،، اور اگر وہ پہنچائے بھلائی یعنی تندرستی اور نعمت وغیرہ وغیرہ۔ **فَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** ٥ تو وہ ہر شئی پر قادر ہے اس لحاظ سے کہ وہ اس شئی کی نگرانی اور اُسے کسی کو دائمی طور عطا کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ پھر کسی کو یہ طاقت نہیں کہ اس سے وہ بھلائی چھین سکے یا ہٹا سکے! چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پر فرمایا **فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ**۔

حکایت : سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کسریٰ نے ہدیہ کے طور ایک خچر بھیجا۔ اُس کے مُنہ میں لگام دے کر آپ اُس پر سوار ہوئے تو مجھے بھی ساتھ بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر چلے تھے تو میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے عزیز اگر

اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو ہر مقام پہ اپنا محافظ و نگران پاؤ گے اور نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو مدِ نظر رکھو گے تو دُکھ درد کے وقت اسے کریم و رحیم پاؤ گے۔ اگر کسی شئی کی ضرورت ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو اگر مدد چاہیئے تو اللہ تعالیٰ سے چاہو اس لئے کہ جو کچھ ہونا تھا وہ قلم نے لکھ دیا گیا اگر تمام مخلوق مل کر تمہیں کسی معاملہ میں فائدہ پہنچانا چاہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہیں تو تمہیں خس برابر بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اگر وہ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں لیکن جسے اللہ تعالیٰ کے قلم نے تمہارے متعلق نہیں لکھا تو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ہو سکے تو یقین کو مدِ نظر رکھ کر صبر پہ مُداومت کیجئے۔ اگر یقین کی دولت میسر نہیں تو صبر کا دامن نہ چھوڑیئے اس لئے کہ دُکھ اور تکالیف کے وقت صبر کرنے میں بہت بڑے فوائد ہیں۔

رُوحانی فوائد (۱) فتح و نصرت صبر میں (۲) کُشادگی اور مُشکل کا حل ہونا دُکھ اور درد میں ہے اس لئے کہ ہر دُکھ کے ساتھ آرام و آسودگی ہے۔

سوال: کبھی انسان سے دُکھ اور درد ٹال دیتا ہے اور تم کہتے ہو کہ مشکلکشا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں (**جواب**) مشکلکشا حقیقی اللہ تعالیٰ ہے باقی کسی سے تکالیف اور مصائب دُور ہوتے ہیں تو وہ اسباب و وسائل ہیں اُن میں کوئی حرج نہیں[1] (یہی ہم کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو اگر مشکل کشائی اور حاجت روائی سے موصوف کیا جاتا ہے تو بوجہ وسائل و اسباب کے ہے جسے وہابیہ و دیوبندیہ نجدیہ تاحال نہیں سمجھے یا سمجھے ہیں تو ضد کے شرک کی مشین چلاتے ہیں) حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اگر رنج پیشت آید و گر راحت اے حکیم ؛ نسبت مکُن بغیر کہ اینہا خُدا کند

ترجمہ: اگر تجھے رنج پہنچے یا راحت سوائے خُدا کے کسی دُوسرے کی طرف منسوب نہ کر۔

ردِ وہابیہ و دیوبندیہ از صاحب رُوح البیان

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ولکن الاستعانۃ فی الحقیقۃ من اللہ فلاستغانۃ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ اِنَّمَا ھِیَ استشفاعٌ منھم فی قضاء الحاجۃ والموحد لا یعتقد ان فی الوجود مؤثر غیر اللہ تعالیٰ،، استعانت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ انبیاء اور اولیاء سے استعانت بمعنی اُن سے شفاعت طلب کرنے کے معنیٰ میں ہے کہ اپنی ضرورت کے وقت انہیں وسیلہ بنایا جاتا ہے ورنہ حقیقتاً استعانۃ تو اللہ تعالیٰ سے ہے اس لئے موحد کا اعتقاد یہی ہے کہ ہر شئی مُؤثر صرف اللہ تعالیٰ ہے[2]۔

[1] بحمدہ تعالیٰ یہی طریقہ اہلسنت کو نصیب ہے کہ مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آگے۔ مدد چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے انبیاء و اولیاء کو اُس کی درگاہ کا وسیلہ مانتے ہیں اور انہیں وسیلہ بنانا عین اسلام ہے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

[2] یہ ہیں صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ جو ۱۰۰ ۱۱ صدی میں ہم اہلسنت کے حق میں فیصلہ دے گئے جسے آج وہابی، دیوبندی، نجدی شرک کہنے سے نہیں تھکتا۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

تفسیر عالمانہ ۱۶ وَهُوَ الْقَاهِرُ ، اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اسے کوئی شئی عاجز نہیں کر سکتی اور وہ سب پر غالب ہے۔ فَوْقَ عِبَادِهٖ ، وَهُوَ الْحَكِيْمُ ، اپنے بندوں پر غلبہ رکھتا ہے اور وہ حکیم ہے کہ اپنی حکمت سے جس طرح کرتا اور حکم فرماتا ہے۔ اَلْخَبِيْرُ ٥ اور اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور اُن کے پوشیدہ سے پوشیدہ امُور کو جانتا ہے۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے قہر اور علوشان کو فوقیت سے تعبیر فرمایا جو ایک حسّی امر ہے، حالانکہ نہ اس کا قہر حسی ہے اور نہ علو شان۔

جواب : یہ استعارہ تخییلیہ ہے جسے اہل علم جانتے ہیں اور ایسے مواقع پر اسے استعمال کرنا نہایت درجہ کی بلاغت سمجھی جاتی ہے۔

فائدہ : وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ سے کمال قدرت کا اظہار مطلوب ہے جیسے وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ سے کمال علم کا اظہار مقصود ہے۔

فائدہ : قاری رحمہ اللہ الباری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں فوقیت سے قدرت کی حیثیت مطلوب ہے نہ کہ فوقیت مکان کی حیثیت مُراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو مکان کی نسبت سے مُنزہ ماننا ضروری ہے[۱]۔ اس لئے کہ اس کو تمام ممکنات پر غلبہ ہے وہ معدومہ ہوں یا موجودہ اس لئے کہ اُن کے ہر فرد پر اسے قہر و قدر کی قدرت ہے مثلاً معدومات کو موجود کر سکتا ہے اور موجودات کو معدُوم۔

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قہر تمام بندوں کو حاوی ہے کفار پر قہر کا یہ معنٰے ہے کہ اُن کے قلوب پر موت طاری کر دی اور اُن کے نفوس کو حیات بخشی۔ جبکہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے ایک نُور کا چھینٹا ارواح پر مارا۔ اس وقت کفار کی رُوحیں ظلمات طبیعت میں بھٹکتی رہیں اور نُور کے چھینٹے سے محروم ہوگئیں جنہیں نُورِ شریعت سے یکسر دُور رکھا گیا اور مومنین کے ارواح پر انوارِ شریعت سے اسے غلبہ ہے کہ قیام طاعت کی وجہ سے انہیں ظلماتِ طبعیہ سے نکال لیا اور محبین یعنی عُشاق پر غلبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن کے قلوب پر اشتیاقِ دیدار کی چنگاری ڈال دی اور پھر انہیں اپنے مشاہدہ کے لُطف سے مانوس فرمایا اور صدیقین کے ارواح پر غلبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ اُن پر صفات جلالیہ کے تجلیات ڈالے اس وجہ سے صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ سوائے ذاتِ حق کے اور کسی کو نہ دیکھے اور اُس کے عزت کے جھنڈوں کے تلے نہایت عجز و انکسار سے مغلوبیت کا مظاہرہ کرے بلکہ اس کی صمدیت کے میدانوں میں اپنے آپ کو ذرّہ بیقدار بنا دے۔

---

[۱] لیکن غیر مقلدین وہابیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو عرش پر بیٹھا ہُوا ماننا واجب ہے اور اس کے برعکس عقیدہ کو بدعت سیئہ سے تعبیر کرتے ہیں (ایضاح اسماعیل الدہلوی و فتاویٰ ستاریہ وغیرہ)

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولا کو پہچانے اور صرف اس کی عبودیت میں مشغولیت رکھے اس لئے کہ اُس کا مولیٰ وہ ہے جس نے ہر شئی کو عدم سے وجود بخشا اور سب پر اُسی کا غلبہ ہے۔

حکایت : حضرت شیخ عبدالواحد بن زید قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں بحری جہاز پر سوار تھا کہ باد مخالف نے ہمیں ایک جزیرے میں پھینک مارا۔ وہاں ایک بُت پرست بُت کے سامنے عبادت کر رہا ہے ہم نے اس سے پُوچھا اے بھائی کس کی عبادت کر رہے ہو۔ اُس نے بُت کی طرف اشارہ کیا ہم نے کہا یہ تیرا معبود مصنوعی ہے۔ ہم میں ہر ایک کو قدرت حاصل ہے کہ اس جیسا اور تیار کر لے وہ بھی کوئی معبود ہے کہ جس کا وجود مخلوق کے رحم و کرم پر ہو اُس نے ہم سے سوال کیا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ ہم نے جواب دیا ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کا تخت آسمان پر اور اس کی گرفت زمین پر ہے۔ اُس کا حکم تمام زندوں اور مُردوں پر برابر چلتا ہے اس کے اسماء تقدس اور عظمت و کبریائی بہت بُلند ہے۔ اُس نے پوچھا اس کی تمہیں کس نے خبر دی۔ ہم نے کہا اُس نے ہمارے ہاں ایک رسُول کریم علیہ السلام بھیجا جس نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔ پھر اُس نے پُوچھا تمہارے رسُول علیہ السلام پر کیسی گُزری۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ نے موت کا فرشتہ بھیج کر انہیں اپنے ہاں واپس بُلا کر بہت بڑے انعامات سے نوازا اُس نے پوچھا تمہارے رسُول علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد تمہارے ہاں اُن کی کوئی نشانی بھی ہے۔ ہم نے کہا ہاں وہ ہمارے رب کی دی ہُوئی کتاب چھوڑ گئے ہیں۔ اُس نے کہا تو مجھے وہ کتاب دکھاؤ (جو تمہارے رب تعالیٰ نے تمہارے نبی علیہ السلام کو دی اور وہ تمہارے ہاں چھوڑ گئے کیونکہ بادشاہوں کی کتابیں نہایت ہی برتر ہوتی ہیں) ہم نے اُس کے سامنے کتابِ الٰہی کی ایک سُورۃ پڑھی۔ وہ ختم سورۃ تک اُسے غور سے سُنتا رہا۔ اختتام پر کہنے لگا کہ ایسے صاحب کے کلام کی نافرمانی نامناسب ہے۔ یہ کہہ کر اسلام قبول کر لیا اور بحمدہ تعالیٰ تادمِ زیست اسلام پر قائم رہا اور اسلام پر اُس کی موت واقع ہُوئی اور اُس کا خاتمہ نہایت ہی احسن طریق پہ ہُوا۔

تفسیر عالمانہ : قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ط **(شان نزول)** مروی ہے کہ مکہ کے قریشیوں نے آپ سے کہا کہ ہم نے آپ کے یہود و نصاریٰ سے پُوچھا تو اُن کا خیال ہے کہ اُن کے ہاں آپ کے متعلق کوئی معلومات نہیں۔ اور نہ ہی آپ کے متعلق اُن کی کتابوں میں کسی قسم کے علامات ہیں۔ اب آپ سے سوال ہے کہ ہمیں اپنی رسالت پر کوئی ایسی شہادت پیش کریں جس سے ہمیں یقین ہو کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں ورنہ اُنھوں نے تو آپ کے متعلق انکار کیا ہے۔ اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ باعتبار شہادت کے کس کی گواہی بڑی ہے۔

قُلِ اللّٰہ ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ کی گواہی سب سے بڑی ہے اور مخلوق میں سے کوئی گواہی اُس کی گواہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے کہ مخلوق کی شہادت اور اُن کے علوم حقائق اشیاء کا احاطہ

نہیں کر سکتے اور حق سبحانہ تعالیٰ کا علم جمیع اشیاء کے حقائق کو محیط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال مذکور کے جواب میں اپنے محبوب علیہ السلام کو جواب کے لئے منتخب فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اس سوال کے جواب کی نہ قدرت انہیں ہے اور نہ وہ اس کے جواب کے اہل ہیں بلکہ اس کے جواب کی صلاحیت صرف محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ **شَهِيدٌ** وہی گواہ ہے۔ **بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ** میرے اور تمہارے مابین **وَأُوحِيَ إِلَيَّ**، اور اُس کی طرف سے میرے ہاں وحی آئی ہے۔ **هَٰذَا الْقُرْآنُ** یہی قرآن میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے۔ **لِأُنذِرَكُم بِهِ**، تاکہ میں اسی کے ذریعے تمہیں ڈراؤں یعنی اُس کے اندر جو وعیدیں ہیں تمہیں اسے موجودہ کافرو ڈراؤں۔ **وَمَن بَلَغَ** اس کا عطف (كُمْ) مخاطبین کی ضمیر پر ہے یعنی اسے ڈراؤں جس انسان کو قیامت تک جن کے ہاں یہ قرآن پہنچے۔ **(فائدہ)** حضرت محمد بن کعب القرظی نے فرمایا مَن بَلَغَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے ہاں قرآن پہنچا گویا اُس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اُن سے گویا براہِ راست قرآن سُنا۔ **أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ**، اس سے اُن سے اعتراف کرانا مطلوب ہے کہ واقعی وہ مشرک ہیں اس لئے کہ انہیں اس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں جبکہ وہ اس عمل میں بہت بڑی شہرت رکھتے ہیں اور یہ استفہام انکاری اور توبیخی ہے۔ اس کا ترجمہ ہے کیا تم وہی ہو جو گواہی دیتے ہو۔ **أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ**، بے شک اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے اور معبود ہیں۔ **قُل**، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے **لَّا أَشْهَدُ** میں تو گواہی نہیں دیتا (اگرچہ تم اُس کی گواہی دے رہے ہو لیکن وہ باطل محض ہے)

قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے شک صرف وہی ایک معبود ہے) لفظ قُل کا بار بار لانا محض تاکید کے لئے ہے۔ یعنی تم شرک کی گواہی دیتے رہو لیکن میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا بلکہ میں میرا تو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی منفرد بالالوہیت ہے۔

وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ اور جن بتوں کو تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ **الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ**، وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی۔ اُن کے سابق سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ تھا کہ کافروں نے کہا کہ ہم نے اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے پوچھا ہے تو ایسے ویسے کہتے ہیں۔ اب اُن کے سوال کا تفصیلی جواب ہے۔ **الَّذِينَ** سے یہود و نصاریٰ مُراد ہیں اور الکتاب سے جنس کتاب مُراد ہے۔ جس میں توراۃ و انجیل بھی شامل ہے۔ **يَعْرِفُونَهُ**، وہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حُلیہ مبارکہ اور آپ کے جملہ صفات سمیت اپنی کتاب سے جانتے ہیں۔ **كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ**، جیسے وہ اپنے بیٹے کو حُلیے سمیت جانتے ہیں۔

حدیث شریف : جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف

بقیہ صفحہ ۱۰۰۲

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے بے شک

يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ

ظالم فلاح نہ پائیں گے اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے

شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ

وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے پھر ان کی کچھ بناوٹ نہ رہی مگر یہ کہ بولے ہمیں اپنے رب

رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا

اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر اور گم گئیں ان سے جو باتیں

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ

بناتے تھے اور ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر

يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا

دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ اور اگر ساری نشانیاں دیکھیں تو ان پر ایمان نہ لائیں گے یہاں

جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾

تک کہ جب تمہارے حضور تم سے جھگڑتے حاضر ہوں تو کافر کہیں یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

اور وہ اس سے روکتے اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور ہلاک نہیں کرتے مگر اپنی جانیں اور انہیں شعور نہیں

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا

اور کبھی تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کیے جائیں گے تو کہیں گے کاش کسی طرح ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ

آیتیں نہ جھٹلائیں اور مسلمان ہو جائیں بلکہ ان پر کھل گیا جو پہلے چھپاتے تھے اور

رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا

اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کیے گئے تھے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں اور بولے وہ تو یہی ہماری

الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ

دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں اٹھنا نہیں اور کبھی تم دیکھو جب اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے فرمائے گا

هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

کیا یہ حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں ہمیں اپنے رب کی قسم فرمائے گا تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے

تَكْفُرُوْنَ ۝
کفر کر

بقیہ صفحہ ۴۶۹ لئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی آیت نازل فرمائی۔ بتائیں کہ آپ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا جانتے ہیں۔ حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ میں نے جب سے اُنہیں دیکھا ہے تو مجھے اُن پر اتنا یقین ہے جیسے اپنے بیٹے پر بلکہ اس سے بھی زائد اس لئے کہ مجھے عورتوں پر بھروسہ نہیں کہ نامعلوم میری عدم موجودگی میں کیا کیا ہو لیکن مجھے حضور علیہ السلام پر پختہ عقیدہ ہے کہ یقینی طور وہ نبی برحق ہیں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی توفیق بخشے)۔

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ " اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو گھاٹے میں ڈالا۔ (اس سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین مراد ہیں) یعنی اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی فطرت کو ضائع کیا اور وہ آیات بینات (جو ایمان کا موجب ہیں) سے رُوگردانی کی۔ یہ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر مُبتدا اور اُس کی خبر فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (وہ ایمان نہیں لائیں گے) ہے۔ اس لئے کہ اُن کے دلوں پر مہر ثبت ہوچکی ہے فاء سببیہ اُن کے فطرت سلیمہ کو ضائع کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ (ف) اس سے ثابت ہُوا کہ عقل سلیم بھی اُن سے جاتا رہا۔ اسی لئے وہ ایمان قبول نہ کرسکے۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کی بہشت میں ایک منزل اور ایک منزل جہنم میں متعین فرمائی ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اہل نار کے تمام منازل اہل جنت پر تقسیم ہونگی یہی اُن کے لئے سب سے بڑا خسارا ہے۔ (بغوی)

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا (اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افتراء کرے) وہ لوگ دونوں کتابوں (تورات و انجیل) سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعریف کے خلاف غلط اوصاف عوام کو سُناتے یہ بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے اور یہ بھی کہتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہ بھی بتاتے کہ یہی ملائکہ قیامت میں ہماری سفارش فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ (یا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات کی تکذیب کرے) مثلاً اُنھوں نے قرآن مجید کو نہ مانا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور تورات کی تحریف کی اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارکہ غلط سلط طریقے سے بتائے وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ ۔ افتراء و تکذیب کو لفظ اَوْ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ ہر دونوں ایک ہیں۔ چونکہ وہ ظلم میں

دیکھتا تھے اسی لئے اُسے افعل التفضیل سے تعبیر فرمایا جس کا اللہ تعالیٰ نے اثبات فرمایا اس کی اُنھوں نے نفی کی اور جس کی نفی اللہ تعالیٰ نے کی اس کا اُنھوں نے اثبات کیا۔ اِنَّهٗ بیشک شان یہ ہے لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ کہ ظالم تکالیف سے نجات اور مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ غور کیجئے کہ جب ظالم کا یہ حال ہے تو اظلم کا کیا حشر ہوگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ، یوم منصوب علی الظرفیہ اور فعل محذوف سے متعلق ہے اور اُسے محذوف اس لئے کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ دن ہولناک ہے کہ اُس کے لئے شرح و بیان کی گنجائش نہیں۔ الحشر بمعنی لوگوں کو ایک جگہ معلوم پر جمع کرنا اور ضمیر ھُم تمام لوگوں کی طرف راجع ہے اور جمیعا ضمیر سے حال ہے اب معنیٰ یُوں ہوگا کہ قیامت کے میدان میں ہم تمام لوگوں کو جمع کریں گے۔ پھر برسرِ میدان عام مجمع میں مشرکوں کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے قیامت کی ہولناکیوں اور تباہیوں سے انہیں باخبر کر کے کہیں گے۔ ثُمَّ تراخی کے لئے ہے بایں معنی کہ میدانِ قیامت کو طے کرنے کے لئے چند مقامات[1] پر منقسم کیا جائے گا اور ہر مقام پر بہت بڑے عرصہ تک ٹھہرنا پڑے گا کہ ہر پہلے موقف کی طرح دوسرے موقف پر وقت بسر کرنا ہوگا۔

اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمْ ، تمہارے معبود کہاں ہیں جنہیں تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا یہ اضافت بیانیہ ہے اس اعتبار سے کہ اُنھوں نے اپنے معبودوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ثابت کیا۔ اَلَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وُہی تمہارے معبود اور وہی بارگاہِ حق میں تمہارے شفیع ہوں گے۔ (ف) الزعم کا اکثر قول باطل اور کذب پر اطلاق ہوتا ہے۔ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا ، اُن کا فتنہ صرف یہی تھا کہ وہ کہیں گے فتنہ ، لَمْ تَكُنْ کے اسم کی وجہ سے مرفوع اور خبر اِلَّآ اَنْ قَالُوْا) اور اعم الاشیاء سے استثناء مفرغ ہے اور فتنہ سے کفر یعنی اس کا انجام مُراد ہے یعنی مدۃ العمر جو وہ کُفر میں ڈُوبے رہے اور اس پر انہیں فخر و ناز بھی تھا اُس کا انجام یہ ہوگا کہ قیامت میں اُلٹا اس سے انکار اور برأت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے اُن کے جواب کو فتنہ سے تعبیر کیا۔ اس لئے کہ ان کا وہ جواب کذب محض تھا اور یہ عمداً کہا ورنہ اُنہیں یقین تھا کہ وہ دُنیا میں شرک و کفر میں منہمک رہے یا حیرت یا مدہوشی میں کہیں گے۔ مثلاً دوزخ سے نکلنے کے لئے عرض کریں گے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا ، حالانکہ انہیں یقین تھا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ تک رہیں گے[2] اُنْظُرْ ، اے پیارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیے۔ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ، دُنیا میں اپنے شرک کے صدور کا انکار کر کے جھوٹ بولیں گے۔ ایسے وقت میں اُن کا جھوٹ بولنا عجیب ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ اس کا عطف كَذَبُوْا پر ہے اور اُنْظُرْ کی خبر میں داخل ہے یعنی زائل اور باطل ہُوا۔ ان کا وہ افترا جو وہ بتوں کے بارے میں

---

[1] پچاس ہزار سال کا دن ہوگا ہر وقفہ ایک ہزار سال کا ہوگا۔ (الواقح الانوار للشعرانی)

سمجھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں[1]۔ اور اُن کا سفارشی ہونے کا گمان قیامت میں یکسر غلط ہو جائیگا۔

مسائل شرعیہ

(**مسئلہ**) آیت سے ثابت ہُوا کہ لفظ شئے کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے لیکن شئے بمعنی شائی ہونا مردود ہے نہ بمعنی المشئ وجودہٗ،، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت الشائی والمرید ہے۔

مسئلہ: توحید کے اقرار کے بعد شرک سے بری ہونا بھی ضروری ہے۔

فائدہ: حضرت مولانا الشہیر باخی چلپی مرحوم نے صدر الشریعۃ کے حواشی پر لکھا کہ یہود و نصاریٰ کے اسلام لانے میں شرط ہے کہ وہ یہودیت و نصرانیت سے بھی توبہ کریں۔ اگرچہ بظاہر کلمہ شہادت ہزار بار بھی پڑھیں اس لئے کہ وہ رسول اللہ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ان لوگوں کے لئے ہیں جو مسلمان ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے رسول نہیں۔

مسئلہ: شرک سے بری ہونے کی شرط اُن کے لئے ہے جو دار الاسلام میں ہیں اور جو لوگ دار الحرب میں ہوں اگر اُن پر کوئی سلطان حملہ کرے اور وہ اس حملہ پر کلمۂ شہادت پڑھ لیں اور کہیں ہم دینِ اسلام میں داخل ہیں یا کہیں ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہیں تو ان سے ایسے الفاظ سُن کر بلا شرطِ دیگر اُس کی بیعت قبول کی جائے گی۔

مسئلہ: الدر المختصر میں ہے ایمان کے لئے اتنا کافی ہے کہ کوئی کہے جن امُور کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے وہ سب کے سب مجھے منظور ہیں اور جن امور سے روکا ہے اُن سے بچتا رہوں گا جو شخص اِن دونوں باتوں کو دل سے مانے اور زبان سے اقرار کرے تو وہ یقیناً صحیح مومن ہے۔

مسئلہ: جو مومن مسلمانوں کے علاقوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے مصنوعات دیکھ کر سبحان اللہ کہہ دیتا ہے تو وہ مقلد نہیں (بفضلہٖ تعالیٰ یہی بات ہمارے ہر مسلمان سُنی حنفی کو حاصل ہے)

مسئلہ صوفیانہ: جیسے آباء اپنے ابناء کے وجُود کے سرچشمہ اور اصل ہیں ایسے ہی اہلِ معرفت سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے وجود کا مُبداء و مصدر ہے کہ اُس کے وجود سے ہی ان کا وجود ہے اگر وہ نہ ہوتا تو تمام معدوم ہی معدوم ہوتے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) در مکتبِ حقائق و پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ رُوزے پدر شوی

---

[1] اُن کا عقیدہ بتوں کے سفارشی بنانے کا اس لحاظ سے غلط نہیں تھا کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا حرام ہے بلکہ اس معنے میں غلط تھا کہ اُنھوں نے ایسی اشیاء کو خُدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنایا جو سفارشی ہونے کے اہل نہیں بلکہ .... مغضوب و معتوب تھے حالانکہ سفارشی محبوبوں کو بنایا جاتا ہے جیسے انبیاء و اولیاء ۱۲۔ اویسی غفرلہ

(۲) خواب وخوارت زمرتبۂ خویش دُور کرد آنگہ رسی بخویش کہ بے خواب وخور شوی

ترجمہ : (۱) مکتب حقائق میں عشق ادب سکھانے والے کے سامنے جدوجہد کر ایک دن تو باپ ہوگا۔
(۲) تجھے خواب وخور خودی کے مرتبہ سے دور کر دیا جب تمہیں خودی کا مقام نصیب ہوگا تو خواب وخور کی تجھے ضرورت نہ رہیگی۔

نسخہ رُوحانی : مبدأ قدیم تک وصف حادث کے پُل کو عبور کرنے کے بعد پہنچا پڑتا ہے۔
(مسئلہ) قیامت میں صرف ایمان، توحید، صدق، اخلاص ہی فائدہ پہنچائیں گے اور شرک انسان کو ذلیل وخوار کرے گا۔

فائدہ : قیامت میں جب مشرکین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ توحید کے گناہ معاف فرما کر انہیں نجات کی خوشخبری سُنا رہا ہے تو کفار آپس میں مشورہ کریں گے۔ ہم بھی کفر چھپا کر اللہ تعالیٰ سے نجات کی درخواست کریں۔ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو عرض کریں گے۔ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اے اللہ تعالیٰ ہم دُنیا میں مشرک نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مُنہ پر مہر ثابت فرما کر اُن کے اعضاء کو فرمائے گا کہ تم اُن کے متعلق کیا جانتے ہو ان کے تمام اعضاء اُن کے کُفر کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا لے جاؤ انہیں جہنم میں اس بنا پر وہ کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔

اہل ریا کا انجام : اسی طرح اہلِ ریاء بھی اپنے ریاء کو چھپا کر اہلِ توحید مخلصین کے ساتھ ملنے کی کوشش کریں گے تو اُن کے خلاف بھی اُن کے اعضاء گواہی دیں گے جس کی وجہ سے وہ بھی داخلِ جہنم ہوں گے۔

فائدہ : جہنم کی تخلیق اس لئے ہُوئی کہ اس سے ڈر کر لوگ کفر سے بچیں۔ لیکن وہ کفر کر کے اس میں ہمیشہ تک رہیں گے (مسئلہ) اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اُس کی وحدانیت پر ہر شئے گواہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ معرفت اُس کی معرفت و توحید کا ہر شئی سے مشاہدہ کرتے ہیں اور شئی کے آثار شئے کی کثرت پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اُس کی وحدت کی گواہی دیتے ہیں۔ مثلاً گٹھلی ایک ہے لیکن اُس سے بے شمار درخت پیدا ہوتے اور وہی اُس کے آثار اور اُس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال ؛ خامۂ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ : اے شوریدہ حال حافظ وحدت کا کب تک دم بھرے گا توحید کا قلم این و آن پہ کھینچ۔

(۴۲) وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ،، جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو اُن کے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ ابوسفیان ولید، نضر، عُتبہ، شیبہ، ابوجہل اور ان جیسے اور بڑے لیڈر (مشرکین) جمع ہو کر حضور پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سُنتے

تھے۔ سب نے نضر سے کہا (اس لئے کہ وہ بہت بڑا تاریخ دان تھا) کہ بتائیے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پڑھتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ بخدا میں تو کچھ نہیں سمجھا۔ صرف اتنا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی زبان ہلا رہے ہیں۔ اور باتیں تو وہی ہیں جو پہلے لوگوں کے بناوٹی قصے اور من گھڑت داستانیں مشہور ہیں۔ جیسے میں تمہیں گذشتہ لوگوں کے واقعات و حالات سُناتا ہوں۔ کچھ ایسے ہی وہ بھی پڑھتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ مجھے تو اُن کی بعض باتیں حق معلوم ہوتی ہیں۔ ابوجہل نے کہا غلط کہتے ہو اُن کی کوئی بات حق ہو سکتی ہی نہیں (معاذ اللہ) اُن کی اِس گفتگو پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ف) مِنْهُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ وَجَعَلْنَا، اور ہم نے پیدا کر دیئے ہیں عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً، یعنی غلاف یعنی بڑے پردے کہ جن کی مقدار خارجی طور پر محسوس نہیں ہوتی کہ جسے لوگ معلوم کر سکیں۔

(ف) اَكِنَّةً اکنان (بالکسر) کی جمع ہے ہر وہ شئے کہ جس سے کسی شئی کو چھپایا جائے

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ، یہ مفعول لہٗ ہے اس کا مضاف محذوف ہے۔ دراصل کراھۃ اَنْ يَّفْقَهُوْا مَا يَسْتَمِعُوْنَ الخ ہے یعنی کراہت کی وجہ سے کہ وہ قرآن کے سُنے ہوئے کو سمجھ لیں۔

سوال : قرآن کا لفظ آیت میں نہیں۔ تم نے کہاں سے نکال لیا۔

جواب : يَسْتَمِعُ سے دلالۃً معلوم ہوا

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا، اور اُن کے کانوں پر ٹینٹ اور بوجھ ہے یعنی اُن کے کانوں پر یہ بوجھ اس لئے ڈال دیا گیا تاکہ انہیں قبولیت کا استماع نصیب نہ ہو۔

فائدہ : یہ تمثیل ہے کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس سے جاہل اور فہم قرآن کی دولت سے بہت دُور اور اُن کے کان قرآن مجید سُننے سے بالکل خالی ہیں۔

عقیدہ : آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب ہے۔ کسی کا سینہ ہدایت کے لئے کھول دیتا ہے تو کسی کے دل پر مہر ثبت کرتا ہے تاکہ وہ کچھ نہ سمجھے اور نہ ہی دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔

وہابیوں و دیوبندیوں کے لئے تازیانہ عبرت

کچھ یہی حال ہے ان کا جو کلامِ الٰہی اور کلام انبیاء اور ملفوظاتِ اولیاء کرام (علی نبینا وعلیہم السلام) کو انکار کے طور سُنتے اور اُن پر طعن تشنیع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے اُن کے انوار و اسرار و رموز سے محروم رہتے ہیں بلکہ اُن کے ارشادات کی لذت پاتے ہی نہیں، اور نہ ہی اُن کے حقائق سمجھتے ہیں بلکہ یوں کہو اُلٹا مذاقیں اور ٹھٹھا مخول کرتے ہیں (جیسے ہم نے دیوبندیوں وہابیوں کا تجربہ کیا کہ وہ اولیاء کرام کے ملفوظات سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں) اضافہ از اویسی غفرلہ

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ ،، اور اگر وہ آیاتِ قرآنیہ میں سے ساری نشانیاں دیکھ لیں اور اُن کے سُننے کے بعد انکا مشاہدہ کرلیں۔ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ،، تو ایمان نہیں لائیں گے ان ہر ایک کو جادو سے تعبیر کر کے ٹھکرا دیں گے۔ بلکہ اپنے سخت عناد اور آباء و اجداد کی کفری تقلید میں منہمک ہونے کی وجہ سے اُسے افتراء اور بناوٹی باتوں پر محمول کریں گے۔ حَتّٰٓى ابتدائیہ ہے اور اس میں غایۃ کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے یعنی اُن کا فہم قرآن سے دُور ہونے کی نوبت یہاں تک ہے کہ اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ ،، جب آپ کے ہاں حاضر ہو کر جھگڑا کرتے ہیں یجادلونک (جاؤ) کی ضمیر سے حال ہے۔ ای حال کونہم مجادلین لک

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ،، آیاتِ قرآنیہ سُن کر صرف ایمان نہ لانے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ نہیں ہے یہ قرآن مگر اگلے لوگوں کی جھوٹی داستانیں اور بناوٹی باتیں۔ اساطیر اسطورۃ (بالضم) کی جمع ہے جیسے اضاحیک اضحوکہ اور اعاجیب اعجوبہ کی جمع ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) چوں کتاب اللہ بیامد ہم براں — ایں چنیں طعنہ زدند آں کافراں
(۲) کہ اساطیراست و افسانہ نژند — نیست تعمیقی و تحقیقی بلند
(۳) تو ز قرآں اے پسر ظاہر مبیں — دیو آدم را نہ بیند جز کہ طیں

ترجمہ (۱) جب میں کتاب الٰہی لایا تو کافروں نے یوں طعنہ مارا
(۲) کہ بناوٹی اور پرانا افسانہ ہے اس میں کوئی تعمیق و تحقیق نہیں۔
(۳) اے عزیز تم قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھو اس لئے کہ شیطان صرف آدم کی مٹی کو دیکھتا ہے

۲۶ وَهُمْ اور کافر يَنْهَوْنَ ،، لوگوں کو روکتے ہیں عَنْهُ قرآن اور اُس پر ایمان لانے سے وَيَنْــَٔوْنَ عَنْهُ اور اپنے نفسوں کو بھی اس سے دُور رکھتے ہیں۔ اس میں قرآن سے سخت نفرت کا اظہار ہے اور اس سے دوسروں کو روکنے کی تاکید کا بیان ہے اس لئے کہ کسی شئے سے دوسرے کو روکنا بھی کی تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ یہی راز ہے اس میں کہ يَنْــَٔوْنَ کو يَنْهَوْنَ کے بعد ذکر کیا گیا۔ (ف) النأی ،، بمعنی البعد ،، وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ نہیں ہلاک و برباد کرتے اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ مگر اپنے نفسوں کو۔ اس لئے کہ اس کا وبال اُن پر آئے گا۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ اور وہ شعور نہیں رکھتے۔ یعنی اُن کا حال یہ ہے کہ نہ وہ اپنے نفسوں کو خود بخود ہلاک کرنے کو جانتے ہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کارروائیوں سے نہ قرآن پاک کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو۔

۲۵ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ ،، اور اگر تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے۔ یہ خطاب یا تو رسُولِ خدا محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مشاہدہ اور معائنہ کرنے والے کی اور وقت

نفی میں ہے اور لو کا جواب اور تریٰ کا مفعول محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی وَلَوْ تَرٰی هُمْ
مَوْقُوْفُوْنَ عَلَى النَّارِ حَتّٰی يُعَايِنُوهَا لَوْ اَيْتَ مَا لَا يُسَاعَدُ، یعنی اگر تم انہیں آگ پر کھڑے ہوئے
مشاہدہ کر لو تو تم اُن کا ایسا سخت معاملہ دیکھو گے کہ اس کا بیان حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ فَقَالُوْا، تو وہ کہیں گے
يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ، کاش کہ کسی طرح ہم دُنیا کی طرف لوٹائے جائیں گے یا تنبیہ کے لئے ہے
وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں گے۔ اِن آیات سے آیاتِ قرآنیہ مُراد
ہیں۔ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور ہم مسلمان ہو جائیں گے یعنی اُن آیات کے تقاضوں پر عمل کریں گے
یہاں تک کہ ہم یہ سخت موقف (جہنم) نہ دیکھیں گے۔

(ف) دونوں فعل منصوب ہیں۔ اس لئے کہ یہ لو تمنا ئیہ اور واؤ کے بعد اَن مقدر ہے اور وُہی واؤ فاء
کے قائم مقام ہے۔ خلاصہ یہ کہ وُہ اُس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہم دُنیا میں واپس چلے جائیں تو وہاں جاکر ہم
تکذیب نہ کریں گے بلکہ ہم مومن ہو جائیں گے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ط بلکہ اُن پر کھل گیا جو پہلے چھپاتے تھے۔ اَب ایسے
نہیں ہوگا۔ جیسے وہ کہتے ہیں کہ کاش وہ دُنیا میں چلے جائیں اور جاکر مومن ہو جائیں اس لئے کہ قیامت میں ایمان
کی تمنا اس میں رغبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ جو کچھ وہ دُنیا میں چھپاتے تھے۔ یعنی یہی جہنم کی
آگ جس پر کھڑے کئے جائیں گے اور چھپانے سے تکذیب مُراد ہے اس لئے کہ کسی شئے کو چھپانا اُس سے کفر کرنے کا
دوسرا نام ہے وَلَوْ رُدُّوْا، اگر بفرضِ محال انہیں دُنیا میں واپس بھیجا جائے۔ لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
پھر وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے یعنی شرک کریں گے اور جو کچھ دیکھ کر آئے اُسے بھول جائیں گے۔
اس لئے کہ اُن کی نظریں نقد سودے پر لگی رہتی ہیں۔ اُدھار اور یقینی سودے سے اُن کا جی نہیں لگتا۔ جیسے ابلیس
نے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے آیات کا معائنہ کیا، لیکن عناد و سرکشی کی لعنت میں مُبتلا ہُوا ویسے اللہ تعالیٰ تقدیر دُبرم،
کون ٹالے اور جو کچھ اُس نے ازل سے لکھ دیا اُسے کون موڑے۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اور بے شک
وہ ایسی قوم ہے جن کا طریقہ تکذیب ہے انہیں کسی امر کے لئے مامور کیا جائے یا روکا جائے تو اس کے برعکس عمل کریں گے۔

فقہاء کی بصیرت: اس آیت سے فقہاء کرام نے فتویٰ دیا ہے کہ باغی اور فسادی کا سر قلم کرنا
ضروری ہے۔ اس لئے کہ اب اُن سے اَمان اُٹھ گئی ہے۔ مثنوی شریف
میں ہے (۱) آں ندامت از نتیجۂ رنج بُود — چونکہ رنج نبود ندامت نیست بُود
(۲) چونکہ شُد رنج آں ندامت شد عدم — مے نیرزد خاکِ آں توبہ عدم
(۳) مے کند او توبہ و پیر خرد — بانگ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا مے زند

(۱) ندامت رنج کا نتیجہ ہے جب رنج نہ ہو تو ندامت کیسی۔

(۲) جب رنج نہ ہو تو ندامت معدوم ہوتی ہے۔ ندامت نہ ہو تو توبہ کی کوئی قیمت نہیں۔

(۳) توبہ تو کرتا ہے لیکن کمزور عقل والوں کا فیصلہ ہے کہ اگر وہ دُنیا میں واپس لوٹائے جائیں تب بھی گ وغیرہ کو عود کریں گے۔

۲۹ وَقَالُوٓا ،، اس کا عطف عادُوا پر ہے اور جواب کے مقام میں داخل ہے اور اُنھوں نے کہا کہ اِنْ ھِیَ نہیں ہے (زندگی)، ھِیَ کی ضمیر حیاۃ کی طرف راجع ہے۔

سوال : اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اس لئے کہ حیاۃ بعد کو مذکور ہے۔

جواب : بہت سے ضمائر کو مبہم بیان کیا جاتا ہے لیکن اُن کے مراجع معلوم نہیں ہوتے پھر بعد اسی مبہم کی تفسیر بن جاتا ہے۔

اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ ۝ مگر ہماری دُنیا کی زندگی اور ہم اُٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی دُنیا سے جُدا ہونے کے بعد ہمیں اُٹھنا ہی نہیں گویا اُنھوں نے مرنے کے بعد والے احوال یعنی بعثت و نشور کو کالعدم قرار دے دیا۔

۳۰ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ،، اور اگر تم دیکھو جب اپنے رب تعالیٰ کے ہاں کھڑے کئے جائیں گے۔ جیسے مجرم غلام اپنے آقا کے سامنے عذاب میں کھڑا ہوتا ہے۔

اس کا جواب بھی محذوف ہے یعنی لو رایت اَمْرًا عَظِيْمًا۔

قَالَ ،، یہ جملہ مُستانفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ملائکہ کی زبان سے اُنہیں جھڑکتے ہوئے فرمائے گا۔

اَلَيْسَ هٰذَا ،، کیا یہ حساب اور بعثت و نشور۔ بِالْحَقِّ ،، حق نہیں۔ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ،، کہیں گے بے شک بخدا حق ہے قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ ،، فرمائے گا تو چکھو یہی عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو ،، بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ اس وجہ سے کہ دُنیا میں تم کُفر کرتے تھے۔

نکتہ : عذاب کے درد کو ذوق سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جس طرح چکھنے والا شئے کے ذائقہ کو ہر وقت زبان و حلق میں محسوس کرتا ہے۔ ایسے ہی وہ کُفّار عذابِ الٰہی کو ہر وقت محسوس کریں گے بلکہ ہر دُوسرے لمحہ کا عذاب پہلے عذاب سے سخت تر محسوس ہوگا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ

بے شک ہار میں رہے وہ جنہوں نے اپنے رب سے ملنے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت

بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى

اچانک آگئی بولے ہائے افسوس ہمارا اس پر کہ اس کے ماننے میں ہم نے تقصیر کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے

ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَ

ہوئے ہیں ارے کتنا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود اور بے شک پچھلا

لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ

گھر بھلا ان کے لیے جو ڈرتے ہیں تو کیا تمہیں سمجھ نہیں ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج

لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے

يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا

ہیں اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے اور ایذائیں

وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ

پانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور تمہارے پاس

مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ

رسولوں کی خبریں آہی چکی ہیں اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے

اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ

تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلو یا آسمان میں زینہ پھر ان کے لیے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا

اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن مانتے تو وہی ہیں جو سنتے

يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

ہیں اور ان مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہانکے جائیں گے اور بولے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اتری ان کے رب کی طرف سے تم فرماؤ کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی اتارے لیکن ان میں بہت نرے جاہل

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ

ہیں اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم

أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ
جیسی امتیں ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے اور جنہوں نے
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ
ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے
يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ
سیدھے راستہ ڈال دے تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا
اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ
قیامت قائم ہو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو بلکہ اسی کو پکارو گے
فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾
تو وہ اگر چاہے جس پر اسے پکارتے ہو اسے اٹھالے اور شریکوں کو بھول جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

۲۹ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ، بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے۔ جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے ملنے کا انکار کیا یعنی مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر ہوئے۔ حَتّٰى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ ، یہاں تک کہ جب ان پر قیامت آگئی۔ یہ غایت اُن کی تکذیب کے لئے ہے نہ کہ اُن کے خُسران کے لئے اس لئے کہ اُن کے خُسران کی کوئی حد نہیں کیونکہ وہ ابدی دائمی ہے۔ بَغْتَةً (اچانک) یہ جاءتہم کے فاعل سے حال اور مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی باغتۃ مفاجئۃ البغت والبغتۃ مفاجاۃ الشیٔ بسرعۃ من غیر ان یشعر بہ الانسان الخ یعنی شئے کا اچانک جلدی سے اس طرح واقع ہونا کہ اُس کا انسان کو شعور بھی نہ ہو۔ اگر اسے کچھ تھوڑا سا پہلے اس کے وقوع کا شعور ہو تو اُسے بَغْتَةً نہیں کہیں گے اور ہر وہ گھڑی کہ جس میں قیامت قائم ہوگی وہ ایسی ہوگی کہ وہ اچانک واقع ہوگی کہ جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہ ہوگا (یعنی ﷺ کو ورنہ انبیاء کرام اور بعض مخصوص اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہوگا) اسی لئے اُسے ساعۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ معمولی گھڑی کہ جس میں ایک بہت بڑا امر واقع ہوا اور ویسے لُغت کے لحاظ سے ساعۃ سعی سے ہے اور وہ چونکہ اپنے وقوع کی جانب سعی کرتی ہے۔ بنابریں اس نام سے موسوم ہوئی اور اُس کی مسافت مکانات کے بجائے انفاس انسانی ہیں۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اُنھوں نے تکذیب کی یہاں تک کہ اچانک اُن پر قیامت ظاہر ہوگئی۔

سوال : اُس کی تکذیب کا انتہا تو موت ہے اور قیامت کا وقوع اس کے بعد بہت دیر سے ہوگا۔

جواب : موت دُنیا کے زمانوں سے آخری اور آخرت کا پہلا زمانہ ہے۔ پھر جس کی تکذیب کا انتہا اسی وقت کو ہُوا تو اب ہمارا کہنا صحیح ہوگیا کہ تکذیب کے انتہا کے بعد اس کے لئے قیامت ظاہر ہوگئی

...حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ جو مرتا ہے تو اس کے لئے قیامت ہو گئی۔
قَالُوْا ... اذا جاءتھم کا جواب ہے یعنی قیامت میں کہیں گے۔ يٰحَسْرَتَنَا ، ، ہائے افسوس (الحسرۃ
شدۃ الندم والتلکم) یعنی حسرت دکھ درد اور اسے ندا کرنا مجازاً ہے اس لئے کہ حسرت کو متوجہ کرنا مطلوب
... ان کے تحسر (حسرت) کی شدت میں مبالغہ مقصود ہے گویا کہ وہ دکھ اور درد کے وقت حسرت کو
... گے مثلاً ان کی حسرت کو ... ندامت پیش ہوتی ہے کہ اگر تجھے کوئی وقت فرصت دیتا ہے تو آجا
... کہ اب تیرا آنے کا وقت ہے یہی تقریر یا ویلتنا میں کرنی ہوگی۔ اس عبارت سے ندا کرنے والے کی خطا
... مطلوب ہوتا ہے کہ وہ جس کا محتاج ہے انسے اس نے چھوڑ دیا۔ حالانکہ اسے ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیئے
... اگر اس نے چھوڑا تھا تو اب حماقت سے حسرت و ندامت وغیرہ کو پکار رہا ہے۔

عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا اس پر کہ اس کے ماننے میں ہم نے کوتاہی کی۔ یعنی قیامت کے ماننے
میں کوتاہی کرنا اور کوتاہی یہی کہ اس کے حقوق ادا نہ کئے اور اس پر ایمان لاکر اس کے لئے تیاری نہ
کی یعنی نیک اعمال نہ کئے۔

(ف) لفظ علی حسرت کے متعلق اور ما مصدریہ ہے اور تفریط کسی فعل پر عمل کرنے کی قدرت کے باوجود
اس میں کوتاہی کرنا۔ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ط (اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر
لادے ہوئے ہوں گے) یہ قالوا کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات : اوزار وزر کی جمع ہے بھاری بوجھ اٹھانے کو عربی میں وزر کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:
وزرتہ ای حملتہ ثقیلاً یعنی میں نے اسے بھاری بوجھ اٹھوایا۔ وزیر کا لفظ اس سے مشتق
ہے۔ اسے بھی وزیر اس لئے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اپنی رعایا اور لشکر وغیرہ کے امور اس پر بطور بوجھ کے
لاد دیئے ہیں اور گناہ کو بھی وزر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گنہگار پر بوجھل ہیں اور الحمل کا اعیان کثیفہ پر اطلاق
... ہے اور ظہورھم کا ذکر اسی طرح ہے جیسے فیما کسبت ایدیھم میں ہاتھوں کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے کہ عموماً بوجھ
پیٹھ پر اٹھایا جاتا ہے اور کسب عموماً ہاتھ سے ہوتا ہے۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ قیامت میں نیک اعمال نہ کرنے
سے حسرت کریں گے، حالانکہ اس وقت مزید براں انہیں برائیوں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔

اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ، ، خبردار دیکھا کتنا برا بوجھ اٹھائے ہونگے۔

فائدہ : حضرت سعدی (المفتی) نے فرمایا کہ جب بندہ محشر میدان کی حاضری کے لئے قبر سے
نکلے گا تو ایک حسین وجمیل مرد اس کا استقبال کرے گا۔ جس کی خوشبو دماغ کو معطر کردے گی۔ وہ صاحب قبر
سے پوچھیگا کہ کیا تم مجھے جانتے ہو وہ کہیگا نہیں۔ وہ فرمائے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اب تو مجھ پر سوار ہو جا۔
اس لئے کہ دنیا میں تو نے مجھے اٹھائے رکھا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ

الی الرحمٰن وفدا۔ یہاں پہ وفدا بمعنی رُکبانًا ہے۔ اور کافر کو قبر سے نکلتے ہی ایک بدشکل اور نہایت بدبودار شخص کے سامنے آئے گا اور کہے گا تو مجھے جانتا ہے۔ وہ کہے گا نہیں وہ جواب دے گا کہ میں تیرا ہی بُرا عمل ہوں۔ دُنیا میں تُو مجھ پہ سوار رہا۔ اب میں تجھ پہ سوار ہوتا ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ الخ اس معنے پر علیٰ ظہورھم اپنے حقیقی معنی پر ہو گا۔ اس لئے کہ اعمال کی بھی صورتیں اور اجسام ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ : تمام گناہوں سے زیادہ بوجھل وجود کا گناہ ہے اس لئے کہ تمام گناہوں کا اصلی سبب یہی ہے اور سالک کو سلوک سے بھی روکتا ہے۔

(سبق) سالک کو ہر گناہ سے توبہ لازمی ہے بلکہ راہ حق میں فانی ہو جائے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا: ؎ فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست ؛ کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود داری

ترجمہ: جہاں میں رند کو کوئی فکر نہیں بلکہ اسے خود اپنا بھی خیال نہیں کیونکہ اس مذہب میں خود بینی و خودداری کفر ہے۔

نسخہ رُوحانی : بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ نفس کی خرابیوں سے بچنا نفس کی طاقت سے مشکل ہے جب تک کہ تائید ایزدی نصیب نہ ہو۔

دیگر نسخہ : حضرت الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن علی الترمذی الحکیم قدس سرہ نے فرمایا کہ ذکر الٰہی دل کو تر و تازہ اور اُسے نرمی بخشتا ہے جب دل ذکر الٰہی سے فارغ ہو تو قلب پر نفس کی حرارت اور شہوات کی آگ کی گرمی پہنچتی ہے۔ اس سے قلب سخت اور خشک ہو جاتا ہے اسی وجہ سے پھر دیگر اعضاء طاعتِ الٰہی سے رُک جاتے ہیں۔ جب یہ بیماری طول پکڑے تو دل خشک ہو کر ٹوٹ جاتا ہے جیسے درخت کو پانی نہ ملے تو وہ خشک ہو جاتا ہے پھر اسے سوائے کاٹنے کے کوئی اور چارہ نہیں رہتا یہی قلب کا حال ہے پھر جس طرح وہ درخت کٹا ہُوا سوائے جلانے کے اور کسی کام نہیں رہتا۔ ایسے ہی خشک اور سخت قلب وغیرہ سوائے جہنم کے ایندھن کے اور کسی کام کا نہیں ہوتا (اعاذنا اللہ عنہا)

خلاصہ یہ کہ ذکر توحید اور اہل اللہ کی اتباع سلوک طریقت کے اصل الاصول ہیں۔

حکایت : حضرت علی بن الموفق رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میں ایک سال حج کے لئے سوار ہو کر بیت اللہ شریف کو جا رہا تھا۔ چند لوگوں کو پیدل چلتے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں بھی اُن کے ساتھ پیدل چلوں؛ چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کو سواری پر سوار کیا اور خود اُن کے ساتھ چل پڑا۔ ہم چلتے چلتے راستہ بھول گئے اور ایک جنگل میں جا پہنچے۔ تھکے ہارے تھے۔ اس جنگل میں ہم سب سو گئے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ چند نوجوان لڑکیاں سونے کے تھال اور چاندی کے لوٹے لئے ہُوئے حج کے لئے پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھو رہی ہیں اور مجھے پُوچھا تک بھی نہیں۔ اُن میں ایک نے بول کر اپنی ساتھیوں سے کہا کہ اس کے پاؤں کیوں نہیں دھوتی ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ سواری والا ہے۔ ہم صرف پیدل چلنے والوں کے پاؤں دھونے پر

مامور ہیں انہیں ایک دوسری نے کہا کہ یہ بھی ان پیدل چلنے والوں میں سے ہے اگرچہ اس کی سواری تھی لیکن اس نے دوسرے کو دے کر پیدل چلنے والوں کے ساتھ پیدل چل رہا ہے۔ پھر میرے بھی پاؤں دھوئے گئے۔ اس سے میری تھکان اور دوسری تمام پریشانیاں دُور ہوگئیں۔

صحبت اولیا کی شان : اللہ والوں کی صحبت کی ایک معمولی شان یہ ہے کہ جو اعتقاد صحیح ہے ان کے ساتھ رفاقت اختیار کرتا ہے اسے بھی انہی کی طرح انعامات و کرامات نصیب ہوتے ہیں۔ یہ تو اولیاء کرام کی صحبت کی برکات ہیں نبوت کی صحبت سے کتنا درجات نصیب ہوں گے۔ اگر مشرکین عرب حضور تاجدار انبیاء علیہم السلام کا قرآن پاک سُن کر اُن کے ارشاد گرامی پر عمل کرتے تو انہیں نجات بھی نصیب ہوتی اور گناہوں کے بوجھ بھی اُتر جاتے ہیں اور جنۃ الفردوس کی نعمتوں سے نوازے جاتے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۳۲ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ،، یہاں پر مضاف یعنی لفظ اعمال محذوف ہے یعنی دراصل (وَمَا اَعْمَالُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) تھا۔ وہ اعمال جو صرف دُنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ وہ دُنیا کے متعلق کچھ نہیں ہیں۔

اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط مگر کھیل کود جو لوگوں کو غافل کرتے اور انہیں کھیل کے منافع کی لالچ میں ایمان سے دُور رکھتے ہیں۔ البتہ اعمال صالحہ دائمی لذات تک پہنچاتے ہیں۔ لعب ،، ہر وہ عمل جو نفس کو غیر مفید باتوں میں مشغول کر کے مفید باتوں سے نفرت پیدا کر دے اور لہو ہر وہ فعل جو نفس کو منافع کی جد وجہد سے پھیر کر کمزوری پیدا کر دے۔ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ،، البتہ دار آخرت یعنی وہ مقام جہاں اُخروی زندگی بسر ہوگی خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط متقیوں کے لئے بہتر ہے۔ یہاں پر متقین سے وہ لوگ مُراد ہیں جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں اس لئے کہ آخرت کے منافع ہر ضرر سے پاک اور اُن کی لذات ہر آلام اور صدمے سے محفوظ اور پھر دائمی اور غیر منقطع ہیں۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥ یہ فاء عاطفہ ہے۔ معطوف علیہ فعل مقدر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی مدای اَتَغْفُلُوْنَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ ای الامرین خیر۔ یعنی کیا تم غفلت کے نشہ میں ہو۔ اسی لئے نہیں سمجھتے ہو کہ دو امروں سے کونسا امر اچھا ہے۔ حیات دُنیا یا آخرت۔

(ف) دُنیا کو اس لئے دُنیا کہتے ہیں کہ وہ بہ نسبت آخرت کے انسان کو قریب تر ہے۔ یا دنائت سے مشتق ہے یعنی خسیس ترین اور آخرت کہا جاتا ہے کہ وہ دُنیا سے مؤخر ہے۔

سوال : آخرت کو غائب کیوں رکھا گیا۔

جواب : اگر وہ غائب نہ ہوتی تو کفار انکار کیوں کرتے ؛ حالانکہ یہ دُنیا صرف امتحان کے لئے بنائی گئی ہے تاکہ اس میں آخرت و دیگر باتوں سے انسان کی آزمائش کی جائے۔ اگر آخرت آنکھوں سے اُوجھل

نہ ہوتی تو امتحان کا مقصد حاصل نہ ہوتا اسی لئے دُنیا کی زینت کو آزمائش قرار دیا گیا۔

صُوفی کی دُنیا : صُوفیہ کرام کے نزدیک دُنیا سے وہ امر مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ سے روگرداں کرے۔

(دُنیا کا دائرہ) اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ اُن کے اندر ہے (یعنی عالمِ کون و فساد) سب کے سب دُنیا کے دائرہ میں ہیں۔

آخرت کا دائرہ : عرش و کرسی اور اُن کے جمیع متعلقات اور اعمال صالحہ اور ارواح طیبہ اور جنت اور جو کچھ اُس کے اندر ہے آخرت کے دائرہ میں ہیں۔

حدیث قدسی : جب اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو پیدا فرمایا تو اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا اے دُنیا اُس کی خدمت کرنا جو میری اطاعت و فرمانبرداری کرے اور جو تیری خدمت کرے اُسے خوب لتاڑنا۔

دُنیا اَولیاءِ کرام کے قدموں میں : بعض اولیاء کرام کے ہاں دُنیا بوڑھی عورت کے لباس میں حاضر ہو کر اُن کے آستانوں کو جھاڑو دیتی ہے اور بعض حضرات کے ہاں روزانہ روٹی پیش کرنے کے لئے حاضری دیتی ہے۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ نے یہ دُنیا مومن کے لئے پیدا فرمائی تو پھر اُنہیں زُہد کا حکم کیوں۔

جواب : لو نثر السکر علیٰ رأس الختن لا یلتقطہ لعلو ھمتہ ولو التقطہ لکان عیبًا

ترجمہ : اگر اللہ والے کے سر پر دُنیا نچھاور کی گئی تو وہ اپنی بلند ہمتی سے اُسے اُٹھانا اپنا عیب سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف : اپنے نفوس کو جنۃ الفردوس کے ولیمہ کے لئے بھُوکا رکھو۔

فائدہ : مہمان اگر سمجھدار ہوتا ہے تو سیر ہو کر نہیں کھاتا اس اُمید پر کہ شاید طعام کے بعد حلوا ملے۔

حکایت قاضی مع یہودی : منقول ہے کہ بغداد کے ایک قاضی صاحب گل خان یہودی کے گھر کے قریب وزیر اعظم کی طرح نہایت شان و شوکت اور خدام و حشم کے ساتھ گذارتا تھا۔ ایک دن یہودی گھر سے باہر نکلا۔ نہایت عاجز و ذلیل حالت میں اور شکل کا نہایت قبیح و سیاہ کہ اس سے تارکول کا تیل بھی بہتر لیکن قاضی صاحب آن بان سے گزرے تو یہودی نے اُن کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا کہ تمہارے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دُنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے، لیکن معاملہ برعکس ہے کہ تم نہایت شان و شوکت میں اور میں بقول شما کافر ذلت و خواری میں قاضی صاحب نے (اپنے زمانہ میں اکابر فضلا سے شمار ہوتے تھے) برجستہ جواب دیا کہ آخرت کی نعمتوں کی بہ نسبت ہم آج بھی قید خانہ میں ہیں اور دوزخ کے تکالیف اور عذاب کے مقابلہ میں اب تم بڑے آرام میں ہو۔

دُنیا و آخرت کی ایک عجیب مثال

: دُنیا و آخرت مثال اس شخص کی ہے کہ جس کی دو عورتیں ہوں کہ اگر ایک کو راضی کرتا ہے تو دُوسری ناراض ہوتی ہے۔ بیک وقت دونوں کا راضی کرنا مشکل ہوتا ہے جب تک ان میں سے ایک کو طلاق نہ دے۔ ایسے ہی انسان دُنیا کو ترک کرے گا تو آخرت بہتر ورنہ پھر آخرت میں ذلت و خواری۔

حکایت

: ایک بزرگ نزع کے وقت فرما رہے تھے کہ مجھے اس کا افسوس نہیں کہ میری آخرت نہ سنور سکی اور مجھے غم و الم گھیر گئے یا مجھ سے خطاؤ ذنوب سرزد ہوئے بلکہ مجھے افسوس اس کا ہے کہ میں زندگی میں ایک رات عبادت سے سوگیا اور مجھ سے عمر میں ایک روزہ قضاء ہوگیا اور مجھ پر زندگی میں ایک گھڑی ایسی گذری جس میں غفلت سے ذکرِ الٰہی نہ ہوسکا۔ ؎

نہ عمر خضر بماند نہ ملکِ اسکندر — نزاع بر سر دُنیائے دوں مکن درویش

ترجمہ: نہ خضر کی عمر رہیگی نہ سکندر کا مالک ابی لئے اے درویش دُنیا کمینی کے متعلق جھگڑا نہ کر۔

فائدہ : دُنیا فانی ہے اور آخرت باقی اور بہتر ہے۔

حکایت

: حضرت جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ میں گئے۔ ہم نے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ اچانک ہمارا ایک بہترین محل سے گذر ہُوا (جس کی نئی تعمیر ہو رہی تھی) اسے ایک نہایت حُسین وجمیل نوجوان تعمیر کرا رہا تھا اور اپنی نگرانی میں کاریگروں کو حکم دے رہا تھا۔ ہم نے اُس کو السلام علیکم کہا۔ اُس نے سلام کا جواب دیا۔

حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: بیٹے اس پر کتنا روپیہ خرچ کرنے کا ارادہ ہے۔ اُس نے عرض کی: اس پر ایک لاکھ درہم کا تخمینہ ہے۔ آپ نے فرمایا وہی لاکھ درہم مجھے دیدے۔ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے آخرت میں بہترین محل دلوا دوں گا۔ جس میں خدمت کے لئے نوخیز لڑکے اور لاتعداد خدام ہوں گے اور اس محل کے سونے کے بہترین قبہ جات اور خیمے (جو جواہرات سے مرصع ہوں گے) اس کی مٹی زعفران کی ہوگی (جس پر مشک و عطر کا چھڑکاؤ ہوگا) اس میں نہ پہلے کوئی ٹھہرا ہوگا اور نہ کسی کی ملکیت ہوگا۔ (گویا مالک بن دینار کو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرما رہے ہیں) چنانچہ آپ کی بات اس نوجوان کے دل پر اثر کر گئی اور فوراً حکم دیا کہ لاؤ قلم دوات اور کاغذ تاکہ میں ان سے یہ تحریر لکھا لوں۔

چنانچہ کاغذ قلم لایا گیا جس پر حضرت مالک بن دینار نے لکھا: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ، یہ وہ تحریر ہے کہ مالک بن دینار اس نوجوان کو لکھ کر دے رہا ہے کہ میں اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ سے اس محل کے عوض مذکورہ صفات کا محل دلوا دوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی نہیں کہ وہ اس سے زائد عطا فرما دے۔

پھر نوجوان نے فرمایا: جاؤ میں نے تیرے سے محل مذکورۃ الصفات کے عوض یہی محل خرید لیا ہے اور جنت میں

تجھے اس محل سے کئی گنا زائد محل ملے گا جس کا سایہ طویل ہوگا اور تو اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوگا۔ تحریر مذکور لپیٹ کر مالک بن دینار نے اس شخص کے حوالے کر دی اور نوجوان سے لاکھ دراہم لے کر فقراء و مساکین پہ بانٹ دیئے۔ اس نوجوان کو ابھی چالیس دن نہ گزرے تھے کہ اس پر موت آگئی اور اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ تحریر مذکور کفن کے اندر رکھ دینا۔ اسی رات حضرت مالک بن دینار نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کے محراب میں ایک مکتوب رکھا ہے جسے اُنھوں نے کھولا تو اس پر سیاہی کے بغیر لکھا ہوا تھا: هٰذَا بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ الخ یعنی وہ برأت نامہ ہے جو مالک بن دینار نے نوجوان سے وعدہ کیا تھا اسے ہم نے پورا کر دیا کہ اسے بہترین محل بھی ہم نے عنایت فرما دیئے اور ستر گنا زائد للفیاما ذکرنا مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) ہر کہ پایاں بیں ترا و مسعود تر	جد ترا و کارد کہ افزوں دید بر
(۲) زانکہ داند زیں جہان کاشتن	ہست بہر محشر و برداشتن
(۳) آخرت قطار اشتران بملک	در تبع دُنیاش ہمچوں پشم پشک
(۴) پشم بگزینی شتر نبود ترا	در بُود اشتر چہ قیمت پشم را

ترجمہ (۱) جو انجام کو دیکھتا ہے وہی مسعود ترین جو جتنا کوشش سے کھیتی کاشت کریگا اتنا ہی بہت زیادہ پھل حاصل کریگا۔
(۲) اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ جو اس جہان میں کاشت ہے وہی محشر میں پھل اُٹھائے گا۔
(۳) آخرت میں اس کے لئے اونٹوں کی قطار نصیب ہوگی۔ پشم وغیرہ اس کی تبع میں ہوگی۔
(۴) اون تو ہو لیکن اونٹ نہ ہو کیا فائدہ؟ کیونکہ اونٹ سے ہی اُون قیمت پاتی ہے۔
یعنی اگر تو دُنیا کو چاہتا ہے (جو بمنزلہ اُونٹ کی اُون کے ہے) اور آخرت کو تو نہیں چاہتا (جو بمنزلہ اُونٹ کے ہے) تو تُو آخرت سے محروم ہو جائے گا بخلاف اس شخص کے کہ جس کا اُونٹ اپنا ہو تو اُسے نہ اُون خریدنی پڑے گی اور نہ ہی کسی سے اُونٹ مانگنے کی ضرورت ہوگی۔ حضرت مولانا رُوم قدس سرہ دوسرے مقام پہ فرماتے ہیں ؎

(۱) باز گو نہ اے اسیرانِ جہاں	نار خود گردید امیران جہاں
(۲) اے تو بندی ایں جہاں محبوس جان	چند گوئی خویش را خواجہ جہاں
(۳) تختہ بند است آنکہ تختش خواندۂ	صدر پنداری و بر در ماندۂ
(۴) پادشاہی نیستت بر ریش خود	پادشاہی چوں کنی با نیک و بد
(۵) بے مراد تو شود ریشت سفید	شرم دار از ریش خواری کنز اُمید
(۶) افتخار از رنگ و بُو و از مکان	ہست شادی و فریبِ کودکاں
(۷) کون یگوید بیاں من خوش پے ام	واں فسادش گفتہ او من لاشئ ام
(۸) اے زخوبی ہمہ اں لب گزاں	بنگراں سردی و زردی خزاں

(۹) روز دیدی طلعتِ خورشید خوب — مرگ او را یاد کن وقت غروب

(۱۰) بدر را دیدی بریں خوش چار طاق — حسرتش را ہم ببین وقت محاق

(۱۱) کودکے از حسن شد مولائے خلق — بعد فردا شد خرف رسوائے خلق

(۱۲) اے بدیدہ لوتہا چرب و چیز — فضلۂ آنرا ببین در آبریز

(۱۳) مر خبیث را گو کہ آں خوبیت کو — بر طبق آں ذوق وآں نغزی و بو

(۱۴) پس انامل رشکِ استاداں شدہ — در صناعت عاقبت لرزاں شدہ

(۱۵) نرگس چشم خمارِ ہمچو جان — آخر اعمش بیں و آب از وے چکاں

(۱۶) حیدرے کاندر صف شیراں رود — آخر او مغلوب موشے مے شود

(۱۷) زلف جعد مشکبارِ عقل بر — آخر آں چوں دنب زشت خنگ و خر

(۱۸) خوش ببیں کونش ز اول باگشاد — و آخراں رسوا ببیں و فساد

ترجمہ: (۱) اسیران جہان کو خبر دو کہ اسیران جہان کی آگ ان کی اپنی پیدا کردہ ہے۔

(۲) تو اسی جہان کا قیدی ہے پھر تجھے جہان کا سردار کہنے کا کیا فائدہ۔

(۳) یہ تو قید کا تختہ ہے جسے تو تخت کہہ رہا ہے خود کو صدر سمجھتا ہے حالانکہ تو تو عاجز ترین بندہ ہے

(۴) جب تجھے داڑھی پر قبضہ نہیں تو پھر نیک و بد پر کیسے شاہی کر رہا ہے۔

(۵) مُراد کے بغیر تیری داڑھی سفید ہوگئی اے ٹیڑھی اُمیدوار اپنی داڑھی کی لاج رکھ۔

(۶) رنگ و بو اور مکان پر نازاں ہے یہ تو صرف ظاہری خوشی اور بچوں کا کھیل ہے۔

(۷) دُنیا تو کہتی ہے کہ آجاؤ میں خوش قدم ہوں لیکن اس کا فساد کہتا ہے کہ میں ناچیز ہوں۔

(۸) بہار کی خوبی سے لب بند کرلے اس کی سردی اور خزاں کی زردی کو دیکھ۔

(۹) دن کو تو سورج کو نور سے چمکتا دمکتا دیکھتا ہے لیکن بوقت غروب اس کی موت کو یاد کر۔

(۱۰) چودھویں کے چاند کی اس دُنیا میں چاندنی دیکھتا ہے کیسی ہے لیکن گرہن کے وقت بھی اسکی حسرت دیکھ۔

(۱۱) بے ریش لڑکا حسن سے مخلوق کا مولیٰ بنا پھرتا ہے لیکن چند روز بعد بیکار اور رسوائے خلق نظر آتا ہے۔

(۱۲) کھانے کے رنگ و چرب بھانے والا منظر دیکھتا ہے لیکن فضلہ دیکھ لیا کر کہ پاخانہ میں اسکا کیا انجام ہے۔

(۱۳) پلیدی کو کہو تمہیں خوبی کیسی طبق پر کہاں تیرا ذوق اور بدمنظری اور بدبو۔

(۱۴) ہنرمندوں کے ہاتھ میں بعد کو رشک بنا پہلے تو تیار کرتے وقت اس کا بُرا حال تھا۔

(۱۵) نرگس کی آنکھ کا خمار جان کی طرح پیارا ہوتا ہے لیکن بعد کو وہ اندھی اور خون کے آنسو بہاتی ہے۔

(۱۶) ایک وقت شیر شیروں میں غراتا ہُوا نظر آتا ہے لیکن بعد مرگ اس سے چوہے کھیلتے ہیں۔
(۱۷) چھڑکالی کی زلفیں ایسی خوشبودار کہ عقل کو ہوش نہیں رہتا۔ بالآخر وہ نہایت قبیح اور گدھے کے دم کی طرح بیکار ہوجاتی ہے۔
(۱۸) دُنیا کا ابتداء تو نہایت خوش منظر اور رکش دہ ہے لیکن انجام اس کا رسوائی و فساد ہے۔

تفسیر صُوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ جو زندگی دنیوی اور نفسانی نازونعم اور عیش وعشرت میں بسر ہو وہ بچوں والی زندگی ہے جیسے بچوں کو صرف کھیل کود سے کام ہوتا ہے یا اس کی زندگی نافرمانوں والی ہے کہ وہ بھی سوائے لغویات کے اور کچھ نہیں جانتا۔ ایسے شخص کو حجابات میں اضافہ ہوگا اور بشریۃ سے رُوحانیت کی سیر ترک شہوات اور اعراض عن غیر الحق اور توجہ الی اللہ سے نصیب ہوتی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دیگر سے تعلق نہیں جوڑتے اُن کی آخرت کی زندگی بہتر و برتر ہے۔ "اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ"، کیا تم نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسی شان سے پیدا فرمایا اور صرف اپنے لئے نہ کہ غیر کے لئے چنانچہ فرمایا: وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِىۡ (میں نے تمہیں صرف اپنے لئے جوڑا ہے) اے اللہ ہمیں توضیع حمد سے بچا اور ہماری حقیقۃ الامر کی رہبری فرما۔ اس لئے کہ تو وہاب اور ہادی ہے۔

تفسیر عالمانہ: قَدۡ نَعۡلَمُ، قد تکثیر یہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وُسعت علمی کی طرف اشارہ ہے بوجہ متعلقات کی کثرت کے یعنی ہم جانتے ہیں کہ اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے لَيَحۡزُنُكَ، آپ کو رنج دیتی ہے۔ الَّذِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ، یہ یحزنک کا فاعل اور عائد محذوف ہے دراصل الذی یقولونہ تھا (وہ بات جو کفار مکہ کہتے ہیں) اُن کی گفتگو پہلے گذری ہے (وہ حضور علیہ السلام کے قرآن پڑھنے پر کہتے) اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ (اسی طرح اور اُن کی وہ باتیں جو قرآنِ پاک میں مذکور ہیں)

فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ، آپ ان کی باتوں کو خیال میں نہ لائیں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سُپرد کیجئے۔ اس لئے کہ یہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کر رہے ہیں۔ بنابریں حقیقت میں وہ آپ کی تکذیب ہی نہیں۔ وَلٰـكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ۝ لیکن وہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے بلکہ اُن کا صریح انکار کرتے ہیں یعنی وہ آپ کو تو کچھ نہیں کہتے اگر بظاہر کچھ کہتے ہیں تو وہ درحقیقت مجھے کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ فانی فی اللہ ہیں۔ اب میں ہی اُن سے سخت تر انتقام لوں گا۔

(ف) ظلم سے یہاں انکار مُراد ہے۔

(ف) جحود جان بُوجھ کر انکار کرنے کو کہتے ہیں اور بایات اللہ کی با رفعل سے متعلق ہے اور اس کی تقدیم صرف قصر کی وجہ سے ہے۔ جحد متعدی بنفسہٖ بھی ہوتا ہے اور متعدی بالباء بھی۔ مثلاً کہا جاتا ہے جحدحقہ

عدیقہ ،، یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے حق کا انکار کرے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ،، اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ بیشک آپ سے پہلے رُسل کرام علیہم السلام بھی جھٹلائے گئے۔ حالانکہ وہ بھی آپ کی طرح بہت بڑے ہی شان تھے اور تعداد بھی اُن کی بہت زیادہ تھی۔ جب وَبا پھیلتی ہے تو وہ عام ہوتی ہے۔ یعنی کفار کی تکذیب کی وبا ہر نبی علیہ السلام کو پہنچی اور آپ کو بھی۔ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا، تو انہوں نے اُن کے جھٹلانے اور اُن کی ایذاؤں پر صبر فرمایا۔ حَتّٰٓى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ،، یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد آئی۔ یعنی اُن کے صبر کی غایت ہماری مدد تھی۔ آپ بھی اُن کی اقتداء کیجئے اور وہ ان سے جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں اُن پر صبر کیجئے۔

(ف) صابرین کو صبر کے وعدہ کا ایفاء یا بطریقِ اظہارِ دلائل و براہین کے ہوتا ہے یا ان کو دشمنوں پر قہر و غلبہ نصیب ہوتا ہے یا اُن کے دشمنوں کو تباہی و بربادی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

اے دلِ صبور باش و مخور غم کہ عاقبت ؛ ایں شام صبح گردد و ایں شب سحر شود

اور فرمایا

گرت چو نوح نبی صبر ہست بر غم طوفاں ؛ بلا گردد و کام ہزار سالہ بر آید

ترجمہ: (۱) اے دل صابر ہو اور غم نہ کھا اس لئے کہ بالآخر اس شام کی صبح ہوگی اور رات کی سحر۔
(۲) اگر تجھے نوح علیہ السلام کی طرح طوفان و غم پر صبر ہے تو تیری کئی سالوں کی مراد ضرور پوری ہوگی۔

وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ،، اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ کلمات سے نصرت و غلبہ کے وعدے مراد ہیں ؛ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ○ اور آپ کے ہاں حضرات رُسل کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی خبریں آ ہی چکی ہیں۔ یعنی انھیں جو منجانب اللہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اُس کی خبریں آپ کو معلوم ہیں جن سے آپ کی تسلی و تسکین ہوگی۔

۳۲ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ ،، اور اُن کا منہ پھیرنا آپ پر شاق گزرا ہے یعنی ان کا ایمان اور آپ کے لائے ہوئے قرآن سے انکار و روگرداں ہونا آپ کو شاق گزرا اور آپ اسے ایک عظیم حادثہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ بار بار تکذیب کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے آیات سے نہیں اور آپ کا خیال ہے کہ آپ

ان کا مطالبہ پورا کریں۔ اِس لئے کہ آپ کو حرص ہے کہ وہ سارے کے سارے مسلمان ہو جائیں۔ جب وہ نہیں مانتے آپ کو دُکھ ہوتا ہے فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ ،، پس اگر تمہیں استطاعت ہے تو تم زمین میں کوئی سُرنگ تلاش کر لو۔

(ف) نفقًا بمعنے سُرنگ و منفذ بمعنے سرنگ۔

اَوْ سُلَّمًا یا سیڑھی فِي السَّمَاءِ ،، آسمان پر تاکہ اُوپر چڑھ جاؤ فَتَاْتِيَهُمْ ،، پس آسمان سے اُن کے لئے لے آئیں بِاٰيَةٍ کوئی نشانی جیسے ان کا مطالبہ ہے۔

فائدہ : ابن الشیخ نے فرمایا "نفق" ہر وہ سرنگ جو زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نکل جائے تاکہ وہاں سکون و آرام ملے اسی لئے چوہے کی بل کو نافقاء کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ چوہا زمین کو چیرتا ہوا اس کے اندر ایک گڑھا کھود کر دُوسرے حصہ سے نکل جاتا ہے تاکہ اس کے ایک سرے سے اگر اسے تکلیف پہنچے تو دُوسرے سرے سے نکل جائے وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ الخ جملہ شرطیہ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ کی جزاء ہے اور اس کی اپنی جزاء محذوف ہے۔ وہ ہے فافعل یعنی اگر اُن کے مطالبہ کو پُورا کرنا ہو تو مذکورہ بالا افعال کے ذریعہ سے پُورا کرو۔ اس سے ظاہر کرنا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے لئے اسلام کا کتنا حرص تھا اس لئے کہ اگر آپ کو ان کے اسلام کی خاطر زمین یا آسمان سے بہ تکلف کوئی چیز لانی پڑتی تو بھی اُن کی خاطر کر گزرتے تاکہ وہ ایمان قبول کریں لیکن آپ چونکہ مامور من اللہ تھے اس لئے صرف تبلیغ تک یہ بات محدُود رہی[1]۔

سوال : تتخذ ،، کے بجائے تبتغی کیوں کہاں گیا

جواب : اس میں اشارہ ہے کہ جب زمین میں سُرنگ لگانا آسمان پر چڑھ کر کوئی شئی تلاش کرنے کی نفی ہے تو پھر اتخاذ کا کیا معنیٰ (ویسے یہ خطاب عمومی ہے جس میں حضور علیہ السلام کو مُراد میں شامل کر کے عدم اختیار کا ثبوت پہنچانا کسی احمق کا کام ہو سکتا ہے، ورنہ بحیثیت تفسیر معنیٰ دیگر است) وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت دینا چاہتا۔ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى ،، تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا لیکن وہ انہیں ہدایت دینا ہی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ اپنے اختیار ہدایت سے رُوگرداں ہو گئے ہیں باوجودیکہ اُنہیں ہدایت پانے کی

---

[1] ورنہ یہ بات نہ تھی کہ آپ کو آسمان یا زمین سے کسی شئی کو لانے کا اختیار بھی نہ تھا۔ وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جسے اس سے کسی قسم کا تعلق نہیں جو لوگ یہ آیت حضور علیہ السلام کے عدم اختیار پر پیش کرتے ہیں وہ ذرا سوچیں ۱۲۔ اویسی

[2] ایسے خطابات عمومی کہلاتے ہیں جن میں حضور علیہ السلام کو شامل کرنا گمراہی ہے۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی تفسیر اور اصُول تفسیر احسن البیان میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ

[illegible]ت حاصل ہے اور بہت بڑے دلائل و براہین آنکھوں سے مشاہدہ و معائنہ کر رہے ہیں لیکن ایمان قبول کرنے کا [illegible]یال تک بھی نہ کیا۔ اس لئے کہ آپ ان کی ہدایت کے لئے جد و جہد نہ فرمایئے۔

[illegible]لا تکونن من الجٰھلین ○ پس اے مخاطب جاہل و ناداں نہ ہو کہ انہونی بات پر تو ہو جانے کے حرص [illegible]ہے۔ اور جہاں صبر کرنا ہے وہاں جزع فزع کرنا جاہلوں اور نادانوں کا کام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان [illegible]ہیں۔ اس کی مرضی ہے کہ ایمان سے نوازے چاہے اس کو کوار رکھے۔

[illegible]ئدہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت خود فرماتا ہے۔ حضور نبی کریم [illegible]السلام نے فرمایا اَدَّبَنِی رَبِّی وَاَحْسَنَ تَادِیبِی ۔ میرے رب کریم نے میری بہترین تربیت فرمائی۔ تاکہ محبوب [illegible]صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روف الرحیم ہو کر کسی ایسے پر شفقت نہ فرمائیں جو اس کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا۔

[illegible]اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ ۔ بے شک آپ کی دعوت اسلامی وہ قبول کریں گے۔ "اَلَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ" جو سنتے ہیں [illegible]نہیں سماع قبول اور فہم و تدبر نصیب ہوا۔ نہ مردے جن میں ہی کفار مکہ بھی شامل ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض ــــــ ورنہ ہم سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

[illegible]رجمہ :۔ گوہر پاک ہو کوہی فیض کے قابل ہے پتھر اور مٹی لؤلؤ مرجان برابر تو نہیں ہو سکتے۔

[illegible]المَوتیٰ ۔ اس سے کفار مراد ہیں عدم قبول سماع کی وجہ سے انہیں موتیٰ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

[illegible]بعثہم اللہ " اللہ تعالیٰ انہیں قبروں سے اٹھائیگا۔ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ پھر وہ اسی کیطرف لوٹیں گے [illegible]کے غیر کیطرف نہیں یا اس کی سزا و جزا کیطرف لوٹیں گے پھر اسوقت مجبور ہو کر مانیں گے لیکن اسوقت کا ماننا کوئی فائدہ [illegible]دے گا۔ ۳۵ وَقَالُوْا اور قریش مکہ کے لیڈروں نے کہا لَوْلَا یہ حرف تخصیص بمعنی ھلا ہے یعنی کیوں نہ نُزِّلَ [illegible]لیہ اٰیۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ " اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے رب کیطرف سے جیسے ناقہ صالح علیہ السلام کے لئے [illegible]عصا موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور مائدہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ وغیرہ وغیرہ تاکہ وہ نشانیاں ہمیں ایمان پر مجبور کر دیتیں [illegible]ل اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان کی طلب کے مطابق کوئی نشانی اتارے۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ [illegible]کن ان کے اکثر نرے جاہل ہیں۔ اگر آیات نازل ہوتیں تو وہ ان کے لئے آزمائش ہوتیں۔ اگر نہ مانتے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔

اہل ادیان کی تقسیم

لوگ دینی معاملات میں چار قسم ہیں۔ (۱) سعادت کے رنگ میں نفس و روح کے اعتبار سے سراپا سعادت مند یہ حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم السلام ہیں اور

اُن کے طفیل اہل طاعت اولیاء کرام۔

(۲) بدبختی کے لباس میں نفس و رُوح کے لحاظ سے سراپا بدبخت یہ کفار اور وہ گنہگار جو کبائر (یعنی کبیرہ گناہوں) کا بار بار ارتکاب کرتے ہیں

(۳) سعادت کے رنگ میں ازلی بدبخت جیسے بلعم باعورا۔ برصیصا اور اُن کا امام ابلیس۔

(۴) شقاوت کے (چند روز) لباس میں ازلی سعادت مند جیسے حضرت بلال۔ صہیب رُومی۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہم یہ زندگی کے اوائل میں شقاوت میں تھے بعد کو چوٹی کے متقی و پرہیزگار ہُوئے۔

سوال : سعادتمند اور بدبخت پیدا ہی کیوں ہُوئے؛ حالانکہ اسے طاقت تھی کہ سب کو ہدایت یافتہ فرماتا چنانچہ خود فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَہُمْ عَلَی الْھُدٰی اور فرمایا وَلَوْ شَآءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

جواب : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں دیکھا کہ فلاں نافرمانی کریگا بوجہ اس کی اس استعداد کے جو سعادت سے رُوگردانی کر کے شقاوت کو اختیار کرے گا تو اُسے اعیانِ ثابتہ میں بھی شقی بنایا (کیونکہ اُس کی اپنی استعداد کا یہی تقاضا تھا) اور بندوں میں استعداد کا ظہور صفت جلال الٰہی کے مختلف شانوں کے مظہر ہونے کی وجہ ہے گویا کہ بندے نے اللہ تعالیٰ سے خود ہی شقی ہونے کی استعداد مانگی کیونکہ آسمان و زمین والے اللہ تعالیٰ سے زبانِ قال و حال سے اپنی استعدادات کا سوال کیا کرتے ہیں اور استعداد کی ہر آن نئی شان ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں استعدادات کے مطابق سعادت و شقاوت دیتا ہے یعنی وہی ازلی اعیان ثابت غیبیہ علیہ کے مطابق جس بندے کے متعلق ازلی علم متعلق ہُوا کہ وہ اطاعت کرے گا تو اسے سعادت مند بناتا ہے۔ یعنی اس سعادت ایمانی کو اس قابلیت کے مقتضیٰ پر جو اس کی نشأۃ ثانیہ میں امانت رکھی گئی ہے؛ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ تو سعادت مند انسان نے فوراً جواب میں بلیٰ کہا۔ اُس کا یہی جواب دینا دلالت کرتا ہے کہ اُس کی سعادت ازلی ہے۔ اگر استعداد کی سنت اس میں نہ ہو تو پھر اُسے مُکلف بنانا اور احکام کا مخاطب کرنا لایعنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے مجملہ افعال خالی از حکمت۔ یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ سعادت مند کو اقوال پسندیدہ اور افعال حسنہ اور اخلاق حمیدہ نصیب ہوتے ہیں۔ انہی سے اسے انبساط ہوتا ہے اور شقی کو وہ امور نصیب ہوتے ہیں جو انقباض پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اشقیاء کی اذیتوں اور پریشان کُن باتوں پر صبر و تحمل کا حکم دیا ہے کہ دُنیا کا صبر و تحمل آخرت میں غفران اور ترقی درجات کا سبب ہے اس لئے کہ بہشت کے درجات و کمالات کا حصول انہی امور سے ہوگا۔

حدیث شریف : میں ہے کہ بہشت میں چند ایسے مقامات ہیں جو ہوا میں معلق ہیں جنہیں صرف مصائب و تکالیف میں گھرے ہُوئے انسان حاصل کریں گے اوروں کو وہ مراتب و مقامات نصیب نہیں ہوں گے۔

قاعدہ : انسان کو دین کے مرتبہ کے مطابق تکالیف و مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ جتنا وہ دین میں متصلب ہوگا اتنا وہ مصائب میں گھرا ہوا ہوگا۔ اگر اس کو دین میں تصلب نہیں ہوگا تو وہ مصائب و تکالیف سے محفوظ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مومن اکثر مصائب و تکالیف میں گھرا رہتا ہے یہاں تک کہ موت کے وقت تمام گناہوں سے پاک اور صاف ہو کر جاتا ہے۔

قاعدہ : دراصل مصائب و تکالیف اللہ تعالیٰ کا ڈنڈا ہے جو بندوں کو اس لئے مارتا ہے کہ وہ دُنیا میں نہ کھُبر جائیں نہ اس میں بہت زیادہ مشغول ہوں بلکہ ربّانی سزا کھا کر اپنے مالک و مولا کی طرف ایسے بھاگیں جیسے گھوڑا کھاتے وقت اپنے اصطبل کی طرف دوڑتا ہے اور صرف آخرت ہی دارالقرار ہے۔

؎ ما بلا را بکس عطا نکنیم ؛ تاکہ نامش ز اولیاء نکنیم

ترجمہ : ہم اپنی بلا کسی کو نہیں دیں گے تاکہ اس کا نام اولیاء میں ہو اور ہم محروم رہیں ایسا نہیں کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ جسے مصائب و تکالیف میں مبتلا کیا جاتا ہے اس کی عافیت و سلامتی صبر میں ہے اور صبر سے حقیقی امتی کہلانے کا مستحق بنتا ہے اور اسے حقیقی اتباع اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ آپ نے بھی مصائب و تکالیف میں صبر سے کام لیا۔

۳۸ **وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ** ،، مِنْ زائدہ استغراق کی تاکید کے لئے ہے اور فِیْ کا تعلق محذوف اور دابّۃ کی صفت ہے گویا عبارت یوں ہے : وَمَا فردٌ مِنْ افراد الدواب یَسْتَقِرُ فی قطرٍ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یعنی دواب کا کوئی فرد زمین کے کسی بھی ٹکڑے پہ ٹھہرتا۔ **وَلَا طٰٓئِرٍ** ،، اور نہ ہی کوئی پرندہ (جو آسمان و زمین کے درمیان) **يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ** ،، اپنے دو پروں پہ اڑتا ہے۔ جیسا کہ عادتہً وہ دو پروں پر اُڑتا ہے۔

(ف) **طَيَرَان** کے بعد (پرون) کی قید محض تاکیدی ہے۔ جیسے نظرت بعینی اور اخذت بیدی" میں عین اور ہاتھ محض تاکید کے لئے یا مجازی معنے کے وہم کا ازالہ کیا گیا ہے اس لئے کہ طیران سرعتِ سیر کے لئے مجازاً مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے طار فُلانٌ فی الْاَرْضِ۔ اے اسرع (تیز اُڑا)

اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ،، مگر وہ تمہاری جیسی اُمتیں ہیں یعنی تمہاری طرح اُن کے احوال محفوظ اور اُن کے رزق اور اجل مقدر ہیں۔ **مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ** ،، ہم نے اِس کتاب میں کسی شئی کو نہیں چھوڑا۔ فرّط الشئ یعنی ضیّعہ و ترکہٗ ہے۔ یعنی اس شئی کو فلاں نے ضائع کیا اور چھوڑ دیا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے قرآن میں کسی ایک شئی کو بھی نہیں چھوڑا یعنی ہر چھوٹی بڑی کو اس میں بیان کر دیا۔ [1]

---

[1] اہلسنت کا استدلال اس آیت سے یہی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علوم کلی عطا فرمائے تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

مسئلہ :۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام قرآن مجید میں جمیع مخلوقات کی ہر شے کے مصالح قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں تفصیلاً بھی اجمالاً بھی تفصیلاً جیسے اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ اور اجمالاً جیسے وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

حکایات امام شافعی اور علوم قرآن سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ نے اعلان فرمایا لَا تَسْئَلُوْنِیْ عَنْ اِلَّا اَجَبْتُکُمْ بِہٖ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ مجھ سے جو سوال کرو میں اسکا قرآن پاک سے جواب دوں گا۔

ایک شخص نے عرض کی کہ جو شخص احرام کی حالت میں بھڑ کو مارے اسکا حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟ آپنے فرمایا کہ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (الآیۃ) پھر آپ نے سند صحیح کے ساتھ حدیث شریف پڑھی کہ وَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ " اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک صحیح سے روایت فرمائی کہ للمحرم قتل الزنبور محرم کو بھڑ کا مارنا جائز ہے۔

۳۷ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ پھر یہ تمام امم رب تعالےٰ کے ہاں جمع کئے جائیں گے یعنی جب قیامت میں جمع ہوں گے تو پھر ان کا فیصلہ فرمائے گا۔ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ، اور جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔

ف :۔ آیات سے یہاں قرآن مجید مراد ہے۔

صُمٌّ وہ بہرے ہیں کہ وہ قرآن کو تدبر و فہم سے نہیں سنتے بلکہ وہ اس حیثیت سے سنتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں۔ اس لئے کہ وہ انہیں آیات الٰہی سے شمار ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے غیر کا مطالبہ کرتے ہیں صم اصم کی جمع ہے اس سے کفار کو بہروں سے تشبیہ دینا مطلوب ہے۔ اس سے حرف تشبیہ حذف کر دیا گیا ہے۔

وَبُکْمٌ اور وہ گونگے ہیں کہ حق کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے یہ ابکم کی جمع ہے۔ فِی الظُّلُمٰتِ " تاریکیوں میں ہیں۔ یہ مبتداء کی تیسری خبر ہے۔ مَنْ یَّشَاِ اللّٰہُ اور جس کے لئے ہدایت چاہتا ہے۔ یَجْعَلْہُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اسے سیدھا راستہ پر چلاتا ہے پھر نہ اسے گمراہ کر سکتا ہے نہ اس کی ثابت قدمی کو پھسلا سکتا ہے۔

مسئلہ: انسان کے علاوہ بھی امتیں ہیں۔

حدیث شریف :۔ میں ہے کہ اگر کتے ایک امت نہ ہوتے تو میں انہیں قتل کرنیکا حکم فرماتا۔ بعض ان میں سیاہ کالے ہیں اور کتا سیاہ کالا شیطان ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دوسروں کے کتوں کی نسبت زیادہ کاٹنے والا اور خبیث ترین ہوتا ہے۔ اور اس سے فائدہ بھی بہت کم ہوتا ہے۔ اور زبان کو بھی زیادہ کھینچتا ہے اس لئے امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سیاہ کالے کتے سے شکار نا جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت میں اشارہ ہے کہ انسان جانور ہیں کان آنکھ زبان اسی طرح تمام اعضاء اور نفس بجمیع الصفات انسان میں بمنزلہ جانوروں کے ہیں۔ اور اسی میں پرندے بھی ہیں جن کے شریعت وطریقت کے دو پر ہیں۔ جیسے قلب و روح و بجمیع الصفات بمنزلہ پرندوں کے ہیں یہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔ ان سے قیامت میں احوال و افعال کا سوال ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا"

مسئلہ : حشر عام ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ تمام کو جمع فرمائے گا۔ جانوروں اور پرندوں کو سب کو یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بے سینگی قصاص لے گی۔ دوسری حدیث شریف میں ہے۔ ہر صاحب حقوق کو حقوق دئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ سینگ والی بکری بے سینگی کو بدلہ دے گی۔

مسئلہ : ابن الملک نے فرمایا کہ اس سے ثابت ہوا کہ وحشی جانور بھی محشر میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ" لیکن ان کا یہ قصاص مقابلہ کا ہوگا۔ قصاص تکلیفی صرف انسان و جن سے مخصوص ہے اسکے بعد حیوانات اور پرندوں کو حکم ہوگا کہ مٹی ہو جاؤ اسکے بعد وہ مٹی سے مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ اسوقت کفار کہیں گے "يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا"

(ف) حدادی نے فرمایا کہ اس سے جانوروں کا فنا ہونا مراد ہے اس لئے کہ انہیں زندہ کر کے فنا کر دیا جائیگا۔ اس سے انہیں درد و الم نہیں ہوگا۔

مسئلہ : جن پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگائی ہے وہ حقیقی بہرے گونگے ہو جائیں گے اور جو گونگا ہو لازمی ہے کہ وہ بہرہ بھی ہو مثنوی میں ہے

(۱) دائما ہر گنگ اصلی کر بود	ناطق آنکس شد کہ از مادر شود
(۲) چوں سلیماں سوئے مرغانِ سبا	یک صفیری کرد بست آں جملہ را
(۳) جز مگر مرغے کہ بُدبے بال و پر	یا چوں ماہی گنگ بد از صل کر
(۴) نے غلط گفتم کہ کر کر سر نہد	پیشِ وحی کبریا سمعش دہد

ترجمہ : (۱) ہمیشہ ہر گونگا دراصل بہرہ ہوتا ہے وہ بولتا ہے جوماں سے اصلی ناطق ہو۔

(۲) جب سلیمان علیہ السلام نے سبا کے پرندوں کو صرف ایک آواز دی تو سب کو قید کر لیا۔

(۳) سوائے اس کے جس کے بال و پر نہ تھے۔ یا گونگی مچھلی جو مادر زاد گونگی بہری تھی۔

(۴) میں نے غلط کہا اس لئے کہ یہ بہری مچھلی بھی تابع فرمان تھی۔ اس لئے کہ وحی کبریا نے اسے سننے کی طاقت بخشی۔

خلاصہ یہ کہ مخلوق کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ انہیں اپنی مشیت سے جسطرح چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

مُعجزہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ابُوجہل کا بُت

مروی ہے کہ کفارِ مکہ نے ایک میٹنگ بُلائی جس میں تمام مُشرکین جمع ہُوئے اور منصُوبہ تیار کیا کہ حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کیا جائے۔ اُدھر ابلیس بھی آدھمکا اُس نے اُن کے اجتماع کا سبب پُوچھا تو کہا گیا کہ حضُور علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ہے تو شیطان نے ابوجہل سے کہا کہ اے ابوالحکم اگر تم اپنے بُت کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے آگے رکھ کر اس کو سجدہ کرو۔ وہ بولے گا جسے (حضرت محمد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم) سُنیں گے۔ (ابوجہل کا بُت جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہُوا تھا) اُس نے اپنے بُت کو اُٹھا کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے آگے رکھ کر اس کو سجدہ کیا اور اُسے کہا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور ہم تیرے قُرب کے خواہشمند رہتے ہیں یہ (حضرت) محمد (مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم) تیری وجہ سے ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں کہ تم بھی (حضرت) محمد مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم) کو گالی دیدو۔ ابوجہل کی عاجزی و انکساری پر بُت حرکت میں آگیا اور وہ بدبخت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دینے لگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم غمگین اور ملول ہوکر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ ابھی تھوڑی دیر گذری تھی کہ آپ کا دروازہ کھٹکا۔ آپ باہر تشریف لائے دیکھا کہ ایک نوجوان ہے جس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور حضور کو دیکھتے ہی سلام عرض کیا اور التجا کی کہ آپ مجھے حکم فرمائیے تاکہ میں اس کی تعمیل کروں۔ آپ نے فرمایا تم کون ہو۔ اُس نے عرض کی میں جن ہوں۔ آپ نے فرمایا تجھے کتنی طاقت حاصل ہے۔ عرض کی اکیلا دو پہاڑ (جبل حرا و ابُوقبیس) کو دریا میں ڈال سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم ابھی کہاں سے آئے ہو۔ اُس نے عرض کی میں اس وقت ساتویں جزیرے میں تھا کہ میرے ہاں حضرت جبریل علیہ السّلام تشریف لائے اور مجھے فرمایا کہ فلاں شیطان نے ابوجہل کے بُت میں داخل ہوکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دی ہیں۔ فلہٰذا تم جلد تر اس تلوار سے اُس کا سر قلم کردو میں نے اُسے زمین کے چوتھے طبقے میں جاتے ہُوئے بھاگتا پاکر اُسے قتل کردیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تیری امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ اُس نے عرض کی میری استدعا ہے کہ آپ کل والے مقام پر دوبارہ تشریف لے جائیں۔ کافر بھی آپ کو اپنے بُت سے گالی دلوائیں گے۔ آپ اپنے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے گئے تو ابوجہل اپنے بُت کو لایا اور کل کی طرح اُسے سجدہ کرکے عرض کی حضرت (محمد) مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کو گالی دیجئے۔ ابوجہل کا بُت کل کی طرح حرکت میں آگیا اور باآواز بلند پڑھتا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ،، اور کہتا تھا کہ میں بُت ہوں نہ نفع دیتا ہوں نہ نقصان اور اُس کے لئے بہت بڑی خرابی ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری پرستش کرتا ہے۔ جب کفار نے بُت کی یہ تقریر سُنی تو ابوجہل کو غصّہ آگیا۔ اُس نے بُت کو اُٹھا کر

تحفے تحفے کر دیا اور کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے بتوں کی طرح تیرے اوپر بھی جادو کر دیا ہے۔ (سبق) اس معجزہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر کی زبان سے گفتگو فرماتا ہے۔ لیکن اسے تو صاحبِ سنتا ہے نہ کہ اندھا۔

قُلْ ۔ اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کو فرمائیے اَرَءَیْتَکُمْ (خبر دو مجھے) کاف خطاب کا ہے سا سناد کی تاکید کے لئے فاعل کی ضمیر مخاطب کو مؤکد کیا گیا ہے اور اس کے اعراب کا (ایاک کے کاف کی طرح) کوئی محل نہیں اور یہ کاف مخاطب کے احوال پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً وہ مفرد ہے یا تثنیہ یا جمع یا مذکر ہے یا مؤنث وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اسے مراد کے مطابق لایا جاتا ہے اور تاء مخاطبہ ایک حالت پر یعنی مفرد اور مفتوح رہتی ہے۔ جیسے رأیتک رأیتکما اور ترکیب میں مبنی ہیں۔ اگرچہ اس سے خبر دینا مطلوب نہیں بلکہ قلب یا بصر کے ذریعہ اس کے متعلق کی خبر مطلوب ہوتی ہے۔

(ف) علم و ابصار کو اخبار کا مجازاً سبب بنایا گیا ہے اسی طرح اس کا استفہام تبکیت کو امر بجامع الطلب کا مجاز بنایا گیا ہے۔

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ ۔ اگر تمہارے ہاں عذاب الٰہی آجائے جیسے دنیا میں دوسری قومیں عذاب میں مبتلا ہوئیں۔ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ ۔ یا تم پر قیامت ہو جائے یعنی قیامت جو عذاب پر مشتمل ہے ہے اور عذاب سے اُخروی عذاب مراد ہے۔

(ف) ساعۃ سے وہ وقت مراد ہے جس میں قیامت قائم ہوگی اور اسے ساعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس معمولی سی گھڑی میں بہت بڑا حادثہ ہوگا۔

اَغَیْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ (کیا غیر اللہ کو پکارو گے) اخبار کا دارومدار اور تبکیت کا اصل منشاء یہی ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ اس شرط کا جواب (فَاَخْبِرُوْنِیْ) محذوف ہے۔ یعنی اگر تم اس معروف دعویٰ میں سچے ہو کہ تمہارے بت عبادت کے مستحق ہیں تو مجھے خبر دو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے (اگر تمہارے ہاں عذاب الٰہی آجائے) اس لئے کہ اس معنی پر ان کا صدق غیروں کو پکارنے کے اخبار کے موجبات سے ہے۔

بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ ۔ بلکہ صرف اسی کو پکارو گے۔ اس کا عطف جملہ منفیہ پر ہے۔ گویا انہیں کہا گیا کہ قیامت میں غیروں کو نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو گے۔ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ ۔ پس وہ کھولے گا اسے جسے تم پکارتے ہو اِلَیْهِ کی ضمیر کشف کی طرف لوٹتی ہے اور اس کا عطف بھی تَدْعُوْنَ پر ہے۔ یعنی پس تمہارے پکارنے کے بعد کھولے۔

اِنْ شَآءَ ۔ اگرچہ اس کا کھولنا یعنی دعا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت پر ہے۔ کبھی وہ اسے قبول کر لیتا ہے جیسے

کافروں کی بعض دعائیں (جو دنیا کے عذاب پر مبتلا ہونے پر اس کے رفع ہونے کیلئے مانگتے تھے) قبول ہو جاتی تھیں اور کبھی ان کی دعا قبول نہیں ہوتیں (جیسے دنیا میں ان کی بعض دعائیں جو عذاب کے رفع کے متعلق ہوتی تھیں) ہاں آخرت کے عذاب کے رفع کے متعلق (منجملہ ان کے ساعۃ کا وقوع بھی ہے) ان کی دعائیں ہرگز قبول نہ ہونگی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ "مشرک کو ہرگز نہیں بخشا جائیگا۔ (وہ آخرت میں انکی دعا کی قبولیت چاہتا ہی نہیں) وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ "اس کا عطف بھی مدعون پر ہے یعنی اور شریکوں کو بھول جاؤ گے۔ یعنی جن بتوں کی پرستش کر کے تم انہیں خدا کا شریک مانتے تھے قیامت کے دن تم انہیں بالکل چھوڑ دو گے۔ اس لئے کہ اس وقت تمہارے دل پر یہ عقیدہ مذکور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور عذاب نہیں اٹھا سکتا۔

ف :۔ نسیان یہاں پر معنی ترک ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۝٤٢ فَلَوْلَآ إِذْ

اور بیشک ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ کسی طرح گڑگڑائیں تو کیوں نہ ہوا کہ

جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا۟ وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا۟

جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو گڑگڑائے ہوتے لیکن ان کے تو دل سخت ہوگئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ

يَعْمَلُونَ ۝٤٣ فَلَمَّا نَسُوا۟ مَا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا۟

میں بھلے کر دکھائے پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے

بِمَآ أُوتُوٓا۟ أَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ۝٤٤ فَقُطِعَ دَابِرُ ٱلْقَوْمِ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟

یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی

وَٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝٤٥ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ ٱللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَٰرَكُمْ وَخَتَمَ

اور سب خوبیاں سراہا اللہ رب سارے جہان کو تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں

عَلَىٰ قُلُوبِكُم مَّنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ ٱللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ ٱنظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ ٱلْءَايَٰتِ ثُمَّ هُمْ

پر مہر کردے تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لادے دیکھو ہم کس کس رنگ سے آیتیں بیان کرتے ہیں پھر وہ

يَصْدِفُونَ ۝٤٦ قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتَىٰكُمْ عَذَابُ ٱللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ

منہ پھیر لیتے ہیں تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے اچانک یا کھلم کھلا تو کون تباہ ہوگا

إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝٤٧ وَمَا نُرْسِلُ ٱلْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ فَمَنْ

سوا ظالموں کے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے تو جو ایمان

ءَامَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝٤٨ وَٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟

لائے اور سنورے ان کو نہ کچھ اندیشہ نہ کچھ غم اور جنہوں نے ہماری آیتیں

بِـَٔايَٰتِنَا يَمَسُّهُمُ ٱلْعَذَابُ بِمَا كَانُوا۟ يَفْسُقُونَ ۝٤٩ قُل لَّآ أَقُولُ لَكُمْ عِندِى

جھٹلائیں انہیں عذاب پہنچے گا بدلہ ان کی بے حکمی کا تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس

خَزَآئِنُ ٱللَّهِ وَلَآ أَعْلَمُ ٱلْغَيْبَ وَلَآ أَقُولُ لَكُمْ إِنِّى مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ

اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو

إِلَىَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلْأَعْمَىٰ وَٱلْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ۝٥٠

مجھے وحی آتی ہے تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے اندھے اور انکھیارے تو کیا تم غور نہیں کرتے

تفسیر عالمانہ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا﴾ (اور بخدا ہم نے بہت سے رُسل کرام بھیجے ہیں) ﴿إِلَىٰ أُمَمٍ﴾ (بہت سی اُمتوں کی طرف) ﴿مِّن قَبْلِكَ﴾ (جو آپ کے زمانہ اقدس سے پہلے گزرے ہیں) مِن ابتدائیہ اور زمانہ کی غایت کے لئے ہے (یہ کوفیوں کا مذہب ہے) جیسے نِمْتُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَصُمْتُ مِنْ أَوَّلِ الشَّهْرِ " میں۔

(ف) سنان چلپی محشی فرماتے ہیں کہ مِنْ زائدہ ہے۔ یہ اس نحوی کے مذہب پر جو کلام میں مِن زائدہ کا قائل ہے۔ ایک اور مذہب میں یہ مِنْ بمعنی فِی ہے جیسے إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ میں۔

﴿فَأَخَذْنَاهُم﴾ " فاء فصیحہ ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ کلام مبنی پر حذف ہے کہ دراصل فکذبوا رسلھم فاخذنا تھا (اُنھوں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں پکڑا) ﴿بِالْبَأْسَاءِ﴾ " سختی اور فقر و فاقہ سے۔ ﴿وَالضَّرَّاءِ﴾ آفات و نقصانات سے یہ دونوں مؤنث کے صیغے ہیں۔ اُن کا کوئی مذکر نہیں۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ﴾ " تاکہ دُکھ دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائیں اور عاجزی کر کے کفر و معاصی سے توبہ کریں ﴿فَلَوْلَا﴾ (تو کیوں نہ ہو)

﴿إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا﴾ " جب اُن پر ہمارا عذاب آیا یہاں پر بأس بمعنے عذاب ہے۔ ﴿تَضَرَّعُوا﴾ تو گڑگڑائے ہوتے یعنی باوجودیکہ انہیں گڑگڑانے پر بعض اُمور مجبور کرتے ہیں لیکن عجز و انکسار اور توبہ و استغفار اور تضرع و زاری نہ کی

(ف) لَوْلَا کا لفظ ملامت و ندامت کا فائدہ دیتاہے۔ یہ اس وقت ہے جب وجود فعل کے اسباب موجود اور ترک کے عذر معدوم ہوں۔

﴿وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ " لیکن اُن کے دل سخت ہوگئے یعنی اُنھوں نے عجز و نیاز نہ کیا بلکہ اُن کے دل خشک اور سخت ہوگئے اگر اُن کے دِلوں میں رقت اور نرمی ہوتی تو عجز و نیاز ضرور کرتے۔

﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ " اور شیطان نے اُن کے کام یعنی کفر و معاصی بہتر کر دکھائے بایں طور کہ انہیں گمراہ کر دیا اور لذات و شہوات اور خوشی و راحت کی طرف بُلایا اور انہیں فکر و تدبر سے دُور رکھا۔ اُن کو خیال تک نہ آنے دیا کہ یہ دُکھ درد اور فقر و فاقہ کیوں ہیں؛ حالانکہ اس سے وہ متنبہ ہوتے کہ یہ مصائب اس لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ (جب اُنھوں نے بھلا دیا جو وُہ انہیں نصیحتیں کی گئی تھیں) اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جو کہ فانہمکوا ہے یعنی پس وہ منہمک ہو کر بھولے جب انہیں نصیحت بأساء و ضراء سے کی گئی۔ ﴿فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ﴾

شَيْءٍ ،، توہم نے اُن پر ہر ایک چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی مُہلت کے طور انہیں ہر قسم کی نعمتیں دی گئیں۔
حَتّٰى ،، ابتدائیہ اور فتحا کے لئے غایت ہے۔ إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا ،، جب اپنے دُنیوی عروج کو دیکھ کر اترانے لگے اور تکبّر میں آ گئے۔ یہاں پر فرح بمعنی اترانا مُراد ہے جیسے قارون کو دُنیا و دولت ملی تو تکبّر میں آگیا تو اس کے لئے بھی فرمایا لَا تَفْرَحْ (وہاں بھی فرح سے تکبّر مُراد ہے) أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ،، ہم نے انہیں عذاب کے لئے اچانک پکڑ لیا اس لئے کہ اچانک کا عذاب شدید ترین ہوتا ہے بلکہ زیادہ ہولناک۔ جیسا کہ اہلِ معانی نے فرمایا۔ (سوال) اُن کی راحت و فرحت اور نعمت سے مالا مال ہونے کے وقت اچانک کوفت کیوں ہوئی۔

جواب : تاکہ انہیں سلامتی و عافیت کے بعد زیادہ سخت حسرت ہو۔

فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ،، اب وہ نااُمید ہو جائیں گے (حسرت کرنے والے) جتنے امیدوار تھے اتنا ہر بھلائی سے نااُمید ہوئے۔ یہ إِذَا مفاجاتیہ ہے اور اِبلاس بمعنی نجات سے نااُمیدی جبکہ ہلاکت سر پر آجائے اس سے اُن کی حسرت و حُزن کا اظہار ہے۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ،، تو ظالموں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یعنی اُن کے چھوٹے بڑے سب ختم کر دیئے گئے۔ گویا ان کا ایک بھی باقی نہ رہا۔ دابر اُس تابع کو کہتے ہیں جو شیٔ کے پیچھے بطور نیابت کے ہو۔ جیسے والد کا تابع ولد۔ اہلِ عرب کہتے ہیں : دبر فلان القوم یدبر دبرًا دبُورا ، یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی قوم کو بالکل تباہ و برباد کر دے۔

(ف) بغوی نے فرمایا کہ عذاب سے اُن کی وہ تباہی و بربادی مُراد ہے کہ ان کا ایک بھی باقی نہ رہا۔

سوال : عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں هُمْ (ضمیر) ہو۔ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ اتنی طویل عبارت کا کیا فائدہ۔ (جواب) تاکہ حکم کی علّت کا اظہار ہو کہ انہیں یہ سزا صرف اس لئے ملی کہ اُنھوں نے نعمتوں پر شکر کی بجائے ناشکری کی اور نعمتوں کی خوشی میں طاعاتِ الٰہی بجالانے کے بجائے گناہ کئے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ،، اور تمام تعریفیں تمام جہانوں کے لئے ہیں کہ اس نے کفار و مُشرکین کو تباہ و برباد کیا۔

سوال : کفار کی تباہی و بربادی پر حمد و شکر کیسی۔

جواب : اس لئے کہ کفار اور گنہگاروں کی تباہی و بربادی سے اہلِ دنیا کو چھٹکارا نصیب ہوتا ہے کہ وہ اُن کی نحوستِ عقائد و اعمال سے پریشان ہوتے ہیں۔ اُن کے تباہی و برباد ہونے پر انہیں نجات ملتی ہے تو اُن کے لئے وہ ایک نعمت ہے اور ہر ہر نعمت پر شکر واجب۔ بالخصوص وہ نعمت کہ جس سے دین کا جھنڈا بلند ہو اور اُس کی تمام رُسل کرام علیہم السلام نے تعریف کی۔

مسائل:۔ آیت سے چند مسائل ثابت ہوئے (۱) ہر حال میں اللہ تعالےٰ کو مرجع و ماویٰ سمجھنا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ سمجھدار صرف اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رجوع کرتا ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ یا اسباب ہیں یا آلات اور مؤثر حقیقی اللہ تعالےٰ ہے یہی وجہ ہے کہ مومن کی شان ہے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ کے دروازے کا سائل اور اسی کی درگاہ کا گداگر بنا رہتا ہے۔ دکھ کی گھڑیوں میں بھی اور آرام و آسائش کے وقت بھی بخلاف کافر کے وہ اپنے آقا کو دکھ اور نزولِ شدت کے وقت پکارتا ہے۔ حالانکہ مقبول بارگاہِ حق وہ ہے جو اپنے اختیار سے ہی اپنے آقا کیطرف رجوع رکھے اور مطیع و فرمانبردار بھی وہی انسان ہے جو ہر حال میں اپنے آقا کے دروازے پر پڑا رہے۔

(۲) اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو تکالیف و مصائب سے راحت و فرحت اور مختلف نعمتوں سے نوازتا ہے کبھی اس کے برعکس کرتا ہے۔ جیسے شفیق باپ کبھی اپنی اولاد سے سختی کرتا ہے اور کبھی نرمی صرف اس ارادہ پر کہ اس کی اصلاح و تربیت ہو۔ اس لئے کہ ایسے طریق سے بندے کی بہتر تربیت اور اچھی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اس میں اس کا دینی و دنیوی فائدہ بھی ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا۔

نہاد سخت تو سوہان بجز دنمے کند   وگرنہ پست و بلند زمان سوہانست

ترجمہ:۔ تیری سخت طبیعت کو سوہان درست نہیں کرسکتا یہی زمانے کا گرم و سرد تیرا سوہان ہے

(۳) جتنی مہلت دی جاتی ہے اسی قدر سزا سخت تر ہوتی ہے۔ (نعوذ باللہ)

حدیث شریف:۔ جب دیکھو کسی بندے پر اس کے گناہوں کے باوجود نعمتوں کی فراوانی ہے جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی ملتا ہے تو سمجھو کہ اسے مہلت دیجا رہی ہے۔ پھر اسے سخت سے سخت سزا ملے گی۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ (الآیۃ)

تفسیر صوفیانہ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ارباب ظاہر کو دکھ کے بعد قسم و قسم کی نعمتوں سے ہم نوازتے ہیں۔ کہ ہر طرح کا مال عزت و شان مقبولیت اور صحت و عافیت وغیرہ وغیرہ انہیں عطا ہوا۔ اور ارباب باطن کو فتوحاتِ غیب اور آرائہ آیات اور ظاہری کرامات اور رویت انوار و کشف اسرار قلوب کے بھید کا علم اور اوقات کی صفائی اور مشاہدۂ روحانیہ و دیگر عجائبات سے نوازتے ہیں جیسے بچوں کیطرح ان کی تربیت کیجاتی ہے (اس لئے کہ بہت سے متوسط طبقہ کے سالکین کو اثنا سلوک میں ایسے واردات ہوتے ہیں) جب مجاہدہ کثیرہ کے وقت ان کے نفس کو ملال پیش آتا ہے اور کثرت ریاضات سے انہیں مذکورہ بالا انعامات نصیب ہوتے ہیں۔ تو شیطان انہیں وسوسہ ڈالتا اور نفسِ امارہ بھی ترغیب دیتا ہے کہ تم طریقت کے بادشاہ بن گئے ہو۔ فلہذا اب کسی شیخ طریقت کی صحبت کی ضرورت نہیں پھر وہ طلب راہِ حق میں اکیلے چل پڑتے ہیں جس سے انجام بکار رسوائی اور ذلت و خواری کے گھاٹ اترتے ہیں۔ اور شیطان انہیں اپنے قابو میں لے لیتا ہے اور انہیں خوارق عادات دکھا

جیسے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی عبادت کی برکت سے ہے۔[1]

حکایت: ایک سالک راہ کسی جنگل میں جا رہا تھا اسے پیاس لگی تو کنوئیں پر گیا تو پانی خود بخود کنوئیں کے منہ پر آ گیا یہ کیفیت دیکھ کر اس نے بارگاہ حق میں التجا کی کاش اس وقت مجھے کوئی بادیہ نشین پتھر مار مار کر پانی پلاتا تو بجائے اس کرامت کے میرے لئے وہی بہتر ہوتا اس لئے کہ یہ کرامت میرے لئے باعث عجب ہے۔ اور اس کا پتھر کھانا میرے لئے موجب بہتری ہوتا۔

فائدہ: حضرت الشیخ ابو عبداللہ قرشی قدس سرہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے لئے کرامت و خرق عادت کو اس طرح عیب نہیں سمجھتا جیسے عام آدمی گناہوں کے ظاہر ہونے کو عیب سمجھتا ہے تو سمجھو وہ حجاب میں ہے عجب مذموم بلکہ مہلک ہے۔

حدیث شریف: مہلکات تین ہیں (۱) بخل (۲) ہوائے نفس، (۳) عجب ؎

(۱) مرد معجب ز اہل دیں نہ بود ؎ ہیچ خود بین خدا نہ بود

(۲) بیخبر از جہان و مست یکیست ؎ خویشتن بین و بت پرست یکیست

ترجمہ: (۱) عجب والا کبھی اہل دین نہیں ہوتا کوئی خود بین خدا بین نہیں ہوتا۔

(۲) وہ جہان سے بے خبر ہو کر صرف ایک کے خیال میں مست ہوتا ہے اور بت پرست پاگل ہے۔

علاج روحانی: عجب کا علاج یہ ہے کہ اپنی ہر ترقی کو توفیق ایزدی سمجھے۔

(۴) ہر نعمت پر حمد و شکر لازمی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ سب سے پہلے بہشت میں حمد کرنے والوں کو بلایا جائیگا۔ جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ " اسی وجہ سے انہیں سلامتی نصیب ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا اس سے ثابت ہوا کہ حمد کرنے پر سلامتی نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ: نعمت دینی ہو یا دنیاوی ہر نعمت پر صبر و شکر ضروری ہے۔

حکایت: حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ رات کو میرے گھر کا سامان چرالے گئے ہے۔ آپ نے فرمایا شکر الٰہی بجالا اس لئے کہ اگر تیرے دل پر شیطان ڈاکہ ڈال کر تیرے دل سے توحید کا سامان لوٹ کرلے جاتا تو پھر تو کیا کرتا۔

حکایت صاحب روح البیان: صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے خواب میں سوال ہوا کہ حمد کسے کہتے ہیں میں نے جواب

---

[1] تاویلات نجمیہ ۱۲۔

دیا کہ اسباب کی تیاری کے باوجود اللہ تعالیٰ کے کمال کا اظہار پھر سائل نے فرمایا (اور وہ سائل بھی بہت بڑے شائع اولیاء میں تھے) کہ اسباب کی تیاری کا کیا مطلب۔ میں نے عرض کی ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا کر ملکوت کی طرف متوجہ ہونا اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثناء بجالانا جیسے اس ذات کے لائق ہے۔ جب میں بیدار ہُوا تو مجھے حمد کی تفسیر میں شکر کے مراتب معلوم ہُوئے۔ کسی بزرگ نے فرمایا ؎

الشکر قید النعم، مستلزم دفع النقم وھو علی ثلاثۃ۔ قلب یدفا عسلم وفسم

ترجمہ: یعنی شکر نعمتوں کو قید کرتا ہے۔ تکالیف کو دفع کرتا ہے اور وہ تین طرح ہے۔ دل اور ہاتھ اور منہ سے۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ اَرَءَیْتُمْ ،، اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے فرمائیے کہ مجھے خبر دو اے مشرکو!

(سوال) تم نے رؤیت کا اخبار معنٰے کیوں کیا۔

(جواب) رؤیت بصری ہو یا علمی اخبار کا سبب بنتی ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔

اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ ،، اللہ تعالیٰ اگر تمہارے کان کی شنوائی چھین لے۔ یعنی تمہیں بہرہ بنا دے۔ وَ اَبْصَارَکُمْ ،، اور تمہاری آنکھوں کی بینائی مٹا دے۔ یعنی تمہیں بالکل اندھا بنا دے۔ وَخَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ (اور تمہارے قلوب پر مہر لگا دے) یعنی تمہارے دلوں پر ایسا پردہ ڈال دے کہ جس سے تمہارے عقول زائل کر دے اور تم میں سے سمجھنے کا مادہ ہی ختم ہو جائے یعنی تم پاگل ہو جاؤ۔

مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ ،، کونسا معبود ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہو۔ مَنْ مبتدا اور الٰہ اس کی خبر ہے اور غیر اللہ الٰہ کی صفت ہے۔ یَاْتِیْکُمْ بِہٖ ،، چھینی ہُوئی چیزوں کو تمہارے ہاں لائے گا۔ یہ الٰہ کی دوسری صفت ہے۔ یہ جملہ رؤیت کے متعلق اور استخبار کا انحصار اسی پر ہے یعنی مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعلیٰ اعضاء سلب کرلے پھر کون ہے اُس کے سوا، جو تمہیں وہی اعضاء واپس دے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اُس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی قدرت والا ہی مستحق عبادت ہے اور عبادت کے رنگ میں تعظیم کے لائق بھی صرف وہی ہے (یہ مشرکین پر دُوسری حجت ہے) اُنْظُرْ ،، اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ۔ ہم آیات کو کس طرح پھیرتے ہیں۔ یعنی بار بار انہیں اپنے آیات دکھاتے ہیں اور اُن افہام و تفہیم کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی انہیں عقلیات کے مناظر کے دکھاتے ہیں کبھی ان کو ترغیب و ترہیب کے رنگ میں سمجھاتے ہیں کبھی انہیں اُن کے متقدمین کے حالات سُنا کر متنبہ کرتے ہیں۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا تصریف قرآنی اصطلاح میں اُن اسباب کو کہا جاتا ہے کہ جنہیں بروئے کار لاکر مطلب کو واضح کیا جائے کہ جس میں کسی قسم کا خفا باقی نہ رہے۔ ثُمَّ ھُمْ یَصْدِفُوْنَ ،، پھر وہ ان آیات سے اعراض کرکے ایمان قبول نہیں کرتے۔

(ف) **ثُمَّ**۔ اُن کے صدق کے استبعاد کی وجہ سے ہے یعنی ان کا اعراض ہمارے آیات کو ایسے عجیب وغریب طریق سے پیش کرنے کے بعد عجیب ہے باوجودیکہ آیات کی تعریف اُن کے ایمان کا موجب تھی لیکن انہوں نے ان سے اعراض کیا۔ **قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ** ، فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو کہ مجھے خبر دو۔ **إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً** ، اگر تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا آئے (یعنی رات کو یا دن کو)

سوال : تم نے بغتۃ کو رات اور جہرہ کو دن سے کیوں تعبیر کیا۔

جواب : اکثر ایسے ہوتا ہے کہ اچانک کا عذاب رات کو آتا ہے۔ کھلم کھلا دن کو۔ سُورہ اعراف میں مضمون کی تفسیر یونہی کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا : **أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ** اور قرآن کا ایک مضمون دوسرے مضمون کی تفسیر کرتا ہے۔

هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ ، (نہیں ہلاک و برباد کیا جاتا مگر قوم ظالم کو) یہ استفہام بمعنی نفی کے ہے اور استخبار کا متعلق محذوف ہے یعنی اخبرونی ،، الخ یعنی اگر تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب پہلے لوگوں کی طرح رات یا دن کو آئے تو مجھے بتاؤ تمہارا حال کیسا ہوگا۔ اس کے بعد یُہلک الخ میں اُن کے حال کی تفصیل بتائی گئی ہے۔ یعنی مذکورہ بالا عذاب اگر آجائے تو وہ صرف تمہیں ہلاک و برباد کرے گا۔

فائدہ : اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر یعنی اَلْقَوْمُ الظّٰلِمُوْن کو لانے میں اشارہ ہے کہ اُن کے عذاب کا موجب اُن کا ظلم ہے اور ان کا ظلم یہی تھا کہ ایمان لانے کے بجائے کفر کرتے رہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ،، یہ دونوں اَلْمُرْسَلِیْن کے حال مقدرہ ہیں۔ دراصل عبارت یوں تھی وَمَا نُرْسِلُهُمْ اِلَّا مقدرًا تبشیرهم الخ یعنی ہم نے رُسل کرام علیہم السلام کو صرف اُس نے بھیجا ہے کہ وہ قوم کو خوشخبری سُنائیں اور ڈرائیں بھی اس میں ان کے تشریف لانے کو علت غائی بھی بتائی گئی ہے یعنی ہم نے انہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ صرف قوم کے سامنے آیات ظاہر کریں یا اُن کی غفلت دُور کریں ، بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنی قوم کو طاعت پر خوشخبری سُنائیں اور گناہوں پر عذاب کا ڈر سُنائیں۔

(ف) التبشیر بمعنی خوش کن خبر سُنانا اور الانذار بمعنی ضرر رساں خبر سُنانا۔ **فَمَنْ آمَنَ** ،، پس جو ایمان لائے گا **وَأَصْلَحَ** اور نیک عمل کریگا۔ یا اہل صلاح میں سے ہو جائے گا۔ **فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ** ،، پس جس عذاب سے انہیں ڈرایا گیا ہے۔ اس سے وہ بے خوف ہوں گے نہ انہیں دُنیا میں کوئی عذاب ہوگا اور نہ آخرت میں۔ **وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ** ،، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یعنی جس خوشخبری سے انہیں خوش کیا گیا ہے۔ دُنیا کی خوشخبری

یا آخرت کی۔ اس کے فوت ہونیکا انہیں کوئی غم لاحق نہ ہوگا "وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا" اور جنہوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی **ف**: آیات سے وہ بیانات مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام نے خوشخبری دے کر اور ڈرا کر قوم کو بتائے اور انہوں نے اپنی قوم کو احکامات پہنچائے۔ "يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ" انہیں عذاب پہنچے گا

سوال: مس (پہنچنا) کا اسناد عذاب کیطرف صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کا اسناد ذی حیات شے کیطرف ہوتا ہے جو کسی فعل کو اپنے قصد و اختیار سے کرے اور عذاب میں حیات اور قصد و اختیار کہاں۔

جواب: اس میں استعارہ بالکنایہ ہے کہ عذاب کو پہلے ذی حیات تصور کیا گیا ہے پھر اس کے قصد و اختیار ثابت کر کے کفار کے لئے دکھ درد پہنچانے کا معنے کیا گیا ہے "بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ" بسبب ان کے دائمی فسق کے یعنی تصدیق و طاعت سے نکل جانے کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ: آیات میں ترغیب و ترہیب ہے ان کلمات قدسیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا اے آدم علیہ السلام میرے عذاب سے پُل صراط سے گزر جانے تک خوف میں رہنا۔

فائدہ: مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے پیارے خلیل ہر وقت مغموم کیوں رہتے ہو عرض کی یا اللہ تیری بے نیازی کا ڈر ہے کہ میرے باپ آدم علیہ السلام کو باوجودیکہ آپ سے قرب تھا۔ انہیں تو نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور روح ان کے اندر پھونکی اور ملائکہ سے ان کو سجدہ کرایا لیکن صرف ایک خطا (ظاہری) سے اپنے سے انہیں تو نے دور فرما دیا۔ اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ محبوب کی چھوٹی سی غلطی بھی محبت پر سخت گراں ہوتی ہے۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ بصرہ میں گیا تو میرا حضرت سعدون مجنون رحمۃ اللہ علیہ سے گذر ہوا۔ میں نے ان سے پوچھا حضرت کیا حال ہے انہوں نے فرمایا اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو صبح و شام سفر میں ہو اور اسکے پاس زاد راہ بھی کچھ نہ ہو اور اسے حاکم عادل کے سامنے حاضر ہونا ہو اس کے بعد سخت روئے میں نے پوچھا حضرت آپ روئے کیوں ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میرا رونا دنیا پر حرص کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی مجھے موت سے ڈر ہے اور نہ ہی خطرہ ہے کہ مرنے کے بعد مٹی سے مٹی ہو جاؤں گا بلکہ اس لئے روتا ہوں کہ زندگی ضائع گئی۔ اور نیک عمل نہ کر سکا۔ ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت آورد :: روزیکہ رخت جاں بجہان دگر کشیم

ترجمہ:۔ کوئی کام کریں ورنہ شرمساری ہوگی کہ اس دن جبکہ ہم اس جہان سے دوسرے جہان کو کوچ کرینگے۔

سعدون مجنون نے فرمایا میں اپنی قلت زاد راہ کیوجہ سے روتا ہوں اس لئے کہ سفر بھی کٹھن اور طویل ہے اور راستہ میں طرح طرح کے خطرات ہیں۔ اسکے بعد نامعلوم میرا انجام کیا ہے۔ بہشت ہے یا دوزخ میں نے اُن سے

السلام سُنا تو عرض کی کہ آپ کو تو لوگ مجنون کہتے ہیں۔ فرمایا مجھے جنون نہیں لیکن مجھے محبوب حقیقی نے ایسے بنا دیا ہے کہ اب دل اپنے قابو میں نہیں رہا۔ آنتیاں گل سڑ گئی ہیں اور گوشت اور خون خراب اور ہڈیاں چکنا چور ہو گئی ہیں۔

شعر: (۱) در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست دَر و ÷ شرطِ اول قدم آنست کہ مجنون باشی

(۲) کاروان رفت و تو درخواب و بیابان درپیش ÷ کے روی رہ ز کہ پرسی چہ کنی چوں باشی

ترجمہ: (۱) رہِ لیلیٰ میں بہت بڑے خطرے ہیں، شرطِ اوّل یہ ہے کہ اس راہ میں مجنون ہو جا

(۲) قافلہ گیا اور نیند میں ہے اور آگے جنگل ہے اس پر تو کب چل سکتا ہے کس سے پوچھے گا۔ کیا کر سکے گا تیرا کیا حال ہوگا (جب تیرا رہبر نہ ہو)

سبق: انسان سے جب غلطی ہو جائے تو عقلمند وہ ہے جو توبہ و استغفار میں جلدی کرے تاکہ ملک قہار کے عذاب سے بچ سکے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ الخ (جو ایمان لائے اور اصلاح کرے)

اعجوبہ: ملائکہ جب کسی بندے کا برائیوں کا اعمالنامہ آسمان پر لے کر جاتے ہیں تو جب لوحِ محفوظ پر دیکھتے ہیں تو اس کے لئے بجائے برائیوں کے نیکیاں لکھی ہوتی ہیں۔ وہ یہ کیفیت دیکھ کر بیہوش ہو کر رہ جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں یا اللہ تو جانتا ہے کہ ہم نے اُس کے بُرے عمل کی وجہ سے اس کی برائیاں لکھی ہیں، لیکن یہاں اُس کی نیکیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک اے فرشتو تم تو سچ کہتے ہو لیکن میرے اس بندے نے برائیوں کے بعد ندامت ظاہر کی ہے اور توبہ و استغفار میں خوب رویا ہے مجھے اس کے حال پر رحم آ گیا ہے۔ اس لئے میں نے اُس کے گناہ بخش دیئے ہیں۔ یہ میرا کرم ہے اور میں اکرم الاکرمین ہوں۔

سبق: ایمان اور نیک عمل اور غلطیوں پر ندامت کا اظہار دُنیا و آخرت میں نجات کا سبب ہے۔

مسئلہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگرچہ ایمان اسلام ایک شئے ہیں، لیکن ان میں ایک باریک فرق بھی ہے وہ یہ کہ مجاز عُرفی کے اعتبار سے جس میں تصدیق قلبی ہو وہ ایمان ہے۔ (اس لئے کہ اس میں اصل معنے موجود ہے) اور جس میں تصدیق قلبی نہ ہو اور صرف زبان سے تصدیق کی جائے وہ اسلام ہے۔

قُلْ "، فرما دیجئے اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے جو آپ سے کبھی نزول آیات کا سوال کرتے ہیں اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ "میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے

لہ اس آیت سے مخالفین رسول خدا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کی تنقیص میں بڑا زور لگاتے ہیں۔ فقیر نے "احسن التحریر فی دورۃ التقریر" میں اس کے متعلق ایک جامع تقریر لکھائی تھی وہ تاحال غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی طباعت

ہیں یعنی میں اپنے لئے بالاستقلال اور دعویٰ کے طور نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ ان میں جس طرح چاہوں تصرف کروں۔ جس کی وجہ سے تم مجھ سے کبھی تنزیل آیات کا مطالبہ کرتے ہو اور کبھی انزال عذاب کا کہتے ہو اور کبھی سوال کرتے ہو کہ پہاڑ کو سونا بنا دو۔ اس طرح کے اور وہ سوالات جو میرے شان کے لائق نہیں۔

(ف) خزائن خزینہ کی جمع ہے بمعنے مخزونہ حداوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے بندوں کے خزانوں کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے اس کے مقدورات ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی تکوین کے بغیر نہیں ملتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خزانہ کی جمع ہو اس مکان کو کہتے ہیں جہاں کوئی شئے پوشیدہ رکھی جائے اور اہل عرب کہتے ہیں خزن الشئ بمعنے احرازہ یعنی شئے کو سمیٹنا۔ اس حیثیت سے کہ وہ کسی کی دستبرد سے محفوظ ہو۔

سے پہلے اس کے چند جوابات یہاں لکھ دیتا ہوں تاکہ روح البیان کے مطالعہ کرنے والوں کو فائدہ اور فقیر کو اجر ثواب ملے۔

تفسیر: کفار کا طریقہ تھا کہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کے سوال کیا کرتے تھے کبھی کہتے کہ آپ رسول ہیں تو ہمیں بہت سی دولت اور مال دیجئے کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں۔ ہمارے لئے پہاڑوں کو سونا کر دیجئے کبھی کہتے کہ گزشتہ اور آئندہ کی خبریں سنائیے اور ہمیں ہمارے مستقبل کی خبر دیجئے کیا کیا پیش آئے گا تاکہ ہم منافع حاصل کریں اور نقصانوں سے بچنے کے پہلے سے انتظام کرلیں کبھی کہتے ہمیں قیامت کا وقت بتائیے کب آئے گی کبھی کہتے کہ آپ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے بھی ہیں نکاح بھی کرتے ہیں۔ ان کی ان تمام باتوں کا اس آیت میں جواب دیا گیا کہ یہ کلام نہایت بے محل اور جاہلانہ ہے کیونکہ جو شخص کسی امر کا مدعی ہو اس سے وہی باتیں دریافت کی جاسکتی ہیں جو اس کے دعویٰ سے تعلق رکھتی ہوں غیر متعلق باتوں کا دریافت کرنا اور اس دعویٰ کے خلاف حجت بنانا انتہا درجہ کا جہل ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ آپ فرما دیجئے کہ میرا دعویٰ یہ تو نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جو تم مجھ سے مال و دولت کا سوال کرو اور میں اس کی طرف التفات نہ کروں تو رسالت سے منکر ہو جاؤ نہ میرا دعویٰ ذاتی غیب دانی کا ہے کہ اگر میں تمہیں گزشتہ یا آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں تو میری نبوت ماننے میں عذر کر سکو نہ میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ کھانا پینا نکاح کرنا قابل اعتراض ہو تو جن چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا ان کا سوال بے محل ہے اور اس کی اجابت مجھ پر لازم نہیں میرا دعویٰ نبوت و رسالت کا ہے اور جب اس پر زبردست دلیلیں اور قوی براہین قائم ہو چکیں تو غیر متعلق باتیں پیش کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے (خزائن العرفان)

مذکورہ بالا تقریر مندرج ذیل تفسیر معتبرہ اہلسنت کے اکابر علماء و مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے عین مطابق ہے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (۱) تفسیر مظہری ص ۲۳۸ ج ۳ تحت آیت ھٰذا میں لکھا ہے کہ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ای مقدوراتہ اور خزائن رزقہ ولا اعلم الغیب عطف علی عندی خزائن اللہ ولا زائدۃ یعنی

شانِ نزول : اہلِ مکہ حضور علیہ السلام سے کہا کرتے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے دُنیا کے منافع اور اُس کی خیرات میں وسعت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بتایا کہ آپ فرمائیں کہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ میرے ہاتھ میں رزق کی کنجیاں ہیں کہ کسی کا رزق بڑھاؤں اور گھٹاؤں۔ **وَلَآ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ** اس کا عطف عندی کے محل پر ہے اور لا زائدہ ہے جو نفی

ولا اقول لکم اعلم الغیب ما لم یوح الیّ ولا اقول لکم انی ملک من الملائکۃ حتی ینافی دعوی الاکل والشرب والنکاح یعنی لا اقول لکم شیئا یجب انکارہ عقلا او یستدعی اقتراح الآیات ان اتبع فی تعلیم العلوم وتبلیغ الاحکام شیئا الا ما یوحیٰ الیّ یعنی ادعی النبوۃ والتصدی بما یتصدی له الانبیاء ولا استحالة فیه بل هُوَ جائز عقلا وافع تواتر به الاخبار عن الانبیاء الماضین فیه ردّ علی استبعادهم دعواه وجزمهم علی فساد مدعاه وقال البغوی هذه الآیات نزلت حین اقترحوا الآیات یعنی قل لهم لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰه حتی اجعل لکم الصفا ذهبا واعطیکم ما تریدون وَلا اعلم الغیب حتی اخبرکم بما مضی وَمَا سیکون من غیر وحی من اللّٰه وَلا اقول لکم انی ملک حتی لا احتاج الی الاکل والشرب والنکاح ان اتبع الا ما یوحی الیّ۔

اس عربی عبارت کا ترجمہ تقریباً وہی ہے جو ہم نے اُوپر لکھا ہے۔

---

(۴) تفسیر صاوی تحت آیۃ ھذا کے تحت لکھا ہے: ھٰذا مرتب علی قوله وَمَا نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین کانه قال لیس علی الرسول الا البشارۃ والنذارۃ ولیس من وظیفة اجابتهم عما سالوہ عنه من الافعال ما طلبوہ منه لانه لیس عندہ خزائن اللّٰه الخ (قوله خزائن اللّٰه) ای لا ادعی ان مقدرات اللّٰه تعالیٰ من ارزاق وغیرها مفوضة الیّ حتی اتطلبوا منی قلب الجبال ذهبا وغیر ذالك (قوله ولا اعلم الغیب) ای ما غاب عنی من افعال اللّٰه حتی تسألونی عن وقت الساعة او وقت نزول العذاب (قوله ولا اقول لکم انی ملك) ای حتّی تکلفونی لصفات الملائکة کا لصعود للسماء وعدم المشی فی الاسواق وعدم الاکل والشرب وهذہ الاٰیة نزلت حین قالوا له، إن کنت رسولا فاطلب منه ان یوسع علینا ویغنی فقرنا فاخبر ان ذالك بید اللّٰه لا بیدہ بقوله قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰه وقالوا له ایضا اخبرنا بمصالحنا ومضارنا فی المستقبل حتّی نهیأ لذالك فتحصل المصالح وندفع المضار فقال قل لا اعلم الغیب فاخبرکم بما تریدون وقالوا له لهٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ویتزوج النساء فقال لهم ولا اقول لکم انی ملك "

تقریباً مذکورہ ترجمہ اس عبارت کا مفہوم بھی ادا کرتا ہے۔ اسی لئے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں البتہ ان عبارات و

مذکور کی یاد دہانی کراتا ہے۔ یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے غیب جانتا ہوں کہ جس سے تم مجھ سے سوال کرتے ہو۔ مثلاً پوچھتے ہو کہ قیامت کب قائم ہوگی اور سوال کرتے ہو کہ عذاب کس وقت نازل ہوگا۔ وغیرہ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌؕ اور میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں تاکہ تم مجھے ان امور کے اظہار کی تکلیف دیتے ہو (جو خرق العادۃ) ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انسانی حیثیت سے ممکن نہیں۔ مثلاً آسمان پر چڑھ جانے کے متعلق کہتے ہو یا اگر میں تمہارے سوالات پورے نہ کروں تو کہو کہ میں جس مقصد کو لے کر آیا ہوں۔ اس پر پورا نہ اتر سکا۔ چنانچہ ان کے اقوال دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ[1] ،، خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے کفار سے فرمایا کہ میں ان تینوں امور کا مدعی نہیں۔ تاکہ مجھ

مندرجہ ذیل تفاسیر کے حوالہ جات کا خلاصہ فقیر اویسی غفرلہ کی تحقیق کے باب میں آجائیگا اور وہ تحقیق انہی اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔ (تفسیر نیشاپوری میں ہے)

(دیگر تفاسیر کے حوالہ جات)

(۳) (قل لا اقول لکم) لم یقل لیس عندی خزائن اللہ لیعلم ان خزائن اللہ وھی العلم بحقائق الاشیاء وماھیاتھا عندہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فی قولہ ارنا الاشیاء کما ھی ولکنہ یکلم الناس علی عقولھم (ولا اعلم الغیب) ای لا اقول لکم ھٰذا مع انہ قال صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ علمت ما کان وما یکون او مختصرا

یعنی ارشاد ہوا کہ اے نبی فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں (بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں) تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں (مگر حضور لوگوں سے ان کی سمجھ کے قابل باتیں بیان فرماتے ہیں) اور وہ خزانے کیا ہیں؟ تمام اشیاء کی ماہیت و حقیقت کا علم ،، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ملنے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ پھر فرمایا ،، اور میں غیب نہیں جانتا ،، یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے، ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں کہ مجھے ما کان وما یکون کا علم ملا۔ یعنی جو کچھ گزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔

(۴) اسی تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ یحتمل ان یکون ولا اعلم عطفًا علی ان لا اقول لکم ای لا اعلم الغیب فیہ دلالۃ علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الا اللہ ،، یعنی اس آیت میں احتمال ہے کہ لا اعلم کا عطف لا اقول پر ہو اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں اس میں دلیل ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے۔

(۵) اسی تفسیر نیشاپوری میں ہے اَیْ لَا اَدَّعِیْ القدرۃ عَلٰی كُلِّ الْمَقْدُوْرَاتِ وَالْعِلْمَ بِكُلِّ الْمَعْلُوْمَا

---

[1] اس رسول کو کیا ہے کہ طعام کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے

ان کا مطالبہ کرو یا اُن کے آثار و احکام کے سوالات کرو اور جب میں انہیں نہ پُورا کروں تو تم اسے دلیل کے طور پیش کر کے میری دعوت کا انکار کر دو یا کہو کہ ان امور پر عدم قدرت سے میری رسالت و نبوت بھی غلط ہے۔ حالانکہ ان امور کی رسالت و نبوت کے دعوے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ سے پیغام پہنچانے یا اس سے پیام کے حصول اور پھر اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کا نام ہے؛ چنانچہ فرمایا: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ "میں نہیں اتباع کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اس میں میرا ذاتی طور کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ نہ میں وحی کی استدعا کر کے اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دے سکتا ہوں اور نہ ہی اور کوئی سلسلہ اس میں جاری ہو سکتا ہے۔ (قاعدہ) وحی تین طرح ہوتی ہے (۱) فرشتہ کی زبان سے حکم ربانی پہنچے۔

یعنی میں تمام مقدورات پر رکھنے اور تمام معلومات کے جاننے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ ای لا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ والمجموع ھذین الکلامین حصل انہ نویدعی الالوھیۃ یعنی میں اللہ کے علم سے موصوف ہونے کا مدعی نہیں ہوں اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا ہونے کا دعویٰ نہیں فرماتے۔

تفسیر بیضاوی یہ ہی آیت لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ مَا لَمْ یُوْحَ اِلَیَّ اَوْ لَمْ یَنْتَصِبْ عَلَیْہِ دَلِیْلٌ میں غیب نہیں جانتا جب تک اس کی مجھ پر وحی نہ کی جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔ یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ قَوْلُہٗ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ یَدُلُّ عَلٰی اِعْتِرَافِہٖ بِاَنَّہٗ غَیْرُ عَالِمٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ "یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے۔ یا یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ وَاِنَّمَا نَفٰی عَنْ نَفْسِہِ الشَّرِیْفَۃِ ھٰذِہِ الْاَشْیَاءَ تَوَاضُعًا لِلّٰہِ تَعَالٰی وَاعْتِرَافًا بِالْعُبُوْدِیَّۃِ فَلَسْتُ اَقُوْلُ شَیْئًا مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَدَّعِیْہِ حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کریمہ سے نفی فرمائی۔ رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار فرماتے ہوئے یعنی میں اس میں سے کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر عرائس البیان میں ہے وَتَوَاضَعَ حَیْثُ اَقَامَ نَفْسَہٗ مَقَامَ الْاِنْسَانِیَّۃِ بَعْدَ اَنْ کَانَ اَشْرَفَ خَلْقِ اللّٰہِ مِنَ الْعَرْشِ اِلَی الثَّرٰی وَاَطْھَرَ مِنَ الْکَرُّوْبِیِّیْنَ وَالرُّوْحَانِیِّیْنَ خُضُوْعًا لِلْجَبَرُوْتِیَّۃِ وَخُشُوْعًا لِلْمَلَکُوْتِیَّۃِ "حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت کی جگہ میں رکھا ورنہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ ستھرے ہیں۔ حق تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر اس کی سطوت کے سامنے پستی کے اظہار کے طریق پر فرمایا یعنی دعوائے علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

قرآن پاک کے آیات اسی قبیل سے ہیں۔

(۲) فرشتہ صرف اشارہ کنایہ سے کچھ کہے یعنی زبان سے کچھ نہ کہے اسی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا۔،، رُوح القدس نے میرے دِل پر القاء کیا ہے کہ کوئی نفس نہیں مرتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل کرے۔

(۳) براہِ راست نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اپنے نُور سے اپنے نبی علیہ السلام کو کوئی بات ظاہر فرمائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ ،، تاکہ تم فیصلہ کرو اس اشارہ پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے۔

مدارک میں ہے کہ محل اَلْغَیْبَ النَّصْبُ عطفًا عَلٰی مُحَلِّ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللهِ لِاَنَّهٗ مِنْ جُمْلَةِ الْمَقُوْلِ کَاَنَّهٗ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ هٰذَا الْقَوْلَ وَلَا هٰذَا الْقَوْلَ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ کا اعراب زبر ہے عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللهِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ ،،

رُوح البیان میں تحت آیۃ ہذا میں ہے ہم عربی عبارت کے بجائے اردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں: لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللهِ ،، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں یعنی میں اپنے لئے بالاستقلال اور دعویٰ کے طور نہیں کہتا کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں کہ ان میں جس طرح چاہوں تصرف کروں جس کی وجہ سے تم مجھ سے بھی تنزیلِ آیات کا مقابلہ کرتے ہو اور کبھی انزال عذاب کا کہتے ہو اور کبھی سوال کرتے ہو کہ پہاڑ کو سونا بنا دو اس طرح کے اور وہ سوالات جو میرے شان کے لائق نہیں (شان نزول) اہل مکہ حضور علیہ السلام سے کہا کرتے کہ اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تو ہمارے لئے دُنیا کے منافع اور اس کی خیرات میں وسعت فرمائیے۔ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب بتایا آپ فرمائیں کہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں کہ میرے ہاتھ میں رزق کی کنجیاں ہیں کہ کسی کا رزق بڑھاؤں اور گھٹاؤں وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ اس کا عطف عندی کے محل پر ہے اور لا زائدہ ہے جو نفی مذکور کی یاد دہانی کرتا ہے۔ یعنی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے غیب جانتا ہوں کہ جیسے تم مجھ سے سوال کرتے ہو مثلاً پوچھتے ہو کہ قیامت کب ہوگی اور سوال کرتے ہو کہ عذاب کس وقت نازل ہوگا وغیرہ۔ وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ،، میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں فرشتہ ہوں تاکہ مجھے ان امور کے اظہار کی تکلیف دیتے ہو جو خرقًا لِلعادۃ)

ہم نے آیات و احادیث کے بعد اسلاف صالحین کے اقوال لکھ دیئے تاکہ مخالفین اپنی غلط توجیہ سے عوام کو دھوکہ نہ دیں۔

فائدہ: اشعریہ اور اکثر متکلمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے منکر ہیں۔ جیسا کہ آیت مذکورہ کے آخری جملہ سے واضح ہوتا ہے! لیکن حق یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ثابت ہے اور آپ کے اجتہاد کو بھی وحی کا مرتبہ حاصل ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ وحی از اول تا آخر وحی ہے اور اجتہاد ابتداء میں تو اجتہاد اور اُس کا مآل وحی ہوگا اور اُسے وہی مرتبہ حاصل ہے کہ گویا وہ ابتداء ہی وحی ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ،، فرمایئے محبوب کریم، صلی اللہ علیہ وسلم کیا نابینا اور بینا

تطبیق: ہماری پیش کردہ روایات سے ثابت ہُوا کہ ہمارا موقف حق ہے کہ ہم نے مخالفین کی پیش کردہ آیت کو حق مان کر اس کا اصل منشا ثابت کر دیا اور مخالفین کا صرف یکطرفہ پروگرام ہے جو سراسر غلط اور باطل ہے خلاصہ یہ کہ آیت مذکور مکیہ ہے اور اس وقت بالمقابل کفار و مشرکین تھے انہیں اسی طرح جواب دینا موزوں تھا اور مدینہ طیبہ میں ماننے والوں کی کثرت تھی اور مقابلہ میں یہود تھے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و مناقب معلوم تھے اسی لئے مدینہ طیبہ تشریف لاکر علوم غیبیہ و اختیار و تصرفات کا اظہار فرمایا

تقریر ۶: مخالفین کی عادت ہے کہ ہمیشہ اپنے مطلب براری کے لئے پوری آیتہ نہیں پڑھتے اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ اگر وہ پوری آیتہ پڑھیں گے تو پردہ کھل جائے گا ورنہ مخالفین کا جواب اسی آیۃ کے آخر میں ہے وہ یہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے سے علم غیب و اختیار کی نفی کی تاکہ کفار مکہ کو معلوم ہو کہ علم غیب و اختیار اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے پھر آخر میں اپنے لئے بعطائے الٰہی انہی امور کا اثبات فرمایا کما قال ،، ان اتبع الا مایوحیٰ الیّ ،، یعنی اے کافرو! میں نے تمہارے سامنے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نبی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا وہ جو کچھ کہتا ہے وحی ربانی سے کہتا ہے میں نے جو (بقیہ حاشیہ) تمہارے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس میں میری صداقت اور سچائی کی دلیل وحی ربانی ہے اور وحی ربانی سے مجھے علم غیب بھی حاصل ہے اور اختیار بھی لیکن چونکہ تم ان باتوں کے حامل نہیں جو لوگ ان کے اہل ہیں ان کے سامنے ظاہر کروں گا۔

تقریر ۷: سابقہ امم میں اللہ تعالیٰ نے دستور رکھا کہ کفار جس طرح کا مطالبہ کرتے اللہ تعالیٰ انہیں پورا فرماتا پھر بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر فوراً عذاب نازل ہو جاتا۔

انہیں یہاں بھی اس قانون کا اعلان فرمایا کما قال وَ قالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ،، یعنی کافروں نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ اگر ان کے مطالبہ پر ہماری طرف سے فرشتہ نازل بھی ہو جائے اور پھر بھی وہ

یعنی گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر ہو سکتے ہیں ۔

ربط : جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کریمہ کو وحی کی اتباع سے موصوف فرمایا تو اس سے لازماً ثابت ہوا کہ آپ اپنے کو ہدایت یافتہ اور اپنے معاند کو گمراہ اور اس کے دعویٰ کو گمراہی سے تعبیر فرمائیں ۔ اس لئے ہر وہ عمل جو وحی کے بغیر ہو وہ نابینا کے مشابہ ہے اور وہ عمل جو بمقتضائے وحی ہو وہ بینا کے عمل کی طرح ہے ۔

۴۸ **اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ** ،، کیا تفکر نہیں کرتے ۔ یعنی وہ کلام حق کو سن کر پھر تفکر کیوں نہیں کرتے تاکہ اس کی اتباع کر کے ہدایت پا جائیں اور وحی کے مقتضا پر چلنے والے ہو جائیں ۔

(ف) توبیخ کا دار و مدار دو امروں کے نہ ہونے پر ہے (۱) کلام حق کا نہ سننا (۲) اس میں تفکر نہ کرنا ۔

ایمان نہ لائے تو ان کا کام تمام ہو جائے گا اور انہیں مہلت بھی نہیں ملے گی ۔

فائدہ غور کیجئے کہ آیۃ **قل اقول لکم** الخ میں کفار کا مطالبہ پورا کرتے تو یقیناً ایمان نہ لاتے جیسا کہ ان کی عادت تھی تو لازماً وہ عذاب میں مبتلا ہوتے جیسا کہ اوپر کے قاعدہ و ضابطہ سے معلوم ہوا اور ان کا عذاب میں مبتلا ہونا قیامت تک غیر ممکن تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام سے وعدہ فرما چکا کہ **ما کان اللہ لیعذبہم و انت فیہم** ،، بفرض محال اگر ان پر عذاب نازل ہوتا تو خلاف وعدۂ الٰہی لازم آتا اور وہ محال ہے ۔ کما قال : **ان اللہ لا یخلف المیعاد** ،، اور فرمایا **ان اللہ لا یخلف وعدہ** ،، وغیرہ وغیرہ

ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ **قل لا اقول لکم** الخ میں علم غیب و اختیار کے اظہار نہ کرنا ضروری اور لازمی تھا ورنہ اللہ تعالیٰ پر خلاف وعدہ کا الزام آتا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے لئے مبعوث ہوئے نہ کہ اس کی توہین و تنقیص کیلئے

(مزید تفصیل و تفسیر احسن التحریر میں ملاحظہ ہو)

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا
اور اس قرآن سے انہیں ڈراؤ جنہیں خوف ہو کہ اپنے رب کی طرف یوں اٹھائے جائیں کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہو اور نہ سفارشی

شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝٥١ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ
اس امید پر کہ وہ پرہیزگار ہو جائیں اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا

يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم
چاہتے تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر

مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝٥٢ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ
انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے اور یوں ہی ہم نے ان میں ایک کو دوسرے کے لیے

لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝٥٣
فتنہ بنایا کہ مالدار کافر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ
والوں کو اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم

الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ
پر رحمت لازم کرلی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بے شک اللہ بخشنے

فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥٤ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ۝٥٥
والا مہربان ہے اور اسی طرح ہم آیتوں کو مفصل بیان فرماتے ہیں اور اس لیے کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے

تفسیر عالمانہ

۴۹ ﴿وَأَنذِرْ بِهِ﴾ اور اس عذاب سے خوف دلائیے جو وحی کے ذریعے بنایا گیا ہے۔ ﴿الَّذِينَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ﴾، انہیں جو خوف رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں اُٹھائے جائیں گے۔ یعنی ایسے مقام پہ انہیں اُٹھا کر جمع کیا جائے گا کہ وہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچا سکے گا نہ نقصان۔

(ف) بعض کے نزدیک یَخَافُونَ معنی یَعْلَمُونَ ہے اس لئے کہ اُن کا خوف بوجہ علم کے تھا۔ ﴿لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ﴾، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا قریبی تعلق دار نہیں ہوگا جو قیامت میں انہیں فائدہ پہنچا سکے۔ ﴿وَلَا شَفِيعٌ﴾، اور نہ ہی کوئی سفارشی جو اُن کی سفارش کرے اور یہ بھی جملہ نافیہ ہے اور یُحْشَرُونَ کی ضمیر سے محلاً حال نہیں۔ اس لئے کہ ڈرائے ہوئے لوگوں کا یہی حال ہوگا نہ کہ اُٹھائے ہوؤں کا۔ اور مِن دُونِہٖ لَیْسَ کی ضمیر سے حال ہے اور اَلَّذِیْنَ سے مومن عاصی مُراد ہیں (کذا فی اکثر التفاسیر)

ردِ نجدیہ وہابیہ : یہاں پر شفاعت کی نفی غیر اللہ یعنی اصنام باطلہ سے ہے۔ اہلسنت و جماعت کا مذہب یہی ہے کہ تمام انبیاء عظام و اولیاء کرام علی نبینا و علیہم السلام مجبور کی شفاعت کریں گے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اذن و عطا سے اس معنی پر حقیقی قبضہ و قدرت اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس معنی پر شفاعت اللہ تعالیٰ کی ہے اور مجازاً اللہ والوں کے لئے۔ یہی نفی بحیثیت حقیقت کے ہے نہ بوجہ مجاز کے۔

فائدہ : مولانا ابو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الّذین سے کافروں کا وہ گروہ مراد ہے جو حشر و نشر کے قائل ہیں؛ بلکہ بعض اصل حشر و نشر کے عقیدے میں پختہ کار ہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور بعض وہ مشرکین جو بعثت و نشر کے قائل ہو کر اس گمان میں ہیں کہ وہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد ہیں اس لئے وہ ہماری سفارش کریں گے یا اس غلط خیالی میں مبتلا تھے کہ اُن کے بُت اُن کی سفارش کریں گے۔ اُن کے ساتھ وہ دوسرے بعثت و نشر کے منکر ہو کر خوفزدہ ہو جاتے کہ ممکن ہے کہ بعثت و نشر کا بالکل انکار تھا یا اس کا انہیں اقرار تو تھا لیکن وہ اپنے آباء یعنی انبیاء علیہم السلام اور اپنے معبودانِ باطل کی شفاعت کے قائل تھے۔ ان سب کو انذار کا حکم ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت سے واضح ہو گیا کہ قیامت میں اُن کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ ہی اُن کا ایسا سفارشی کہ جس کی سفارش اُن کے حق میں قبول ہو۔ **لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ** ،، یہ وانذر کی علت ہے یعنی انہیں ڈرائیے تاکہ جن بُرے عقائد پر زندگی بسر کر رہے ہیں اُن سے باز آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا دل میں خوف پیدا کر کے اس کی اطاعت کریں۔ یا اس سے مُراد یہ ہے کہ انہیں ڈرائیں تاکہ وہ کفر و معاصی سے بچیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ کفار سے اُن کے عقول و فہوم کے مطابق کلام کریں اسی لئے فرمایا **قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ** ،، اے کافرو اگرچہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کے بے شمار خزانے ہیں لیکن میں تمہیں نہیں کہتا۔ اور خزائن اللہ سے حقائق الاشیاء کا علم اور اُن کی ماہیات مراد ہیں اور حضور علیہ السلام کو یہ خزائن حاصل تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ** اور اس عموم میں حضور علیہ السلام کو خصوصیت حاصل تھی اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا **اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَآءَ كَمَا هِىَ** ،، مزید مستجاب ہوئی؛ چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا **اُوْتِيْتُ جَوَامِعُ الْكَلِمِ** اور غور سے دیکھا جائے تو آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قُل کا حکم فرمایا ہے کہ **قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ** ۔ وہ بھی اس لئے کہ وہ اُس کے اہل نہیں تھے چنانچہ حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا **وَلَا تُبْذِرِ الْاَسْرَارَ** انہیں حقائق الاشیاء کے اسرار سے مطلع نہ فرمائیے اس لئے کہ یہ اشیاء قلب و رُوح کی غذا ہیں جیسے گندم جسم کی۔ فی الارض عمیان ،، اندھوں کی زمین میں بیج مت ڈالیے۔ اس لئے کہ وہ نہ حق کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی جملہ اشیاء میں حق کا مشاہدہ کرتے

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریغست با سفلہ گفت از علوم ⁂ کہ ضائع شود تخم در شورہ بوم

ترجمہ: کمینے کو علم پڑھانا افسوس کا سبب ہے کہ شور زمین میں بیج ضائع ہو جاتا ہے۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ: (اور میں ذاتی طور غیب نہیں جانتا) ورنہ دلائل سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ تمام حالات کی خبریں دیتے اور اللہ تعالیٰ کے عطائی علم سے آئندہ کے واقعات سناتے اور خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شبِ معراج ایک قطرہ میرے حلق میں اُتارا گیا جس سے میں نے مَاکَانَ وَمَایَکُوْنَ کے علوم کو جان لیا۔ اس بنا پر جو لوگ (مثلاً وہابی، دیوبندی، مودودی، نیچری وغیرہ) کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب نہیں جانتے وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ،، اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اگرچہ ملائکہ کے مقام سے بھی میرا مقام بلند ہے؛ چنانچہ میں نے کہا اے جبریل کچھ آگے چلئے تو اُس نے جواب دیا۔ اگر میں تھوڑا سا اُوپر پرواز کروں تو راکھ ہو جاؤں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) شبے بر نشست از فلک بر گذشت ⁂ بتمکیں و جاہ از ملک در گزشت

(۲) چناں گرم در تیہ قربت براند ⁂ کہ در سدرہ جبریل از و باز ماند

ترجمہ: (۱) ایک رات میں بُراق پر بیٹھ کر آسمانوں سے گزر گئے مرتبہ و مقام میں فرشتوں سے بلند ہوئے۔

(۲) قربت کے جنگل میں ایسے قریب ہوئے کہ جبریل علیہ السلام بھی سدرہ پر رہ گئے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ط میں اپنے اُن مقامات واحوال (جو مجھے اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوئے ہیں کہ جہاں نہ ملائکہ مقربین کو گنجائش ہے اور نہ ہی نبی مُرسل کو) سے نہیں خبر دیتا مگر اتنا قدر کہ جتنا مجھے حکم ہوا کہ میں تمہیں اپنے حالات و مقامات سے خبر دوں اور ان مقامات واحوال کی تمہیں کیسے خبر دوں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ حالانکہ میں اُن مقامات و حالات کا مشاہدہ فرماتا ہوں۔ اس معنے پر نابینا اور بینا کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا وَاَنْذِرْ بِہٖ اور ان حقائق و معانی سے انہیں خبر دیجئے جو خوف رکھتے ہیں یعنی اُنہیں اُمید ہے کہ وہ جذبات عنایت سے اپنے ربِ کریم کی طرف جمع کئے جائیں اور وہ انہیں وہ مقامات اور احوال تحقق ہو جائیں لَیْسَ لَھُمْ ،، اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے میں اُن کے لئے کوئی نہیں۔ مِنْ دُوْنِہٖ وَلِیٌّ ،، اس کے سوا کوئی ولی وَلَا شَفِیْعٌ اور نہ ہی کوئی شفیع اس لئے کہ وہ تو صرف جذبات عنایت حق سے نصیب ہوتا ہے۔ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ،، تاکہ طلب وصول میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ماسوی اللہ سے بچ جائیں۔

لہ یہ عربی عبارت خط کشیدہ فصوص الحکم شریف کی ہے

لہ اضافہ اویسی غفرلہ

حکایت : حضرت سری سقطی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دن گورستان میں حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ کو بیٹھے دیکھ کر عرض کیا کہ یہاں آپ کا کیا کام۔ فرمایا میں یہاں ان لوگوں کے ہاں قیام پذیر ہوں جو مجھے ایذاء نہیں دیتے۔ اگر چلا جاؤں تو غیب نہیں کرتے۔ میں نے کہا آپ بھوکے ہوں گے اُنھوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا ؎

تجوع فان الجوع من عمل التقی ؞ وان طویل الجوع یومًا سیشبع

ترجمہ : بھوکا رہئے اس لئے کہ بھوکا رہنا تقویٰ ہے اور طویل بھوک سے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا ملے گا۔

مثال عجیب : بزرگوں نے لکھا کہ نیک لوگوں کی زیب و زینت کی بہ نسبت غیروں کی مثال یوں ہے کہ ایک لشکر کو بادشاہ فرمائے کہ تم میرے ہاں حاضر ہونے کے لئے زیب و زینت کر لو۔ کل تمہیں میری ملاقات ہو گی جو تم میں زیادہ سنگار کر کے آئے گا وہی میرے نزدیک بلند قدر سمجھا جائیگا پھر خفیہ طور اپنے مخصوص لشکر کے ہاں زیب و زینت کے ایسے آزمائشی سامان بھیجے جو دوسروں کو کہیں سے حاصل نہ ہوں تو جب یہ تمام حاضر ہوں گے تو ترقی انہیں نصیب ہو گی جنہیں بادشاہ نے خصوصیت سے سامان آرائش عطا فرمایا ہو گا۔ بعینہٖ یہی حال اُن حضرات اولیاء کرام کا ہے جو اعمال صالحہ اور احوال زکیہ (پاکیزہ) سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ انہیں عوام سے صفائی اور ستھرائی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور جو کچھ حاصل ہے وہ قیامت میں ظاہر ہو گا جبکہ ہر ایک پریشانی کے عالم میں حیران و سرگردان ہو گا۔ اس لئے کہ وہ مخصوص اور برگزیدہ بندے ہیں اور ہم گندے بندے۔

تفسیر عالمانہ ۵ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
(اور ان لوگوں کو نہ ہٹایئے جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں) **شانِ نزول**

مروی ہے کہ قریش مکہ کے لیڈروں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ اپنی مجلس شریف سے فقراء (صہیب و عمار و خباب و بلال و سلمان وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو ہٹا دیں اس لئے کہ معمولی لوگوں کے ساتھ ہمارا بیٹھنا نامناسب ہے۔ علاوہ ازیں اُن کے کپڑوں سے بدبو آتی ہے (اس لئے کہ اُنھوں نے اُونی کپڑے پہنے ہوئے تھے) جبتک یہ لوگ آپکے ہاں ہیں ہم نہ آپ کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں اور نہ باتیں کر سکتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اہلِ ایمان کو لمحہ بھر کے لئے بھی اپنی مجلس سے دُور نہیں کر سکتا۔ اُنھوں نے کہا کم از کم اتنی مہربانی تو فرمائیں کہ جب ہم آپ کے ہاں حاضری دیں تو ان کو اُٹھا دیں تاکہ اہلِ عرب کو ہماری شان و شوکت معلوم ہو۔ عرب کے مختلف مقامات سے آپ کے ہاں بڑے بڑے وفود حاضری دیتے ہیں۔ ہمیں شرم آتی ہے کہ وہ ہمیں ان غریب لوگوں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں۔ پھر جب ہم اُٹھ جائیں تو آپ انہیں بے شک اپنے ساتھ بیٹھا لیں۔ حضور علیہ السلام اُن کی یہ شرط قبول کرنے کو تھے۔ اس ارادہ پر کہ شاید یہ بدبخت ایمان لائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو گوارا نہ ہوا فوراً یہی آیت نازل فرما کر حکم دیا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے سے نہ ہٹائیں جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ (**مسئلہ**) اس سے ثابت ہوا کہ اسلام میں غنی کو فقیر پہ اور اُونچے گھرانے والوں کو غریبوں پر کوئی

فضیلت نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیوی احوال کے لئے نہیں بھیجا اور طرد بمعنی العاد و دُور کرنا) اور صبح و شام سے ذکر سے دائمی ذکر مُراد ہے اور یہ قاعدہ ہے جو ذکر میں ہر وقت مصروف رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمنشیں ہوتا ہے، چنانچہ قدسی حدیث میں ہے اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ "، میں اُس کا ہمنشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے۔ یُرِیْدُوْنَ "، اپنی عبادت و ذکر سے ارادہ کرتے ہیں۔ وَجْہَہٗ (اُس کی ذات کا) یعنی صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں ذکر و عبادت سے انہیں کوئی دُنیوی غرض نہیں ہوتی۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْہَہٗ "، یہ سالم جملہ یَدْعُوْنَ کی ضمیر سے حال ہے یعنی یدعونہ تعالیٰ مخلصین لہ "، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو مخلص ہو کر پکارتے ہیں اور دُعاء کو خلوص کی قید سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ اخلاص پر تمام اعمال کا انحصار ہے ؎

عبادت با اخلاص نیت نکوست ⁂ وگرنہ چہ آید ز بے مغز و پوست

ترجمہ: عبادت خلوص نیت سے بہتر ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔

اور دُوسری وجہ یہ بھی کہ العاد کے مقابلہ میں انہیں مکرم تر صرف خلوص پر بنایا گیا ہے۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (نہ آپ کا اُن پر کوئی حساب ہے نہ اُن کے حساب میں کوئی شئے آپ پر ہے)

شانِ نزول: مشرکین مکہ نے نہ صرف اہلِ اسلام فقراء و مساکین سے اظہارِ نفرت کیا بلکہ اُنھوں نے اُن کے ایمان پر طعن و تشنیع کی کہ وہ فقراء و مساکین دینِ اسلام کو صرف اس لئے قبول کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا پینا اور لباس وغیرہ مُفت مل جاتا ہے۔ انہیں دینِ اسلام اور ایمان سے دُور کا واسطہ بھی نہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کو وضع فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے تو اُن کے ظاہری حال پر اعتبار ضروری ہے کہ وہ متقین کا طریقہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ بقول مشرکین ان کا باطنی حال خراب ہو اس لئے کہ اُن کے ایمان کا حساب اور اُس کا ضرر انہیں پہنچے گا۔ آپ کو اس سے کسی قسم کا حساب نہ ہوگا اس لئے کہ ہر ایک کا حساب اسی کی طرف لوٹتا ہے کسی دُوسرے کو اُس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔

فائدہ: آیت میں کفار کے طعن و تشنیع کا ردّ اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے طریقۂ کار پر ثابت قدمی کی تلقین ہے کہ آپ فقراء و مساکین کی جس طرح تربیت فرما رہے ہیں فرماتے جائیے اور انہیں زیادہ سے زیادہ اپنے قریب لائیے۔

ترکیب: حسابھم و علیھم کی ضمیریں۔ اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ الخ کی طرف عائد ہیں اور مِن شئ کا مِنْ زائدہ ہے اور مِنْ شئ علیک و عَلَیْھِم کا فاعل ہے۔ اس لئے کہ اسے نفی پر اعتماد ہے اور من حسابھم و من حِسَابِکَ من شئ کی صفت ہیں۔ پھر مقدم ہو کر حال بنا ہے۔

فائدہ: مولانا ابُو السعُود (مفسر) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ کفار کے سوال کا جواب ہے اگرچہ یہ پہلے جملوں میں بیان ہو گیا ہے لیکن اس کو دوبارہ ذکر کرنے میں مبالغہ ہے کہ حضور

پر اُن کے کردار کا کوئی حساب و کتاب نہیں۔ جبکہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السّلام کے متعلق بھی اُن سے سوال نہ ہوگا

فاعدہ ہے کہ ذوجہتین میں کسی ایک جہت کی نفی ہو جائے تو دُوسری جہت کی نفی لازمی ہوتی ہے۔
لیکن دوبارہ اس کے ذکر سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ الخ نہ وہ گھڑی بھر پیچھے ہٹیں گے نہ آگے۔ **فَتَطْرُدَھُمْ**، یہ نفی کا جواب ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں ،، مَا تَاتِیْنَا فتحدثنا ،، اس فتحدثنا کو منصوب پڑھا جائے گا اس لئے کہ انتفاء تحدیث (کلام نہ کرنا) اپنے سبب یعنی اتیان کی نفی کی وجہ سے ہے یہ آیت بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی اگر اُن کے حساب کی مضرت مخاطب پر ثابت ہے تو وہ سبب ہے اس کے ابعاد کا جس کے ایمان میں کمزوری کا وہم ہے۔ جس کا حکم یہ ہوگا کہ یہ سبب غیر واقع ہے تو اس کا مسبب بھی غیر واقع ہے۔ یعنی طرد۔ **فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ**۔ پس تم ظالمین سے ہو جاؤ گے۔ یہ (لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ) نہی کا جواب ہے۔ **وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا** ،، اور اِسی طرح ہم نے آزمایا۔ ذٰلِکَ کا اشارہ اس کے بعد والے مصدر کی طرف ہے جو فعل میں مقدر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فقراء مسلمانوں کو کفار لیڈروں پر فضیلت دینا اس لیے کہ دینی اعتبار سے وہ فقراء مسلمین کفار مشرکین سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ انہیں ایمان کی تقویت نصیب ہوئی ہے اگر وہ دنیوی اعتبار سے کمزور ہیں تو کوئی حرج نہیں اور کذلک کا کاف زائدہ ہے۔ ذلک کے معنی میں تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ ذٰلِکَ کا جس طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ امر مہتم بالشان ہے۔ یعنی وہ کامل آزمائش جو نہایت عجیب و غریب ہے ہم نے آزمایا۔ **بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ**،، بعض لوگوں کو بعض کے لحاظ سے نہ غیروں سے کہ ان میں بعض امر دُنیا میں ہر اعتبار سے انہیں کامل بنایا ہے جو دُوسرے اُن کی بہ نسبت لاشے ہیں۔ **لِیَقُوْلُوْٓا** ،، یہ لام عاقبت کی ہے تاکہ بالآخر وہ کہیں یعنی اُن کے کہنے انجام بکار یہ ہو کہ وہ دُنیا دار اہلِ اسلام فقراء کی طرف بنظرِ حقارت سے یہ تصور کر کے اُن میں اور ہم میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ہم اُونچے درجہ کے دُنیا و دولت کے مالک ہیں۔ یہ صرف اس لئے کہ انہیں فضیلت کے اصلی سبب کی حقیقت سے بے خبری ہے۔ **اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا**،، کیا یہ وہی ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہ نسبت ہمارے مِنّت جتلا کر ان کو ہم پر فضیلت دی ہے یعنی یہ احسان ظاہر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی توفیق بخشی اور فرمایا ہے کہ وہ حق پر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سادتمند ہیں اور ہم باطل پر اور بدبخت حالانکہ ہم ہر طرح سے ان سے آگے اور اہلِ عرب کے سردار ہیں اور وہ دُوسرے کے غلام اور نہایت تنگدست۔ اس سے اُن کی غرض و غایت یہی تھی کہ انہیں ہم پر کسی طرح بھی فوقیت حاصل ہو سکتی ہی نہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر کفار کا مقولہ بیان فرمایا کہ وہ کہتے لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَیْہِ ،، اس میں اُن کی حقارت مطلوب نہیں اگرچہ انہیں خود اقرار تھا کہ وہ اس طرح کے انکار سے باری تعالیٰ پر اعتراض کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اعجُوبہ: کلبی نے کہا کہ اگر اُونچے گھرانے والے سے کوئی غریب گھرانے والا پہلے اسلام قبول کر لیتا تو کہتا کہ اگر یہ میرے سے پہلے اسلام قبول نہ کرتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ لیکن چونکہ اب مجھ سے پہلے مسلمان ہو چکا ہے فلہذا میں اسلام

...ل نہیں کرتا۔ اس حقارت و نفرت کی نحوست سے وہ دولتِ اسلام سے رہتا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کو شکر گزاروں کا علم نہیں) یہ بھی اُن کے قول کا رد اور ابطال ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اُن کی نعمت کا شکر کرنے والا کون ہے لیکن تم اسے بعید سمجھتے ہو کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا انعام کیوں نہیں یہ تمہاری غلطی ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ وہ فقراء مسلمین اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق سے عارف تھے اور انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک کو نازل فرمانا اور انہیں ایمان کی توفیق بخشنا ایک عظیم نعمت ہے۔ جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتوں کا شکر کیا۔ آیت میں یہ بھی بتایا گیا کہ کفار ایسی نعمتوں سے محروم ہو کر کفر کے گڑھے میں پھنسے۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ، یعنی ہم نے فاضل کو مفضول سے اور مفضول کو فاضل سے آزمایا۔ فاضل پر لازم ہے کہ وہ شکر کرے اور مفضول پر ضروری ہے کہ وہ صبر کرے اس لئے کہ اگر فاضل شکرانہ کریگا تو اس سے نعمت چھین لی جائیں گی اگر مفضول صبر کرتا تو وہ فضل کے حصول میں گویا جدوجہد کرتا ہے۔

مسئلہ: مفضول صابر اور فاضل شاکر مرتبہ میں برابر ہیں جیسے سلیمان علیہ السلام نے نعمتوں پر شکر کرتے ہیں اور ایوب علیہ السلام تکالیف پر صبر کرنے میں دونوں برابر ہیں اس لئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ظاہری نعمتوں سے مالا مال ہو کر شکر کر کے حقِ عبودیت کا ادا کرتے رہے اور حضرت ایوب علیہ السلام مصائب و تکالیف پر صبر کر کے حقِ عبودیت کا ادا کرتے رہے۔ اس اعتبار میں عبدیت کے نعمتوں کے مقام پر برابر ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دونوں کے لئے فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ (وہ اچھے بندے ہیں)

فائدہ: فاضل کا مفضول سے آزمائش کا یہ معنے ہے کہ فاضل مفضول کو دیکھ کر اپنی گھمنڈ اور اس کی حقارت میں ڈوب جائے اور مفضول اس سے کچھ چاہے تو نہ دے اور مفضول کا فاضل سے امتحان یہ ہے کہ مفضول فاضل کی نعمت پر حسد کرے اور اس سے بغض و عداوت رکھے اُسے یہ خیال ہے کہ اسے یہ نعمت مخلوق سے ملی ہے۔ فاضل مفضول کو کچھ نہ دے تو اس گھمنڈ میں ہے کہ وہی سب کو دینے یا نہ دینے والا ہے، حالانکہ دونوں کا خیال غلط ہے (**سبق**) عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہی چاہے جو اللہ چاہتا ہے اور اسی پر راضی رہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے (**فائدہ**) تفسیر کاشفی میں لکھتے ہیں کہ کشف الاسرار میں ہے کہ ارادہ تین قسم ہے: (۱) محض دُنیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا، اس کی دو نشانیاں ہیں (۱) دنیا کی زیادتی کے لئے دین کے نقصان پر راضی ہونا (۲) درویشوں، اللہ والوں اور مسلمانوں سے اعراض کرنا (۲) محض آخرت: اللہ نے فرمایا: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا، اس کی بھی علامتیں ہیں: (۱) دین کی خاطر دُنیا کے نقصان پر راضی ہونا (۲) اُلفت و محبت سے درویشوں فقیروں کے لئے اپنا دروازہ ہر وقت کھلا رکھنا (۳) صرف ذاتِ حق کا ارادہ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ، اس کی بھی نشانیاں ہیں (۱) دونوں جہان کے مقاصد کو پاؤں تلے

رونددناد ۲) جمیع مخلوق بلکہ خود اپنی ہستی سے بھی آزاد ہو جانا ۔

مارا خواہی خطے بعالم درکش ٭ در بحر فنا غرق شود در درکش

ترجمہ : ہمیں اگر چاہتا ہے تو جملہ عالم پر لکیر کھینچ دریائے فنا میں غرق ہو کر سانس بند کر لے

ایسے لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عوام اس سے مُرادیں مانگتے لیکن اُن کی مُراد صرف وُہی ہے اور وہ اس سے اُس کے سوا اور کچھ نہیں مانگتے ۔

وہ لہ مسئول و دین و مذہب ٭ و وصلکمو سئولی و دینی رضاکمو

ترجمہ : اور لوگوں کا کوئی مقصد اور دین و مذہب ہوتا ہے لیکن میرا مقصد تیرا وصال اور میرا دین تمہاری رضا ہے۔

فائدہ : ارادہ دراصل قلب کے ایک جوش کو کہتے ہیں جس سے بندہ کا قرار و سکون اُٹھ جاتا ہے جب تک اسے وصال الٰہی کی دولت نصیب نہیں ہوتی اس کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایسے انسان کو نہ رات کو آرام ہوتا ہے نہ دن کو قرار و سکون وہ اُس وقت سکون کا سانس لیتا ہے جب اُسے وصال الٰہی نصیب ہوتا ہے (التاویلات النجمیہ)

فقراء کے فضائل

: آئت کریمہ میں فقراء کی فضیلت کا بیان ہے۔ **(حدیث شریف)** حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین کے درویشوں میں بیٹھا تھا (ان میں بعض ایسے بھی تھے جو ایک دُوسرے کے کپڑوں سے تن کو ڈھانپے ہوئے تھے) ہم ایک قاری کی قرأت سُن رہے تھے کہ حضور سرور عالم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہماری مجلس کے قریب آکر کھڑے ہو گئے جب قاری قرأت سے فارغ ہُوئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم کے بعد فرمایا تم کیا کر رہے تھے عرض کی قاری سے کلام الٰہی سُن رہے تھے اور ہم لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ حضور رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اَمَرَنِیْ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ (جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے میری اُمت میں ایسے افراد بھی پیدا فرمائے جن کے متعلق مجھے حکم ہُوا کہ میں اُن کے ساتھ رہوں) یہ فرما کر ہماری جماعت کے درمیان بیٹھ گئے تاکہ ثابت ہو کہ آپ بھی منجملہ اُن سے ہیں اس کے بعد اپنے ہاتھ مبارک کے اشارے سے ہمیں حلقہ بندی کا حکم فرمایا تاکہ آپ سب کے چہرے دیکھ سکیں (میرا اندازہ یہ ہے کہ آپ کو سوائے میرے اور کسی سے آپ کا ظاہری تعارف نہیں تھا) آپ نے فرمایا اے مہاجر فقیر تمہیں بڑی کامیابی پر مبارک ہو کہ قیامت کے دن تم دینداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہو گے جس کی مقدار پانچسو سال ہے **(حدیث شریف)** فقیر تنگدست کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور میں لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کریمانہ شفقت فرمائے گا (جیسے ہم ایک دوسرے سے کسی خامی پر معذرت کرتے ہیں) پھر فرمائے گا۔ اے میرے بندے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے کہ میں نے تیرے سے دُنیا کی کمی اس لئے نہیں کی تھی کہ مجھ پر کوئی بار گراں تھا لیکن میرا ارادہ تھا کہ تمہیں دُنیوی تکالیف کے عوض آخرت کی کرامات و فضیلتوں سے نوازوں۔ اب پہلے یوں کرو کہ میدان محشر کی ان صفوں میں گھس کر اُن لوگوں کو لاؤ جنہوں نے تجھے دُنیا میں طعام کھلایا

اور کپڑے پہنائے جن کا یہ عمل صرف میری رضا پر تھا اور تیرے اُوپر اُس نے کسی قسم کا احسان نہیں جتلایا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگوں کو عذاب آخرت کے پسینے نے منہ میں لگام چڑھائی ہوگی وہ فقیر درویش صفوں میں گھس کر ان لوگوں کو تلاش کر کے لائے گا۔ جنہوں نے اس کے ساتھ احسان و مروت کی ہوگی اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہشت میں لے جائے گا۔

(۱) توانگرا دل درویش خود بدست آور — کہ مخزن زر و گنج و درم نخواہد ماند ؎

(۲) بریں رواق زبرجد نوشتہ اندر بزر — کہ جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

حدیث شریف: ہر شئی کی کنجی ہوتی ہے اور بہشت کی کنجی فقراء و مساکین کی محبت ہے وہی قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھنے والے ہوں گے۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا ؎ حُب درویشاں کلید جنت است — دشمن ایشاں سزائے لعنت است

ترجمہ: اے اللہ کریم ہمیں اپنے محبوبوں سے بنا اور اپنے دروازۂ رحمت سے نہ ہٹا

تفسیر عالمانہ ﴿وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا﴾ **شان نزول**) مروی ہے کہ ایک جماعت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہم بہت بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اب کوئی استغفار اور توبہ کے ایسے کلمات بتائیے کہ جس سے ہمارے گناہ بخشے جائیں۔ آپ اُن کی بات سن کر خاموش ہو گئے نہ کچھ بتایا نہ کچھ فرمایا۔ وہ بیچارے مایوس ہو کر واپس لوٹے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جب آپ کے ہاں وہ لوگ حاضر ہوں جو ہمارے آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

مسئلہ: حضرت امام فخر الدین رازی نے فرمایا کہ ہر مومن اس حکم میں داخل ہے یعنی یہ آیت صرف صحابہ کرام سے مخصوص نہیں بلکہ ہر اہلِ ایمان کے لئے ہے۔

﴿فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ پس میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ خدا کرے تمہیں ہر دُکھ تکلیف اور ہر آفت و مصیبت سے سلامتی و عافیت ہو۔

(ف) السلام بمعنے تسلیم یعنی کسی کے لئے سلامتی و عافیت کی دُعا کرنا۔ اب سلام علیکم کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے تمہارے لئے سلامتی کی دُعا کی ہے۔ یعنی ہم تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ مولیٰ کریم تمہارے دین اور تمہارے نفوس میں سلامتی بخشے۔

سوال: حضور علیہ السلام کو ان پر السلام علیکم کہنے کا حکم کیوں ہُوا، حالانکہ عموماً طریقہ یہ ہے کہ باہر سے

؎ ترجمہ (۱) اے دوستمند پہلے درویش کا دل ہاتھ میں لے اس لئے کہ یہ زر و دولت کے خزانے ہمیشہ نہ رہیں گے۔
(۲) اسی لاجوردی آسمان میں آب زر سے لکھا گیا ہے کہ اہلِ کرم کی نیکی کے کچھ نہ رہے گا۔

آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کہے۔

جواب : حضور علیہ السلام کی وجاہت سے آنے والوں پر ہیبت چھا جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام میں سبقت کا حکم فرمایا تاکہ ان لوگوں پر ہیبت نہ ہو اور آپ سے پُورے طور مستفید و مستفیض ہو سکیں۔ **(فائدہ)** یہ دنیوی حکم ہے اور آخرت میں ملائکہ کرام سلام عرض کریں گے۔ جب اہلِ ایمان بہشت میں داخل ہوں گے، چنانچہ دوسرے مقام پر اُس کی تصریح فرمائی کہ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِيْنَ، اور اللہ تعالیٰ بھی قیامت میں اہلِ ایمان پر سبقت کرکے فرمائے گا۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ہ

(فائدہ) فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ سے وہ سلام مُراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج اپنے حبیب کرام صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ السلامُ علیک اَیُّہا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وبرکاتُہ، اس کے جواب میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْن۔

مسئلہ : جو شخص گناہوں سے مخلصانہ طور تائب ہو جائے تو وہ بھی اہلِ صلاح کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ آیت کا شانِ نزول آیت کو اس معنے سے مخصوص نہیں کر دیتا **كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ** ، (لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت) یعنی محض اپنے فضل و احسان سے اپنی ذاتِ اقدس پر واجب فرمایا۔ **(فاعدہ)** حضرت الشیخ نے فرمایا کہ کلمہ عَلٰی ایجاب کا فائدہ دیتا ہے جب ایجاب و عَلٰی جمع ہوں تو اس سے ایجاب کی تاکید مطلوب ہوتی ہے۔

سوال : اس سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار نہیں، ورنہ اُس پر وجوب کا کیا معنیٰ۔

جواب : یہ اس کا محض فضل و کرم ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو بتایا کہ وہ اتنا رحیم و کریم ہے کہ بندوں پر فضل و احسان کرنے میں کوئی کمی نہیں فرماتا جیسے کسی پر کوئی شئے واجب ہو تو اس کی ادائیگی میں کمی نہیں کرتا۔

حدیث قدسی شریف : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بہشت سے فرماتا ہے کہ تو میری رحمت ہے میں جس کے لئے رحمت کرنا چاہتا ہوں تو تیرے سبب سے رحمت کرتا ہوں جو میرا بندہ کسی دوسروں پر رحمت کرتا ہے تو اسے بہشت نصیب ہوتی ہے۔ میں اپنے خاص بندے پر رحمت کرتا ہوں تو اپنی ذات سے ہی رحمت کرتا ہوں

۔ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءً ، الرحمۃ سے بدل ہے اس لئے کہ اس مضمون کا مفہوم بھی رحمت ہے سُوْٓءً بمعنی کار بد (بِجَہَالَۃٍ) عمل کے فاعل کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ جو بُرے عمل کا ارتکاب کرتا ہے درانحالیکہ وہ متلبس ہوتا ہے جہالت سے یعنی اسے حقیقی جہالت ہوتی ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور اس گناہ سے اُسے کتنی سزا ملے گی یا اسے حکمی جہالت ہوتی ہے باوجودیکہ جانتا ہے کہ اُسے اس بُرے عمل پر اتنی سزا ملے گی لیکن بُرائی کرتا ہے تو یہ حکمی جاہل ہے اور جو شخص صرف گمان میں مبتلا ہو کر بُرائی کرتا ہے کہ نامعلوم اس کی سزا ہوگی یا نہ

ایسا شخص حقیقی جاہل کے حکم میں ہے اس معنی پر یہ حال مؤکدہ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْءً کے مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ اس لئے بُرائی کا ارتکاب جہالت حقیقی یا حکمی سے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ بُرائی کے ارتکاب کرنے والے دو قسم ہیں (۱) اہل ایمان (۲) اہلِ کُفر ایسے ہی جہالت بھی دو قسم (۱) جہالۃ الضلالہ یعنی ہر وہ گمراہی جو عالم ارواح میں نور کے چھینٹوں سے چوک جانے سے کسی کو نصیب ہوئی (۲) جہالۃ الجھولیۃ یعنی ہر وہ غلطی جو انسان سے فطری طور پر صادر ہوتی ہے۔ اس سے تقریر کے بعد واضح ہوگیا کہ کفار کی جہالت اس ازلی گمراہی کا نتیجہ ہے جس کی توبہ ہے نہیں اور اہلِ ایمان کی غلطی اس فطرت سے ہے جس کی توبہ بھی ہے اور معافی بھی، چنانچہ فرمایا ثُمَّ تَابَ پھر توبہ کرے یعنی بُرے عمل سے رجوع کر لے مِنْ بَعْدِهٖ بُرے عمل کرنے کے بعد وَ اَصْلَحَ "، جسے فاسد کیا اس کی اصلاح کرے یعنی نیک عمل کرے۔ بالاصلاح بمعنے کسی بُرے عمل کی طرف لوٹنا۔ فَاِنَّهٗ "، یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے۔ فَاَمْرُهٗ اَنَّ اللّٰهَ "، پس اس کا امر یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ "، وہ غفور ہے، رَّحِیْمٌ "، وہ رحیم ہے۔

فائدہ: کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی کے لئے فرشتہ ذلت و خواری لکھے لیکن اگر اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے رحمت لکھی ہے تو اُسے فرشتے کی عارضی خواری لکھی ہوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جب اُسے ازل سے رحمت نصیب ہو چکی ہے۔

رُوحانی نسخہ: یہ آیت گناہ کے بیماروں کے لئے شفا ہے۔ بشرطیکہ وہ توبہ و استغفار کے ذریعے پرہیز رکھیں۔ ؎

(۱) دردمنداں گنہ را روز و شب ❊ شربتے بہتر از استغفار نیست

(۲) آرزومنداں وصال یار را ❊ چارہ غیر از نالہ و زار نیست

ترجمہ: (۱) شب و روز کے گنہ کے درد کا علاج سوائے استغفار کی شربت کے اور کوئی نہیں۔

(۲) وصال یار کے آرزو مند کو آہ وزاری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

۵۴ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ "، کاف زائدہ اسم اشارہ کے معنی کی تاکید کے لئے ہے یعنی اس کی تفخیم کی تاکید کرتا ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ اس مصدر کی طرف ہے جو فعل بعد کو آئے گا۔ دراصل عبارت یوں تھی ھٰذا تفصیل بدیع نُفَصِّلُ الخ یہ عجیب تفصیل ہے جسے قرآنی آیات میں بیان کرتے ہیں کہ اہلِ طاعت کون ہیں اور معصیت پر اصرار کرنے والے کون تاکہ حق واضح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ تاکہ مجرموں کا طریقہ واضح ہو جائے اور اُن سے اجتناب کیا جا سکے۔ **ترکیب**: سبیل مرفوع اور فاعل ہے۔

سوال : سبیل صیغہ مذکر ہے اس کا فعل مؤنث ۔

جواب : یہ بنی تمیم کے ہاں مذکر ہے لیکن اہلِ حجاز کے نزدیک مؤنث ہے۔ قرآن پاک کی ترتیب و تنزیل لغتِ حجاز پر ہے ۔

فائدہ : حق کا راستہ واضح اور کھلا اس لئے ہے کہ جس نے برباد ہونا ہے وہ برباد ہوا اور جس نے نجات پائی ہو وہ نجات پائے ۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اس راستہ کو اختیار کرے جس میں اس کی کامیابی اور نجات ہو اور سوچ کر قدم رکھے کہ اس راستہ پر کئی تباہ و برباد ہوئے ہیں۔ اللہ والوں کے نقشِ قدم پر چلے تو منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ راہِ سلوک کی پہلی منزل توبہ استغفار ہے۔

راہِ سلوک کی سڑک : سالک کی منزل کا پہلا مرحلہ گناہوں کی قباحت اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت کا تصور دل میں لائے ۔ جب یہ سبق حاصل ہو جائے پھر دیکھے کہ بندہ کتنا ضعیف و نحیف اور سفر بڑا دُور دراز اور زادِ راہ بالکل باطل قلیل ہے۔ بندے کے ضعف کا حال تو یہ ہے کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے سے چیختا ہے اور سُورج کی گرمی سے روتا ہے۔ پھر وہ جہنم کی آگ اور اژدھاؤں کے ڈس کس طرح برداشت کر سکتا ہے۔ بندے پر لازم ہے کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے ۔ کسی کو ستایا ہے یا کسی کا مال کھایا ہے تمام بخشوائے ۔ اسی طرح حقوق اللہ میں کوتاہی کی ہے مثلاً نمازیں قضا کیں اور روزے ترک کئے اور زکوٰۃ نہ ادا کی تو مرنے سے پہلے سب کے سب ادا کرے۔ بطور کفارہ یا توبہ و استغفار اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی مثلاً شراب پی ، ناجائز گانے باجے سُنے اور سُود کھایا۔ ان سب سے توبہ کرے اور دل کو مضبوط رکھے تاکہ آئندہ اُس سے ایسے گناہوں کا صدور نہ ہو ۔ جب حسبِ امکان حقوق العباد کی ادائیگی ہو جاتے اور حقوق اللہ قضا مافات کر چکے تو آئندہ کے لئے دل پر گناہوں کے خیالات تک نہ آنے دے۔ اُس کے بعد بارگاہِ حق میں عجز و انکسار سے رہے تاکہ رحمت اور فضل و کرم اُس کی طرف متوجہ ہو ۔

توبہ کا طریقہ : یہ ہے کہ اچھے کپڑے پہنے اور نیا غسل کرے اور دوگانہ پڑھ کر بارگاہِ حق میں عجز و انکسار سے تمام گناہوں سے صدق دل سے تائب ہو۔

حدیث شریف : صحیح حدیث میں ہے کہ کسی بندہ سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو تو اسے چاہیئے کہ وضو کر کے کھڑے ہو کر ایک دوگانہ پڑھے اور پھر اللہ سے گناہوں کی بخشش چاہے تو اُس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں

حدیث شریف : مرد یا عورت سے کوئی نماز بے خبری سے قضاء ہو جائے تو توبہ کریں اور عزم کریں کہ آئندہ نماز قضا نہ ہوگی اس کے کفارہ کی نیت پر جُمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعت نفل پڑھے جس کی

رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور اخلاص اور معوذتین ایک بار پڑھے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے حساب نہ لے گا (بشرطیکہ قضاء شدہ نماز بھی ادا کرے اور قیامت میں اپنے اعمالنامے میں بجائے برائیوں کے نیکیاں پائے گا (کذا فی مختصر الاحیاء)

ازالہ وہم : صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ بتقدیر صحۃ ہذا الحدیث اس سے ثابت ہوا کہ ان بارہ رکعتوں کے پڑھنے سے زندگی کی تمام قضا شدہ نمازیں معاف ہو جاتی ہیں؛ حدیث مذکور کے اوّل میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ہر قضاء شدہ لگائی ہے کہ ہر قضاء شدہ نماز سے توبہ کرے ان بارہ رکعتوں کا حکم فرمایا ہے اور ویسے شرعی فیصلہ بھی یہی ہے کہ ہر قضاء شدہ نماز کی علیحدہ علیحدہ قضا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان بارہ رکعتوں کی برکت یہ ہوگی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے اس کا سوال نہیں کرے گا کہ ان بارہ رکعتوں سے تو توبہ کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔

عوام کی ایک غلط رسم کا رد : ہمارے ہاں عوام کا خیال ہے کہ رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع پر بارہ رکعت نوافل یا صلوٰۃ التسبیح پڑھ لینے سے زندگی بھر کی نمازیں معاف ہو جاتی۔ یہ غلط اور سراسر غلط طریقہ ہے اس لئے کہ شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ ترک نماز کا بھی حساب ہے۔ اسی طرح نماز کو بے وقت ادا کرنے کا بھی لیکن ان بارہ رکعتوں کی برکت سے کوتاہی کی معافی ہوگی نہ یہ کہ زندگی بھر نماز نہ پڑھے اور پھر رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع میں ظہر و عصر کے مابین بارہ رکعتیں صرف اس نیت پہ پڑھے کہ نمازوں کی تاخیر اور کوتاہی وغیرہ کی معافی ہو جائے تو جائز ہے لیکن جماعت کے عوام کا ان رکعتوں کا پڑھنا درست ہوا لیکن اُن کی کیفیت و حقیقت میں غلطی کرتے ہیں۔

حدیث شریف : ترغیب و ترہیب میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہائے میں گناہوں میں مارا گیا یہ دو یا تین بار کہا: حضور علیہ السلام نے اُسے فرمایا کہ تم کہو: اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ » اے اللہ تعالیٰ تیری مغفرت میرے گناہوں سے وسیع اور مجھے تیری رحمت پہ بھروسہ ہے اپنے عملوں پر کوئی سہارا نہیں۔ اُس نے ایک بار کہا آپ نے فرمایا پھر کہو۔ اُس نے دوبارہ کہا تو آپ نے پھر کہو۔ اُس نے پھر کہا تو آپ نے فرمایا اُٹھ کھڑا ہو وہ اُٹھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے گناہ بخش دیئے۔

نسخہ عجیبہ : جو شخص اہلِ ایمان کے لئے ہر روز استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہر مومن مرد اور عورت کے عوض اس کے اعمالنامے میں نیکی لکھتا ہے۔

ایصال ثواب اور رد وہابیہ : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر میت قبر میں اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو دریا میں ڈوبا ہوا ہو وہ

بقیہ ص ۵۲۹

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قُلْ لَا أَتَّبِعُ

تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تم فرماؤ میں تمہاری

أَهْوَاءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ

خواہش پر نہیں چلتا یوں ہو تو میں بہک جاؤں اور راہ پر نہ رہوں تم فرماؤ میں تو اپنے رب کی طرف سے

مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ ۚ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ

روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو میرے پاس نہیں جس کی تم جلدی مچا رہے ہو حکم نہیں مگر اللہ کا وہ

يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ

حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا تم فرماؤ اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو

بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿٥٨﴾ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ

تو مجھ میں تم میں کام ختم ہو چکا ہوتا اور اللہ خوب جانتا ہے ستمگاروں کو اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں

الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ

غیب کی انہیں وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتہ گرتا ہے وہ اسے جانتا

إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ

ہے اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب

مُبِينٍ ﴿٥٩﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ

میں لکھا نہ ہو اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ پھر تمہیں دن میں اٹھاتا

فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

ہے کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اسی کی طرف تمہیں پھرنا ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے

بقیہ تفسیر از صفحہ : ۵۲۷

اپنے اقارب (اب - ام - اخ - صدیق) کی دعاؤں کا منتظر ہوتا ہے جب اُسے کسی کی دُعا و استغفار (وغیرہ صدقات و خیرات) پہنچتی ہے تو اسے وہ دُنیا و مافیہا سے محبوب ترین محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل قبور کی قبور میں زندہ لوگوں کی دُعا (صدقات وخیرات وغیرہ) پہاڑوں کی طرح داخل فرماتا ہے۔

فائدہ: زندہ لوگوں کے اہلِ قبور (عوام ہوں یا اولیاء یا انبیاء علیہم السلام) کو ہدایا و تحائف یہی ہیں کہ اُن کے لئے استغفار دُعا صدقات وخیرات وغیرہ زیادہ سے زیادہ) کریں۔ اے اللہ مجھے اور میرے والدین اور تمام اہلِ ایمان کو بخش دے جبکہ ہم سب قیامت کے دن حساب کے لئے اُٹھیں اس لئے کہ تو ہر ثواب و آداب کا مرجع ہے۔

تفسیرِ عالمانہ قُلْ اِنِّیْ نُھِیْتُ (شانِ نزول) قریش مکہ یعنی کفار حضور علیہ السلام کو اپنے اباؤ اجداد کے دین کی دعوت دیتے تو یہی آیت نازل ہوئی کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ میں روکا گیا ہوں اس لئے کہ میرے ہاں توحید پر بہت بڑے مضبوط دلائل ہیں اور اس بارہ میں متعدد قرآنی آیات میرے اوپر نازل ہوئی ہیں کہ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ، میں عبادت کروں اُن کی جنہیں تم معبود بنا کر عبادت کے طور پکارتے ہو۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، اللہ تعالیٰ کے ماسوا قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَھْوَآءَکُمْ، میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیں کہ میں تمہاری خواہشات کی تابعداری نہیں کرتا۔ گویا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کفار نے حضور علیہ السلام کو کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کیوں نہیں کرتے تو آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ تم جس امر پر ہو وہ تمہاری اپنی خواہشات ہیں اور میں جس امر پر ہوں وہ یقینی ہے۔ فلہٰذا میں تمہاری خواہشات کی کیسے اتباع کروں جبکہ میں ہدایت پر ہوں پھر میں اللہ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا، (بفرضِ محال) اگر میں تمہاری اتباع کروں تو میں اُس وقت گمراہ ہو جاؤں گا۔ یعنی راہِ ہدایت کو چھوڑ دوں گا وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ۝ اور میں ہدایت یافتہ لوگوں سے نہیں ہوں گا۔ یعنی اُن لوگوں سے نہیں ہوں گا کہ جو راہِ ہدایت پر ہیں۔ ماقبل پر عطف کر کے فرمایا قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ، فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک واضح دلیل پر ہوں جو ہونے والی ہے۔ مِنْ رَّبِّیْ، میرے رب کی طرف سے۔ (فائدہ) بَیِّنَةٍ، اس واضح حجت کو کہتے ہیں جو حق و باطل کا امتیاز کرے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: اَنَا عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ ھٰذَا الْاَمْرِ، میں اس امر کے بارے میں واضح دلیل پر ہوں اور میری بات نہایت یقینی ہے یہ اُس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ہاں واضح دلیل اور اُس کی سچائی پر برہان موجود ہو اس سے قرآنِ کریم اور وحیِ ربانی مراد ہے۔ وَکَذَّبْتُمْ بِهٖ، اور تم اُسے جھٹلا چکے ہو۔ یہ جملہ مستانفہ اُن کے غلط ارادوں کے اظہار کے لئے لایا گیا ہے اور بہ کی ضمیر مجرور تنبیہ کے لئے اور اُس کا مذکر ہونا بیان و برہان کی وجہ سے ہے معنیٰ یہ ہوا کہ میں ایسی واضح حجت پر ہوں جسے تم نے جھٹلا دیا ہے اور اس کے جتنے احکام ہیں ان سب کو تم نے پسِ پشت ڈال دیا۔ منجملہ اُن کے عذاب کے آنے کی وعید بھی ہے جسے تم کچھ نہیں سمجھتے۔

مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ،

شانِ نزول: مروی ہے کہ قریشِ مکہ کے لیڈر عذاب طلبی میں عجلت کرتے۔ مثلاً کہتے: مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (اللہ کا وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو؟) یہ بطورِ استہزاء کے کہتے یا بطورِ الزام۔ چنانچہ نضر بن حارث حطیم میں کھڑے ہو کر کہنے لگا: اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ

کہ اے اللہ اگر یہ وعدہ حق ہے تو ہمارے اُوپر آسمان سے پتھر برسا یا ہمارے اُوپر عذاب دردناک نازل فرما۔

فائدہ : آیت کا معنیٰ یہ ہے وہ عذاب کہ جس کا قرآن مجید میں وعدہ دیا گیا ہے۔ آہ تم مطالبہ کرتے ہو کہ وہ جلد آ جائے اور اس کے نہ آنے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنا کر کہتے ہو کہ وہ میرے حکم اور قدرت میں ہے اور اسے میں سچا کر کے دکھاؤں۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ یہ امر میرے سپرد نہیں۔

اِنِ الْحُكْمُ ،، جلدی یا بدیر کا کوئی حکم نہیں۔ اِلَّا لِلّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مجھے اس میں ذاتی طور کسی طرح کا بھی دخل نہیں۔ يَقُصُّ الْحَقَّ ،، حق بیان کرتا ہے اور جمیع احکام کے بیان کرنے میں حق کی اتباع کرتا اور حق کا ہی حکم فرماتا ہے۔ بنابریں عذاب کی تاخیر بھی حق اور ثابت ہے اور حکمت بلیغہ جاری ہے اور حکم کا اصل ہے منع کرنا۔ گویا کہ وہ باطل کو معارضۂ حق سے یا خصم کو اپنے بالمقابل کی تعدی سے روکتا ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ اور اللہ تعالیٰ بہتر فیصلہ کرتا ہے۔ جملہ معترضہ ہے اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کرتا ہے۔ قص الحق ایک ایک خصوصی معنیٰ کو متضمن ہے دیعنی فصل مابین الحق والباطل ہے۔ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ ،، فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر میری قدرت و امکان میں ہو۔ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ،، جس کی تم عجلت کرتے ہو۔ یعنی وہ عذاب کہ جس کے لئے وعیدیں وارد ہیں اگر میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد ہوتا لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ،، تو میرے اور تمہارے مابین فیصلہ ہو جاتا۔ یعنی وہ عذاب تمہاری طلب کے بعد فوراً تمہارے اُوپر نازل ہو جاتا جبکہ تم عجلت کرتے ہوئے کہتے ہو : مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ ،، وغیرہ وغیرہ۔

سوال : لَقُضِيَ فعل مجہول کیوں ؟

جواب : اس بنا پر کہ اس کا فاعل متعین ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔

فائدہ : اس میں امر کی ہولناکی اور حسن ادب کی مراعات واضح اور ظاہر ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کے حالات خوب جانتا ہے اور اس کے علم میں ہے کہ انہیں مہلت دینا استدراجاً ہے تاکہ انہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے میری طرف تمہارا معاملہ سپرد نہیں فرمایا اور نہ ہی جلد تر عذاب دینے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

مسئلہ : بُت پرست کو مہلت ملے یا نہ عذاب ضرور پائے گا اسے بالکل ہی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ اسی طرح دُنیا اور نفس و شیطان کا تابعدار بھی عذاب چکھے گا۔ صرف فرق یہ ہے کہ کافر جہنم کے عذاب میں اور دُنیا وغیرہ کا عاشق یارِ حقیقی کے فراق کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہش کی اتباع نہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ،،

کرامت ولی: اللہ کا ایک بندہ کہتا ہے کہ میں مختلف بلاد کی سیاحت کرتا ہُوا ایک جگہ پہنچا ایک شیخ کو ہوا پر اڑتا ہُوا دیکھ کر کہا میں نے کہا السلام علیکم، انہوں نے سلام کا جواب دیا میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ مرتبہ کس عمل سے پایا۔ فرمایا میں نے اپنی خواہشات کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہوا میرے تابع کر دی ہے۔

حکایت: یمن کے فقہا شیخ ابوالغیث قدس سرہ کے ہاں امتحان کے لئے حاضر ہوئے اُنھوں نے فرمایا جی آئیے میرے غلام کے بندے۔ اُنھوں نے ان کا یہ کلمہ کفریہ سمجھا اس لئے کہ شیخ موصوف نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو اپنا غلام کہہ دیا۔ یہ شکایت لے کر شیخ الطریقین امام الفریقین عالم عارف ابوالذبیح بن محمد الحضرمی قدس سرہ کے ہاں پہنچے اور شیخ ابوالغیث رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ سُنایا۔ حضرت الشیخ سُن کر ہنس پڑے اور فرمایا کہ اُنھوں نے سچ فرمایا۔ اس لئے کہ تم خدا تعالیٰ کے بندے ہو لیکن خواہش نفسانی کے غلام ہو جسے شیخ مذکور نے اپنے تابع کیا ہُوا ہے۔

فائدہ: خواہش نفسانی کا علاج تقویٰ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

(۱) چونکہ تقویٰ بست دو دستِ ہوا ❊ حق کشاید ہر دو دست عقل را

(۲) پس حواس پیرہ محکوم تو شد ❊ چوں خرد سالار و مخدوم تو شُد

ترجمہ: (۱) جب تقویٰ نے خواہشات نفسانی کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ جملہ حواس تیرے تابع ہو گئے۔ تیرا عقل سردار اور مخدوم ہو گیا۔

تفسیر صُوفیانہ: خواہش نفس کے اوصاف سے ہے اور آیات مذکورہ نفس کی اصلاح کے لئے وارد ہُوئی ہے اور جو شخص ایک واضح دلیل پر قائم ہوتا ہے (واضح دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہے کہ جس سے انشراح صدر ہوتا ہے) وہی ہدایت پر ہوتا ہے اسے خواہش نفسانی سے واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے علامات سب کو معلوم ہوتے ہیں۔

کرامت: ایک بزرگ عوام کو بہترین وعظ و نصیحت فرماتا۔ ایک دن اُن کے ہاں سے ایک یہودی کا گزر ہُوا۔ بزرگ نے پڑھا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (اور تم میں سے سب کا پُلصراط پر گذر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حتمی فیصلہ ہے) یہودی نے کہا پُلصراط پر گزرنے میں ہم اور تم سب برابر ہوئے، حالانکہ تم اپنے آپ کو ہم پر فضیلت کے قائل ہو۔ بزرگ نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اس لئے کہ ہم پلصراط کو عبور کر جائیں گے اور تم گر جاؤ گے، کیونکہ ہم تقویٰ کی وجہ سے پُلصراط کے عذاب سے نجات پا جائیں گے اور تم اپنے ظلم و گناہ کے خطا اور کفر کی وجہ سے گھٹنوں کے بل جہنم میں گر پڑو گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا، یعنی متقیوں کو ہم نجات

دیں گے اور ظالم کو گھٹنے کے بل جہنم میں گرپڑیں گے۔ یہودی نے کہا کہ ہم بھی تو متقی ہیں۔ شیخ مذکور نے فرمایا تو غلط کہتا ہے اس لئے کہ صفت تقویٰ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مخصوص فرمائی ہے، چنانچہ فرمایا: وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ الیٰ ان قرأ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ،، یہودی نے کہا اس کے علاوہ اور کوئی دلیل پیش کیجئے جس سے سب کو معلوم ہو جائے کہ آپ لوگ جہنم سے نجات پا جائیں گے بزرگ نے فرمایا میں آپ کو ایسی دلیل پیش کر سکتا ہوں جسے ہر چھوٹا بڑا آنکھوں سے دیکھ کر تصدیق کرے وہ یہ کہ میرے اور تیرے جسم کے کپڑے اُتار کر آگ میں ڈالے جائیں جس کے کپڑے صحیح و سالم بچ جائیں وہ جہنم سے نجات پائے گا اور جس کے جل جائیں اس کے لئے یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ جہنمی ہے؛ چنانچہ یہ بات سب نے منظور کر لی اور ہر دونوں مسلمان اور یہودی نے اپنے اپنے کپڑے اُتار دیئے۔ مسلمان بزرگ نے یہودی کے کپڑے لپیٹے اور اپنے کپڑے یہودی کے لپیٹے ہوئے کپڑوں کے اُوپر لپیٹ دیئے۔ اس طرح یہودی کے کپڑے مسلمان بزرگ کے کپڑوں کے اندر چھپا دیئے گئے۔ پھر اس گٹھڑی کو آگ میں ڈال کر مسلمان بزرگ نے خود بھی آگ میں چھلانگ لگا دی اور آگ کے ایک کونہ میں غوطہ لگا کر دُوسرے کونے سے نکل آئے اور وہی گٹھڑی ہاتھ میں لئے باہر آئے اور گٹھڑی کو کھولا گیا تو مسلمان بزرگ کے کپڑے آگ سے محفوظ اور صاف ستھرے گویا دُھل کر باہر آئے اور یہودی کے کپڑے جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ یہودی نے جب مسلمان بزرگ کی کرامت دیکھی تو اُس نے اسلام قبول کر لیا۔

فائدہ: یہ کرامت آیات مذکورہ سے مناسبت رکھتی ہے اس لئے کہ کفار یعنی قریش مکہ اہلِ ظلم اور تھے اسی لئے انہیں ان کا دعویٰ سُود مند نہ ہُوا اسی لئے عذاب کے مستحق ہُوئے اور اہلِ ایمان بفضلہ تعالیٰ اہل عدل و اہل تقویٰ تھے۔ اسی لئے وہ تقویٰ سے موصوف ہو کر بہشت کے مستحق ہوئے۔ اور اُن کے لئے بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے اور جو بھی اُن کے طریقہ پر چلے گا وہ اُن کی برکت سے اُس کا وجود جہنم سے بچ جائے گا، بلکہ یوں کہو کہ (کپڑا) سے مُراد یہی وجود ظاہری ہے اور اس میں روح باطنی پوشیدہ ہے اسی لئے ضروری ہے کہ ظاہری وجود (کپڑے) کو صاف رکھا جائے تاکہ باطن کی صفائی نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ باطنی صفائی کے لئے آسانی بھی پیدا فرمائے گا۔

تفسیر عالمانہ ۵۹: وَعِنْدَهٗ [1] ،، اور اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں۔ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ ،، غیب کے خزانوں کی کنجیاں۔ (حل لغات) مفاتح مفتح (بفتح المیم) کی جمع ہے بمعنی کنز۔ اس معنے پر یہ اضافت لجین الماء کے قبیل سے ہے اور یہی مقام ہذا کے مناسب ہے (کذا فی حواشی سعدی چلپی المفتی) اور یہ بھی جائز ہے کہ مفاتح مفتح (بکسر المیم) کی جمع ہو بمعنی مفتاح یعنی شئی کے کھولنے کا آلہ یعنی کنجی اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں وہ اسباب جو غیب تک پہنچائیں۔

---

[1] یہ جملہ پڑھ کر دیوبندی وہابی اہلِ اسلام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کا بھی علم غیب

فائدہ : غیب کو اس سامان سے تشبیہ دی ہے جسے تالوں سے مضبوط کر کے غیروں کے دستبرد سے محفوظ رکھا جائے۔ پھر اس کے لئے علی سبیل التخییل مفاتیح ثابت فرمائے چونکہ مفاتیح (جو غیب کے خزانوں کے لئے ہیں) تک پہنچنا صرف اسی سے مخصوص ہے اس لئے کہ غیر کو ان سے کوئی تعلق نہیں (کذا فی حواشی ابن الشیخ) اسی لئے فرمایا لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ (انہیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا) ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے تفسیر جلالین میں ہے کہ اس سے وہ مغیبات خمس مراد ہیں جنہیں آیت

حاصل نہ تھا فقیر نے اس کے جوابات تفسیر اویسی اُردو میں تفصیل سے لکھے ہیں یہاں مفسرین کے عبارات اور چند مختصر جوابات پر اکتفاء کرتا ہے۔ یاد رہے کہ :

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (غیب کی کنجیوں) سے مُراد یا تو غیب کے خزانے ہیں یعنی سارے معلومات الٰہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا، کیونکہ کنجی کا کام یہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی۔ اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔

(۱) تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے فَکَذَالِكَ هٰهُنَا لَمَّا کَانَ عَالِمًا بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰی بِالْعِبَارَةِ الْمَذْکُوْرَةِ وَعَلَی التَّقْدِیْرِ الثَّانِیْ الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةِ عَلٰی کُلِّ الْمُمْکِنَاتِ جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔ تفسیر روح البیان کے علاوہ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَمَّا کَانَ عَالِمًا بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ عَبَّرَ هٰذَا الْمَعْنٰی بِهٰذِهِ الْعِبَارَتِ وَعَلَی التَّفْسِیْرِ الثَّانِیْ یَکُوْنُ الْمَعْنٰی وَعِنْدَهٗ خَزَائِنُ الْغَیْبِ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْکَامِلَةُ عَلٰی کُلِّ الْمُمْکِنَاتِ کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس معنیٰ کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری تفسیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے نزدیک غیب کے خزانے ہیں اور اس سے مراد ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ اور ظاہر ہے کہ یہ صفتِ خداوندی ہے اس کی اگر نبی علیہ السّلام سے نفی ہو تو ہمارے مسلک کے خلاف نہیں کیونکہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم خالق نہیں مانتے بلکہ محبوب خالق مانتے ہیں۔ یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے قَالَ الْحَرِیْرِیُّ لَا یَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ وَمَنْ یُّطْلِعُهٗ عَلَیْهَا مِنْ خَلِیْلٍ وَحَبِیْبٍ اَیْ لَا یَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰی ذٰلِكَ لَهُمْ ، حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے اُن محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی اُن کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔

(۲) تفسیر عنایت القاضی یہی آیت وَجْهُ اخْتِصَاصِهَا بِهٖ تَعَالٰی اَنَّهٗ لَا یَعْلَمُهَا کَمَا هِیَ اِبْتِدَاءً اِلَّا هُوَ ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداءً خدا کے سوا

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ (الآیۃ) میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف : بخاری شریف میں ہے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ انہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

(۱) ارحام میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔
(۲) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں کہ کل کیا ہوگا۔
(۳) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی۔
(۴) اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کون کب اور کس زمین میں مرے گا۔
(۵) اور کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی[۲]

کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے، کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔
علاوہ ازیں یہ آیت مکیہ ہے جو ہمارے لئے مخالف نہیں کیونکہ ہمارا دعویٰ آیاتِ مدنیہ سے ہے نیز آیات کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ یہ نفی کفار کے عقیدہ کو مٹانے کے لئے ہے کہ وہ غیوب اپنے بتوں کے لئے مانتے تھے اور قاعدہ ہے کہ جہاں نفی ہو اس سے کفار کے بت مراد ہے ورنہ آیت خدا خود ثابت فرما رہی ہے کہ جملہ علوم ماکان و مایکون لوح محفوظ میں ہیں مخالفین نے صرف ایک جملہ پڑھنا ہوتا ہے چاہئیے یہ کہ مکمل آیت پڑھی جائے تاکہ اختلاف دُور ہو۔

[۲] صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہاں مفاتیح الغیب سے غیوب خمس مراد لینا حق ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں جانتے ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبری کی دلیل ہے ورنہ متقدمین تو صاف لکھ گئے ہیں۔ علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں "وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيْهَا عَلٰى اِطِّلَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يُنَافِي الْاٰيٰتِ الدَّالَّةَ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ لِاَنَّ الْمَنْفِيَّ عِلْمُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ اَمَّا اِطِّلَاعُهٗ عَلَيْهِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"، احادیث اس پر متواتر ہیں اور اُن کے معانی اس پر متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسئلہ ان آیتوں کے خلاف نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، کیونکہ جس کی نفی ہے وہ علم بغیر واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتانے سے وہ ثابت ہے۔ رب کے اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ " جو موجودات جنگلوں اور دریاؤں میں ہیں اُن سب کو اللہ تعالیٰ تفصیلی طور اور اُن کے اجناس و انواع اور اُن کے افراد کی کثرت کو جانتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے تعلق کا بیان ہے کہ جس طرح اس کا علم مغیبات سے متعلق ہے اسی طرح مشاہدات سے بھی مغیبات کے بعد مشاہدات کا ذکر تکملۃً ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ اُس کے علم محیط کے آگے ہر شئے واضح اور روشن ہے۔

مخالفین پر حیرانی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علوم خمس میں سے بہت سے جزئیات کا علم مانتے ہیں جب جزئیات کو مانتے ہیں تو پھر خاصۂ خدا بھی گردانتے ہیں؛ حالانکہ خاصہ کا تو کسی دوسرے کے لئے ایک جزو ثابت کرنا بھی شرک ہے لیکن ان کی ضد کا علاج کون کرے جزئیات میں صرف علم ساعۃ پر اڑ جاتے ہیں ہم اور حدیث بخاری شریف بھی پیش کرتے ہیں اور آیت بھی ممکن ہے رُوح البیان کا ہی حوالہ بھی پیش کر دیں تو عرض کریں گے کہ صاحب روح البیان کی عادت ہے کہ تحقیق المقام پر تفصیل لکھتے ہیں ورنہ اجمال لکھتے چلے جاتے ہیں؛ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ إِلَى أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِإِعْلَامِ اللهِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصْرَ فِي الْآيَةِ كَمَا لَا يَخْفَى "، بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے۔ اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ باقی رہے دیگر علوم وہ ایک کامل (جسے مخالفین نے بھی قطب وقت مانا) کے قلم کا شاہکار ملاحظہ ہو وہ ہیں حضرت شیخ علامہ عبدالعزیز دباغ قدس سرہ۔ آپ الابریز صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں: وَأَقْوَى الْأَرْوَاحِ فِي ذَلِكَ رُوحُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهَا لَمْ يُحْجَبْ عَنْهَا شَيْءٌ مِنَ الْعَالَمِ فَهِيَ مُطَّلِعَةٌ عَلَى عَرْشِهِ وَعُلُوِّهِ وَسُفْلِهِ وَدُنْيَاهُ وَآخِرَتِهِ وَنَارِهِ وَجَنَّتِهِ لِأَنَّ جَمِيعَ ذَلِكَ خُلِقَ لِأَجْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَمْيِيزُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَارِقٌ لِهَذِهِ الْعَوَالِمِ بِأَسْرِهَا فَعِنْدَهُ تَمْيِيزٌ فِي أَجْرَامِ السَّمٰوَاتِ مِنْ أَيْنَ خُلِقَتْ وَمَتَى خُلِقَتْ وَإِلَى أَيْنَ تَصِيرُ فِي جِرْمِ كُلِّ سَمَاءٍ وَعِنْدَهُ تَمْيِيزُ اخْتِلَافِ مَرَاتِبِهِمْ وَمُنْتَهَى دَرَجَاتِهِمْ وَعِنْدَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَمْيِيزٌ فِي أَجْرَامِ السَّيَّارَةِ الَّتِي فِي الْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ مِثْلَ النُّجُومِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَاللَّوْحِ وَالْقَلَمِ وَالْبَرْزَخِ وَالْأَرْوَاحِ الَّتِي فِيهِ عَلَى الْوَصْفِ السَّابِقِ وَكَذَا عِنْدَهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تَمْيِيزٌ فِي الْجِنَانِ وَدَرَجَاتِهَا فِي عَدَدِ سُكَّانِهَا وَمَقَامَاتِهِمْ فِيهَا وَكَذَا مَا بَقِيَ مِنَ الْعَوَالِمِ وَلَيْسَ فِي هَذَا مُزَاحَمَةٌ لِلْعِلْمِ الْقَدِيمِ الْأَزَلِيِّ الَّذِي لَا نِهَايَةَ لِمَعْلُومَاتِهِ وَذَلِكَ لِأَنَّ مَا فِي الْعِلْمِ الْقَدِيمِ يَنْحَصِرُ فِي هَذِهِ الْعَوَالِمِ فَإِنَّ أَسْرَارَ الرُّبُوبِيَّةِ وَأَوْصَافَ الْأُلُوهِيَّةِ الَّتِي لَا نِهَايَةَ لَهَا لَيْسَتْ

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ" یہ مِنْ زائد ہے۔ وَرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا (اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اسے بھی جانتا ہے)
یعنی اللہ تعالیٰ کو درختوں کے پتے گرنے اور باقی رہنے والوں کا علم ہے۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کو بھی جانتا ہے۔ وَلَا حَبَّةٍ " اس کا عطف وَرَقَةٍ پر ہے۔ فارسی اور اُردو میں بمعنے دانہ۔
فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ " (زمین کی تاریکیوں میں)

فائدہ: کاشفی نے فرمایا کہ اس سے وہ بیج مراد ہے جو زمین کے اندر ہوتا ہے وَلَا رَطْبٍ " اس کا بھی ورقہ پر عطف ہے فارسی اور اردو میں بمعنی تر وَلَا یَابِسٍ اور اُردو میں بمعنی خشک یعنی اِن اشیاء میں سے ہر شئے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا رطب و یابس سے وہ تمام اشیاء مراد ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اس لئے کہ ان دونوں کی تمام اشیاء یا خشک ہیں یا تر لیکن ان کا صرف جسمانیات سے تعلق ہے۔ اس لئے کہ خشکی و تری جسمانیات کے اوصاف ہیں۔ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ مگر وہ کتابِ مبین میں ہے۔

فائدہ: اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے۔ یہ استثناء اوّل سے بدل الاشتمال کے طور ہے یا اس سے اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے تو یہ بدل الکل ہوگا۔

فائدہ: وَلَا رطب ولا یابس کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں بسبب حرف عطف مبتداء اور اِلَّا فی کتابٍ مّبین " اس کی خبر ہوگی۔ مقام کی مناسبت سے یہی زیادہ موزوں ہے

مِنْ هٰذَا الْعَالَمِ فِیْ شَیْءٍ " یعنی اس امتیاز میں سب سے زیادہ قوی روح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ اس روح پاک سے عالم کی کوئی شئے پردہ میں نہیں۔ یہ روح پاک عرش اور اس کی بلند، پستی دُنیا و آخرت جنت و دوزخ سب پر مطلع ہے۔ کیونکہ یہ سب اسی ذات جمع کمالات کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَعَلیٰ آلِہٖ وَاصحابہ وبارک وَسلّم۔ آپ کی تمیز اِن جملہ عالموں کی خارق ہے۔ آپ کے پاس اجرام سماوات کی تمیز ہے کہ کہاں سے پیدا کئے گئے کیوں پیدا کئے گئے کیا ہو جائیں گے اور آپ کے پاس ہر ہر آسمان کے فرشتوں کی تمیز ہے اور اس کی بھی کہ وہ کہاں سے اور کب سے پیدا کئے گئے اور کہاں جائیں گے اور ان کے اختلاف مراتب اور منتہاء درجات کی بھی تمیز ہے اور ستر پردوں اور ہر پردہ کے فرشتوں کے جملہ حالات کی بھی تمیز ہے۔ عالم علوی کے اجرام نیرہ ستارے سورج چاند لوح و قلم برزخ اور اس کی ارواح کا بھی ہر طرح امتیاز ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوقات خشکی اور تری جملہ موجودات کا بھی ہر ہر حال معلوم ہے۔ اسی طرح تمام جنتیں اور ان کے درجات اور ان کے رہنے والوں

اس لئے کہ کتاب میں مطلب و یابس کا سقوط نہیں کتابت ہوتی ہے۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ سے کوئی شئے مخفی نہیں تو پھر لوحِ محفوظ کا ذکر کیوں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کی تخلیق سے بھی پہلے جانتا تھا۔ اور اس پر وہ اشیاء مکتوب نہ تھیں یا ہوتیں تو بھی اُس کے علم میں برابر فرق نہیں۔

جواب ۱ : تاکہ وہ لوح میں محفوظ ہو کر انہیں پڑھا جا سکے۔ یعنی اُس کی مخلوق اس سے پڑھ سکے۔

جواب ۲ : تاکہ ملائکہ اس سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے صفات میں معلومات کے اضافہ سے علم الیقین میں ترقی کر سکیں۔ لیکن حوادث کے حدوث کے وقت انہیں لوحِ محفوظ کے مکتوب کے مطابق پائیں گے لیکن یہ جواب صحیح نہیں اس لئے کہ ملائکہ کرام میں ترقی و تنزل کا مادہ نہیں پھر اُن کے لئے لوحِ محفوظ کی تخلیق کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

جواب صوفیانہ : لوحِ محفوظ اس قسم کا قلب (دل) ہے یعنی انسان میں ایک دل رکھا گیا کہ اس میں ماکان و مایکون درج فرما دیا۔

فائدہ صوفیانہ : لوحِ محفوظ بھی مراتب تنزلات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مقدرات کونیہ کو اس میں لکھا جو بندوں کی طرف فوائد عائد ہوں گے اسے صرف عارفِ باللہ یعنی اولیاء اللہ جانتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا۔

کی کتنی اور مکلات کے علم قدیم کے معلومات اس عالم میں منحصر نہیں۔ ظاہر ہے کہ [illegible] وربیت اوصاف الوہیت جو غیر متناہی ہیں اس عالم کے کب ہیں۔

دیکھئے صاحب کتاب ابریز کیسے صاف تصریح فرماتے ہیں کہ حضور کی نگاہ قدس سے عالم کی کوئی چیز عرشی ہو یا فرشی دنیا کی ہو یا آخرت کی پردہ اور حجاب میں نہیں۔ حضور سب کے علم میں [illegible] حضور کے علم کو علم الٰہی سے کوئی نسبت نہیں ہے کیونکہ علم الٰہی غیر متناہی ہے اور حضور کا علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو [illegible] حضور کا علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو متناہی ہے اور متناہی کو غیر متناہی سے نسبت ہی کیا۔

ازالۃ الوہم : مخالفین جو حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علم سے [illegible] کے علم کی علت کیا ہیں۔ جب حضور کے علم کی وسعت سنتے ہیں تو [illegible] کر سکتے ہیں کہ [illegible] علم الٰہی کو عالم میں منحصر خیال کر دیا [illegible] ہیں۔

؎ معرفت نیست دریں قوم خدایا مددے ؛ تا برم گوہر خود را بخریدار دگر

اس قوم میں معرفت نہیں اے اللہ میری مدد کر تا کہ میں اپنا موتی کسی دوسرے خریدار کے پاس لے جاؤں۔

تفسیر صوفیانہ

: اللہ تعالیٰ نے ہر شئی کے مناسب عالم شہادت میں ایک دیگر مناسب عالم پیدا فرمایا اور ایک عالم غیب میں پھر غیب کے لئے ایک کنجی بنائی کہ اس سے اس شئی کے غیب و شہادت کا تالہ کھولا جا سکے۔ پھر وہ شئے اسی طرح ہوتی ہے جیسے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ازل میں ارادہ فرمایا تھا: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ،، اُس کے غیب کے خزانوں کو اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ اس لئے کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ بنا بریں اس کے ان خزانوں میں نہ کسی نبی کریم علیہ السلام کو دخل ہے نہ کسی ولی کو اور نہ ہی کوئی انہیں استعمال کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ صرف خالق سے مخصوص ہیں (اور نبی و ولی خالق نہیں) اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھئے وہ یہ کہ فوٹو گرافر (نقش کھینچنے والا) جس شئے کی تصویر کھینچے گا تو اُس کے ہاں اس کی تصویر کی ایک صورت عالم شہادت میں ہے اور ایک صورت عالم غیب میں ہے (جسے فوٹو گرافر کا علم و فن کہا جاتا ہے) اُس صورت کے لئے ایک کنجی ہے کہ جس سے باب علم تصویر کو وہ مصور کھولے گا۔ اس صورت کے مطابق جو عالم شہادت میں ظاہر ہوگی اور وہ مصور کے ذہن میں ہے جسے قلم ظاہر کرے گی اور قلم نقاش کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں سوائے اس نقاش کے اور کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اب سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نقاش و مصور ہے اور صورتیں کائنات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور یہ صورتیں جس طرح عالم شہادت میں ہیں۔ اسی طرح عالم غیب میں بھی ہیں۔ اُن کی تخلیق و تکوین اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور اُن کی مفتاح اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اس کا علم عالم ملکوت سے متعلق ہے۔ ملکوت کے قلم سے ہر شئی کا ظہور ہے اور وہ قلم صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ،، اسی کے ہاتھ میں ہے ہر شئی کے ملکوت ہے پھر جیسے اشیاء مختلف ہیں اسی طرح ملکوتیات بھی مختلف۔ اور ہر شئی کے ملکوت جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا انسان یا فرشتے اُن ہر ایک کے مناسب حال صورت ہے۔ اس لئے مفاتح کو جمع اور غیب کو واحد لایا گیا کما قال ،، وَعِنْدَهٗ مفاتح الغیب ،، اس لئے کہ غیب تکوین کا علم ہے اور وہ جمیع اشیاء میں ایک ہے اور ملکوت میں کثرت ہے۔ جیسے مصور کی اقلام بکثرت ہوتی ہیں۔

(ف) اللہ تعالیٰ تکوین بر و بحر کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ہی سب کا ظہور ہوا اور بر عالم شہادت ہیں اور بحر عالم غیب اور عالم ملکوت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ہر دونوں کو جانتا ہے۔ کما قال عالم الغیب وَالشَّهَادَةِ ،، اس علم کی وجہ سے ہر درخت کے گرنے والے پتے کو جانتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اُن کا خالق بھی ہے اور مُثبت بھی وہی اور مُسقط بھی وہی۔

وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ ،، اور حبہ سے مُراد حبۃ الروح اور ظلمات الارض سے ظُلمات ارضِ نفس مُراد ہیں۔ یعنی ہر رُوح کے بیج جو نفس کی زمین کی تاریکیوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے اور وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ سے ظلماتِ کمالات بشریہ بھی مُراد ہو سکتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کمالات بشریت کو بھی جانتا ہے اور اُس کے نقصانات کو بھی اور ولا رطب ولا یابس میں رطب سے موجود فی الحال اور یابس سے معدوم فی الحال اور موجود بالقوہ مراد ہے یعنی وہ اس وقت معدوم تھا جب یہ آیت نازل ہُوئی اور پھر بعد کو وہ موجود ہوگا اور یہ بھی ہے کہ رطب سے روحانیات اور یابس سے جمادیات اور یہ بھی ہے کہ رطب سے مومن اور یابس سے کافر اور یہ بھی کہ رطب سے عالم اور یابس سے جاہل۔ یا یہ کہ رطب سے عارف اور یابس سے زاہد یا یہ کہ رطب سے اہلِ محبت اور یابس سے اہلِ بغض یا یہ کہ رطب سے صاحب شہود اور یابس سے صاحب وجود یا یہ کہ رطب سے باقی باللہ اور یابس سے باقی بنفسہٖ اور کتاب مُبین سے ام الکتاب مُراد ہے (کذافی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ ،، اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں رات میں مارتا ہے) یہ خطاب ہر مومن اور کافر کو عام ہے یعنی تمہیں رات کے وقت نیند لاتا ہے یعنی تمیز اور حواس زائل کر کے تمہیں مردہ کی طرح بنا دیتا ہے۔

اسی لئے وارد ہے کہ النوم اخ الموت نیند موت کی مانند ہے۔

(ف) التوفی بمعنے قبض الشئ بتمامہ یعنی شئ کو مکمل طور قبض کرنا۔ (فائدہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیند کے وقت رُوح تو نکل جاتی ہے، لیکن اس کی شعاع جسم میں باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے نیند میں خواب دکھائی جاتی ہے۔ پھر جب وہ جاگتا ہے تو روح آنکھ جھپکنے سے پہلے واپس لوٹ آتی ہے۔ یعنی خواب میں دیکھنے والی رُوح انسانی ہوتی ہے۔ عالم برزخ میں رُوحِ حیوانی اس سے جو کچھ حُسن و قبح ظاہر ہوتا ہے اسے رُوحِ انسانی ملاحظہ کرتی ہے اور رُوحِ حیوانی اُس رُوحِ انسانی کا ظل اور عکس ہے لیکن یاد رہے کہ رُوحِ انسانی و حیوانی حکماء کی اصطلاحیں ہیں۔ اہلِ سلوک ہر دو کو مطلقاً روح اور اس کے تنزلات سے تعبیر کرتے ہیں۔

وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ،، اور جو کچھ تم دن میں عمل کرتے ہو انھیں بھی وہ جانتا ہے۔

فائدہ : جوارح الانسان بمعنی انسان کے وہ اعضاء کہ جن سے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور اللیل و النہار کی تخصیص صرف عادت کی بنا پر ہے کہ عادۃً انسان رات کو سوتا ہے اور دن کو کاروبار میں رہتا ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ

ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

سنتا ہے اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا

وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ کہ اگر وہ ہمیں اس سے بچا دے تو ہم ضرور احسان مانیں گے

الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾

تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

تم فرماؤ وہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ

تلے سے یا تمہیں بھڑا دے مختلف گروہ کرکے اور ایک کو دوسرے کی سختی چکھائے دیکھو ہم کیونکر

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ

طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کو سمجھ ہو اور اسے جھٹلایا تمہاری قوم نے اور یہی حق ہے تم فرماؤ میں

لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ؗ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ

تم پر کچھ کڑوڑا نہیں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان جاؤ گے اور اے سننے والے

الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ

جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے جب تک اور بات میں پڑیں

وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ اور

عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

پرہیزگاروں پر ان کے حساب سے کچھ نہیں ہاں نصیحت دینا شاید وہ باز آئیں

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ

اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنا لیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور قرآن سے

تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ

تا کہ کہیں کوئی جان اپنے کیے پر پکڑی نہ جائے اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی اور اگر

تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ

اپنے عوض سارے بدلے دے تو اس سے نہ لیے جائیں یہ ہیں وہ جو اپنے کیے پر پکڑے گئے انہیں پینے کو کھولتا پانی

مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا

بقیہ صفحہ: ۵۳۹

ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ ،، (پھر تمہیں اس میں بیدار کرتا ہے) اس کا عطف یتوفاکم پر ہے۔

نکتہ: لیل و نہار کے درمیان یعلم کے صیغہ کو لانے میں نکتہ ہے وہ یہ کہ انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ رات کو نیند جیسی نعمت عطا فرما کر دن کو پھر بیدار فرما دیتا ہے۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ نیند سے اٹھ کر برائیوں میں مصروف ہو جائے گا۔ (اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ) حالانکہ وہ قادر ہے کہ نیند میں ہی انسان کو موت دے اور اسے حیاۃ دے کر جگاتا ہی نہیں تاکہ اٹھ کر گناہ نہ کرے۔ لیکن باوجود ایں ہمہ اس نے خواب سے جگایا اور حیات بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ ثُمَّ تراخی لایا گیا وہ بھی اسی طرح اشارہ کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جنس لیل میں نیند دیتا ہے اور جنس نہار میں بیداری بخشتا ہے۔ باوجودیکہ اسے معلوم ہے کہ تم اٹھ کر گناہ کرو گے۔ **لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى** تاکہ تمہارا اجل پورا ہو یعنی نیند سے اٹھنے والا۔ موت تک اپنی میعاد زندگی پوری کر سکے۔

(فائدہ) اجل بمعنی زندگی کی آخری مدت

ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ،، پھر تمہارا موت سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔ **ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** ۝ وہ اعمال جو تم زندگی کے شب و روز میں کرتے رہے ان کی تمہیں جزا و سزا دے گا

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الْقَاهِرُ : اور وہی غالب ہے۔ فَوْقَ عِبَادِهٖ اپنے بندوں پر یعنی اس کے سوا بندوں کے جملہ امور کا ہر طرح سے اور کوئی متصرف نہیں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔

فائدہ : یہ بھی جائز ہے کہ فوق دوسری خبر ہو اور فوق میں مکانیت کا معنیٰ نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف مکانیت کی اضافت محال ہے۔ یہاں پر غلبہ یا قدرت یا اسی طرح کا کوئی اور معنیٰ ہوگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ فلان فوق فلان فِي العلم، یعنی وہ فلاں سے علم میں فوقیت رکھتا ہے۔ یعنی اس سے علم میں زائد ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) دست بر بالائے دست ایں تا کجا — تا بیزدان کہ الیہ المنتہیٰ
(۲) کان یکے دریاست بے غور و کراں — جملہ دریاہا چو سیلے پیش آں
(۳) حیلہا و چارہ ہا گر اژدہاست — پیش الا اللہ آنہا جملہ لاست

ترجمہ : (۱) ہاتھ کو ہاتھ پر غلبہ ہے یہاں تک کہ اللہ تک سب کا انتہا ہے۔
(۲) وہ ایسا بیکراں و بے کنار دریا ہے کہ تمام دریا اس کے سامنے چھوٹی نالی ہے۔
(۳) جملہ حیلے مکر و فریب اگرچہ بڑے اژدھا ہیں لیکن الا اللہ کے آگے تو لا ہیں یعنی کچھ نہیں۔

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ، اس کا عطف جملہ اسمیہ ، اور تمہارے اوپر ایسے نگران فرشتے بھیجتا ہے جو تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس سے کراماً کاتبین مراد ہیں۔

نکتہ : کراماً کاتبین کو مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب بندے کو معلوم ہوگا کہ میرے اعمال لکھے جا رہے ہیں (جو قیامت میں بر سر میدان عوام کے سامنے ظاہر ہوں گے) تو برائیوں سے رک جائے گا۔ اور جسے یقین ہو کہ اسے بالآخر معاف فرمائے گا تو اسے اپنے آقا سے اتنا خوف نہیں ہوتا۔ حضرت کاشفی نے کہا ؎

(۱) نہ اندیشی ازاں روزے کہ در وے — جگر ہا خون و دلہا ریش بینی
(۲) دھندت نامہ اعمال و گویند — بخواں تا کردہائے خویش بینی
(۳) مکن در میکنی نارے وراں گوش — کہ اندر نامہ نیکی پیش بینی

ترجمہ : (۱) تجھے اس دن کا کوئی فکر بھی نہیں جہاں جگر خون ہوں گے اور دل زخمی
(۲) تجھے اعمالنامہ دے کر کہیں گے اسے پڑھ یہ تیرے اپنے کام ہیں۔
(۳) گناہ نہ کر اگر کرتا ہے تو سن لے کہ آگے تیرے لئے جہنم ہے جب تیرے عملنامہ میں نیکی نہ ہوگی۔

کراماً کاتبین : مروی ہے کہ کراماً کاتبین رات اور دن کے لئے علیحدہ علیحدہ جوڑا ہے۔ ایک نیکیاں لکھتا ہے تو دوسرا برائیاں۔ دایاں بائیں کا امیر ہے۔ جب بندہ نیکی کرتا ہے تو وہ ایک کے بجائے دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب بندہ بُرائی کرتا ہے تو بائیں جانب والا فرشتہ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے رُک جا۔ وہ چھ سات ساعات رُکا رہتا ہے پھر اگر وہ بُرائی پر استغفار کرتا ہے تو اس کی بُرائی نہیں لکھی جاتی۔ اگر استغفار نہیں پڑھتا تو اُس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک بُرائی لکھی جاتی ہے۔

سوال : وہ فرشتے جیسے ظاہر عمل کو جانتے ہیں کیا اسی طرح انسان کے دل کے ارادہ کو بھی جانتے ہیں۔

جواب[1] : ہاں وہ دل کے باطنی عزم کو بھی جانتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ کراماً کاتبین اُن فرشتوں سے نقل کر لیتے ہیں جو لوح محفوظ کے کاتبین ہیں اور لوحِ محفوظ پر تمام حالات لفظ بلفظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں انہیں ظواہر سے تعلق ہو یا بواطن سے لوح محفوظ سے حالات معلوم کرنے کے بعد وہ بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ رات والے فرشتے رات کو اور دن والے دن کو جس طرح بندوں سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے۔ ویسے ہی وہ لکھتے جاتے ہیں وہ اس سے قبل بھی اُن کے اعمال کو جانتے ہیں۔

جواب[2] : بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے منہ سے خوشبو مہکتی ہے۔ اس علامت کے مطابق نیکی کا فرشتہ لکھتا ہے تو وہ بُرائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو اُٹھتی ہے۔ اس علامت سے بُرائی لکھنے والا فرشتہ بُرائی لکھتا ہے۔

سوال : جو جوڑا آج اعمال لکھنے کے لئے آیا وہی کل آئے گا یا کل کے لئے اور پرسوں کے دیگر وغیرہ وغیرہ

جواب : بعض مشائخ کا فرمان ہے کہ جو جوڑا ایک انسان کے لئے مقرر ہو جاتا ہے وہ اُس کی زندگی تک اُس کے لئے مقرر رہتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جو ایک دفعہ حاضر ہُوا اسے پھر اس بندے کی زندگی میں دوبارہ آنا نہیں ہوگا بلکہ ان کے بجائے کوئی اور آئیں گے۔ اسی طرح پھر تیسرے روز وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ : کراماً کاتبین انسان کے اعمال لکھتے وقت کہاں بیٹھتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ حدیثِ نبوی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے منہ کو خلال سے صاف رکھو (اس لئے کہ کراماً کاتبین فرشتوں کی نشستگاہ یہی ہے) اور اُن کی سیاہی انسان کی تھوک ہے اور اُن کا قلم انسان کی زبان ہے اور اُن کے نزدیک دانتوں میں جو طعام بچ جاتا ہے اس سے اور کوئی شئی زیادہ

---

[1] اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت علیمٌ بذاتِ الصدور ہے، لیکن اس کی دین سے بندوں کی یہ صفت حاصل ہے یہی قاعدہ تا حال دیوبندیوں وہابیوں وغیرہم کو سمجھ نہیں آیا۔ اگر آیا ہے تو ضد سے نہیں مانتے۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہ

بد بُودار نہیں

مسئلہ : ممکن ہے کہ انسان کے ساتھ ان دو فرشتوں کے علاوہ اور بھی فرشتے ہوں جو اُسے ایذاؤں سے بچائیں جیسا کہ روایات میں ہے۔ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ (یہاں تک کہ تمہارے ایک کے ہاں موت آجائے)

فائدہ : یہ وہ حتّٰی ہے جس سے کلام کا ابتداء کیا جاتا ہے اور اپنے مابعد والے جملہ شرطیہ کو اپنے ماقبل کے لئے غایت بناتا ہے گویا بندوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے اُوپر نگران فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو تمہاری زندگی بھر تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم میں سے کسی ایک کی مدت حیات ختم ہو جاتی ہے یعنی پھر اُس کے لئے اسباب و مبادی آجاتے ہیں۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (تو اسے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے مارتے ہیں) یہ ان کراماً کاتبین کے غیر ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کی طرف بندوں کی موت سپرد کی گئی ہے۔ یعنی حضرت ملک الموت اور اُن کے خدام یہاں محافظین اعمال فرشتوں کی ڈیوٹی ختم ہوتی ہے۔ وَهُمْ (اور وہ رُوح قبض کرنے والے فرشتے) لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ کوتاہی نہیں کرتے اُن امور میں جن کے متعلق اُن کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ ان میں نہ وہ سُستی کرتے ہیں اور نہ کوتاہی۔ آنکھ جھپکنے کی دیر بھی ان سے ڈیوٹی میں کمی اور سُستی نہیں ہوتی۔

مسئلہ : تمام مخلوق کے ارواح کو قبض کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے اور ملک الموت اور اُن کے خدام کو مجازاً رُوح کا قبض کرنے والا کہا جاتا ہے (اس لئے کہ وہ قبض ارواح کے وسائط ہیں)

اعجوبہ : ملک الموت کے واسطہ کے بغیر بھی رُوح قبض کی جاتی ہے۔ جیسے بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے متعلق منقول ہے کہ ان کی رُوح مبارکہ ملک الموت کے واسطہ سے قبض نہیں ہوئی۔

فائدہ : ملک الموت کے مُعین ملائکہ چودہ ہیں۔ سات رحمت کے (قبض ارواح کے بعد اُن کی طرف مومن کی رُوحیں سپرد ہوتی ہیں) اور سات عذاب کے (کافروں کی روحیں اُن کے سپرد ہوتی ہیں)

ملک الموت اور مسئلہ حاضر و ناظر

ملک الموت کے لئے تمام دُنیا ایسے ہے جیسے تھال میں چند دانے کہ وہ اُس سے جس کی رُوح چاہتے ہیں اُٹھا لیتے ہیں۔ قال مجاہد صاحب رُوح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ملک الموت کو ارواح قبض کرنے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ اگرچہ کتنی ہی بے شمار رُوحیں قبض کرنی پڑیں۔ اور کتنے ہی دُور دُور کے مختلف مقامات پہ ہوں۔ اس کی کیفیت عقل جزوی کے فہم و ادراک کے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ جیسے

شیطان کے وسوسہ کے متعلق سمجھنا مشکل ہے کہ وہ ایک آن میں تمام اہلِ دُنیا کے دلوں میں کس طرح وسوسہ ڈالتا ہے۔ [1]

حدیث شریف : مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی مزاج پُرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے ملک الموت کو اس مریض کے سرہانے دیکھ کر فرمایا اے ملک الموت نرمی کرنا یہ مومن ہے۔ اس نے عرض کی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو خوشی ہونی چاہیئے کہ میں ہر اہلِ ایمان کے ساتھ نرمی کرتا ہوں۔ بلکہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب میں کسی اہلِ ایمان کی روح قبض کرتا ہوں تو اُس کے گھر والے روتے ہیں تو میں اُن سے علیحدہ ہو کر کہتا ہوں کہ میں نے کونسا گناہ کیا ہے مامور من اللہ ہوں اور میں یہاں بار بار آؤں گا انہیں ایسی غلطی سے پرہیز لازمی ہے اور کوئی گھر ایسا نہیں جہاں میں دن میں پانچ بار نہ آؤں۔ وہ پہاڑوں میں ہوں یا جنگلوں میں۔ دریاؤں میں یا کسی اور جگہ پہ۔ مجھے اُن کے ہر چھوٹے بڑے سے تعارف ہے بلکہ جتنا میں انہیں جانتا ہوں وہ اتنا اپنے اعزہ و اقارب کو نہیں جانتے۔ بخدا میں مچھر کی جان نکالنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو۔

ردِّ وہابیہ : علماءِ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ موت محض عدم اور صرف فنا کا نام نہیں بلکہ موت جسم سے رُوح کی جُدائی کا نام ہے۔ یعنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف یا ایک دار سے دوسری دار کی طرف منتقل ہونے کو موت کہا جاتا ہے۔

موت کی اصلی صُورت : مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موت کو ملیح بینڈھے کی شکل میں پیدا فرمایا تو اُسے حکم ہوا کہ وہ اس ہیئت میں ملائکہ کرام کے ہاں جائے۔ جب فرشتوں نے موت کو دیکھا تو دو ہزار سال بیہوش رہے۔ جب ہوش میں آئے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یہ کیا شئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ موت ہے۔ اُنھوں نے عرض کی یہ کن پر وارد ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر ذی رُوح پر عرض کی۔ دُنیا کیوں پیدا ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ بنو آدم ٹھہریں۔ عرض کی عورتوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ فرمایا تاکہ آدم زادے پیدا ہوں۔ عرض کی جن لوگوں پہ موت وارد ہوگی کیا وہ دُنیا اور عورتوں سے مشغول ہو سکتے ہیں۔ فرمایا انہیں طویل آرزوئیں موت بھلا دیں گی۔

---

[1] اسی طرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کا مسئلہ ہے کہ ہمارے عقل و فہم و ادراک میں اگر نہیں آسکتا تو نہ آئے لیکن ہے تو حق مگر افسوس کہ دیوبندیوں و وہابیوں نے ملک الموت اور ابلیس کے لئے تو مان لیا لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہی عقیدہ اہلسنت نے منوانا چاہا تو شرک کا فتویٰ جڑ دیا بلکہ انبیٹھوی گنگوہی، دیوبندیوں کے مرشد نے گستاخانہ لہجہ میں لکھ مارا کہ شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہے (معاذ اللہ اویسی)۔

یہاں تک کہ ان سے دُنیا اور عزتیں چھین لی جاتی ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے تمام مصائب سے بڑی مصیبت موت ہے لیکن غفلت اس سے بڑی ہے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا ، اس کا عطف توفتہ پر ہے اور ضمیر کل کی طرف راجع ہے جو احدکم سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی قیامت میں اُٹھنے کے بعد انہیں ملائکہ لوٹائیں گے۔ اِلَی اللّٰہِ ، (اللہ کی طرف) یعنی اُس کے حکم و جزا کی طرف حساب کے موقف میں۔

سوال : تم نے حکم و جزاء کا معنیٰ کہاں سے نکالا۔

جواب : اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا مکان اور جہت کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ مکان و جہت سے پاک ہے یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کے لئے مطیع کر کے لائیں گے کہ ایسے مالک کے حکم کی طرف انہیں لایا جاتا ہے کہ اب اس کے سوا ان کا کوئی مالک نہیں نہ اس کے سوا کوئی حاکم ہے۔

مَوْلٰىهُمُ (اُن کے مالک کی طرف) یعنی ایسے مالک کی طرف جو علی الاطلاق جملہ امور کا مالک ہے۔

سوال : یہ تقریر آیت ، وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ کے خلاف ہے۔

جواب : آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر یعنی حامی و مددگار ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں۔ اسی لئے آیت ہماری تقریر کے منافی نہیں۔

اَلَا (خبردار) لَهُ الْحُكْمُ اس کے لئے جمیع حکم ہیں۔ یعنی اُس دن اپنے بندوں کے صرف وہی فیصلے فرمائے گا۔ وہاں صرف اسی کا فیصلہ چلے گا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے کہ اُس دن تھوڑے سے وقت میں اپنی تمام مخلوق کا حساب لے گا اور یہ بھی ہے کہ اُس کے لئے ایک کا حساب دُوسرے سے مانع نہ ہوگا اور نہ ہی ایک شان دُوسری کو حاجب ہو سکے گی۔ اس کا کلام کسی آلہ (عضو) سے نہ ہوگا اور نہ فکر و رؤیت کا محتاج ہوگا۔

فائدہ : حساب کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ثواب و عذاب سے اُن کے استحقاق کے مطابق تعارف کرائے گا۔ بعض کے نزدیک حساب کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے تاکہ ان کی مقدار بندوں پر ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے حساب مؤمن کا ہوگا۔

مسئلہ : ہر اُس شخص کے لئے کوئی میزان نہ ہوگا جسے بہشت میں بلا حساب داخل کیا جائیگا۔

مسئلہ : حشر و حساب اس زمین کے اُوپر نہیں بلکہ زمین کے اندر ہوگا لیکن اسے بدل کر نہایت سفید چاندی کی طرح بنا دیا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا حکم چلے گا۔ اور نہ ہی کسی پر ظلم ہوگا۔

سبق : جب لازماً حساب و کتاب ہونا ہے اور حساب لینے والا بھی وہی احکم الحاکمین ہے تو پھر

لازم ہے کہ حساب قائم ہونے سے پہلے ہی ہم اپنا حساب صاف رکھیں اس لئے کہ جیسے آخرت کے بازار کے تاجر ہیں۔ راس المال عمر ہے اور نفع عمر کو طاعت و عبادات میں صرف کرنے میں ہے اور گناہوں و برائیوں میں صرف کرنے میں گھاٹا ہے لیکن یاد رہے کہ نفس اس تجارت میں اُس کا شریک ہے۔ اگرچہ نفس میں خیر و شر دونوں کی صلاحیت رکھی گئی ہے۔ لیکن یہ برائیوں اور گناہوں کا عاشق ہے اسی لئے ضروری ہے کہ اُس پر پوری نگرانی رکھی جائے اور پُورا پُورا حساب لیا جائے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

تو غافل در اندیشۂ سُود و مال　　کہ سرمایۂ عمر شُد پائمال

ترجمہ: تو سُود و مال کے فکر میں غافل ہے اسی طرح سے تیری عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ **قُلْ** ،، اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کو فرمایئے **مَنْ** .. (استفہامیہ ہے) **يُنَجِّيكُمْ** (کون نجات دیتا ہے) **مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ** ،، جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں سے یعنی سفروں میں ان کی ہولناکیوں اور تکالیف سے۔

ف: اُن کی مشقتوں کا ظلمات سے استعارہ کیا گیا ہے اس لئے کہ ہر دونوں ابطال الابصار اور ہولناکیوں میں مشارکت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو دن سخت تکالیف و شدائد سے بسر ہو اُسے یوم مظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اُسے یوم ذو کواکب بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ دن ایسا سخت ہو گیا ہے گویا تاریکی چھا گئی ہے اور ستارے ظاہر ہو گئے ہیں اس لئے کہ جب رات کو تاریکی زیادہ ہو تو ستارے زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس رات کو چاند نہ ہو تو اس میں ہر چھوٹا بڑا ستارہ نظر آتا ہے۔ پھر جسقدر تاریکی زیادہ ہو اتنے ہی ستارے زیادہ چمکدار نظر آتے ہیں۔

تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ،، اُسے پکارو گے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔ یعنی اُس وقت تمہارا یہ حال ہوتا ہے کہ اسے پکارتے ہو دھاڑیں مار کر اور دل میں نہایت ہی عجز و انکسار سے۔ یہ دونوں مصدر ہیں لیکن چونکہ حال واقع ہوئے ہیں۔ اس لئے ان میں اسم فاعل کا معنےٰ کیا گیا ہے۔

(ف) التضرع بمعنے اظہار الضراعۃ الی شئ اور ضراعۃ بمعنی شدۃ الفقر و الحاجۃ۔

لَّئِنْ أَنجَانَا ،، یہ بھی تدعونہ کی ضمیر مخاطب سے حال ہے لیکن بارادۂ قول یعنی اُسے پکارتے ہو در انحالیکہ تم کہنے والے ہوتے ہو کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے نجات بخشی **مِنْ هَٰذِهِ** ،، انہی شدائد و مصائب سے **لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ** ،، البتہ ہم ہوں گے پکے شکر گزاروں میں سے اور اس پر مداومت کرنے والوں سے اس نعمت کی وجہ سے۔

(ف) شکر بمعنے اعتراف النعمۃ یعنی نعمت کے اعتراف کرنے کو شکر کہا جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس نعمت

کے حقوق بھی قائم رکھے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق یہ ہیں کہ منعم حقیقی کی اطاعت میں زندگی بسر کرے اور برائیوں سے بچے نہ یہ کہ الٹا اُس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنائے جنہیں کسی شئی کی بھی قدرت نہیں۔

۶۴ قُلِ ،، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے اللّٰہُ یُنَجِّیْکُمْ مِّنْهَا وَمِنْ کُلِّ کَرْبٍ اللہ تعالیٰ تمہیں ظلمات البر والبحر اور اُن کے ماسوا دوسرے غم سے بھی نجات دے گا۔

(ف) کرب انتہا درجہ کے غم کو کہا جاتا ہے کہ جس سے نفس کو سخت گرانی ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ ،، پھر اس لئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا مشاہدہ کر چکے ہو تو بھی تُشْرِکُوْنَ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دُوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ یہاں پر مناسب تھا کہ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ کے بعد ثُمَّ اَنْتُمْ لَا تَشْکُرُوْنَ ای لَا تَعْبُدُوْنَ ،، ہوتا۔ لیکن تُشْرِکُوْنَ کے بجائے لاتشکرون کہا گیا تاکہ تنبیہ ہو کہ اشتراک بھی ترک شکر ہے ۶۵ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا ،، فرمایئے اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ شرک کی وجہ سے تمہارے اُوپر عذاب بھیجے ،،

مِّنْ فَوْقِکُمْ ،، تمہاری اُوپر کی جانب سے جیسے حضرت نُوح علیہ السلام کی قوم سے ہُوا کہ انہیں طوفان، صاعقہ (آندھی) سے اور قوم حضرت لُوط علیہ السلام اور اصحاب فیل پر پتھر برسا کر تباہ و برباد کیا۔

اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ،، یا نیچے سے عذاب بھیجے۔ جیسے فرعون کو غرق کیا اور قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ (ف) بعض نے کہا مِنْ فَوْقِکُمْ سے ملوک، رؤسا، اکابر اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ ،، سے بدکار غلام اور اُن کے ماتحت عوام اور اُن کے بیوقوف لوگ مُراد ہیں اور لفظ اَوْ منع الجمع کے لئے نہیں بلکہ منع الخلو کے لئے ہے۔ یعنی دونوں جہت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے نُوح علیہ السلام کی قوم سے ہُوا کہ انہیں اُوپر نیچے کے عذاب میں مُبتلا کیا گیا۔ اَوْ یَلْبِسَکُمْ ،، یہ لَبَسْتُ علیہ الامر سے ہے۔ ای خَلَطْتُہٗ (باب ضرب یَضرِب) یا لَبِسْتُ الثوب (علم یَعلَم) سے ہے۔ پہلے کا مصدر اللبس بالفتح اور دُوسرے کا بالضم ہے یعنی یا تمہیں خلط ملط کر دے۔ شِیَعًا ،، منصوب ہے اس لئے کہ یَلْبِسَکُمْ کے کُمْ مخاطب سے حال ہے۔

(ف) شیعہ کی جمع ہے جیسے سِدَرٌ سِدْرَۃ کی جمع ہے اور شیعہ ہر اُس گروہ کو کہا جاتا ہے جو کسی امر پر مجتمع ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں مختلف جماعتوں میں بانٹ دے کہ جن کے آراء و مذاہب مختلف ہوں جن کا ہر فرقہ اپنے علیحدہ مقتدا کا پیروکار ہو تمہارے مابین جنگ کھڑی کر کے ایک دُوسرے کی جنگ کے لئے ہر ایک لیڈر لڑائی پر برانگیختہ کرے۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا یہاں پر خلط سے اضطراب مُراد ہے۔

وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اور تمہارا بعض تمہارے بعض کو چکھائے۔ یعنی تم ایک دُوسرے سے جنگ کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے کہ کافروں کو اہلِ ایمان کی جنگ کا مزا چکھاتا ہے۔

اسی طرح بالعکس اور یہ بھی ہُوا کہ کافروں کو کافروں سے اور اہلِ ایمان کو اہل ایمان سے مزا چکھایا۔ جیسے اکثر آزمان و اعصار میں ہُوا (اسی طرح جمال و جلال کی صفت کی تربیت کا تقاضا ہے)

حدیث شریف : میں ہے میں نے اپنے ربِ کریم سے تین سوال کئے۔ دو مجھے عطاء ہُوئے۔ ایک سے منع فرمایا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ میری اُمت کو قحط سالی سے تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ دوسرا سوال تھا میری اُمت غرق نہ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ہی ہوگا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ میری اُمت خانہ جنگی سے محفوظ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب یہ دُعا مانگنے کے لائق نہیں۔

شرح الحدیث المذکور : قحط سالی سے مُراد عالمگیر قحط ہے جس میں اُمت کا ہر فرد مُبتلا ہو جائے۔ حدیث میں فرق (بالفتح) وارد ہُوا ہے۔ اس سے بھی علی سبیل العموم مُراد ہے۔ جیسے نُوح علیہ السلام کی امت کے لئے ہُوا۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی ابروسوی نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کی تاثیر ہر تین سال کے بعد نمودار ہوتی ہے لیکن بطریق الخفتہ کہ کہیں زور دار بارش ہوگئی اور اس سے کئی دیہات زیر آب ہوگئے اور کئی گھر اور حدیث شریف میں "باس" وارد ہُوا ہے۔ اس سے فتنہ فساد اور جنگ مُراد ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت طعن وطاعون سے فنا ہوگی۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب میری اُمت[1] میں تلوار آجائے گی تو پھر وہ قیامت تک نہ اُٹھے گی۔

سبق : یہ معجزہ ہے حضوُر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جیسے فرمایا ویسے ہُوا اور البأس بمعنے الشدۃ فی الحرب "

فائدہ : باس یعنی خانہ جنگی اُس وقت آئے گی جب آئمہ (سلاطین۔ حکام) کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے چھوڑ دیں گے۔ اور دُشمن اہل اسلام پر اس وقت مسلط ہوگا جب اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ توڑ دیں گے۔ چنانچہ بعض احادیث میں وارد ہے۔ **اُنْظُرْ** " اے محبوب (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے۔ **کَیْفَ نُصَرِّفُ** ہم اُن کے لئے کیسے پھیرتے ہیں **الْاٰیٰتِ** " قرآنی آیات کو ایک حال سے دُوسرے حال کی طرف کبھی وعدوں سے کبھی وعیدوں سے۔ یعنی کہیں وعید بیان کیا گیا تو ساتھ ہی وعدہ بھی۔ مختلف وجوہ سے آیات کو دوہرایا گیا۔

---

[1] امت میں تلوار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آئی اور آج تک آپس میں جاری ہے۔

اس سورۃ سے لے کر آخر تک یہی اسلوب رہتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ،، تاکہ وہ سمجھ جائیں اور اپنے جبلی امر سے واقفیت حاصل کرکے مجاہدہ وعناد سے لوٹ کر ایمان واسلام کی طرف رجوع کریں ۶۵ وَكَذَّبَ بِهٖ ،، (بہ) کی ضمیر عذاب موعود یا قرآن کی طرف لوٹتی ہے جو عذاب کی خبر سناتا ہے۔ قَوْمُكَ ،، آپ کے قول کی تکذیب کی ... جو آپ سے عناد رکھتی ہے۔ وَهُوَ الْحَقُّ ،، حالانکہ وہ حق ہے یعنی لامحالہ عذاب واقع ہوگا یا یہ کہ جو کچھ کتاب اللہ نے بیان کیا ہے وہ حق ہے۔ قُلْ ،، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ،، میں تمہارے اوپر وکیل نہیں۔ یعنی میں تمہارا محافظ نہیں کہ میرے ہاں تمہارے تمام امور سپرد کئے گئے ہوں تاکہ میں تمہیں تکذیب سے روکوں اور تمہیں تصدیق پر مجبور کروں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اور اب میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوں اس لئے کہ میں تمہیں یہ تمام خبریں سنا چکا ہوں جنہیں تم دیکھو گے ۶۶ لِكُلِّ نَبَاٍ ،، قرآن کی تمام خبروں میں سے ہر ایک خبر کا مُّسْتَقَرٌّ ،، وقت مقرر ہے۔ وَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ،، اور عنقریب تم جان لوگے یعنی تم عذاب کے وقوع کو دنیا یا آخرت یا ہر دونوں یعنی دنیا اور آخرت میں۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ دفع شدائد وضرار میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں تضرع وانکسار کرے اور گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ اس لئے کہ گناہ ہر قسم کے مصائب میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ اور ہر ظلمت نفس امارہ کی ظلمات سے ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہرچہ بر تو آید از ظلمات غم — آں ز بے شرمی وگستاخیست ہم

ترجمہ : جو کچھ تجھ پر غم کی آندھیاں چل رہی ہیں یہ تیری بے شرمی وگستاخی کی وجہ سے ہیں۔

حضرت صائب نے فرمایا ؎

چرا ز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب — ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم

ترجمہ : میں کسی کی کیا شکایت کروں کہ حباب کی طرح ہمیشہ خواہشات نفسانی کی وجہ سے خراب ہوں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بر سے اجسام اور بحر سے ارواح مراد ہیں۔ ارواح اگرچہ اجسام کے اعتبار سے نورانی لیکن باعتبار حق اور ذوالجلالیہ کے ظلمانی ہیں، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنے نور کے چھینٹے مارے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب میں نے تمہیں ظلمت خلقیہ میں پیدا فرمایا پھر کون تمہیں ظلمات بر (بشریہ) اور ظلمات بحر (روحانیہ) سے نجات دے گا۔

اِذْ تَدْعُوْنَہ ، جبکہ تم اسے پکارو تضرعاً جسم کے ساتھ وخفیۃ اور روح سے لَئِنْ اَنْجَانَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ پھر تم شرک کرتے ہو جبکہ تمہیں اُس نے نوری صفات سے جلوہ دکھایا تو بعض شرک کر کے "انا الحق" کہنے رہے اور بعض سبحانی ما اعظم شانی کہتا ہے۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ ، فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ تمہارے اوپر عذاب بھیجے جبکہ تم کہتے ہو انا الحق وَ سُبْحَانِی کہ وہ اپنے اور تمہارے مابین حجابات قائم فرمادے فَيُعَذِّبَكُمْ تمہیں پی عزت و غیرت میں مبتلا کرے۔ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ، تمہارے لئے تمہاری بشریت کے حجاب کھڑے کر دے اور تمہارے اوپر تمہاری خواہشات کو مسلط کر دے۔ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا یا تمہاری مختلف جماعتیں بنادے۔ بعض[1] ابھی صدیقین ہو جائیں اور ایک گروہ تم میں زندیقین ہوں۔ وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اور تمہارے بعض کو بعض کے خوف چکھائے۔ قتل سے یا سولی پر چڑھائے یا رگیں کٹوا دے جیسے حضرت منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ) سے کیا گیا۔

حضرت حلاج کا قصہ

: آپ مقتدر کے وزیر حامد بن عباس کی مجلس میں چلے گئے۔ اس مجلس میں قاضی ابوعمر بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے فتویٰ دیا کہ حلاج کو قتل کر دینا جائز ہے۔ اس تحریر پر دستخط بھی فرمائے اور ساتھ ہی اُن فقہاء سے بھی تصدیق کرائی جو اس مجلس میں موجود تھے جب حلاج کو اس فتویٰ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا میرا خون بہانا حرام ہے اور نہ ہی جائز ہے کیونکہ میرے خون بہانے کے لئے مختلف تاویلیں کرو۔ جبکہ میرا عقیدہ اسلام اور میرا طریقہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجھے چاروں صحابہ و باقی عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا اقرار ہے اور میرے کتب خانہ میں احادیث مبارکہ کی کتابیں موجود ہیں، لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے میرا خون بہانے کا فتویٰ کیوں دیا، لیکن مفتی صاحبان اس فتویٰ پہ دستخط کرتے رہے اور اس کی تکمیل کے بعد مجلس برخاست ہوئی اور حلاج کو گرفتار کر کے قید خانہ میں پہنچا یا گیا۔ مقتدر کو وزیر نے مفتیوں اور قاضیوں کے فتویٰ سے مطلع کر دیا۔ مقتدر نے کہا اب اس کے متعلق قاضیوں کا اتفاق ہوگیا۔ اس شخص کو سپاہیوں کے سپرد کر دو تاکہ اسے ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں۔ اگر اس سے بچ جائے تو پھر اسے ایک ہزار کوڑے اور لگائے جائیں اگر اس سے بچ جائے تو اس کی گردن اُڑا دو۔ یہ حکم سُن کر حلاج کو سپاہی کے سپرد کر دیا مقتدر کے حکم پہ کچھ اپنا اضافہ بھی کیا کہ اگر دُوسرے ایک ہزار کوڑوں سے بچ جائے تو اس کے ہاتھ پھر اُس کے پاؤں کاٹے جائیں پھر اس کا سر کاٹا جائے۔ اس کے بعد اُن کے جسم کو جلایا جائے پھر جلاد کو کہا کہ اگر تجھے کوئی

---

[1] یہ ان مخصوص بزرگوں (منصور و بایزید رحمہما اللہ تعالیٰ) کے لئے نہیں بلکہ عام جہانِ صوفیہ کے لئے ہے (اویسی غفرلہ)

دھوکا دے کر کہے کہ حلاج کو چھوڑ دے۔ تجھے فرات و دجلہ کے پانی کے بجائے چاندی سونے سے بھر دیا جائے گا تب بھی کسی کی بات نہ ماننا بلکہ اُس کی سزا پُوری کرنا۔ جلاد نے ایک رات حضرت حلاج کو قیدخانہ میں رکھا وہ منگل کی شب تھی۔ ۲۳ ر ذوالحجہ ۳۰۹ھ میں منگل کے دن حضرت حلاج کو قیدخانہ سے نکال کر اس کے صدر دروازہ پر لایا گیا تو وہ نہایت ہی فخر و ناز سے بیڑیوں میں چل رہے تھے۔

حضرت حلاج کا تماشا دیکھنے کے لئے بے شمار مخلوق جمع ہُوئی۔ جب حضرت حلاج کو میدان میں لاکر ایک ہزار کوڑا مارا تو انہوں نے اُف تک نہ کی۔ جب حسب ایماء وزیر جلاد کوڑوں سے فارغ ہُوا تو حضرت حلاج کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اس کے بعد ان کا سر قلم کیا۔ زاں بعد انہیں جلایا گیا تو آپ کی راکھ دریائے دجلہ میں ڈالی گئی اور اُن کا سر بغداد کے صدر دروازہ پر لٹکایا گیا لیکن بعض مریدین کا دعویٰ ہے کہ آپ کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ آپ جیسی شکل کی شبیہ تھی جسے آپ کے دشمنوں نے قتل کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہُوا (اسی طرح ہونا ممکن بھی ہے اس لئے کہ اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں)۔

فائدہ : صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس طرح کی تشبیہ وتخیل حکایات مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ میں ان کی سوانحعمریاں پڑھنے والوں کو اس طرح کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسئلہ : یاد رہے کہ اس طرح کا وقوع جواز ماننا چاہیئے۔ اس پر اعتقاد نہ رکھا جائے۔ یعنی یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں کہ اس کا منکر کافر ہو اور نہ ہی ماننے والوں کو گمراہ کہنا چاہیئے۔

سوال : تم کہتے ہو کہ حلاج ولی اللہ تھا۔ اگر واقعی وہ ولی اللہ تھے تو پھر انہیں آگ نہ جلاتی اور نہ ہی جل کر راکھ ہوتے۔

جواب : یہ کوئی ضروری نہیں کہ اولیائے کرام کے اجسام کو آگ نہ جلائے بلکہ وہ اجسام عوارض وآفات کو قبول کرتے رہتے ہیں۔ جیسے ایوب و یحییٰ علیہما السلام کے متعلق ہم مانتے ہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام تھے اسی طرح دُوسرے انبیاء کا حال ہے۔ مروی ہے کہ اصحاب رس (ایک کنوئیں کا نام ہے) نے اپنی طرف بھیجے ہُوئے پیغمبران عظام علیہم السلام کو شہید کر کے اُن کے گوشت مُبارک بھُون کر کھائے۔ اُنھوں نے نہ صرف اس پر اکتفاء کیا بلکہ اُن کی ہڈیاں اپنے کنوئیں میں لٹکا دیں۔ (کذا قال اہل التفاسیر)

عقیدہ : کبھی خرق عادت کے طور بوجہ اظہار کرامت بعض انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے اجساد مبارکہ آگ سے محفوظ رہے یا انہیں شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ **عقیدہ** : مزارات میں انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السّلام کے اجساد ظاہرہ کو مٹی نہیں کھاتی۔ یعنی اُن کے اجساد ظاہرہ مزارات میں محفوظ و مصئون ہوتے ہیں۔

"وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا"، اور جب تم اِن لوگوں کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات میں غور و خوض کرنے لگتے ہیں۔

(ف) اِذَا جواب یعنی فَاَعْرِضْ کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ خطاب حضور علیہ السّلام اور آپ کی امت کو ہے وَخَوْضٌ بمعنی مُطلقًا کسی شئی میں شروع ہونا پھر اکثر شئے باطل اور آیات قرآنی میں شروع ہونے پر مستعمل ہوتا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ قرآن پاک میں تکذیب اور استہزا اور طعن و تشنیع میں شروع ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ قریش مکہ (کافروں) کا طریقہ تھا۔

فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ "، پس اُن سے اعراض کیجئے۔ یعنی اُن کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا چھوڑ دیجئے اگر ساتھ بیٹھے ہیں تو اُن سے اٹھ جائیے۔ جبکہ وہ آیات قرآن میں استہزاء و تکذیب اور طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ " یہاں تک کہ وہ شروع ہو جائیں۔ قرآنی آیات کے غیر میں یعنی تمہارا اُن سے علیحدگی اختیار کرنے کی حد وہاں ختم ہے۔ جب وہ قرآنی آیات سے استہزاء وغیرہ چھوڑ کر دوسری عام باتیں شروع کر دیں۔

فائدہ : غیر کی ضمیر آیات کی طرف لوٹتی ہے۔

سوال : آیات جمع اور مؤنث ہے اور ہٗ ضمیر واحد مذکر۔

جواب : آیات بمعنی حدیث یا قرآن ہے۔

وَاِمَّا " یہ دراصل وَاِنْ مَا تھا۔ ان شرطیہ کو مَا زائدہ میں اِدغام کیا گیا ہے یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ " اور اگر تمہیں شیطان یہ حکم بھلا دے کہ یہ آیاتِ قرآنی سے وہ استہزاء کرتے رہے اور تم اُن کی مجلس میں بیٹھے رہے، حالانکہ وہاں سے اُٹھ جانے کا حکم تھا۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی تو اب یاد آجانے پر اُن کے ساتھ نہ بیٹھئے۔ (الذِّکْرٰی) مصدر بمعنی ذکر ہے۔

(قاعدہ) کلام عرب میں فِعْلٰی کے وزن پر مصدر صرف یہی الذکریٰ ہے۔ اُس کے سوا اِس وزن پر اور کوئی مصدر نہیں۔ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ظالم قوم کے ساتھ یعنی وہ جنہوں نے قرآنی آیات کی تصدیق و تعظیم کے بجائے اُن کی تکذیب و استہزاء کیا تو اب اُن کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

ازالہ وہم اور ردّ وہابیہ وغیرہ : یہاں کوئی خیال نہ کرے کہ معاذ اللہ شیطان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دیتا ہوگا اس لئے کہ یہاں محض احتمال بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی حرفِ شرط سے اور جو امر حرف شرط سے بیان کیا جائے اس سے وقوع لازم نہیں آتا۔ اگرچہ بعض علماء نے انبیاء علیہم السّلام کے لئے سہو و نسیان کا جواز مانا ہے[1]

[1] اس کی تحقیق فقیر کے رسالہ "التبیان فی السہو والنسیان" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

فائدہ : یہاں الشیطان سے ابلیس اور اس کی جماعت کے بڑے بڑے شیطان مراد ہیں اس لئے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ جو شیطان تخلیق کیا گیا وہ تو مسلمان ہوگیا وہ آپ کو صرف خیر کا القاء کرتا تھا بخلاف اُمت کے کہ ان کا شیطان انہیں بُرائی کا القاء کرتا ہے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آدم علیہ السلام پر دو وجہوں سے افضل ہوں۔

(۱) میرا شیطان کافر تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ مسلمان ہوگیا۔

(۲) میری ازواج (مطہرات) دینی امور میں میری معاون رہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے شیطان اور آپ کی زوجہ نے آپ کو خطا (ظاہری) پر اکسایا

ربط : اہلِ اسلام پر گراں ہوتا تھا جبکہ انہیں مسجد حرام میں بھی جانا ہوتا۔ وہاں طواف بھی کرنا ہوتا اور وہاں پر کفار کا کام بھی یہی تھا کہ وہ قرآن کی آیات کی تکذیب اور اُن سے استہزاء اور اُن پر طعن و تشنیع کرتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے گرانیٔ طبع کے پیش نظر اُن کو اجازت بخشی کہ وہ بیت حرام وغیرہ میں بطور وعظ و نصیحت کے اُن کے ساتھ بیٹھ اُٹھ سکتے ہیں۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔ اور متقیوں پر ان کا کوئی حساب نہیں

(ف) : حِسَابِهِمْ کی هم ضمیر خائضین کی طرف لوٹتی ہے اور مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ زائدہ ہے اور مِنْ شَيْءٍ محلاً مرفوع اور مُبتدا اور اس کی خبر عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مقدم ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا جو مؤمن خائضین کے قبیح اعمال و اقوال سے بچتے ہیں ان پر ان کے جرائم و معاصی کے متعلق کسی قسم کا حساب وغیرہ نہیں۔

وَلٰكِنْ ذِكْرٰى ،، لیکن ان مومنین پر لازم ہے کہ وہ اِن کافروں کو نصیحت کریں اور انہیں اپنی وسعت کے مطابق سمجھائیں کہ قرآنی آیات پر طعن و تشنیع اور تکذیب نہ کریں بلکہ ان کے سامنے ایسی بُرائیوں پر کراہت کا اظہار کریں۔ ذکریٰ مفعول مطلق اور اُس کی واو عاطفہ اور لکن استدراکیہ ہے۔ اس سے معترض کا اعتراض دفع ہوگیا کہ واو اور لکن ہر دونوں حروف عاطفہ ہیں اور دونوں کا اجتماع مکروہ سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں یہ اجتماع کیوں۔ ہم نے اُوپر عرض کر دیا کہ لکن عاطفہ نہیں بلکہ استدراکیہ ہے۔

سوال : ایسی نظیر قائم کرو جہاں دو حروف کے اجتماع سے تاویل کر کے خرابی لازم نہ آتی

جواب : قرآن مجید کے علاوہ احادیث مبارکہ اور شعرائے عرب کے فُصحاء کے کلام میں لفظ

پر لام داخل ہوتی ہے وہ دونوں حروف ہیں سوف استقبالیہ ہے اور لام حالیہ اور ان کا اجتماع عند النحاۃ مکروہ ہے، لیکن سب کا اتفاق ہے کہ یہ لام حالیہ نہیں بلکہ صرف تاکیدیہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ o تاکہ وہ کفار قرآنی آیات کی تکذیب اور استہزاء وغیرہ سے بچ جائیں۔ تمہارے حیاء سے یا اس خطرہ سے کہ کہیں اہلِ اسلام بُرا نہ مانیں o وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا، اَلَّذِينَ الخ سے وہی کفار مراد ہیں جو قرآنی آیات سے استہزاء وغیرہ کرتے اور دِينَهُمْ سے دینِ اسلام مُراد ہے اس لئے کہ اس کے لئے انہیں مکلف بنایا گیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اس کے احکام پر عمل کرنے کے مامور ہوئے اتَّخَذُوا لَعِبًا وَّلَهْوًا سے مراد یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام سے مذاق اور ٹھٹھہ مخول کرتے رہتے تھے۔ لعب اس عمل کو کہتے ہیں جو نفس کو مُفید امور سے پھیر دے اور لہوا ایسا عمل جو نفس کو صحیح امر سے بیکار باتوں میں لگا دے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑیئے جنہوں نے دینِ اسلام کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیٰوۃ دُنیا نے دھوکے میں رکھا ہے اور اُن کے نقش و نگار سے مطمئن ہیں یہاں تک کہ اب انہیں یقین ہے کہ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُن سے بے پرواہ ہوجایئے اُن کے معاشرے اور ان کے میل جول سے یکلخت دُوری اختیار فرمایئے اُن کی تکذیب یا قرآنی آیات سے استہزاء کو خیال میں نہ لایئے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ فرمائیں اس سے یہ وہم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کو تبلیغ سے بھی روک رہا ہے اس لئے کہ اس کے بعد فرمایا وَذَكِّرْ بِهٖ اور جسے آپ نصیحت و وعظ کا اہل سمجھتے ہیں۔ آپ اُسے قرآن مجید کے متعلق نصیحت فرمایئے تُبْسَلَ نَفْسٌ تاکہ کوئی ہلاکت یا رُسوائی کی طرف نہ دھکیلا جائے۔

بِمَا كَسَبَتْ، اعمال قبیحہ کی وجہ سے۔

فائدہ : بَسْل وَاِبْسَال دراصل منع (روکنے) کو کہتے ہیں۔ اس وجہ سے اسے ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنے کے لئے استعمال کیا جانا جائز سمجھا گیا ہے، کیونکہ ہلاکت و بربادی کی طرف دھکیلنا منع (روکنے) کے معنیٰ کو مستلزم ہے۔ اس لئے کہ جب کوئی ہلاکت وتباہی کی طرف دھکیلا گیا تو مسلّم الیہ یعنی ہلاکت نے مسلّم یعنی دھکیلنے والے کو تباہی و ہلاکت سے روکا اور دھکیلے ہوئے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

(ف) تفسیر کاشفی نے فارسی میں اس کا یُوں ترجمہ کیا کہ تا تسلیم کردہ نہ شود بہلاک یا رُسوا نکردہ شود نفس برکافرے بسبب آنچہ کردہ است از بدیہا، یعنی تاکہ ہر کافر کا نفس برائیوں کی وجہ سے ہلاکت کی طرف دھکیلا نہ جائے اور ان کو رسوائی نہ ہو۔

فَلَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ ،، نہ اِس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سفارشی ہوگا اور نہ کوئی حمائتی ۔

(ف) یہ جُملہ مستانفہ ہے۔ قیامت میں اُن کے حالات کی خبر دینے کے لئے لایا گیا ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نفس کا حال ہے اس معنی پر نفس سے کافر مُراد ہے یا اُسے نفوس کثیرہ کے معنے سے تعبیر کر کے اس کے لئے مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے ۔ جیسے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا الخ میں ہے ۔

(ف) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، سے مُراد یہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس نفس کا کوئی حمائتی نہیں ہوگا جو اس سے جہنم کا عذاب ہٹا سکے ۔

وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ ،، اور اگر چہ وہ نفس بہت بڑا فدیہ بھی پیش کرے گا۔ مثلاً جہنم کے عذاب سے نجات پانے کے لئے زمین کی تمام دُنیا و دولت فدیہ کے طور دے تب بھی اسے جہنم سے نجات نصیب نہ ہوگی ۔ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا ،، اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(ف) كُلَّ عَدْلٍ ،، مفعول مطلق کی بنا پر منصوب ہے ۔ اس معنی پر اب عدل اس مال و دولت کا نام نہ ہوگا جو بطور فدیہ کے دیا جاتا ہے بلکہ مصدری معنے میں ہوگا۔

سوال : اخذ کا استعمال اعیان پر ہوتا ہے نہ معانی پر لیکن یہاں پر اس کا استعمال معانی پر ہو رہا ہے۔

جواب : امام رازیؒ نے فرمایا اسے اکثر اعیان میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن کبھی بمعنے قبول کے بھی آتا ہے ۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت و یاخذ الصدقات میں یاخذ بمعنی یقبل ہے ۔ جب یوخذ بمعنی یقبل اس آیت میں مانا گیا تو اس کے مصدر کی طرف اسناد ماننا بلا خوف و خطر جائز ہے ۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کافر کے چھٹکارے کے لئے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور اُس کی کسی طرح بھی نجات نہیں ہو سکے گی ۔

سبق : جب یہ حال ہے تو اس بیوقوف پر تعجب ہے کہ گناہ کرتے وقت خوف سے لرزتا کیوں نہیں ۔ اُولٰئِكَ ،، اس سے وہ لوگ مُراد ہیں جو دین سے ٹھٹھہ مخول کرتے اور دنیاوی اسباب میں بہت زیادہ منہمک ہیں ۔

اَلَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا ،، وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے آپ کو عذاب میں دھکیل دیا ۔

بِمَا كَسَبُوْا ،، بوجہ اُن کے اعمالِ قبیحہ اور عقائد فاسدہ کے ۔

(ف) فارسی تفسیر میں ہے ۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیا بوجہ ان اعمال قبیحہ کے جو اُن سے سرزد ہوئے ۔

(ف) تفسیر ابو السعود میں ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے قبیح اعمال کا ارتکاب کیا۔ اس سے معلوم

ہُوا کہ بِمَا کَسَبُوا میں باء بمعنے اِلٰی ہے جیسے مررت بزیدٍ میں باعتبار مفہوم کے باء بمعنے اِلٰی ہے لَھُمْ شَرَابٌ ،، یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب انہیں عذاب کے لئے دھکیلا جائے گا پھر اُن کے ساتھ کیا ہوگا تو اس کے جواب میں فرمایا لَھُمْ شَرَاب۔ ان کے لئے پینے کا پانی ایسا ہوگا کہ مِنْ حَمِیْمٍ سخت گرم کہ جس کے پیتے ہی پیٹ میں گڑبڑ شروع ہو جائے اور اُس کی سخت گرمی سے آنتیں کٹ جائیں۔ وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ ہ اور عذاب دردناک ایسی آگ سے جو اُن کے اجسام کو جُھلس دے بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ہ بسبب اُن کے کفر کے کہ جس میں وہ عالم دُنیا میں دائمی طور مُبتلا رہے۔

مسئلہ : قرآنی آیات کی تکذیب اور اُن سے استہزاء کُفر ہے اور کفر کا انجام عذاب دردناک۔

مسئلہ : معاصی پر اصرار بھی بسا اوقات کفر پر خاتمہ کا سبب بن جاتا ہے (العیاذ باللہ)

حکایت پُر اسرار : حضرت ابواسحاق فزازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہمارے ہاں نشست و برخاست رکھتا تھا لیکن وہ اپنے آدھے چہرے کا حصہ ڈھانپے رکھتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ ہمارے ہاں تیری نشست و برخاست بہت زیادہ ہے لیکن تا حال تیرے اس راز سے بےخبری ہے کہ تو اپنے چہرے کے آدھے حصّے کو کیوں ڈھانپے رکھتا ہے۔ اُس نے عرض کی کہ اگر آپ وعدہ فرمائیں کہ واقعہ سُننے کے بعد ناراض نہیں ہوں گے تو تفصیل عرض کروں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تو کہنے لگا کہ میں چوٹی کا بناش (قبر کھود کر میّت کا کفن چُرانے والا) تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت مدفون ہُوئی تو میں نے حسبِ عادت اُس کی قبر کھودی اور اُس کے کفن اُتارنے شروع کر دیئے پہلے اُس کی باہر والی چادر کھینچی پھر اندر والی کفنی، لیکن میں نے جونہی اُس کی کفنی کو اُتارنا چاہا تو اُس نے ایک جھٹکے سے کفنی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں نے کہا میّت ہو کر مجھ پر غالب ہو رہی ہے۔ میں نے کچھ ہوشیار ہو کر کفنی کھینچی تو اُس نے زور سے میرے چہرے پر طمانچہ مارا (چہرے سے کپڑا ہٹایا تو میں نے اس کے چہرے پر پانچ انگلیوں کے طمانچے نشان دیکھے) اس کے بعد میں نے اس کی کفنی چھوڑ دی اور چادر باہر والی جو پہلے کھینچ چکا تھا وہ بھی اس پر واپس ڈال دی اور اس کی قبر پر مٹی ڈال دی۔ اس وقت میں نے توبہ کی کہ آئندہ تادم زلیست کسی کی قبر کی چوری نہیں کروں گا۔

حضرت فزاری فرماتے ہیں میں نے یہ ماجرا حضرت اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھا۔ انہوں نے جواب لکھا کہ اس سے پوچھو کہ بتاؤ کہ قبر میں اہلسنت کے چہرے قبلہ رُخ تھے یا اس سے پھرے ہوئے نظر آئے اُس نے جواب دیا کہ بعض کے چہرے قبلہ رُخ ہوتے اور بعض کے پھرے ہوئے۔ حضرت اوزاعی نے یہ سُن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔

(ف) سُنّت سے یہاں اُن کی دینِ اسلام مُراد تھی جن کے چہرے قبلہ سے پھر چکے تھے۔ معاذ اللہ! اُن کے خاتمے ایمان پر نہ ہوئے تھے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و مغفرت اور اُس کی رضامندی چاہتے ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے یا رب از ابر ہدایت برساں بارانے ﴿ پیشتر ازانکہ چوں گردی زمیاں برخیزم ﴾

تفسیر صوفیانہ : آیات میں اشارہ ہے کہ طالب راہ حق کے لئے نہایت نامناسب ہے کہ وہ احوال عوام میں توجہ رکھنے والے لوگوں سے نشست و برخاست رکھے۔ اس لئے کہ اُن کے ساتھ صحبت رکھنے سے سنگار و آرائش کے اور کوئی خیالات نہیں رہیں گے کیونکہ وہ انہیں خیالات میں مبتلا ہوتے ہیں اور طبیعت کو طبیعت سے میلان ہوتا ہے اور اُس کی نقل اُتارنے کی خوگر ہوتی ہے ؎

(۱) نفس از ہم نفس بگیرد خوئے — بر حذر باش از لقائے خبیث

(۲) باد چوں بر فضا بد بگذرد — بوئے بدگیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ (۱) نفس نفس سے عادت حاصل کرتا ہے فلہٰذا خبیث آدمی کی ملاقات سے پُرحذر ہو

(۲) جب ہوا گندی فضا سے گزرتی ہے تو گندی فضا کی وجہ سے اس سے بدبو پیدا ہوجاتی ہے۔

سبق : اس سے ثابت ہوا کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری اور لازمی ہے اور بزرگوں کے ملفوظات سے نصیحت حاصل کرنا واجب۔

حکایت : حضرت عبداللہ بن الاحنف نے فرمایا کہ میں نے مصر سے رملہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں جاکر رودبادی قدس سرہ (ولی اللہ) کی زیارت کروں۔ مجھے راستہ میں حضرت عیسیٰ بن یونس مصری ملے اور فرمایا میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ تم رملہ کے بجائے صور میں جاؤ۔ وہاں دو بزرگ (ایک بوڑھا دوسرا نوجوان) حالت مراقبہ میں بیٹھے ہیں اگر تجھے اُن کی زیارت نصیب ہوگئی تو سمجھو باقی زندگی سُدھر گئی۔

حضرت ابن الاحنف فرماتے ہیں کہ میں عیسیٰ بن یونس کا مشورہ قبول کرکے صور میں چلا گیا۔ واقعی وہاں دو بزرگ (ایک بوڑھا اور دوسرا نوجوان) قبلہ رخ مراقبہ میں بیٹھے تھے باوجودیکہ میں بھوکا اور پیاسا تھا اور دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی کپڑا وغیرہ بھی نہیں تھا، لیکن اُن کی زیارت کرتے ہی تمام بھوک پیاس دور ہوگئی اور سورج کی گرمی بھی ٹھنڈک سے بدل گئی۔ اُن کی خدمت میں پہنچ کر السلام علیکم عرض کیا لیکن اُنھوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ ہی میرے ساتھ کلام کیا۔ میں جتنی باتیں کرتا رہا وہ خاموش رہے۔ میں نے عرض کی تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میرے ساتھ کوئی بات تو کرو۔ میرے قسم دینے پر بوڑھے بزرگ

نے مراقبہ سے سر اُٹھایا اور فرمایا اے ابن الاحنف تجھے کاروبار کی مشغولی فراغت ہی نہیں جو ہمارے ساتھ باتیں کیا کرو گے۔ یہ کہہ کر پھر وہ مراقبہ میں چلے گئے۔ میں وہاں بیٹھا رہا حتیٰ کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔ میں نے ظہر پھر عصر بھی اُن کے ساتھ پڑھی، لیکن اُن کی برکت سے میری بھوک پیاس ختم ہی ہو گئی۔ میں نے پھر اس نوجوان سے عرض کی آپ ہی مجھے کوئی نصیحت فرمائیں جس سے نفع پاؤں۔ اُس نے فرمایا میں اہل مصیبت ہوں۔ ہم کسی کو نصیحت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح میں اُن کے ہاں شب و روز ٹھہرا۔ میں نے دل میں سوچا کہ انہیں عرض کروں کہ وہ مجھے نصیحت و صیت فرمائیں تاکہ زندگی بھر اس پر عمل کروں میرے اس وسوسہ پر وہ نوجوان مطلع ہوا اور فرمایا تمہیں چاہیئے کہ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو کہ جن کی صحبت سے خدا تعالیٰ یاد رہے اور اُن کی نگاہ سے تمہارا کام بن جائے اور وہ نصیحت کریں تو عملی طور پر نہ صرف زبانی یہ کہہ کر وہ دونوں میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ گویا میں لسانِ حال سے کہہ رہا تھا ؎

شدوا المطایا قبیل الصبح وارتحلوا   وخلفونی علی الاطلال ابکیھا

وہ صبح سے پہلے اپنی سواریوں کو لے کر چلے گئے اور مجھے ریت کے ٹیلوں پر چھوڑ گئے۔ اُن کی یاد میں میں ہر وقت روتا رہتا ہوں۔

سبق : نصیحت کہنا سننا تو آسان ہے لیکن اُسے قبول کر کے عمل کرنا سخت مشکل ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کی عنایت اسے کھینچ کر کسی ناصح کے دروازے پر لے جاتی ہے جو اُسے ظاہری و باطنی نصیحت سے نوازتا ہے اور اُس کی نصیحت کے نور سے وہ بندہ ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کی منازل طے کر لیتا ہے۔ یعنی نفس کی نشیب گھاٹیوں سے نکل کر روح کی بلندیوں پر پرواز کر جاتا ہے جس سے اسے وقار و اطمینان نصیب ہوتا ہے اور یہی اس کی ترقی اور بلندی ہے یہی آیات نفس کی بیماریاں اور اُن کے علاج بتاتی ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی اصلاح پر فتح و نصرت نصیب فرمائے۔ آمین!

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا

تم فرماؤ کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو ہمارا نہ بھلا کرے اور نہ برا

وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ

اور الٹے پاؤں پلٹا دیئے جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں راہ دکھائی اس کی طرح جسے شیطان نے

فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ

زمین میں راہ بھلا دی حیران ہے اس کے رفیق اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ادھر آ تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت

هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ

ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم اس کے لیے گردن رکھ دیں جو رب ہے سارے جہان کا اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اس سے

الَّذِىْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ

ڈرو اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں اٹھنا ہے اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین ٹھیک بنائے

وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ

اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی اس کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ

ہر چھپے اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْۤ

سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں اور اسی طرح ہم ابراہیم

اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ

کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے پھر جب ان پر

عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا

رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے

رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ

پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ

گمراہوں میں ہوتا پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا بولے اسے میرا رب کہتے ہو یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

جب وہ ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان

وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی

اور زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں اور ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی کہا کیا اللہ کے بارے میں مجھ

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ

سے جھگڑتے ہو تو وہ مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں جنہیں تم شریک بتاتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے میرے رب

كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ

کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے اور میں تمہارے شریکوں سے کیونکر ڈروں اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ

اللہ کا شریک اس کو ٹھہرایا جس کی تم پر اس نے کوئی سند نہ اتاری تو دونوں گروہوں میں امان کا زیادہ سزاوار کون

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ

ہے اگر تم جانتے ہو وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے

الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

امان ہے اور وہی راہ پر ہیں

تفسیر عالمانہ : قُلْ اَنَدْعُوْا ،، فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم عبادت کریں۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،، اللہ تعالیٰ کی عبادت سے متجاوز ہو کر مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا ،، ان کی جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکیں نہ نقصان یعنی جب ہم اُن کی عبادت کریں تو وہ ہمارے نفع کی قدرت نہ رکھیں۔ اگر ہم ترک کریں تو وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں (اُن سے اصنام باطلہ مُراد ہیں) اور بہت بڑی قدرت والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا ،، اور اپنے گنڈوں کی طرف لوٹائے جائیں۔ اعقاب عقب کی جمع ہے قدم کے پچھلے حصّے کو کہا جاتا ہے یعنی اگر ہم غیر اللہ کی عبادت کریں تو ہم اسلام سے ہٹ کر گمراہی کی طرف لوٹ

جائیں گے۔ بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ،، بعد ازاں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت بخشی اور ہمیں شرک سے بچایا۔ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ ،، نُرَدُّ کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی کیا ہم لوٹائے جائیں اپنے گنڈوں کی طرف درانحالیکہ ہماری مشابہت اس سے ہوگی جسے سرکش جنات حیرانی و سراسیمگی کی طرف لے جا کر گمراہ کر ڈالیں۔ فِی الْاَرْضِ ،، یہ اِسْتَهْوَتْهُ کے متعلق ہے۔ حَیْرَانَ ،، اِسْتَهْوَتْهُ کی ہٗ ضمیر سے حال ہے۔ حیران صفت مشبہ ہے۔ اس کی مؤنث حیریٰ آتی ہے اور گردان حارَ یحارُ حَیْرَۃً ہوتی ہے۔ حیران بمعنے متحیر اور سیدھے راہ سے ہٹا ہوا لَهٗ اَصْحٰبٌ ،، یہ حیران کی صفت ہے یعنی اس بھٹکے ہوئے آدمی کے اور ساتھی ہوں۔ یَّدْعُوْنَهٗ اِلَى الْهُدَى ،، جو اسے سیدھے راہ کی طرف بلائیں۔ طریق مستقیم سیدھے راستے کو ہدیٰ سے تعبیر کرنا مبالغہ کے طور پر ہے۔ جیسے عموماً مصادر کو مفاعیل کے معانی میں لایا جاتا ہے کہ وہ ایسا سیدھا ہے کہ گویا وہ راستہ کا عین ہے۔ اِئْتِنَا ،، یَدْعُوْنَهٗ سے بدل ہے بارادہ یَقُوْلُوْنَ یعنی اسے کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں آجا۔

ف : اللہ تعالیٰ نے مشرک اور عابد اصنام (جو حق و باطل کے امتیاز کے باوجود اصنام پرستی کرتا ہے) کی ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو تین اوصاف سے موصوف ہو :۔

(۱) سرکش جنوں کے پھندے میں پھنس کر جنگلوں ویرانوں میں حیران و سرگرداں پھرنے والا۔

(۲) سیدھے راہ سے ہٹ کر ہر جگہ بھٹکنے والا کہ جسے علم تک نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے

(۳) اس کے اور ساتھی ہوں جو اسے کہیں کہ ہماری طرف آجا تو ویرانوں میں پھر رہا ہے اور سیدھے راہ سے بھٹک گیا ہے لیکن وہ نہ انہیں جواب دے سکے اور نہ ہی وہ شیاطین اور جنات کو چھوڑ سکے۔

فائدہ : جن اجسام[1] لطیفہ کا نام ہے جو مختلف اشکال میں متبدل ہو سکتے ہیں اور وہ یہ بھی قدرت رکھتے ہیں کہ اجسام متخلخلہ میں ہوا کی طرح گھس جائیں۔ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ ،، فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ کی وہ ہدایت جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے یعنی اسلام هُوَ الْهُدٰى ،، صرف ہدایت وہی ہے اس کے ماسوا ضلالت محض اور غوایت خالص ہے وَ اور فرمائیے اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ہم مامور ہیں کہ ہم صرف رب العالمین

---

[1] جن کی تعریف ہذا پر تمام اقوام کو تقریباً اتفاق ہے لیکن تعجب دیوبندیوں و وہابیوں پر ہے کہ مدعیان اسلام ہو کر جنات کے ان کوائف پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن انبیاء و اولیاء کے لئے لطافت کے ماتحت اس طرح مانا جائے تو ان کے نزدیک شرک ہے۔ اویسی غفرلہ

کرائیں۔ لِنُسْلِمَ کی لام بمعنی باء ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں امرتك لتفعل وان تفعل وبان تفعل ،، ان تمام محاوروں کا ایک مطلب ہوگا ۱۲ وَ اَنْ اور یہ کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ط نماز قائم کرو اور اللہ سے ڈرو۔

فائدہ : اسلام رئیس الطاعات اور نماز اعصام سے متعلقات عبادت کی سردار عبادت ہے اور تقوٰی ان عبادات کا سراج ہی معاصی کے ترک کرنے اور غیر مستحسنہ امور سے احتراز کرنے کا حکم ہے ۱۲ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ،، اور اللہ تعالٰی وہ ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائی۔ یعنی علوی اور سفلی عوالم اور جو اُن کے اندر ہے سب اُسی کا پیدا کردہ ہے بِالْحَقِّ ،، خلق کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ حق سے قائم ہے۔ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ط قَوْلُهُ الْحَقُّ ط ،، اور اُس دن فرمائے گا کہ ہو جا تو ہو جائے گا۔ اور اُس کا قول حق ہے یوم قوله الحق کا ظرف ہے اور معنی کے اعتبار سے قول الحق پر داخل ہے۔ اب معنی یوں ہُوا کہ اس کا امر ان تمام اشیاء سے کہ جن کے پیدا کرنے کے لئے اس کا ارادہ متعلق ہوتا ہے حق ہے نہ اُن کے افراد احیان سے پہلے نہ بعد کو اور حق بایں معنی ہے کہ جن کی حقانیت مشہود لہ اور معروف ہے۔ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ،، اور اسی کا ملک ہے۔ جس دن صُور پھونکا جائے گا یعنی نفخ صُور کے بعد صرف اسی کا ملک ہوگا۔ کسی دوسرے کا اگرچہ مجازًا کسی طرح کا ملک منسوب نہ ہوگا۔ جیسے دُنیا میں بطور مجاز غیر اللہ کی طرف ملک منسوب ہوتے تھے۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ط غیب و شہادت کا عالم ہے۔ یعنی جو ہم سے پوشیدہ ہیں یا جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُن سب کا وہی عالم ہے وَهُوَ الْحَكِیْمُ ،، اور وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس کی حکمتوں کو جانتا ہے الْخَبِیْرُ تمام جلی و خفی امُور سے باخبر ہے۔

صُور اسرافیل کا بیان : حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالٰی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے فارغ ہُوا تو صور پیدا کر کے اسرافیل علیہ السلام کو دے دیا اور وہ صور کو منہ میں رکھ کر اپنی آنکھ عرشِ مُعلّیٰ پر لگائے ہُوئے ہیں کہ کب انہیں صُور کے پھونکنے کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صُور کیا شئے ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سینگ ہے پھر میں نے عرض کی وہ کس طرح ہے آپ نے فرمایا۔ وہ بہت بڑا ہے مجھے اُس ذات کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ چودہ طبق (آسمانوں اور زمینوں) کو گھیرے ہُوئے ہے اور اس کے دائرہ میں ارواح مخلوق کے برابر سوراخ ہیں۔ (ف) منقول ہے کہ نفخ تین ہیں :۔ (۱) نفخ فزع کہ جب اُسے لوگ سُنیں گے تو انہیں یقین ہوجائیگا

کہ اب وہ یقیناً مرجائیں گے۔ اس نفخ کے بعد تمام مخلوق فنا ہوجائے گی۔ دُنیا کی کوئی شئی بھی باقی نہ رہے گی
اُس کے بعد اُنہیں گھبراہٹ گھیرلے گی اور وہ نفخ حساب وکتاب کرنے کے لئے ہوگا۔

(۲) یہ نفخ صعق کا کہلاتا ہے کہ اس سے تمام مخلوق مرجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا سب کو فنا ہے
كَمَا قَالَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔

(۳) اس نفخ سے قبروں سے اُٹھیں گے۔

فائدہ: ایک نفخ سے دوسرے نفخ تک چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ تمام مخلوق کے فنا ہونے کے بعد ہر ایک رُوح صُور سے معلق کی جائے گی۔

فائدہ: مٹی میں عام انسان کی ہر شئے مٹی سے مٹی میں مل جائے گی سوائے ایک ہڈی کے کہ اُسے مٹی نہیں کھاسکے گی اسے عجب الذنب کہاجاتا ہے اس سے تمام مخلوق کو قیامت میں مرکب کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسی دن تمام مخلوق کو جمع کرے گا کوئی درندوں کے پیٹوں میں ہوگی اور پانی کے بحری حیوانات میں یا زمین کے اندر یا جنہیں آگ جلادے گی یا جنہیں پانی نے غرق کیا ہوگا۔ یا سُورج کی گرمی سے مٹایا ہوگا یا جنہیں ہوا اڑا کرلے گئی ہوگی، لیکن یہ اُس وقت ہوگا جب عرش سے بارش ہوگی۔ اس پانی سے سب زندہ ہوں گے۔ اُسے آبِ حیات کہاجاتا ہے۔ اُس کے بعد چالیس سال آسمان سے پانی برستا رہے گا یہاں تک کہ بارہ گز پانی سب کے اُوپر چڑھ جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا اجسام انگوری کی طرح بڑھنے شروع ہوجائیں گے۔ جب تمام اجسام کی ترکیب مکمل ہوجائے گی باقی اُس کے اندر ارواح داخل کرنے ہوں گے اس کے بعد سب سے پہلے حملۃ العرش زندہ ہوں گے پھر جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل صُور پھونکیں گے جس سے تمام ارواح اس صور کے سُوراخ سے نکلیں گے جیسے مکھیاں اُڑتی ہیں۔ تمام ارواح سے زمین وآسمان کے درمیانی خلا بھرجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہر رُوح کو حکم فرمائے گا کہ ہر ایک اپنے جسم میں داخل ہو۔ پھر وہ رُوح اپنے اپنے جسم میں داخل ہوگی۔ رُوح پہلے ناک کے سوراخوں سے داخل ہوگی اور تمام جسم میں پھیل جائے گی جیسے زہر ڈنس کی جگہ سے شروع ہوکر تمام جسم میں سرایت کرجاتی ہے۔ اس کے بعد زمین پھٹے گی۔ سب سے پہلے حضور علیہ السلام زمین سے تشریف لائیں گے اُس کے بعد آپ کی اُمت۔ اس وقت سب تینتیس (۳۳) سالہ نوجوان ہوں گے اس وقت سب کی زبان سُریانی ہوگی۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف تیز رفتاری سے بھاگیں گے لیکن یہ حال مخلص اہلِ ایمان کا ہے اور کافروں کے لئے یہ دن بہت بڑا سخت ہوگا۔ اُس وقت سب کے سب ننگے جسم اور ننگے پاؤں ہوں گے۔ ستر سال ایسے ہی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی طرف توجہ نہیں فرمائے گا۔ تمام مخلوق اتنا روئے گی کہ آنکھوں کے آنسو ختم ہوجائیں گے تو خون کے آنسو بہائیں گے۔ یہاں تک کہ اُن کی جانیں

لبوں پر آجائیں گی اور بولنے سے بند ہو جائیں گے پھر جس طرح اللہ چاہے گا کرے گا۔

سبق : اے بندۂ خدا اسلام حقیقی کے لئے جدوجہد کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر تسلیم خم کیجئے تاکہ تجھے نجات حاصل ہو۔ یعنی خودی کو مٹا دے جیسے گیند میدان میں اپنے آپ کو ڈنڈے کے حوالے کر دیتی ہے۔ تم بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے سپرد کر دو۔ لیکن یہ اسے نصیب ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ حاصل ہو؛ چنانچہ صاحب مثنوی فرماتے ہیں ؎

(۱)	سازد اسرافیل روزے نالہ را	جاں دہد پوسیدۂ صد سالہ را
(۲)	انبیاء را در دروں ہم نغمہا است	طالباں را زاں حیاتے بے بہاست
(۳)	نشنود آں نغمہا را گوش حس	کز ستمہا گوش حس باشد نجس
(۴)	ہیں کہ اسرافیل وقتند اولیاء	مردہ را زیشاں حیات است و نما
(۵)	نغمہائے اندرونِ اولیاء	اولا گوید کہ اے اجزائے لا
(۶)	ہیں زلائے نفی سرہا بر زنید	ایں خیال و وہم یکسو افگنید
(۷)	اے ہمہ پوسیدہ در کون و فساد	جانِ باقیتاں نروئید و نزاد

ترجمہ: (۱) اسرافیل علیہ السلام ایک دن نعرے سے آواز دیں گے تو سو سالوں کے مُردوں کو جان بخشیں گے۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے اندر بھی نغمے ہیں جس سے طالبانِ حق کو بے بہا حیات نصیب ہوتی ہے۔

(۳) لیکن ان نغموں کو یہ ظاہری حس نہیں سنتی اس لئے کہ اس کا کان [illegible] نجس ہے۔

(۴) خبردار اولیاء کرام بھی وقت کے اسرافیل ہیں ان سے مُردوں کو حیات اور نشو و نما نصیب ہوتی ہے۔

(۵) اولیاء کے اندرونی نغمے کہ وہ لا کہنے والے کے اجزاء ہیں فرماتے ہیں کہ اے [illegible]

(۶) خبردار [illegible] سے سر کو [illegible] اس خیال و وہم کو ایک طرف پھینکو۔

(۷) اے کون و فساد کی بوسیدہ چیزو [illegible] جان [illegible] ہے [illegible]

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ۔ [illegible]

جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ [illegible] سے کہا۔

ربطِ آیات

: حضرت [illegible] نے جب [illegible] دل کو متوجہ کیا [illegible] کرنے کے لئے [illegible] [illegible] [illegible] پھر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تعلق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

دُنیا بھر کے لوگوں اور تمام اہلِ ادیان کو آپ کے فضل و علم کا معترف بنا یا یہاں تک کہ مشرکین بھی آپ کی تعظیم و تکریم بجا لاتے بلکہ وہ ان کی اولاد سے منسوب ہو کر فخر محسوس کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن کے مناظرہ کو بیان فرما کر مشرکین عرب پر حجت قائم فرمائی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہلِ مکہ کو یاد دلائیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آزر سے کیا فرمایا اسے زجر و توبیخ کی۔ اصنام باطلہ کی پرستش سے روکا۔ یہ وہ طریقہ ہے کہ خصم کو سُن کر سوائے تسلیم کے اور کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

فائدہ : آزَرَ لِاَبِيْهِ کا عطف بیان ہے۔ اس کا نام تارح تھا بفتح الراء وسکون الحاء المہملہ ابراہیم علیہ السلام کے ایک دو نام تھے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کا دُوسرا نام اسرائیل تھا۔

ایسے ہی آزر کا دُوسرا نام تارح تھا۔ یہ آزر اس کا لقب تھا۔ وہ کوثی کوفہ کے علاقہ کا رہنے والا تھا۔

اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ،، کیا تُو نے بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور انکار فرمایا کہ بتوں کی پرستش اچھی نہیں۔ اس میں اُنہوں نے بتوں کی جنس مراد لی نہ کہ کثرت اور واقعہ ایسے ہی تھا کہ اُن کی قوم کے کثیر التعداد لوگ بُت کے پجاری تھے۔

اِنِّیْ اَرٰكَ وَقَوْمَكَ ،، بے شک میں تجھے اور تیری قوم کے اِن لوگوں کو دیکھتا ہوں جو بتوں کی پرستش میں تیری اتباع کرتے ہیں۔ فِیْ ضَلٰلٍ ،، حق سے بھٹک کر گمراہی میں مُّبِیْنٍ ،، ایسی گمراہی جو واضح ہے جس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔

(ف) اِنِّیْ اَرٰىكَ ،، کی رویت یا بمعنی علم ہے فی ضلال ظرف اس کا مفعول ثانی ہے یا بصری ہے تو فی ضلال کاف ضمیر خطاب سے حال ہے اور جملہ اَتَتَّخِذُ کے انکار و توبیخ کی تعلیل ہے۔

ازالہ وہم : یہ صحیح ہے کہ بُت پرستی کفر ہے اور آزر کی بُت پرستی پر آیات میں تصریح ہے لیکن اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک پر قباحت لازم نہیں آتی جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اصلاب طاہرہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے نسب میں شرعی نکاح کی حیثیت رہی۔ سفاح (زنا) وغیرہ سے تمام نسب محفوظ رہا۔ اسی طرح ایک دیگر ارشادِ گرامی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ساتھ زمین پر اُتارا پھر مجھے نوح علیہ السلام کی پُشت میں رکھا میں کشتی نوح میں بھی جلوہ گر تھا۔ مجھے پھر چند واسطوں سے ابراہیم کی صلب میں رکھا اسی طرح میں اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا ہوا اپنے ماں

ۓ یہ جواب بھی صحیح ہے لیکن جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا تھا۔ مزید تحقیق فقیر کی کتاب القول الاَمور فی تحقیق آزر میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہ)

باپ سے ظاہر ہُوا اور وہ دونوں بھی سفاح (زنا) سے محفوظ تھے۔

نورِ محمدی علیٰ صاحبہ السّلام کی سیر کا بیان

: مروی ہے کہ جب بی بی حوا علیٰ نبینا وعلیہما السلام نے شیث علیہ السلام کو جنا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک شیث علیہ السلام کے ہاں منتقل ہُوا اور اُن کی پیشانی میں چمکتا ہُوا نظر آیا تھا۔ جب وہ نوجوان ہوئے تو آدم علیہ السلام نے اُن سے عہد و پیمان لیا کہ یہ امانت صرف پاک ارحام اصلاب میں منتقل کریں گے تاکہ یہ امانت پاک اصلاب ارحام سے منتقل ہوتا ہُوا عالمِ دُنیا کو منور فرمائے۔ چنانچہ وہ نورِ مبارک ادریس علیہ السلام سے منتقل ہو کر یانش کے پاس جنہیں انوش کہتے تھے پھر اُن سے قینان پھر اُن سے مہلائیل اُن سے یزدان اُن سے خنوخ بروزن ثمود جنہیں ادریس علیہ السلام کہا جاتا ہے ان کا اخنوخ بھی نام تھا۔ پھر اُن سے متوشلخ اُن سے لمک اُن سے نوح علیہ السلام اُن سے سام ابوالعرب اُن سے ارفخشذ اُن سے شالخ ان سے عابر بروزن ناصر ان سے عیبر بروزن جیفر اُن سے تالخ انہیں فالخ بھی کہا جاتا۔ اُن سے ارغو انہیں راغو بھی کہا جاتا اُن سے شاروخ ان سے ناحور اُن سے تارح جسے آزر کہا گیا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پھر اسماعیل کی طرف۔

ف : اسماعیل کی چند لغات اور ہیں۔ اسمٰعین بالنون (کذا قال النووی) اُن سے قیذار اس سے حمل اس سے بنت اس سے سلامان اس سے یشجب بروزن ینصر اس سے یعرب بروزن ینصر اس سے ہمیسع اس سے یسع اُس سے ادد اس سے ادو کی طرف منتقل ہُوئے اس کے بعد کا نسب نامہ مشہور ہے۔ یہاں تک آپ کے نسب نامہ اور اسماء میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد معد پھر نزار پھر مضر پھر الیاس بفتح الہمزہ فی الابتداء والوصل۔ بعض نے کہا بکسر الہمزہ یعنی جو رجاء کی ضد ہے وہی معنے بیان ہے۔ اس سے مدرکہ اس سے خزیمہ اس سے کنانہ اُس سے نضر اس سے مالک پھر فہر پھر غالب اس سے لوئی۔ اس سے کعب۔ یہاں پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب حضور علیہ السلام سے ملتا ہے پھر اس سے مرہ یہاں پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ حضور علیہ السلام سے ملتا ہے اس سے کلاب اُس سے قصی اس سے عبد مناف اس سے ہاشم اُن سے عبد المطلب اُن سے حضرت عبداللہ کی طرف حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مبارک تشریف لایا۔

نکتہ : بعض اہلِ علم لکھتے ہیں کہ قریش کا بُت پرست ہونا ثابت نہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچانا اور اللہ نے بھی ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ وَجَعَلَھَا کَلِمَۃً

باقیۃ فی عقبہ[1]۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ پہلی آیت میں بنی سے صلبی اولاد مراد ہے نہ کہ پوتے، پڑپوتے وغیرہ۔ اگرچہ بنی سے اولاد و احفاد مراد ہو سکتے ہیں لیکن یہاں پر وہ مراد نہیں کہ حقیقت کے خلاف ہے اور دوسری آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ کلمۂ توحید کو اُن کی اولاد میں باقی رکھنا یہ سلسلہ منقطع نہ ہو جائے اور یہ صحیح ہے کہ ہر دور میں دینی سلسلہ قائم رہا تو وہ اولادِ ابراہیم تھا۔ یہی قول حق اور مبنی بر صواب ہے[2]۔ واللہ اعلم!

تفسیر صوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے کہ زندہ کو مُردہ سے پیدا فرمایا: کَمَا قَالَ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، اس لئے کہ وہ منہمک ہے انکار میں اس لئے کہ اس کا قلب مُردہ ہو چکا تھا اور نسن فی الشہود مضمحل ہوتی ہے قلب کی حیات سے اور اصنام اللہ تعالیٰ کے ماسوا پرستش ہونے والے کو کہا جاتا ہے۔ اِنِّیْ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ یعنی میں نے ملکوت الاشیاء کو ملاحظہ فرمایا تو میں نے تمہیں اور تیری قوم کو گمراہ پایا۔ کذا فی التاویلات النجمیہ

اعجوبہ

: بلاغات زمخشری میں ہے کہ بہت دو خبیثوں سے ایک اعلیٰ شئے پیدا ہوتی ہے جیسے دودھ، گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) چوں کنعاں را طبیعت بے ہنر بود — پیمبر زادگی قدرش نیفزود

(۲) ہنر بنما اگر داری نہ گوہر — گل از خار است و ابراہیم از آزر[3]

نیز فرمایا: خاکستر اگرچہ نسب عالی دارد کہ اصلش جوہر علویست ولیکن بنفس خود ہنرے ندارد باخاک برابر است قیمت شکر نہ از نے ست کہ خاصیت ویست[4]

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان قدیم ہے کہ وہ زندوں کو مُردوں سے پیدا فرماتا ہے۔ اس سے نسب کو کوئی تعلق نہیں۔ کبھی اچھے سے بُرا اور کبھی بُرے سے اچھا پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] سورۂ ابراہیم ۱۲ [2] سورۃ زخرف ۱۲ ۔ [3] مزید تحقیق فقیر کی کتاب اصل الاصول فی ایمان آباء الرسول اور ابوین مصطفیٰ میں دیکھئے۔

[3] (۱) جونکہ کنعان کی طبیعت بے ہنر تھی۔ پیغمبر زادگی نے اس کی قدر و قیمت نہ بڑھائی (۲) ہنر دکھا اگر تیرے ہاں ہے تو ورنہ گوہر اور موتی کام نہیں آئیں گے۔ دیکھئے گل کانٹے سے اور ابراہیم علیہ السلام آزر سے۔

[4] (ترجمہ نثر) راکھ اگرچہ نسبت کے لحاظ سے بہت بڑی ہے کیونکہ اس کا اصل آگ ہے لیکن چونکہ بے ہنر ہے اسی لئے مٹی کے برابر ہے شکر کی قیمت اسی لئے نہیں کہ گنے سے ہے بلکہ اس کی اپنی ذاتی خاصیت سے۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ ،، یہ اشارہ اِس اراءۃ کی طرف ہے جس کو نُری متضمن ہے۔ کوئی دُوسرا نُری مقدر نہیں مانا جائے گا۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے ؛ چنانچہ "مِثلَ ذٰلِكَ" میں ہذا اَلمَضرُوبُ مانا جاتا ہے اور کاف زائدہ ہے جس معنے کو اسم اشارہ ظاہر کرتا ہے یہ اُس کی تاکید کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السّلام کو دکھاتے ہیں مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ،، زمینوں اور آسمانوں کے مُلک جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور مالکیت پر دلالت کرتے ہیں اور اُن سے واضح ہوتا ہے کہ سب کا حاکم مطلق وہی ہے اور یہ تمام اشیاء اسی کی ملکیت و تربیت ہیں۔

(ف) اس سے رویت بصری مُراد ہے اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ دیکھنے سے استعارہ ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ ہم نے ملکوت السمٰوٰت والارض کی معرفت عطاء فرمائی اور اُنھوں نے ان امُور کو بصیرت سے دیکھا۔ نُری صیغۂ مُستقبل حکایتِ حال ماضیہ کے لئے ہے۔

سوال : یہ تو ہر مومن مسلم کو معلوم ہے اور ملکوت السمٰوٰت والارض کو بصیرت سے سب جانتے ہیں جیسا کہ بعض انہیں آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ پھر صرف ابراہیم علیہ السّلام کی تخصیص کیسی۔

جواب : اگرچہ تمام اہلِ اسلام ربوبیت کے دلائل کے اصُول کو جانتے ہیں، لیکن اس عالم کی مخلوق کے اجناس و انواع و اشخاص و احوال میں حکمت الٰہی کے آثار صرف اکابر انبیاء علیہم السّلام جانتے ہیں۔ اس لئے حضور علیہ السلام اپنی دُعا میں اکثر عرض کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ (اے اللہ ہمیں اشیاء کے حقائق دکھا)

تفسیر صُوفیانہ : تاویلات نجمیہ میں ہے اس عالم میں شئے کا ظاہر ہے جسے جسمانیات سے تعبیر کرتے ہیں اور جسمانیات کو ابعاد ثلاثہ یعنی طوُل و عرض و عمق ضروری ہے اور ان میں تحیز ہوتا ہے اور وہ تقسیم کو قبول کرتے اور اُن کے اجزاء کئے جاسکتے ہیں۔ کبھی اُسے دُنیا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُسے حس سے قرب ہے اور کبھی اسے صُورت کہا جاتا ہے اور کبھی اسے شہود سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے کہ اسے حس سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور کبھی اسے مُلک سے موسوم کرتے ہیں اس لئے کہ یہ دُوسرے کی ملکیت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر شئے کا باطن ہے جسے رُوحانیت کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ محسوسات سے نہیں اور وہ ابعاد ثلاثہ اور تحیز و تجزّی سے خالی ہے۔ اُسے آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ حس سے مؤخر ہے اور کبھی اسے معنی سے موسوم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں شکل و صورت نہیں اور کبھی اسے غیب بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ حس سے پوشیدہ ہے اور کبھی اِسے ملکوت بھی کہتے ہیں اس

لئے کہ عالم ملک (دنیا) کا دارومدار اسی پر ہے اور عالم ملک (دنیا) کی صورت اس کا عکس ہے اس لئے کہ عالم ملک کا قیام ملکوت پر منحصر ہے اور ملکوت کا انحصار قدرت حق تعالیٰ پر ہے۔ کما قال تعالیٰ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ اور فرمایا وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ۝ یعنی ہر شئے کا اس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے یعنی طریق ملکوت سے اور ملکوت سے وہ اولیات مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عدم سے امرکن سے پیدا فرمایا اس لئے کہ اللہ تھا باقی ہر شئی معدوم تھی۔ اس پر آیت اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ ،، دلالت کرتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملکوت کو کسی شئی سے پیدا نہیں فرمایا یعنی ملکوت کو بلا واسطہ پیدا فرمایا اور باقی اشیاء کو کسی واسطہ سے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ملکوت کی تخلیق کو لفظ امر سے اور دوسری اشیاء کو لفظ خلق سے تعبیر فرمایا کما قال اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ،، اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اشیاء کے ملکوت دکھائے اور ساتھ ہی وہ آیات بھی (جو ان میں بطور امانت رکھی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

فائدہ : علمائے کرام ملک و ملکوت میں فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملک تمام وہ اشیاء جو آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہیں اور ملکوت وہ جنہیں بصیرت سے تعلق ہے وہ ارباب عقول پر منکشف نہیں ہوتی بلکہ اصحاب قلوب کو ان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ عقل کا ادراک ناقص ہے بخلاف کشف کے کہ وہ صرف اہل مجاہدہ کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ مجاہدہ کے ثمرہ کا نام ہے اور ایسے لوگ ہمارے دور میں بہت کم ہیں۔ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۝ اور یہ لام محذوف مؤخر سے متعلق ہے اور وہ جملہ معترضہ اور اپنے ماقبل کے مضمون کی تقریر کرتا ہے تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام راسخ الایقان اور عین الیقین کے درجہ تک پہنچنے والوں سے ہوں اور انہیں معرفت الٰہی نصیب ہو۔ پھر ہم نے ؤہی کیا جو ابھی مذکور ہوا اس لئے کہ اتنا بہت بڑے مراتب کا ترتب اس ارادۃ پر ہے اور یہ قصر اس لئے نہیں کہ ارادۃ کا فائدہ صرف اسی پر منحصر ہے کیونکہ اس آئندہ کے علاوہ اور فوائد بھی ہیں مثلاً خلق اور الزام المشرکین بلکہ اس بیان کے لئے ہے وہ اصل اصیل ہے اور باقی امور اس کے مفروع۔

۷۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ الَّیْلُ ،، پس جب ابراہیم علیہ السلام کو رات کی تاریکی نے ڈھانپا۔ رَاٰ کَوْکَبًا تو انھوں نے ستارہ دیکھا یہ لَمَّا کا جواب ہے۔ اس لئے کہ ستارے کا دیکھنا اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب سورج کی روشنی زائل ہو جائے یعنی سورج کے غروب کے بعد۔

(ف) : اس سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا ستارے کو دیکھنا اس کے طلوع کی ابتداء میں نہ تھا بلکہ سورج کی روشنی کے مضمحل ہونے کے بعد ستارے کو دیکھ لیا تھا۔

(ف) : تحقیق یہ ہے کہ سُورج کے غروب کے بعد آپ نے ستارہ دیکھا۔
(ف) : بعض کہتے ہیں وہ ستارا زُہرا تھا۔ اور بعض کے نزدیک مُشتری اور یہ دونوں کواکب سیارہ (سات) سے ہیں۔

قَالَ ، یہ سوال مقدّر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السّلام نے ستارے کو دیکھا تو پھر کیا فرمایا تو اُس کے جواب میں فرمایا کہ آپ نے خصم کی موافقت میں فرمایا ھٰذَا رَبِّیْ ، یہ میرا رب ہے چونکہ آپ کا چچا اور اس کی دیگر برادری کے لوگ بُت پرستی کے علاوہ کواکب بُت پرست بھی تھے اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام خصم کے عقیدہ کے مطابق استدلال کر کے پھر اس کا ابطال فرماتے جائیں گے فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ٥ جب وہ ڈوب گیا۔ میں ایک مکان سے دُوسرے مکان کی طرف مُنتقل اور ایک حال سے دُوسرے میں متغیر ہونے اور پردوں میں چھپنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ایسی چیزیں ربوبیت کا استحقاق نہیں رکھتیں۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا ، پس جس وقت اُنہوں نے چاند کو چمکتا ہُوا دیکھا یعنی ایک ستارے کے ڈوبنے کے بعد جب چاند کو طلوع کرتا ہُوا دیکھکر قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّآ اَفَلَ ، فرمایا یہی میرا رب ہے لیکن جب اُسے بھی ستارے کی طرح ڈوبتا ہُوا دیکھا قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَھْدِنِیْ رَبِّیْ ، تو فرمایا اگر میرا رب مجھے جناب حق میں نہ پہنچا سکا تو لَاَکُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ٥ تو میں گمراہ قوم سے ہو جاؤں گا۔ یہ اپنی قوم کو تعریضاً فرمایا تاکہ انہیں واضح ہو کہ وہ گمراہ ہیں۔

ازالہ وہم : حضرت ابراہیم علیہ السّلام اُس وقت ایسی جگہ پہ ہوں گے جس کی جانب غرب کو ایک بہت بڑا پہاڑ پڑتا ہوگا۔ جس سے ظہر کے وقت چاند و ستارے چھپ جاتے ہوں گے یا ظہر کے وقت سے تھوڑی سی دیر کے بعد۔ اس لئے کہ اس وقت ستارہ پہاڑ کے قریب ہوتا ہے تو اُس کی شرقی جانب کُھلی رہتی ہے جس سے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ستارہ ڈوب گیا اور چاند ابھی چمکا۔ ورنہ چاند کا ستاروں کے ڈوبنے کے بعد طلوع کرنا پھر اس کا سُورج کے طلوع سے ڈوبنا تصور میں نہیں آسکتا۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً ، پس جبکہ سُورج کو طلوع کرتا ہُوا دیکھا تو قَالَ ھٰذَا ، یہی نُورانی جسم جو نظر آ رہا ہے۔ رَبِّیْ ھٰذَآ اَکْبَرُ ، میرا رب ہے اور چاند اور ستارے سے بہت بڑا ہے اس سے ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے اس قول کی تاکید فرمائی جو اُنہوں نے ازراہِ انصاف فرمایا (لاکونن مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ) فَلَمَّآ اَفَلَتْ ، پھر جب وہ بھی ڈوب گیا اور اُن پر ابراہیم علیہ السّلام کے دلائل مضبوط اور پختہ ہو گئے لیکن وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو قَالَ اپنی قوم کے سامنے

حق کو واضح کر کے فرمایا **یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ** ۝ اے میری قوم میں اُن سے بیزار ہوں کہ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو یعنی اصنامِ باطلہ کے علاوہ وہ صُورتیں جو دُوسرے کے پیدا کرنے کی محتاج ہیں تم انہیں اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہو۔ آپ کی برادری نے آپ کی تقریر سُن کر آپ سے پُوچھا تو تم کس کی عبادت کرو گے تو آپ نے انہیں فرمایا **اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ** "میں نے اپنے چہرے کو متوجہ کیا یعنی میرا دین و عبادت خالص اُس کے لئے ہے۔ **لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ** " جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ یعنی میری عبادت اللہ تعالیٰ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ کے لئے خاص ہے جس نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ **حَنِیْفًا** "، درانحالیکہ میں ادیانِ باطلہ سے بیزار ہو کر دینِ حق کی طرف متوجہ ہو چکا ہوں کہ اب اُس سے رجوع کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ "، کہ میں اُن لوگوں سے نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں نہ افعال میں نہ اقوال میں۔

تفسیر صُوفیانہ

: یہی کیفیت ہر اُس شخص کی ہوتی ہے جو اپنی طبیعت سے پاک و صاف ہو کر اُس کا قلب شیشہ کی طرح صاف و شفاف ہو اور وہ ہوائے نفس اور شہوات سے بالکل صاف ستھرا ہو جائے۔ ایسا انسان نہ اجرام کی طرف خیال کرتا ہے نہ اکوان کی طرف بلکہ اُسے نہ دائیں کی خبر ہوتی ہے اور نہ بائیں کی اس لئے کہ دوستیٔ حق کے شوق نے اُسے جہالت سے دُور کر کے ذاتِ حق کے بالمقابل کھڑا کر دیا ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

(۱) آفتاب از امرِ حق طباخِ ماست ؛ اُبلہی باشد کہ گوئیم او خدا است

(۲) آفتابت گر بگیرد چوں کُنی ؛ آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی

(۳) نے بدرگاہِ خدا آری صداع ؛ کہ سیاہی را ببر داده شعاع

(۴) گر کشندت نیم شب خورشید کو ؛ تا بنالی یا اماں خواہی ازو

(۵) حادثات اغلب بشب واقع شود ؛ وان زماں معبود تو غائب شود

(۶) سُوئے حق گر راستانہ خم شوی ؛ وارہی از اختراں محرم شوی

ترجمہ : (۱) سورج ہمارے لئے طباخ ہے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لیکن یہ بیوقوفی ہے کہ اسے خُدا مانا جائے۔

(۲) مانا کہ سُورج تجھے کُن کے کرشمے دکھائے لیکن اس سے اس کی سیاہی کیسے دُور کر سکتے ہو

(۳) نہ تو تم اللہ تعالیٰ سے عرض کر سکتے ہو کہ اس کی سیاہی دُور کرو تاکہ روشنائی دے۔

(۴) اگر تجھے آدھی رات کو دکھ پہنچے اس وقت سُورج کہاں ہوگا کہ جس کے آگے رو کر مشکل حل کراؤ یا اماں چاہو

(۵) ویسے اکثر حادثے رات کو ہوتے ہیں اس وقت تو تیرا معبود (سورج) غائب ہوتا ہے۔
(۶) اللہ تعالیٰ کے حضور اگر بصدقِ دل سرخم کرو تو ستاروں کی پرستش سے نجات پاکر محرمِ رازِ حق بن جاؤ گے۔
وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ اس کی قوم اس سے برسرپیکار ہوئی یعنی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برادری نے دینی امور اور بتوں کے متعلق جھگڑا کیا۔ بلکہ ڈرایا اور دھمکایا کہ اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا تو تم بہت بڑے دکھ پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ (بنونِ ثقیلہ) دراصل اَتُحَاجُوْنَنِیْ تھا۔ دو نون ہونے پہلے کو دُوسرے میں ادغام کیا گیا ہے اس لئے کہ دونوں یکجا جمع ہوں تو وہ عبارت ثقیل ہو جاتی ہے۔
ہوں پہلے کو دوسرے میں ادغام کیا جاتا ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برادری سے فرمایا کہ کیا تم میرے ساتھ جھگڑتے ہو۔ فِی اللّٰهِ " اللہ تعالیٰ کی شان اور اُس کی توحید کے بارے میں وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ" حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کی ہدایت بخشی۔ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ " اور جنہیں تم اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ مجھے اِن سے یہ خوف و خطر نہیں کہ وہ مجھے کسی قسم کا دُکھ اور تکلیف پہنچائیں گے۔ اس لئے کہ انہیں کسی شئی کی قدرت ہے ہی نہیں۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْئًا ؕ یہ استثناء متصل ہے اور اس کا مستثنیٰ منہ کسی وقت محذوف ہے۔ دراصل لَا اَخَافُ مَعْبُوْدَاتِكُمْ فِیْ وَقْتٍ الخ یعنی میں تمہارے معبودانِ باطلہ سے کسی وقت بھی نہیں ڈرتا مگر اس وقت کہ میرا رب میرے لئے دُکھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمائے پھر وہ دُکھ تکلیف تمہارے معبودان سے نہیں بلکہ میرے ربِ کریم کی طرف سے ہوگی۔ اُس میں تمہارے معبودوں کا کسی قسم کا دخل نہ ہوگا۔ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ یہ استثناء کی گویا تعلیل ہے۔ یعنی میرے رب کا علم ہر شئی کو محیط ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ مجھ پر فلاں دُکھ اور درد پہنچیں گے لیکن اُس کا کوئی سبب ہوگا نہ یہ کہ میں تمہارے بتوں پر طعن و تشنیع کروں تو اس وجہ سے مجھے دُکھ اور درد پہنچیں اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ " کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ یعنی اپنے معبودوں کے متعلق غور و فکر کرو کہ وہ جمادِ محض ہیں نہ کسی کو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان دینے کی پھر کیوں نہیں سمجھتے کہ انہیں میرے نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں۔
ۙ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ " اور میں کیسے خوف کروں اُن سے جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی تمہارے معبودانِ باطلہ سے جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ وقوعِ تکالیف کا انکار کرتے ہوئے اُن کے بتوں کی ضرر رسانی کی بالکل نفی فرما دی۔ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ " یہ اَخَافُ کی ضمیر سے حال ہے بتقدیر مُبتدا دراصل عبارت یُوں ہے وَكَيْفَ اَخَافُ اَنَا مَا لَيْسَ فِیْ حَيِّزِ الْخَوْفِ اَصْلًا وَ اَنْتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الخ یعنی میں کیسے ڈروں جبکہ میں خوف

بقیہ صفحہ ۵۷۵

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ
ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی ہم جسے چاہیں

مَّنْ نَّشَآءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا
درجوں بلند کریں بے شک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے اور ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب عطا کیے ان سب کو ہم نے راہ

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ
دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف

وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى
اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ

وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا
اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم

فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ
نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ
کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں جسے چاہے دے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗىِٕكَ
اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا یہ ہیں جن

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا
کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں تو ہم نے اس کے لیے

بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ
ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی

اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع
راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے جہان کو

تفسیر عالمانہ ۸۳ وَتِلْكَ ،، یہ اشارہ ابراہیم علیہ السلام کی اس دلیل کی طرف ہے جو آپ نے اپنی قوم کو مناظرہ میں پیش کی جس کا مضمون فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ سے شروع ہو کر وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ تک ختم ہوتا ہے۔ حُجَّتُنَا ،، (ہماری حجت ہے) ہر وہ کلام جو کسی شئی کے ثبوت میں بطور دلیل پیش کیا جائے اسے حجت کہتے ہیں

باتوں سے دور ہوں حالانکہ ڈرنا تمہیں چاہیئے کہ تم سب سے زیادہ خوفناک امر کے مرتکب ہو رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہو حالانکہ وہ ذات منزہ ہے اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ مثیل نہ زمین میں نہ آسمان میں بلکہ یہ جملہ اشیاء اس کی پیدا کردہ ہیں جسے ابراہیم علیہ السلام نے تعبیر فرمایا مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ ،، وہ امر کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا تمہارے لئے دلیل اور حجت کہ جس سے ثابت ہو کہ یہ بت بھی قابل پرستش ہیں۔ بلکہ تمام دنیوی امور اس لئے ہیں کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ امور کے لئے حجت بنائے جائیں۔ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ؕ پس ہم دونوں فریقوں میں کون زیادہ مامون ہے میں یا تم۔

(ف) مولانا ابو السعود نے فرمایا کہ فریقین سے ایک وہ گروہ جو محل امن میں ہے۔ دوسرا جو محل خوف میں ہے مراد ہیں اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تمہیں معلوم ہے کہ امن کا کون حقدار ہے تو مجھے بتاؤ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ،، ان دونوں گروہوں میں جنہوں نے ایمان قبول کیا۔

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ ،، اور نہ ملایا اپنے ایمان کو بِظُلْمٍ ،، ظلم یعنی شرک سے جیسے مشرکین نے کیا کہ ایمان کے ساتھ بت پرستی بھی کرتے اور کہتے کہ ہماری بت پرستی ایمان کے متعلقات اور اس کے احکام سے ہے اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ یہی بت انہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کریں گے اور قیامت میں ان کی شفاعت کریں گے؛ چنانچہ ان کا مقولہ قرآن مجید میں ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور خَلَطُوْا کا بھی یہی مطلب ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ ،، صرف وہی امن والے ہیں۔ یعنی عذاب سے صرف انہیں امن ہوگا۔

وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ اور وہی حق سے ہدایت پانے والے ہیں اور دوسرا ان کا بالمقابل گروہ کھلی گمراہی میں ہے۔

اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ ،، ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عنایت فرمائی۔ یعنی ایسی حجت قائم کرنے کی ہم نے ان کی رہبری کی یا وہی دلیل ہم نے انہیں بتائی۔ یہ حُجَّتُنَا کی صفت نہیں بلکہ حال ہے اس لئے کہ حُجَّتُنَا معرفۃ بالاضافۃ ہے۔ عَلٰى قَوْمِهٖ ،، یہ حجتنا کے متعلق ہے (اس کی قوم پر)

تفسیر صوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ سلوک الی اللہ کی دلیل بھی آیات الٰہی سے متعلق ہے۔ آیاتِ الٰہی سے اللہ تعالیٰ کے افعال مراد ہیں اور یہی سالکین کے لئے سلوک کی منازل طے کرنے کے لئے بمنزلہ سیڑھی کے ہیں اور منزل کی سلوک کا یہ پہلا مرتبہ ہے اس کے

بعد اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے پر موقوف ہے۔ یہ منازلِ سلوک کا دوسرا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد اسے ذاتِ حق کے وجود کا تحقق نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس وقت سالکین کے اسرار کو اپنی تجلیات سے نوازتا ہے۔ یہی وصُول الی اللہ کا پہلا قدم ہے پھر اس کے بعد سلسلہ غیر متناہی ہے۔ اس تقریر کے مطابق تِلْکَ کا اشارہ ارءة الملکوت و شواہد ربُوبیت کی طرف ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے سالکین کو کواکب کے آئینوں اور صدق التوجہ الی الحق اور اعراض و بیزاری مما سواہ انانیت کے شرک سے خلاص اور ایقان و ایمان بالعیان میں دکھائے آتَیْنٰھَا ابراہیم (ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے خود بلاواسطہ غیر آیات دکھائے) تاکہ وہ اپنی برادری میں حجت قائم کر سکیں۔

نَرْفَعُ ہم بُلند کرتے ہیں دَرَجٰتٍ حکمت کے عظیم اور بلند درجات مَنْ نَّشَآءُ ط جس کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ اُس کے علم و حکمت کے درجات بُلند ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام کے مراتب و درجات بُلند کئے گئے بلکہ ایسے عظیم اور بُلند مراتب پر فائز ہوئے جو سوائے اکابر انبیاء علیہم السلام کے اور کسی کو نصیب ہونے کا امکان تک نہیں ۔ دادِ حق را قابلیت شرط نیست ؛ بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

(ترجمہ) عطائے حق کے لئے قابلیت کی شرط نہیں بلکہ اس کی عطاء کی شرط ضروری ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ، بے شک تمہارا رب ہر فعل میں بہت بڑا حکمت والا ہے کہ کسی کا بلند مرتبہ بڑھائے تو اُس کی حکمت ہے اگر کسی کو بُلند مراتب سے گرا دے تو بھی اس کی حکمت ہے۔

(ف) جس کا بُلند مرتبہ بڑھاتا ہے تو اُس کے حال اور اس کی استعداد کو وہی خوب جانتا ہے اس لئے کہ ہر ایک کے احوال اور استعداد ایک دُوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اِن آیات سے واضح کرنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے الزامی طور مذکور بالا استدلالات کئے ورنہ ان کا یہ عقیدہ نہیں تھا تاکہ اُن کی برادری ان التزامات اور براہین و دلائل کے سامنے جُھک جائے اور انہیں راہِ ہُدیٰ نصیب ہو یہی جلیل القدر مفسرین کی رائے ہے اور اسی پر (اہلسنت) اکابر مشائخ و عُلماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے اور صاحب رُوح البیان بھی اس مسلک کے مطابق آیات مذکورہ میں ہر آیت کی تفسیر کرتے چلے آئے چنانچہ اُوپر کے مضامین قارئین کرام کے سامنے ہیں۔

خُلاصہ تفسیر صُوفیانہ : صُوفیہ کرام کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی برادری کا واقعہ بیان کر کے بنایا گیا ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل قائم کئے ہیں تم بھی اس کی توحید پر اس طرح دلائل قائم کر کے ماسوی اللہ کے تخیلات کو قلب سے ختم کر دو اور صرف اسی ذات کا تصور پیدا کرو ،

یہاں تک کہ اپنی خودی بھی درمیان میں نہ لاؤ تاکہ تمہیں معرفت الٰہی نصیب ہو۔

فائدہ : مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ مناظرہ آپ کی ابتدائی عمر مبارک میں ہوا جب کہ آپ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے بلکہ قریب البلوغ تھے جسے شرعی اصطلاح میں مراہق کہا جاتا ہے اور ملکوت سے آیات مراد ہیں۔ حدادی نے فرمایا اقرب الی الصحۃ یہی قول ہے۔

تفسیر کاشفی : کاشفی صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ (وکذلک جس طرح ہم نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی گمراہی واضح طور دکھائی ایسے ہی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السمٰوٰت والارض یعنی آسمانوں اور زمینوں کے عجائب وغرائب یعنی عرش کی چوٹی سے لے کر تحت الثریٰ تک ذرہ ذرہ اُن کے سامنے منکشف کیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام اُن کے ذریعے اپنی قوم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے متعلق دلائل قائم کر سکیں۔ ولیکون من الموقنین تاکہ وہ علم استدلال میں پختہ کاروں میں سے ہوں۔

نمرود کی کہانی : صاحب معالم لکھتے ہیں کہ نمرود بن کنعان کو اس وقت رُوئے زمین کے چپہ چپہ کی بادشاہی حاصل تھی۔ شہر بابل میں اُس کا دارالخلافہ تھا۔ اُس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک ستارہ اس کے شہر سے ایسا روشن ہوکر نکلا کہ اُس کی تابانی سے سُورج اور چاند ماند پڑ گئے۔ گھبرا کر اُٹھا اور تمام رُوئے زمین کے حکماء اور کاہنوں کو بُلا کر اس کی تعبیر پُوچھی۔ سب نے متفق ہو کر کہا کہ تیرے اس شہر بابل میں ایک نومولود پیدا ہونے والا ہے۔ جس نے تجھے اور تیری شاہی کو تہ و بالا کرنا ہے لیکن اس وقت وہ بچہ اپنے باپ کی پُشت سے ماں کے شکم میں تشریف نہیں لایا۔ نمرود نے تمام شہر والوں کو حکم دیا کہ کوئی مرد اپنی عورت سے خلوت نہ کرے اس رکاوٹ کے لئے اٹھارہ نگران مقرر کئے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نمرود کے محرم رازوں اور مقربین میں سے تھے اسی لئے اُن پر کسی کی پابندی نہ تھی۔ اُنھوں نے ایک شب اپنی زوجہ اُدفی بنت نمر سے جماع کر لیا۔ جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی پُشت سے والدہ کے شکم میں تشریف لائے تو صبح کو کاہنوں نے نمرود سے کہا کہ آج رات وہ بچہ باپ سے منتقل ہو کر والدہ کے شکم میں آچکا ہے۔ نمرود نگرانوں پر سخت ناراض ہُوا اور حکم صادر کیا کہ جتنا حاملہ عورتیں ہیں سب کی نگرانی کی جائے۔ جونہی بچے پیدا ہوں انہیں بلا تاخیر قتل کر دیا جائے نمرود کے حکم سے دائیگاں (جمع دایہ) مقرر ہوئیں کہ وہ شہر کی تمام حاملہ عورتوں کی رپورٹ دیں تاکہ اُن پر نگران مقرر کئے جائیں۔ دائیگاں نے شہر کی تمام عورتوں کا معائنہ کر کے رپورٹ دے دی لیکن ابراہیم علیہ السلام کا حمل انہیں محسوس تک نہ ہُوا۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام کی والدہ دائیگاں کی پیش کردہ لسٹ سے بچ گئیں۔ اِن دائیگاں کی رپورٹ کے بعد کسی کو ابراہیم علیہ السلام

کی والدہ کے حمل کی طرف دھیان تک نہ گیا۔ بالآخر ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب ہوا تو آپ کی والدہ اونیٰ کو خطرہ ہوا کہ کہیں نمرود کو معلوم نہ ہو جائے اور وہ میرے بچے کو پیدا ہوتے ہی قتل کرا دے۔ چنانچہ وہ گھر سے باہر جنگل میں ایک غار کے اندر اکیلی چلی گئیں اور وہیں پر ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے انہیں اکیلا غار پر پتھر ڈال کر واپس گھر چلی گئیں کہ کہیں پردہ فاش نہ ہو جائے۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد نے بی بی اونیٰ سے ماجرا پوچھا تو بی بی صاحبہ نے اُن سے راز مخفی رکھا اور کہا کہ بچہ پیدا ہوا تھا لیکن نمرود کے ڈر سے میں نے اسے پتھر مار کر وہیں غار میں دفن کر دیا۔ اسے بھی بی بی کی بات پر یقین ہو گیا۔ صبح کو بی بی صاحبہ غار میں تشریف لے گئیں۔ خدا کی شان حضرت ابراہیم علیہ السلام زندہ تھے آپ کی ایک انگلی سے دودھ دوسری سے شہد نکل رہا ہے جنہیں آپ چوس رہے ہیں۔ اسی طرح روزمرہ کا معمول بن گیا۔ چونکہ آپ کی تربیت ذاتِ حق نے اپنے ذمۂ کرم لی تھی۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام جلد تر جوان ہونے لگے۔ دوسرے بچے جو سال بھر میں بڑے ہوتے ہیں آپ ایک ماہ میں بڑے ہو گئے

۵ چوں ماہِ نو کہ بارُوی دل افروز … بود زانیدہ فورش روز تا روز

ترجمہ: جیسے نئے چاند کی طرح اس کا چہرہ دل کو روشنی بخشتا اس کا نور روز بروز بڑھتا رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب پندرہ ماہ کے ہوئے تو پندرہ سال کے نوجوان محسوس ہوتے۔ اُس وقت غار سے باہر تشریف لائے۔ بعض کہتے ہیں سات سال کے تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرہ[۱۳] یا سترہ[۱۷] سال غار میں رہے۔ بہرحال جب ابراہیم علیہ السلام نوجوان ہوئے آپ کی والدہ نے آپ کے والد سے کہا کہ بچے کی ولادت کے وقت میں نے جھوٹ بول دیا کہ کہیں تم بھی نمرود کی محبت سے بچے کو قتل کرا دو اب یہ حقیقت ہے کہ وہ نوجوان ہو چکا ہے چل کر دیکھئے نہایت حسین وجمیل اور بہت بڑا ذکی وفہیم ہے۔ جب آپ کا والد آپ کے ہاں حاضر ہوا تو واقعی آپ کو ہمہ صفت موصوف پایا اور کہا کہ کوئی حرج نہیں بچے کو گھر واپس لائیے۔ نمرود سے میں منوالوں گا اور اُسے اُس کا ملازم بنائیں گے، چنانچہ آپ کو آپ کی والدہ غار سے باہر لائی تو غار سے باہر آپ نے گھوڑے بکریاں اُونٹ وغیرہ دیکھے اور اپنی والدہ سے فرمایا امی جان بتائیے انہیں بھی کسی نے پیدا کیا ہو گا اور انہیں وہ رزق بھی پہنچاتا ہو گا۔ ماں نے ہاں بیٹا کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کا کوئی خالق و رازق نہ ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر پوچھا۔ امی جان بتائیے میرا پروردگار کون؟ ماں نے جواب دیا تیرا باپ پھر آپ نے سوال کیا تو میرے باپ کا پروردگار کون؟ امی نے کہا نمرود۔ آپ نے فرمایا نمرود کا کون؟ امی نے کہا بیٹے خاموش اس سوال میں بہت بڑا خطرہ ہے کہیں ہم مارے نہ جائیں۔

(فائدہ) نمرود کے زمانہ کے بعض لوگ ستارہ پرست تھے اور بعض چاند کے پجاری تھے اور بعض سورج کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں تھوڑے سے بت پرست بھی تھے لیکن اس وقت کے بہت

زیادہ نمرود کو معبود مانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام والدہ کے ساتھ شہر بابل کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے پہلے سلسلۂ گفتگو ان سے شروع فرمایا جو ستارہ پرست تھے۔ جب رات ہوئی تو آپ نے ان ستارہ پرستو کو تعریضًا فرمایا۔ یہاں پر حرفِ استفہام حذف کیا گیا ہے یا بقول شما اے ستارہ پرستو میرا بھی یہی رب ہے۔ جب وہ ستارہ گم ہوا تو فرمایا میں گم ہونے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر آپ نے چاند پرستوں سے گفتگو فرمائی۔ جبکہ چودھویں شب کے چاند نے سبزہ وار آسمان پر اپنی چاندنی کا زور دکھایا، تو چاند کے پجاری چاند کے سامنے جھک گئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ میرا رب ہے۔ جب چاند خط نصف النہار سے جانب مغرب ہٹا تو آپ نے فرمایا اگر میرے رب تعالیٰ نے میری رہبری نہ فرمائی تو میں گمراہ لوگوں سے ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد آپ والدہ کے ساتھ شہر کے قریب پہنچے تو سورج قریب طلوع تھا اور سورج پرست اس کی پرستش کی تیاری کر رہے تھے۔ جب آپ نے سورج کو طلوع کے وقت روشن دیکھا تو فرمایا یہی میرا رب ہے اور وہ سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈھلنے لگا تو آپ نے فرمایا میں تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں۔ میں نے اپنی توجہ اس ذات کی طرف کر دی ہے جس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے۔ یعنی تمہارے تمام مختلف ادیان سے بیزار ہو کر دینِ حق کا طالب ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں۔

تفسیر منیر کی تقریر: تفسیر منیر میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے تو اپنی والدہ و دیگر رشتہ داروں نے چاہا کہ نمرود کی ملاقات کے لئے آپ کو لے جایا جائے۔ جب آپ کو نمرود کے ہاں لے گئے تو دیکھا کہ ایک نہایت کریہ المنظر (بدشکل آدمی) ایک بہترین تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارد گرد نہایت حسین و جمیل پری پیکر لڑکیاں۔ لڑکے دست بستہ کھڑے ہیں۔ آپ نے والدہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ والدہ نے فرمایا یہ سب کا معبود ہے۔ آپ نے پوچھا تو اس کے گرداگرد کون کھڑے ہیں۔ والدہ نے کہا یہ سب اس کے پرستار اور اس کے پیدا کردہ ہیں۔ آپ ہنس پڑے اور والدہ سے کہا کہ عجیب بات ہے کہ پیدا کرنے والا بدشکل اور اس کے پیدا کردہ لڑکے لڑکیاں حسین و جمیل، حالانکہ پیدا کرنے والے کو اپنی پیدا کردہ چیزوں سے حسین و جمیل ہونا لازمی ہے (کذافی تفسیر الکاشفی مع اختصار)

٨٤ **وَ وَهَبْنَا لَهٗ** ،، الہبتہ بمعنے تبرع اور ایسا عطیہ کہ اس سے قبل اس کا استحقاق نہ ہو یعنی کسی کو بلا استحقاق (مفت) کوئی شئے عطا کرنا اور لَہٗ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یعنی اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ **اِسْحٰقَ** ،، ابراہیم علیہ السلام کا صلبی صاحبزادہ جو انبیائے بنی اسرائیل کے اب اول ہے۔ **وَ یَعْقُوْبَ** یعنی ابن اسحاق **کُلًّا هَدَیْنَا** ،، ان ہر دو نوں کو ہم نے ہدایت بخشی۔ یعنی ان ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فضائل دینی اور کمالات علمی و عملی کی توفیق بخشی۔ **وَ نُوْحًا** ،، اس کا منصوب ہونا مَا اُضْمِرَ عَلٰی شَرِیْطَةِ التَّفْسِیْرِ کی وجہ سے ہے جس کی **هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ** ،، تفسیر کر رہا ہے۔

یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہدایت بخشی۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت سے قبل نُوح علیہ السلام کی ہدایت کے اظہار کا کیا فائدہ؟

جواب : چونکہ نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے اجداد سے ہیں اور اجداد کے فضائل کا اظہار اولاد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بنابریں نوحؑ علیہ السلام کا ذکر خیر فرمایا۔ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ** اور ہم نے نُوح علیہ السلام کی اولاد کو ہدایت فرمائی۔

سوال : ابراہیم علیہ السلام کی ذُریت کا ذکر کیوں نہیں حالانکہ مِن ذریۃ ابراہیم کہا جاتا تو بھی مطلب حل ہو جاتا۔

جواب : چونکہ آنے والے آیات میں یُونس و لُوط علیہم السلام کا ذکر ہے اور وہ ابراہیم کی اولاد سے نہیں ہیں۔ (کذا قال البغوی) لیکن ابنِ اثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ یُونس علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اس لئے کہ وہ شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں اسباط یعقوب سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نینویٰ (موصل کے بلاد) کے لوگوں کی طرف رسُول بنا کر بھیجا۔ یہ بھی ہے کہ لُوط علیہ السلام کو ذریۃ ابراہیم علیہ السلام سے شمار کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے ان کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر کے تشریف لائے۔

فائدہ : سعدی چلپی مفتی نے فرمایا محی السنۃ بغوی ابن اثیر سے زیادہ معتبر ہیں۔

دَاوٗدَ ،، ابن ایشا و سلیمان بن داؤد علیہم السلام۔ اِن دونوں باپ بیٹے کا سلسلہ نسب یہود ابن یعقوب سے ملتا ہے۔ **وَاَيُّوْبَ** ،، بن اموص بن وارخ بن رُوم بن عیصا بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام (**وَيُوْسُفَ**)،، بن یعقوب **وَهٰرُوْنَ** ،، یہ موسٰی علیہ السلام کے بھائی تھے۔ اُن سے سن میں بڑے تھے۔

(ف) مذکورہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر مبارک اُن کے زمانہ زندگی کے مطابق نہیں ہُوا۔

وَكَذٰلِكَ ،، اور اسی طرح درجات بُلند کر کے **نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ** ۙ ہم اُن کے احسان پر اُن کے استحقاق کے مطابق جزا دیتے ہیں۔

(ف) **الْمُحْسِنِيْنَ** ،، کی لام جنس کی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کذٰلک کاف زائد ہو اور المحسنین کی لام عہد کی ہو۔ اب معنٰے یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب جزاء جو کہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام کو دی گئی۔ محض فضل و کرم الٰہی سے ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے یہ درجات و مراتب اعمال صالحہ کی وجہ سے نہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اعمال صالحہ کی وجہ سے جو جزا ملتی ہے اس میں حسن وصفی ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی یہ جزاء ذاتی ہے جس میں اُن کے ساتھ اور کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا (اس سے جھوٹے نبوت کے مدعیان

جیسے مرزا قادیانی وغیرہ کا رد ہو گیا۔

۸۴ وَ زَكَرِيَّا ،، اور ہم نے زکریا علیہ السلام کو بھی عطا فرمایا۔ اُن کا سلسلہ نسب سُلیمان علیہ السلام سے ملتا ہے۔ زکریا علیہ السلام کے والد کا نام اذن تھا و یحیٰی بن زکریا علیہما السلام و عیسیٰ بن مریم ابنۃ عمران یہ بنی ماثان بنی اسرائیل کے بادشاہ کی اولاد سے تھا۔

فائدہ : عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں اشارہ ہے کہ اولاد بنات بھی ذریّۃ میں داخل ہوتی ہے۔

حسنین کریمین کی فضیلت

: اس سے واضح ہُوا کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اولادِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کہنا جائز ہے۔ اگرچہ اُن کا حضور علیہ السلام کے ساتھ سلسلہ نسب اُن کی والدہ کریمہ سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو ان حضرات کو ایذاء دیتا ہے گویا وہ حضور علیہ السلام کی ذُرّیّۃ طیبہ کو ایذاء پہنچاتا ہے۔

مسئلہ : صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ جب والدہ کی وجہ سے نسب صحیح اور معتبر ہے تو اُن کی سیادت بھی مُسلم ہوگی گویا کہ ان کا یہ رشتہ اب کی طرح ہے اسی طرح ہر اس شخص کا نسب جس طرح بھی حسنین کریمین تک پہنچے گا اس کی سیادت مُسلّم ہوگی۔ اس سے شیعوں رافضیوں کی غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا جو سیّدنا عبد القادر جیلانی حسنی حُسینی رضی اللہ عنہ کی سیادت پر طعن و تشنیع کرتے ہیں[1]۔

وَاِلْيَاسَ ،، یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

فائدہ : بغوی لکھتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام اور تھے ادریس علیہ السلام اور بعض نے غلطی کھائی کہ الیاس ادریس علیہ السلام کا دُوسرا نام ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے الیاس علیہ السلام کو نُوح علیہ السلام کی ذُریّۃ سے گنا ہے اور ادریس علیہ السلام تو نوح علیہ السلام کے اجداد سے تھے۔

كُلٌّ ہر ایک اُن میں سے مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ کامل فی الصلاح تھے۔

(ف) صَلاح بمعنے موزوں امور کا عمل پیرا ہونا اور نامناسب امُور سے احتراز کرنا۔

۸۵ وَاِسْمٰعِيْلَ ،، اس کا عطف (نُوحًا) پر ہے یعنی جیسے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت بخشی ایسے ہی اسماعیل کو ہم نے ہدایت فرمائی۔

نکتہ : حضرت نُوح کی ذرّیّۃ میں اسماعیل علیہ السلام داخل تو تھے لیکن انہیں علیحدہ ذکر کرنے میں نکتہ یہی ہے کہ اُن کی اولاد سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر نُوح علیہ السلام کی ذُریّۃ کے ذکر میں ان کا ذکر بھی شامل رہتا تو حضور علیہ السلام طفیلی متصوّر ہوتے، حالانکہ

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق فقیر کے رسالہ " اماطۃ الاذی عن غوث الوریٰ میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہ

تمام کائنات جن میں نوح علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں سب کے سب حضور علیہ السلام کے طفیلی ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی ہدایت کا ذکر ابراہیم علیہ السلام کی ہدایت کے ضمن میں بیان کرنا گوارا نہ فرمایا تاکہ سب پر ظاہر ہو جائے کہ اس کے پیارے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کسی کی شرافت کے طفیل نہیں۔ بلکہ سب کی شرافت و بزرگی اُن کے صدقے اور طفیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کا ذکر تمام حضرات کے ذکر کے بعد ذکر کیا ہے تاکہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی واضح ہو سے

(۱) آنچہ اول شُد پدید از جیب غیب — بُود نورِ جہاں او بے ہیچ ریب
(۲) بعد ازاں آں نور مطلق زد علم — گشت عرش و کرسی و لوح و قلم
(۳) یک علم از نُور پاکش علم اُوست — یک علم ذریّۃ آدم از وست

(ترجمہ) (۱) وہ ذات کہ جس نے اوّل میں جیب غیب سے دیکھا وہ نور جہان تھے اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔

(۲) بعد ازاں نور مطلق نے جھنڈا کو بلند کیا تو اس سے عرش و کرسی لوح و قلم پیدا ہوئے

(۳) اس کے نُور سے ایک جھنڈا یہی ہے کہ ذریّۃ آدم اس سے ہے۔

وَالْيَسَعَ بن اخطوب بن العجوز لام زائدہ ہے اس لئے کہ یہ عجمی ہے۔ وَيُونُسَ بن متی وَلُوطًا بن ہاران ابن اخی ابراہیم وَكُلًّا ،، اور اُن ہر ایک کو فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ نبوت سے ہم نے انہیں اپنے معاصرین پر فضیلت بخشی۔ یہاں پر یہ مُراد نہیں کہ وہ آپس میں ایک دُوسرے پر افضل ہیں۔ اگرچہ اُن کی ایک دُوسرے پر فضیلت حق ہے لیکن یہاں مُراد نہیں ہے وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ ،، یہ مِن تبعیضیہ ہے یعنی مذکورین میں سے بعض کے آباء کو فضیلت بخشی گئی جیسے آدم و شیث و ادریس علیہم السلام یہ حضرات دوسرے پیغمبروں کے آباء ہیں۔ بعض پیغمبروں کے آباء ایسے بھی تھے کہ وہ نہ نبی تھے اور نہ ہی انہیں فضیلت علمی عملی حاصل تھی وَذُرِّيّٰتِهِمْ ،، اور اُن کی بعض اولاد۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور حضور سید عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اُن کی ذُریات میں ہیں لیکن تمام کائنات سے افضل و اعلیٰ ہیں (تفسیر الحدادی) ذریات میں مِن تبعیضیہ اس لئے مانا گیا ہے کہ بعض حضرات ایسے بھی تھے جن کی اولاد کافر تھی۔ وَاِخْوَانِهِمْ ،، اور اُن کے بھائیوں کو ہم نے ہدایت جیسے یُوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے زمانے میں ممکن یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ مُراد ہوں جو اُن کے ساتھ ایمان لائے وہ بھی ہدایت اسلام میں داخل ہوئے۔ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ ،، اس کا فَضَّلْنَا پر عطف ہے۔ یعنی اور ہم نے انہیں چنا وَهَدَيْنٰهُمْ اور ہم نے ان کی رہبری کی۔ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ سیدھے راستہ

جو بھی اُس پر چلے گا وہ گمراہ نہ ہوگا ۸۷ ذٰلِكَ ، یہ اشارہ "الھدیٰ" کی طرف ہے هُدَى اللّٰهِ ، اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ۔ یہ اضافت تشریفی ہے یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور عبادہ سے وہ حضرات مراد ہیں جو ہدایت کی استعداد رکھتے ہیں ۔
وَ لَوْ اَشْرَكُوْا ، اور اگر وہ انبیاء علیہم السلام باوجود علو مرتبت کے (بالفرض محال) شرک کریں لَحَبِطَ عَنْهُمْ ، البتہ باطل ہو جائے گا ۔ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ وہ عمل جو کرتے ہیں یعنی اُن کے اعمال ضائع اور برباد جائیں گے ۔

سبق : جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے اتنی تنبیہہ ہے تو ماوشما کس شمار میں اُن کے اعمال کجا اور ہمارے کردار کجا ۔ اس آیت میں سخت ترین زجر و توبیخ ہے ۔ اس میں عوام و خواص کی تخصیص نہیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی بے خوف نہ ہو ۸۸ اُولٰٓئِكَ ، انبیاء جو مذکور ہیں جن کی تعداد اٹھارہ ہے ۔ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ، وہ حضرات ہیں جنہیں ہم نے کتاب عنایت فرمائی ۔

ف : یہاں کتاب پر الف لام جنس کا ہے یعنی ہر وہ کتاب جو اپنے دور کے نبی کو ملی اور ایتان سے کتاب کی افہام و تفہیم مراد ہے ۔ یعنی اُن کتابوں میں جتنے حقائق و اسرار تھے ۔ ہم نے انہیں سمجھائے کہ اُن کا ہر چھوٹا بڑا مسئلہ ان حضرات کے احاطۂ علم میں آگیا ۔ خواہ ابتداءً اُن پر وہ کتاب نازل ہوئی یا بطریق وراثت کسی نبی علیہ السلام سے ۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کتابیں نازل نہیں ہوئیں ۔ وَ الْحُكْمَ ، اور حکمت یا فصل الخطاب جو حق و صواب کو مقتضی ہو ۔ وَ النُّبُوَّةَ ، اور رسالت فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا ، پس اگر اِن تینوں کو نہیں مانیں گے هٰٓؤُلَآءِ اہلِ مکہ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا ، تو ہم اُن کی پاسداری سپرد کریں گے اور اُن پر قبول کرنے اور اُن کی ادائیگی کے لئے توفیق دیں گے ۔ قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ ۝ ایسی قوم کو جو اُن کا انکار نہیں کرے گی ۔ یعنی اُن کے بجائے جو بھی دوسرے لوگ پیدا ہوں وہ کسی وقت بھی ان مذکورہ بالا امور کا انکار نہیں کریں گے ۔ ان سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اور یہاں کی صلہ اور بکافرین کی باء نفی کی تاکید کے لئے ہے ۔

۸۹ اُولٰٓئِكَ ، یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کہ جن کا ابھی ذکر ہوا الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حق اور راہ مستقیم کی ہدایت بخشی فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ پس آپ صرف اُن کی ہدایت کی اقتداء کیجئے اور کسی دوسرے کی اقتداء نہ کریں ۔

مسئلہ : حضور علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم صرف اعتقادیات یعنی ایمان باللہ

اور توحید و اصولِ دین میں ہے۔ شرعی احکام و مسائل کی اقتداء مراد نہیں۔ اس لئے کہ وہ قابلِ نسخ ہیں اور جو حکم منسوخ ہو جائے وہ قابلِ اقتداء نہیں ہوتا اور نہ ہی اُسے ہدایت کہا جاسکتا ہے۔

عقیدہ: تمام علماء کرام نے بالاتفاق اِس آیت سے استدلال کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ خصال کمالیہ اور صفاتِ برگزیدہ ان حضرات میں متفرق پائے جاتے ہیں۔ مثلاً سلیمان و داؤد علیہما السلام شکر سے موصوف تھے ایوب علیہ السلام صبر میں مشہور ہیں۔ یوسف علیہ السلام میں ہر دونوں صبر و شکر پائے جاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے معجزات کے جامع سمجھے جاتے تھے اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس علیہم السلام زہد میں شہرت رکھتے ہیں اور اسماعیل علیہ السلام صاحبِ صدق تھے۔ غرضیکہ جس صاحب میں کسی صفت کا غلبہ ہوتا اس سے وہ مشہور ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حضرات کی اقتداء کا حکم فرمایا تو لازماً جمیع اوصاف سے موصوف ہو کر تمام حضرات انبیاء علیہم السلام سے افضل ٹھہرے۔

(۱) ہر چہ بخوباں جہاں دادہ اند قسم تو نیکو تر ازاں دادہ اند

(۲) ہر چہ بنازند بداں دلبراں جملہ ترا ہست زیادت براں

ترجمہ (۱) جو کچھ خوبانِ جہان کو ملا ہے ہزار بار اس سے زائد آپ کو عطا ہوا۔

(۲) جس سے دلبران جہان نازاں ہیں یہ سب آپ میں ہیں بلکہ ہزاراں بار آپ اُن سے زائد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ "یعنی یہ وہی حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے ذریعے اپنی ذات کی طرف رہبری فرمائی۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ پس آپ بھی اُن کے طریقے کو اپنائیے اس لئے کہ وہ ایسے راہ پر گامزن ہوئے کہ اُن سے پہلے اس راہ پر کوئی نہ چلا تھا۔ یہاں تک کہ ہر ایک اپنی مقدار کے مطابق منزلِ مقصود کو پہنچا، چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو آسمانِ دُنیا پر اور یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دُوسرے آسمان پر اور یوسف علیہ السلام کو تیسرے پر اور ادریس علیہ السلام کو چوتھے پر اور ہارون علیہ السلام کو پانچویں پر اور موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے پر اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں پر دیکھا۔ آپ بھی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے راستے پر چل کر ان کی منزلیں طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پہ تشریف لائیے۔

فائدہ: سدرۃ المنتہیٰ ملائکہ کی آخری منزل ہے اس کے بعد آپ تمام نچلے مقامات کو طے کرتے ہوئے ارفع مقام پر پہنچے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی علیحدگی اختیار کر کے ذاتِ حق کے ذریعے عین ذات کی طرف بڑھتے ہوئے مقام قابَ قوسین او اَدنیٰ تک پہنچے یہ وہ مقام ہے

بقیہ صفحہ ۵۸۶

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ

اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیئے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا تم فرماؤ کس نے اتاری

الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ

وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے روشنی اور لوگوں کے لیے ہدایت جس کے تم نے الگ الگ کاغذ بنا لیے ظاہر

تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ

کرتے ہو اور بہت سے چھپا لیتے ہو اور تمہیں وہ سکھایا جاتا ہے جو نہ تم کو معلوم تھا نہ تمہارے باپ دادا کو اللہ کہو پھر

ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ

انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی

بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

جو آگے تھیں اور اس لیے کہ تم ڈر سناؤ سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی سارے جہان میں اس کے گرد ہیں اور وہ جو آخرت

یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝۹۲ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

پر ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر

اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ

جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی اور اسے کچھ وحی نہ ہوئی جو کہے ابھی میں اتارتا ہوں ایسا جیسا اللہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ

نے اتارا اور کبھی تم دیکھو جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ

اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے

غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ

ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال و متاع ہم نے تمہیں دیا تھا اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں

الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ

کو نہیں دیکھتے جن کا تم اپنے میں ساجھا بتاتے تھے بے شک تمہارے آپس کی ڈور کٹ گئی اور تم سے گئے جو دعوے کرتے تھے

تَزْعُمُوْنَ ۝۹۴

جیسے آپ سے پہلے نہ کسی نبی مرسل نے طے کیا نہ ملک مقرب نے۔

تفسیر عالمانہ : قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ ،، میں تم سے قرآن پڑھ کر سوال نہیں کرتا۔ اَجْرًا ،، مزدوری اور اس انعام کا جو مجھ سے قرآن سن کر دو جیسے مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے پر کسی سے انعام کے طلبگار نہ ہوئے۔

تفسیر عالمانہ ۹: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ، قدر بمعنے الحزر بمعنی تخمینہ اندازہ۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ قَدَرُ الشَّیْءِ یَقْدُرُ بالضم (باب نصر ینصر) قدراً یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی شیٔ کا اندازہ اور تخمینہ کیا جائے تاکہ اُس کی معلوم ہو سکے۔ پھر کسی شیٔ کی معرفت فی المقدار والاحوال والصفات میں مستعمل ہُوا۔ اسی وجہ سے جو شخص کسی شیٔ کو اُس کی شان کے لائق معرفت رکھتا ہو تو کہتے ہیں هُوَ یَقْدِرُ قَدْرَهٗ ،،

(ف) : حق قَدْرِهٖ ،، مفعول مُطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ دراصل مصدر محذوف کی صفت ہے کہ درحقیقت عبارت یوں تھی ،، قدر الحق ،،

(ف) : قدرہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اور قدروا کی ضمیر جمع یہود کی طرف۔

شانِ نزُول : مروی ہے کہ مالک بن الصیف (یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم اور لیڈر) چند یہودیوں کو لے کر مکہ معظمہ میں پہنچا تاکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سوالات کرے اور اِن سوالات سے صرف عناد مقصود تھا۔ اور وہ تھا بھی بہت موٹا۔ جب وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ معظمہ میں حاضر ہُوا تو حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ میں تجھے اُس ذاتِ اقدس کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی بتاؤ اس میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم (حواپرست) سے بغض

ربط : اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم فرمایا تو اب اس کی نظیر بتائی کہ اُن کے اقتدار کی مثال یہ ہے کہ جیسے اُنھوں نے بلا طمع تبلیغ حق فرمائی۔ آپ بھی محض رضائے حق کو مدنظر رکھ کر اپنی قوم کو تبلیغ فرمایئے۔

اِنْ هُوَ ،، نہیں وہ قرآن۔ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ٥ مگر نصیحت اور وعظ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عالمین کے لئے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہُوا کہ قرآن مجید مخصوص قوم کے لئے وعظ و نصیحت بن کر نہیں اُترا بلکہ ہر ایک کے لئے برابر طور نازل ہُوا ہے پھر نصیب اپنا اپنا۔

: اولیاء کرام کی زندگی اس نہج پر بسر ہوتی ہے کہ تعلیم و تبلیغ پر کسی سے دنیوی طمع نہیں

رکھتے اس لئے کہ تبلیغ و تعلیم پر اجر و مزدوری دنیوی اسباب سے ہے اور اہلِ آخرت اسباب سے مستغنی ہوتے ہیں وہ اہل اللہ اغراض و مقاصد سے ہٹ کر دینی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں لکھا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو عالم بھی ہے اور موٹا بھی ہے یہودیوں کی روٹیوں نے تجھے موٹا بنا دیا ہے۔ کھانے سے کبھی ہاتھ نہیں کھینچتا اس سے تمام لوگ ہنس پڑے۔ اس سے مالک بن الصیف سخت رسوا ہوا اور غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ جب یہ کہہ کر اپنی قوم کو مالک بن الصیف واپس لوٹا تو یہودیوں نے کہا غضب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر کچھ نازل نہیں فرمایا کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا۔ اس نے کہا چونکہ حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے غصہ دلایا اسی غیظ میں کہہ دیا۔ انھوں نے کہا تو اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ جس وقت تجھے غصہ آئے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان و افتراء تراشتا اور اپنے دین کو چھوڑ دیتا ہے۔ سب نے متفق ہو کر اس سے لیڈری چھین لی۔ کعب بن اشرف کو اپنا مقتدر اور لیڈر منتخب کر لیا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا نہ کیا اور اس کی قدر نہ کی کہ وہ کریم اپنے بندوں پر کتنا لطف و کرم فرماتا ہے بلکہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق کی ناقدری کی اور اُس کی نوازشات کے برعکس معاملہ کیا۔

(ف) معرفت کے بجائے قدر کا اطلاق اس لئے ہے کہ قدر معرفت کا سبب ہے اور اس کے ذریعے سے معرفت ہوتی ہے۔ گویا مسبب کے بجائے سبب مستعمل ہے۔

اِذْ قَالُوْا ،، جب رسل علیہم السلام کی بعثت مبارکہ کے منکرین اور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں سے انکار کرنے والوں نے کہا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ،، اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر بھی کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔ نہ وحی نہ کتاب بطور مبالغہ ہر کتاب و وحی کی نفی ہے ورنہ مقصود کو صرف قرآن مجید سے انکار اس لئے کہ اس مقولہ کے قائل یہودی تھے، چنانچہ ابھی شانِ نزول میں ہم نے لکھا قُلْ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تبکیتاً اور بطور اتمام حجت کے فرمائیے۔ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى ،، کتاب توراۃ کس نے اُتاری جسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے درانحالیکہ نُوْرًا ،، وہ نور تھی۔ یعنی ظاہر بنفسہٖ اور مظہر لغیرہٖ ،، فارسی میں نور کا معنیٰ ہوگا۔ روشنائی فرسندہ (روشنی دینے والی) وَهُدًى لِّلنَّاسِ ،، اور ہدایت دینے والی لوگوں کی۔ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ ،، درانحالیکہ تم اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتے اور اُس کے اوراق بدلتے تھے۔

(ف) یہاں پر حرف جر محذوف ہے۔ جبکہ کاغذ (دل) سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(ف) قراطیس قرطاس کی جمع ہے بمعنے صحیفہ۔ تُبْدُوْنَهَا ،، یہ قراطیس کی صفت ہے یعنی درانحالیکہ

تم کتابِ تورات سے صرف وہ ظاہر کرتے ہو جس سے تمہیں محبت ہے۔ **وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا** ،، اور ا
میں سے بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو۔ مثلاً حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک اور مناقب و کمالا
اور تصرفات و معجزات وغیرہ[1]۔ اسی طرح آیت رجم اُن کے علاوہ اور بہت سے احکام اُنھوں نے چھپا
رکھے تھے جو پوچھنے پر بھی نہیں بتاتے تھے۔ **وَعُلِّمْتُمْ** اور تمہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبا
اقدس کے ذریعے بہت سے معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں۔ **مَا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ**
جنہیں تم اور تمہارے آباؤ اجداد نہ جانتے تھے۔ اس سے وہ علوم شرعی احکام مُراد ہیں جو انہوں نے حض
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے۔ **وَعُلِّمْتُمْ** تخفونہ کے فاعل سے حال ہے اور اس سے
قد محذوف ہے اس لئے کہ صیغۂ ماضی حال بننے کے قابل اس وقت ہوتی ہے جب اس میں قد ظاہر ہو یا
ہو اس سے توبیخ میں تاکید مطلوب ہے یعنی جو کچھ اُنہوں نے تورات کے احکام اور اس کے مضامین میں
ہیرا پھیری اور الٹ پلٹ کی۔ بہت بُرا کیا ہے لیکن ان کی بدبختی مزید بہاں کہ وہ تورات جو اُن کے علو
معارف کا ماخذ تھی اس سے استفادہ کی بجائے اس میں توڑ مروڑ کر کے کچھ کا کچھ کر دیا۔ **قُلِ اللّٰهُ** ،، فرما
اے محبوب (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

(ف) اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یہودیوں کو یوں جواب عنایت
فرمائیے اس میں اشارہ ہے کہ یہی جواب منجانب اللہ متعین ہے۔ اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں تاکہ تن
ہو کہ وہ ایسے مبہوت ہیں کہ اب اُن سے کسی طرح کا جواب نہیں بن آتا۔

ثُمَّ ذَرْهُمْ ،، پھر انہیں چھوڑ دیجئے **فِيْ خَوْضِهِمْ** ،، وہ اپنے باطل امور میں خو
کرتے رہیں۔ آپ کے ذمہ تبلیغ تھی۔ اس کا آپ نے حق ادا کر دیا۔ اور اُن پر حجت قائم کر دی۔ اب اُن کو
پر رہنے دیجئے۔ **يَلْعَبُوْنَ** ،، یہ ذرھم کی ضمیر ھُم سے حال ہے اور فی خوضہم ذرھم کے یلعبون کے متعلق

(ف) جس عمل سے کسی قسم کا فائدہ نہ ہو اس کے لئے اہل عرب کہتے ہیں۔ **اِنَّمَا اَنْتَ لَاعِبٌ**
یعنی تم تو بالکل بیکار انسان ہو۔ **وَهٰذَا** ،، اور یہ قرآن **كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ** ،، وہ کتاب ہے ج
ہم نے ہی نازل کیا ہے۔

نکتہ: کتاب کو اَنْزَلْنٰہُ سے موصوف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے
جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اہتمام سے جبریل علیہ السلام کے ذریعے اپنے محبو
(کریم) صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی اور اس کی ہیئت کذائیہ اور ترکیب الفاظ کی فصاحت و بلاغت
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

---

[1] جیسے اب دیوبندیوں، وہابیوں، مودودیوں، تبلیغی جماعت اور احراریوں کی عادت ہے

مُبٰرَكٌ ،، بڑی برکت والی یعنی کثیر الفوائد و وفیر المنافع کتاب ہے۔

(ف) واقعی جو کچھ فرمایا حق اور مبنی برحقیقت ہے کہ یہ کتاب علوم نظریہ و عملیہ کو حاوی ہے جب کو معلوم ہے کہ علوم نظریہ میں سب سے برگزیدہ علم معرفت ذات وصفات وافعال واحکام الٰہیہ ہیں وہ بالاستیعاب قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری کتابوں میں اگر ان کا بیان ہے تو مکمل طور پر استیعاب نہیں۔ یہی کیفیت علوم عملیہ کی ہے۔ اس لئے کہ علوم عملیہ یا اعضاء سے متعلق ہیں یا قلب سے۔ ان ہر دونوں کے متعلق علوم کا دوسرا نام علم الاخلاق یا تزکیہ نفس ہے اور اس کا بیان بھی قرآن پاک تفصیل کے ساتھ اور مثالیں دے کر جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ دوسری کتابوں میں اس طرح نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ قرآن پاک مبارک بایں معنی ہے کہ وہ عوام کو اپنے مولیٰ سے ملنے کی دعوت دیتا ہے اور خواص کو رب تعالیٰ کے وصال کی رہبری کرتا ہے اور خواص الخواص کو رب تعالیٰ سے ملاتا ہے اور ان میں اخلاق خلاق پیدا کرتا اس لئے کہ قائدہ ہے کہ محبوب کا مکتوب عاشق کے زخمی قلوب کو شفا دیتا ہے۔

کسی عربی شاعر نے فرمایا ؎

وکتبك حولی لا تفارق مضجعی   وَفِیهَا شفاء لِلَّذِی أنا کاتمہ

ترجمہ : تیرے خطوط میرے اردگرد پڑے ہیں اس لئے کہ وہ میری اس بیماری کا علاج ہیں کہ جسے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔

(۱) ایں چہ منشور کریمست کہ ہر شکنش   بوئے جاں پرور احسان وعطامی آید

(۲) ایں چہ انفاس رواں بخش عبیر افشانست   کہ ازو رائحہ مشک خطامے آید

ترجمہ : (۱) کریم کا عجیب منشور ہے کہ اس کے ہر شکن سے احسان کی جان پرور خوشبو آتی ہے۔

(۲) یہ عجیب انفاس روح بخش عنبر پھیلانے والے ہیں کہ ان سے مُشک خطا (ملک) کی خوشبو آتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

: مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ،، اس سے پہلے جو کتابیں گذری ہیں اُن کی قرآنِ پاک تصدیق کرتا ہے۔ تورات کی بھی اس لئے کہ ان میں اس کے متعلق علامات ونشانات لکھے تھے۔ وہ سب اس میں پائے جاتے ہیں۔

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی ،، اس کا مبارک کے مدلول پر عطف ہے یعنی قرآن مجید میں برکات اور وہ باتیں بھی ہیں کہ آپ اپنی قوم یعنی اہل مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ یہاں مضاف لفظ اہل محذوف ہے کہ دراصل لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی ،، تھا۔ اس سے مکہ معظمہ مُراد ہے۔ اور اسے ام القریٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ زمین کے بچھانے کا آغاز اسی سے ہُوا۔ اس معنی پر یہ تمام زمین کا اصل ہُوا جیسے ماں تمام نسل کی اصل ہے۔ اسی مناسبت سے اسے ام القریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(ف) کاشفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ القریٰ قریہ کی جمع ہے۔ اور قریہ کا ماخذ قرا بمعنی جمع کرنا ہے؛ چونکہ لوگ وہاں پر جمع ہوتے ہیں۔ اس معنے پر اسے قریہ سے موسوم کیا گیا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ قریہ کا اطلاق لغۃً صرف دیہات سے مخصوص نہیں بلکہ ہر چھوٹی بڑی آبادی کا نام قریہ ہو۔ خواہ وہ دیہات ہو یا شہر[1] وَمَنْ حَوْلَهَا ۔ اور وہ جو اس کے گرد اگرد ہیں۔ یعنی تمام شرقی غربی لوگوں کو اے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔

تفسیر صوفیانہ

: تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ام القریٰ سے قلب کا وہ ذرہ مُراد ہے جس سے رُوزِ میثاق میں حق تعالیٰ مخاطب ہُوا۔ یہ ذرہ انسان کے قلب میں بطورِ امانت رکھا گیا ہے۔ اس سے تمام جسم کی زمین کو بچھایا گیا۔ اُوپر نیچے دائیں بائیں کے تمام اعضاء اسی کے اِرد گرد تخلیق فرمائے گئے۔ یعنی سمع۔ بصر۔ فؤاد۔ اخلاق صفات سب کے سب اسی ذرۂ قلب کے نُور سے منوّر اور اسی کے رازِ مخفی سے اسرار حاصل کرتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ انسانی مشین کے ایک ایک پُرزے کی بجلی کا پاور ہاؤس وہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ" اور وہ لوگ جو آخرت پر اور اس کے اندر جو عذاب و ثواب ہے ایمان رکھتے ہیں يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ" اور وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ انہیں اپنے انجام کی بربادی کا خوف رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ کتاب الٰہی میں پُورے طور غور و خوض کرتے ہُوئے اس کی تمام باتیں مانتے ہیں۔ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۞ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی جو لوگ کتابِ الٰہی کو مانتے ہیں وہ پانچوں وقت کی نماز پر مداومت رکھتے ہیں۔ اسی لئے یہی تمام عبادات و طاعات میں خصوصی طور ذکر کیا گیا۔

مسائل فقہیہ و تصوّف

: آیات سے چند مسائل و احکام ثابت ہُوئے جیسے مخلوق خالق کی نہ پُوری معرفت حاصل کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کی کنہ کو پہنچ سکتی ہے۔ یعنی تعینات الاسماء والصفات سے متجرد ہونے کی حیثیت اور اس کی ذات کی کنہ سے ادراک عاجز ہے ؎ بخیال در نگنجد تو خیال خود مرنجاں

ترجمہ: وہ خیال میں نہیں آسکتا اسی لئے خیال کو پریشان نہ کر۔

نکتہ

: جس نے اللہ تعالیٰ کو کسی آلہ مخلوقیہ سے پہچاننے کا دعویٰ کیا تو سمجھ لو کہ وہ غیر عارف ہے ہاں جو آلہ قدیمہ سے پہچاننے کا دم بھرے تو وہ اپنے دعوے میں سچا ہے جیسے بعض عارفین سے منقول ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّيْ بِرَبِّيْ لیکن اتنا قدر کہ جتنا اسے اللہ تعالیٰ

---

[1] البتہ عرف میں شہر کو قریہ نہیں کہا جاتا؛ چونکہ لغت پر عرف کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اب صرف دیہات کو قریہ کہا جائیگا۔ عفرلہٗ

نور قدیم کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد ہے۔ اسی ذریعہ سے اس ذات کا ادراک کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ ذات و صفات کا ادراک اس طرح سے کیا جاسکتا ہے کیونکہ اپنی معرفت کا حق صرف وہی جانتا ہے نہ غیر سے

کنہ خودم در خور اثبات تو نیست   دانندۂ ذات تو بجز ذات تو نیست

ترجمہ: میں اپنی عقل کی کمی کی وجہ سے تیرے اثبات کے لائق نہیں ہوں تیری ذات کو سوائے تیرے کوئی نہیں جانتا

ما للتراب و رب الارباب " کہاں ہم خاک کے پتلے اور کہاں وہ واجب الوجود۔

مسئلہ: موٹاپن کی مذمت ہے جیسا کہ آیت مذکورہ کے شان نزول میں معلوم ہوا۔

فائدہ: یاد رہے کہ یہاں پر موٹاپن سے مراد یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں تکلفات کر کے موٹا ہو جائے نہ وہ موٹاپن جو تخلیقاً ہو۔

حدیث شریف: قیامت میں بہت موٹے جسم والا مرد حاضر ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی مکھی کے پر برابر بھی وقعت نہ ہوگی۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قَالَ تَعَالیٰ: فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (قیامت میں ہمارے نزدیک ان کا کوئی وزن یعنی قدر و منزلت نہ ہوگی)

(ف) علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا اس لئے کہ ان کے اعمال کے بمقابلہ عذاب کچھ نہیں ہوں گے اور قیامت میں کوئی عمل خیر نہ ہو تو وہ جہنم میں جائیگا

مسئلہ: علامہ قرطبی نے فرمایا کہ اس سے باسمجھ لوگ خود سمجھ سکتے ہیں کہ موٹاپن وہی مذموم ہے جو صرف کھانے پینے اور آرام و آسائش میں لگا رہے اور جسم کے رکھ رکھاؤ میں کوشاں ہو اور اچھے اعمال میں ذرہ بھر بھی خیال نہ کرے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو زائد از ضرورت کھاتا پیتا ہے وہی موٹاپن اور آسائش کے گورکھ دھندے میں پھنستا ہے۔

مسئلہ: زندگی بحال رکھنے کے لئے بقدر ضرورت کھانا فرض ہے۔ ایسا کھانا ثواب ہے یعنی اس نیت سے کھائے کہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرسکوں گا۔ یا رات کو اتنا کھائے کہ دن کے روزے کو نبھاسکے ایسے طعام وغیرہ کھانے پینے پر ثواب پائے گا۔

مسئلہ: اپنی قوت و طاقت کے اضافہ کی نیت سے پیٹ بھر طعام وغیرہ کھانا پینا مباح ہے۔

مسئلہ: پیٹ بھر جائے تب بھی حرص کر کے اور کھائے تو حرام ہے بشرطیکہ اس میں کسی کی نیکی نہ ہو۔ مثلاً پیٹ بھر جانے کے بعد اس نیت سے زائد کھائے کہ کل کا روزہ رکھنا ہے۔ اس لئے قوت کا اضافہ ہوگا اور ضعف و کمزوری نہ ہوگی تو یہ جائز ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) باندازہ خود خور اگر مردی چنیں پُر شکم آدمی یا خمی
(۲) ندارند تن پروراں آگہی کہ پُر معدہ باشد زحکمت تہی

ترجمہ (۱) اپنے اندازہ پر کھا اگر تو جوانمرد ہے اتنا زیادہ کھاتا ہے کیا تو آدمی ہے یا مٹکا ہے۔
(۲) تن پرور لوگ کوئی خبر نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ معدہ طعام سے پُر ہو تو حکمت سے خالی ہے۔

حدیث شریف : مقاصد حسنہ میں امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث درج فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور عالم سے کراہت کرتا ہے اور تورات میں ہے اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور عالم کو مبغوض رکھتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے تن پرور قاری قرآن کو مبغوض رکھتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ما افلح سمین قط الا ان یکون محمد بن الحسن (رحمہ اللہ تعالیٰ) موٹا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا سوائے حضرت محمد بن حسن (حنفی) کے۔ اُس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا ہر موٹا تن پرور بے فکر ہو کر زندگی بسر کرتا ہے اور محمد بن الحسن اگرچہ موٹے تھے لیکن شب و روز دین کے مسائل میں متفکر رہتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اپنی زندگی کے چند لمحات میں بڑی بسیط اور ضخیم نوسو ننانونے (۹۹۹) کتابیں تصنیف کیں۔

نکتہ : دانا کو دو حالتوں سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔ (۱) آخرت اور مرنے کی فکر سے۔ (۲) کم از کم دنیوی معاش کا فکر تو ضرور رکھے اس لئے کہ موٹاپن چربی کی زیادتی سے ہوتا ہے اور چربی تفکرات سے پگھل جاتی ہے۔

فائدہ : جو شخص اِن دونوں فکروں سے خالی ہے تو اس کا جسم چربی سے بھرپور ہو کر وہ بشکل انسان درحقیقت حیوان ہوگا۔

اعجوبہ و حکایت : امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمانہ قدیم میں ایک بادشاہ تھا جو حد سے زیادہ جسیم و لحیم ہو گیا۔ مُلک بھر کے اطباء، ڈاکٹروں حکیموں وغیرہ) کو بُلا کر کہا کہ میرے لئے کوئی تدبیر کرو کہ جس سے میرا موٹاپن دفع ہو جائے۔ سب نے معذرت چاہی۔ اُس نے کہا تو کسی اور کو بلاؤ جو میرا علاج کرے۔ انہوں نے ایک ادیب، طبیب، ذکی فہیم نوجوان حکیم کا نام بتایا، چنانچہ اُسے بلوایا گیا۔ جب وہ بادشاہ کے ہاں حاضر ہوا تو بادشاہ نے بنظرِ حقارت کہا کیا یہی لڑکا میرا علاج کرے گا، چونکہ وہ سمجھدار تھا اس لئے بادشاہ سے کہا۔ بادشاہ سلامت میں صرف طبیب نہیں بلکہ منجم بھی ہوں۔ مجھے رات تک اجازت چاہیئے تاکہ میں دیکھ لوں کہ آپ کے ادویہ کس ستارے سے

سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ایک رات اسے مہلت دی گئی۔ صبح سویرے حاضر ہو کر عرض کی بادشاہ سلامت مجھے امان کا وعدہ کرو پھر کچھ عرض کروں گا۔ بادشاہ نے وعدہ کیا تو حکیم مذکر نے کہا بادشاہ سلامت میں نے آپ کا ستارہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ صرف ایک ماہ زندہ رہیں گے۔ اس مدت میں آپ کو علاج پر کثیر رقم خرچ کرنے کا کیا فائدہ اور ساتھ ہی مجھے قید کر لو۔ اگر میں اپنے قول میں سچا نکلا تو میری جان بخشی کا حکم فرمانا ورنہ مجھے سولی پر چڑھا دینا۔ بادشاہ نے اسے جیل میں ڈال دیا اور خود بھی اس فکر میں پڑ گیا کہ جب زندگی باقی صرف ایک ماہ ہے تو پھر عیش وعشرت کا کیا فائدہ۔ اس لئے حکم فرمایا کہ مجھ سے گانے بجانے اور دیگر عیش وعشرت کے سامان دُور کر لو۔ یہ کہہ کر خود بھی لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ دن گزرنے گئے اس کا غم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ضعیف ونحیف ہو گیا اور جسم کے اندر کی تمام چربی پگھل کر باہر نکل گئی۔ جب اٹھائیس دن ہوئے تو بادشاہ نے اس نوجوان حکیم کو جیل سے باہر نکلنے کا حکم دیے کر اپنے ہاں بلا کر فرمایا کہ اندریں مدت مجھے موت تو نہیں آئی۔ البتہ مجھے صحت وعافیت نصیب ہو گئی

اگرچہ تو جھوٹ بولنے پر سزا کا مستحق ہے لیکن چونکہ مجھے تیرے جھوٹ بولنے سے فائدہ ہُوا ہے اسی لئے میں تجھے معاف کرتا ہوں مگر یہ بتائیے کہ تم نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں کہا۔ حکیم نے کہا جناب عالی نہ میں علم غیب رکھتا ہوں اور نہ مجھے کسی کی موت وحیات کے متعلق معلومات ہیں اس لئے کہ جب میں اپنی موت وحیات سے بے خبر ہوں تو دوسروں کے لئے کیا کہہ سکتا ہوں دراصل وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے موٹاپے کو دیکھ کر ترس کھایا اور اس کا علاج سوائے چربی کے گھٹنے کے اور کوئی نہ تھا اور چربی گھٹانے کا طریقہ سوائے آپ کو غم میں ڈالنے کے ہو نہیں سکتا تھا اور آپکے حق کچھ کہا گیا وہ آپ سے ہُوا جس سے آپ تندرست ہو گئے۔ بادشاہ کو اس کی بات بہت پسند آئی اس لئے اس کی جان بخشی کے ساتھ اسے بیکراں انعام واکرام سے نوازا۔

لطائف : اہلِ عبارات نے قُلِ اللہ میں بڑے عجیب لطائف تحریر فرمائے۔ منجملہ اُن کے چند ایک یہ ہیں : لطیفہ (۱) شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ سے تفسیر فارسی میں منقول ہے کہ آپ نے قل اللہ الخ کی تفسیر میں فرمایا : اللہ بس و ماسواہ ہوس وانقطع النفس (اللہ کافی ہے اس کا، ماسوا ہوس ہے سانس ختم ہو گئے)

لطیفہ (۲) شیخ الاسلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ قل اللہ دل را سوئے او دار (دل اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر دو) ثم ذرھم غیر اورا فرو گزار (غیر اللہ کو دل سے ہٹا دو)

لطیفہ (۳) شیخ شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مریدوں سے فرما رہے تھے کہ "عَلَیْكَ بِاللّٰہِ وَدَعْ مَا سِوَاہُ" (اللہ تعالیٰ سے جی لگا کر ماسوی اللہ کو یک لخت دل سے دُور کر دو)

؎ چوں تفرقہ دل است حاصل ز ہمہ ۔۔۔ دل را بہ یکے سپار و بگسل ز ہمہ

ترجمہ: تمام مال کے حصول کے باوجود دل غیر مطمئن ہے اسی لئے دل ایک کو دے کر سب سے رشتہ توڑ دے۔

سبق: اِن لطائف اور آیت کے مضمون سے ثابت ہُوا کہ جو واصل باللہ ہونا چاہتا ہے اسے ماسوی اللہ سے انقطاع حاصل کرنا لازم ہے اس لئے کہ ماسوی اللہ لہو ولعب اور غفلت ہی غفلت ہے اور لہو و لعب میں مشغول ہونے والا کسی قطار و شمار میں نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ماسوا کے اشتغال سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

مسئلہ: آیت سے قرآن کی مدح اور اس کی فضیلت کا بیان ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے بندہ فوائد سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

حکایت و زیارت ربّ

: حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہُوا اور عرض کی یا الٰہی تیرے قریب لانے والے اعمال سے کونسا عمل افضل و اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرآن۔ میں نے دوبارہ عرض کی یا الٰہی خالی تلاوت کرنے یا اس کے فہم و تدبر کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ہر دو طریقوں سے۔ **مسئلہ**: قرآن پاک کے الفاظ کو دیکھنا بھی عبادت ہے پھر اس کی تلاوت دوسری عبادت۔

فضیلت تلاوت قرآن پاک

: حضرت حمید بن اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن مجید تلاوت کے بعد ختم کے وقت اللہ تعالیٰ سے دُعاء مانگتا ہے تو اُس کی دُعاء پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دُعاء و استغفار اور اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ صبح سے شام تک یا شام سے صبح تک یعنی اس کی تلاوت کے مختلف اوقات کی وجہ سے۔

(فائدہ) سمجھدار انسان پر لازم ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن مجید میں جدوجہد کرے۔ گرمیوں میں صبح کو اور سردیوں میں بعد مغرب تلاوت کرے تاکہ ملائکہ کی دُعا و استغفار کا وقت زیادہ نصیب ہو۔

حدیث شریف

: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ ،، تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن پاک سیکھ کر دُوسروں کو سکھائے۔

مَسْئلہ: لازم ہے کہ تلاوت و تعلیم قرآن مجید میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی جائے اور اس پر نہ اُجرت لی جائے اور نہ کسی سے شکریہ کا انتظار کیا جائے۔ صرف تقرب الی اللہ مطلوب ہو۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کی جائے کہ ہر ایک نے بہت بڑی دینی خدمات سرانجام دے کر قوم سے فرمایا: لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ،،

مسئلہ: کسی سے کچھ لے کر تعلیم حاصل کرنا تو جائز ہے لیکن صرف اس لئے تعلیم حاصل کرنا کہ کسی سے کچھ لیا جائے گا تو یہ حرام ہے (کذا الاسرار المحمدیہ)

مسئلہ: قرآن پاک کے پھٹے پرانے غلاف کتابوں کے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ بلکہ اس کے پرانے غلاف کو پانی سے دھو کر کہیں دفن کر دیا جائے۔

وہابیہ دیوبندیہ کا رد: صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں رواج ہے کہ قرآن پاک کے پرانے غلاف پانی میں دھو کر بیماروں کو پلائے جاتے ہیں اس طرح سے انہیں شفاء بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ (ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون)

مسئلہ: قرآن پاک تجوید اور نہایت بہتر لہجہ سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ وَحَسِّنُوْا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ الخ (ہماری جماعت میں شامل نہیں جو قرآن پاک کو اچھے لہجے میں نہیں پڑھتا اے میرے امتیو! قرآن پاک کو اچھی آواز سے پڑھو۔ اس لئے کہ اچھی آواز قرآن پاک کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔

فائدہ: بعض محدثین نے فرمایا کہ حدیث شریف میں تغنیٰ سے اچھا لہجہ مراد نہیں۔ بلکہ دنیا دنیوی اسباب کا استغناء مراد ہیں۔ اہل لغت کے ہاں بھی یہی اقرب ہے (کذا فی الاسرار)

مسئلہ: ظہیر الدین مرغینانی سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی پڑھانے والے کو اثنائے قرأت میں کہتا ہے۔ احسنت[1] تو وہ اچھا نہیں کرتا بلکہ اس کے کفر کا خطرہ ہے (اس لئے کہ اس نے ایک بُرے کام پر اس کی تعریف کی اس زمانہ میں اجرت پر پڑھانا گناہ سمجھا جاتا تھا)

مسئلہ: بزازیہ میں ہے کہ جو شخص الحان (موسیقی) سے قرآن پڑھتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ وہ قاری القرآن نہیں بلکہ وہ تو موسیقار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ الخ قرآن عربی ٹیڑھا نہیں"

حکایت: حجاج یوسف نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا تمہارے نزدیک کونسی آواز پسند ہے۔ ایک نے کہا آدھی رات کا وقت اور قرآن مجید پڑھنے والا تلاوت کرے۔ حجاج نے کہا خوب۔ دوسرے نے کہا مجھے وہ آواز محبوب ہے کہ میں اپنی عورت کو دردِ زہ میں مبتلا چھوڑ جاؤں تاکہ نماز ادا کروں ابھی

---

[1] (شرح الہدایہ لتاج الشریعۃ)

میں مسجد سے باہر نہ نکلوں تو کہنے والا کہے کہ نہیں مبارک تیرے گھر اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطاء کیا ہے۔ حجاج نے کہا واہ واہ۔ شعبہ بن علقمہ تمیمی بولا کہ بخدا مجھے تو وہ آواز پسند ہے کہ مجھے بھوک ستا رہی ہو تو طعام سے بھری ہوئی پلیٹوں کی آواز میرے کانوں میں پڑے۔ حجاج نے کہا تو اے بنی تمیمو! ہر وقت آمد و خرچ کی فکر میں رہتے ہو۔

(فائدہ) اس حکایت سے مقصد صرف اتنا ہے کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ٥ (ہر گروہ اس سے خوش ہوتا ہے جو اس کے پاس ہے) یعنی فکر ہر کس بقدر ہمہ اوست، خلاصہ یہ کہ دانشمند کو چاہیئے کہ وہ کلام الٰہی سے مانوس ہو اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرے گی۔

مسئلہ: قرآن مجید کے پڑھنے والے پر لازم ہے کہ وہ کلام الٰہی میں موسیقی کو دخل نہ دے اور نہ ہی فاسقوں فاجروں کے الحان کو تلاوت قرآن مجید میں شامل کرے[1]۔ بلکہ صرف عرب کے لحن پر تلاوت کرے پھر اُس پر نہ ظاہراً کوئی اعتراض ہوگا نہ باطناً (واللہ اعلم)

تفسیر عالمانہ

۹۲: وَمَنْ ، یہ مَنْ استفہامیہ اور مبتدا ہے۔ اَظْلَمُ ، یہ مبتدا کی خبر ہے۔ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ، کذبا افتری کا مفعول بہ ہے۔ یعنی اُس سے اور کوئی بڑا ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں گھڑتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اُسے بھی اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے جیسے مسیلمۃ الکذاب اور اسود عنسی۔ اُنھوں نے بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ یا اس سے اور کوئی بڑا ظالم نہیں جو جھوٹے احکام گھڑتا ہے جیسے عمرو بن لحی یہ وہی شخص ہے جس نے عالم دنیا میں سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین میں رخنہ اندازی کی اور بُت پرستی کے لئے بُت گھڑے اور بحیرہ و سائبہ جانور بتوں کے لئے مقرر کئے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے عمرو بن لحی کے متعلق فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں چادر کھینچتے ہوئے دیکھا۔

مسیلمۃ الکذاب کی کہانی: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ مسیلمۃ الکذاب مسجع کلام کا ماہر تھا اور کہانت میں بھی مہارت رکھتا تھا اور قرآن مجید کے مقابلہ میں سُورتیں اور آیات گھڑتا تھا، چنانچہ اُس نے سورۃ الکوثر کے بالمقابل کہا: اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الجماھر فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَهَاجِر اِنَّا کفینا المکابر والمجاھر، مسیلمہ نے الفاظ کا مقابلہ کیا لیکن گھٹیا قسم کے الفاظ

---

[1] ہمارے دَور کے حفاظ پر لازم ہے کہ وہ آداب تلاوت سے آگاہی حاصل کریں اور اکثر جاہل حفاظ قواعد قرآن کی پرواہ کئے بغیر موسیقی کے قواعد کے مطابق یا پھر گانے بجانے والے موسیقاروں کے طرز پر قرآن پڑھتے ہیں اُن کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے

بلکہ اور معانی کے لحاظ سے بھی ناقص ہے۔ اس کے باوجود اُس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اس نے دو قاصد بھیجے۔ آپ نے ان قاصدوں سے فرمایا کہ بتاؤ تم مسیلمۃ الکذاب کو بھی مانتے ہو۔ اُنہوں نے کہا ہاں جی ہم اسے نبی مانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب اور اختیار

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بیداری اور خواب کے درمیان دیکھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ میں تمام زمین کے خزانے رکھے گئے اِن میں دو سونے کے کنگن بھی تھے جو میرے ہاتھ میں آتے ہی سخت بوجھل ہو گئے جن سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ حکم ہوا کہ آپ پھونک ماریئے۔ میں نے انہیں پھونکا تو وہ میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ میں نے اس کی تاویل کی کہ اس سے دو جھوٹے مراد ہیں جو میں ان کے درمیان ہوں۔ ایک صاحب صنعاء دوسرا صاحب یمامہ۔

نکتہ : قاضی صاحب نے فرمایا کہ کنگن کا کذاب کی تاویل میں نکتہ یہ ہے کہ کنگن ہاتھ میں بمنزلہ بیڑی (قید) کے ہوتا ہے۔ جو بندے کو کام سے روکتا ہے۔ اسی طرح وہ دونوں جھوٹے نبی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرائے احکام شریعت کے لئے معارض ہوئے۔

فائدہ : صاحبِ صنعاء یعنی اسود عنسی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے مرض میں حضرت فیروز کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضور نبی پاک کو اس کے مرنے کی خبر سُنائی گئی تو آپ نے پوچھا اسے کس نے مارا۔ عرض کی گئی کہ فیروز نے مارا ہے۔ آپ نے فرمایا "فاز فیروز"، فیروز کامیاب ہوا اور صاحب یمامہ یعنی مسیلمہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مارا گیا اسے حضرت وحشی[1] نے قتل کیا۔ "وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ"، حالانکہ اس کی طرف کسی قسم کی وحی نہیں کی گئی شیئ معمولی طور بھی۔

عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ : عبداللہ بن ابی سرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی تھا۔ جب آیات وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَان

---

[1] یہ وہی وحشی ہے جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے مسیلمہ کو قتل کر کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے خون کا کفارہ ادا کر دینے کی کوشش کی ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اسی سبب میری بخشش فرما دیں۔

مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ،، اُترنے لگیں اور اَنْشَأْنٰہُ خَلْقًا آخَرَ ،، پر مضمون پہنچا تو عبداللہ کے منہ سے بیساختہ نکلا دو فَتَبَارَکَ اللہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۔ جب اُس نے انسانی تخلیق کا مضمون پڑھا تو متعجب ہو کر مذکورہ بالا الفاظ اُس کے منہ سے نکل گئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی عبارت بھی قرآن مجید میں لکھ دے۔ اس لئے کہ مجھ پر یہی الفاظ نازل ہوئے ہیں۔ اس سے عبداللہ کو شک گزرا کہ اگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اِس قول میں سچے ہیں کہ مجھ پہ اسی طرح نازل ہُوا ہے کہ میں بھی انہیں کی طرح کا ہوں کہ مجھ پر بھی وحی نازل ہُوا کرتی ہے۔ اگر معاذاللہ وہ جھوٹے ہیں تو پھر مجھے کونسی رکاوٹ ہے میں بھی نزولِ وحی کا دعویٰ کر دُوں ، چنانچہ وہ اسلام سے پھر گیا (مرتد ہوگیا) ۔ اور مشرکین سے جاملا۔ لیکن فتح مکہ سے پہلے تائب ہو کر پھر مخلصانہ طور اسلام قبول کیا جبکہ حضور علیہ السلام مرد ہ میں تشریف فرما تھے ۔ وَمَنْ اور اُس سے اور کون بہت بڑا ظالم ہے جس نے قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللہُ ،، کہا میں بھی ایسا قرآن نازل کرسکتا ہوں جیسا اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ ان سے مُراد کفار ومشرکین کا وہ گروہ ہے۔ جنہوں نے کہا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَا ،، اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کہہ سکتے ہیں ۔

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ ،، یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور تَرٰی کا مفعول محذوف ہے جیسا کہ اذ ظرفیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اگر تم ظالموں کو دیکھ لو۔ اس ترکیب پر الظالمون ،، مبتدا اور مابعد اس کی خبر ہے اور اذ جملہ کی طرف مضاف ہے۔ اور ظالمین سے مخصوص ظالمین مراد نہیں بلکہ مطلقاً اس کی جنس مُراد ہے اس لحاظ سے ہر قسم کے ظالم اس میں داخل ہیں خواہ وہ جھُوٹی نبوت کے مُدعی ہوں یا دُوسرے اور لَو کا جواب محذوف ہے جو کہ لرأیت امرًا عظیمًا ہے۔ یعنی اگر تم ان ظالمین کی وہی حالت (سکرات) دیکھو تو تمہیں بہت بڑا کریہہ منظر محسوس ہوگا ۔

فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ ،، موت کی سخت سے سخت تکلیفیں۔ غمرات غمرۃ کی جمع ہے بمعنے غلبۂ شدت غمرہ الماء سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو پانی سر کے اُوپر چڑھ کر اُسے پُورے طور ڈبو دے وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْہِمْ ،، اُن کی ارواح قبض کرنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہوتے ہیں۔ جیسے قرض خواہ قرض مانگتے وقت اپنے مقروض سے سختی کر کے ہاتھ اُٹھا کر یا اس کی گردن پکڑ کر کہتا ہے ابھی میرا قرضہ ادا کر دو ورنہ تیری جان نکال لوں گا یا ہاتھ پھیلانے سے مراد یہ ہے کہ عذاب کے فرشتے اسے عذاب دے کر کہتے ہیں۔ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ،، اپنی جانیں خود بخود نکال کر ہمارے حوالے کرو۔

(ف) ملائکہ کا یہ خطاب محض تغلیظاً ہوگا۔ ورنہ اِن بیچاروں ، کافروں ، مشرکوں ، ظالموں کو اپنی جان نکالنے کی قدرت کہاں یا انہیں طنزاً کہیں گے کہ اے ظالمو ! اگر تمہارے اندر کچھ جان ہے تو ہمارے عذاب سے نکل کر اپنی جان بچالو۔

اَلْيَوْمَ " موت کے وقت یا اس کے بعد کا وقت کہ جس کی پھر کوئی انتہا نہیں۔ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ " ایسے سخت عذاب کی تمہیں سزا ملے گی جو نہایت شدید ترین ہے۔

(ف) الهوان والهون بمعنے الحقارة بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ " اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہا کرتے تھے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد اور اُس کا شریک ثابت کرنا۔ اسی طرح جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے وحی کا افترا کرنا (جیسے دُوسرے جھوٹے نبیوں کی طرح مرزا قادیانی نے کیا) وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے اس لئے نہ تو اُن میں تامل سے کام لیتے اور نہ ہی ایمان لاتے ہو۔

حدیث شریف اور مومن کی موت

: مروی ہے کہ جب اہلِ ایمان پر نزع طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاں فرشتے تشریف لاتے ہیں جن کے پاس ریشمی پوشاک ہوتی ہے جسے عطر و کستوری سے معطر کیا ہوتا ہے اور اس پر بہشتی گلاب اور ریحان کے گلدستے رکھے ہوتے ہیں۔ اُس کی رُوح ایسے آسان طریقہ سے نکالی جاتی ہے۔ جیسے آٹے سے بال اور اسے کہا جاتا ہے۔ اے پاکیزہ نفس اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہو کر حاضری دے اور تجھ سے تیرا رب کریم بہت خوش ہے فلہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزاروں کرامتوں کے ساتھ روانہ ہو اور جب اس کی رُوح اس کے بدن سے نکال لی جاتی ہے تو اُسے اسی خوشبو اور گلدستوں میں اسی بہشتی پوشاک میں لپیٹ کر اعلیٰ علیین کی طرف پہنچایا جاتا ہے۔

کافر کی موت

: جب کافر پر نزع طاری ہوتی ہے تو اس کے ہاں فرشتے دوزخ کے ٹاٹ لاتے ہیں جن میں جہنم کے انگارے ہوتے ہیں۔ اُس کی رُوح جسم سے سختی سے کھینچی جاتی ہے اور اُسے کہا جاتا ہے اے نفس خبیث نہایت ہی ترش روئی سے اپنے جسم سے نکل اور آگے تیرا رب تعالیٰ بھی تجھ پر سخت ناراض ہے اور تجھے شدید ترین عذاب کی طرف دھکیلا جائے گا جب اُس کی رُوح اس کے جسم سے نکالی جاتی ہے تو اسے اسی انگاروں سے بھرے ہوئے ٹاٹ میں لپیٹا جاتا ہے اس وقت وہ کافر نہایت ہی گندی اور ڈراؤنی آواز سے چیخے گا لیکن اُسے فرشتے دھکیلتے ہوئے سجّین میں لے جائیں گے (کذا فی التفسیر ابی اللیث)

تفسیر صوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ ریاکاری سے آہ و فغاں اور عجز و انکساری کرتے ہیں اور اُن کے وجد و حال کا مظاہرہ صرف دکھاوے پر مبنی ہوتا ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بجائے انعامات کے خطرات و نظرات حاصل ہوتے ہیں اور انہیں زفرات و حسرات کے سوا اور کچھ نصیب نہیں۔ مانگ کر کھانے والے اور دُوسروں کے اُترے ہوئے کپڑے

پھنسنے والے کی طرح ہے ۔ ایسے لوگوں کے لئے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

اِذَا انسکبت دُمُوعٌ فی خدودٍ　　تبین مَنْ بکی مِمَّنْ تباکیٰ

ترجمہ : چہرے پر آنسو خود بتاتے ہیں کہ یہ حقیقی گریہ کناں ہے یا مصنوعی

(ف) وہ لوگ جو صرف بک بک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ربانی ترجمان کہلاتے ہیں اور تاثر دیتے ہیں کہ صرف وہی صاحب ارشاد ہیں ۔ حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذرہ برابر بھی اشارہ نصیب نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ جو باتوں میں کھینچا تانی کرتے ہیں اور کلام کو ایسا ملمع بناتے ہیں کہ گویا وہ خود نہیں بولتے بلکہ بلوائے جاتے ہیں اور اپنے زورِ بیان سے اسرار و حقائق کے مدعی بنتے ہیں اور عوام میں اثر دکھلاتے ہیں کہ یہی واصل باللہ اور کامل و اکمل ہیں تو یقین کر لو کہ یہ سب کے سب ظالم ہیں ۔ اُن کے ظُلم کے نقصانات اُن کے نزع رُوح کے وقت ظاہر ہوں گے کہ نہایت ہی سخت تکلیف سے اُن کی رُوح اُن کے جسم سے نکلے گی اس لئے کہ اُن کے تعلقات تو شہواتِ نفس سے جکڑے ہوئے تھے اور لذات دنیوی میں منہمک تھے ۔ انہیں اسرار و حقائق سے ذرہ برابر بھی نصیب نہیں تھا ۔ نہ ہی انہیں لذات آخرت سے کچھ نصیب تھا پھر وہ کب نزع رُوح کے وقت مسرور و مفروح ہو سکتے ہیں اس وقت ملائکہ قہر و جلال سے اپنے ہاتھ پھیلا کر بڑی شدت سے اُن کی رُوح نکالیں گے چونکہ اُن کے خیالات و ارادے افتراء و کذب اور مخلوق کے سامنے اپنے آپ کو رفیع المنزلۃ بنانے اور طرح طرح کے مراتب و کمالات دکھانے کے عادی تھے اس لئے اس قدر انہیں نزعِ رُوح کے وقت دُکھ اور درد پہنچے گا ۔ انہی لوگوں کے حق میں کہا جائیگا اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ یعنی انہیں حکم ہوگا کہ تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے آیات امانت رکھے گئے تھے ۔ لیکن تم نے اُن سے اعراض کیا اور تم ریاکاری میں مُبتلا رہے حالانکہ تمہارے شایانِ شان نہ تھا اس لئے اس عذاب میں مُبتلا کئے گئے ہو ۔

فوائد : (۱) رُوح کا جسم سے ایک یا دو یا تین دن تک تعلق منقطع رہتا ہے ، لیکن مخلوقات سے بہت زیادہ تعلق ہوگا ۔ اُن کے اَرواح کا اجسام سے کئی سال تک انقطاع رہتا ہے اور کفار و مشرکین کا ہمیشہ سے تعلق منقطع کر دیا جاتا ہے ۔

(۲) بعض گنہگاروں کا انقطاع تا قیامت رہے گا اور کفار تو عذاب کی شدت میں ہمیشہ ہمیشہ تک مُبتلا رہیں گے ۔ اِسے عذابِ الیم یا عذاب شدید سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

(۳) کچھ یہی کیفیت قبر میں بھی پیش آتی ہے ۔

حکایت : کسی ایک مجرم کی قبر کھودی گئی تو اس سے ایک بہت بڑا زہریلا سانپ نمودار

ہوا۔ پھر دوسری جگہ کھودی گئی تو اسی طرح وہی سانپ ظاہر ہوا، چنانچہ متعدد مقامات پہ یہی منظر دکھائی دیا۔ یہاں تک کہ تیس (۳۰) مقامات پہ سانپ بار بار نظر آیا۔ جب دیکھا کہ کوئی صورت نجات کی نہیں تو اُسے اسی سانپ کے ساتھ دفنایا گیا۔ یاد رہے کہ وہ سانپ اس کے بد اعمال کی صورت تھی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد   روزے کہ رختِ جان بجہاں دگر کشیم

ترجمہ "کوئی کام کر جائیں ورنہ شرمساری ہوگی۔ اس دن کہ جب ہم جان کا سامان دوسرے جہان کی طرف لے جائیں گے"

تفسیر عالمانہ ۹۴ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا "بے شک تم ہمارے ہاں حساب وکتاب اور جزا و سزا کے لئے آؤ گے"

(ف) ماضی بمعنی مستقبل ہے یعنی جئتمونا بمعنے تجیئونا ہے اس لئے کہ جہاں فعل کے وقوع میں تحقق ہو وہاں ماضی بمعنے مستقبل ہوتا ہے، چنانچہ دوسرے مقام پہ فرمایا اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ

شانِ نزول: آیت میں خطاب کفار قریش کو ہے اس لئے کہ اُنہوں نے فقراء مسلمانوں کو دیکھ کر تحقیراً و افتخاراً کہا چونکہ دُنیا میں ہم اموال و اولاد کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ فلہذا ہمیں آخرت میں عذاب نہ ہوگا۔

فُرَادٰى "فرد کی جمع ہے بمعنے منفردین یعنی آخرت میں تم اموال و اولاد کے ساتھ نہیں ہوگے بلکہ اکیلے اکیلے حاضر ہوگے بلکہ اُس وقت تم سے دُنیا کے اسباب چھین لئے جائیں گے **كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ** "یا فُرادٰی کے ضمیر سے حال ہے یعنی تمہاری کیفیت وہی ہوگی جو پیدائش کے وقت تھی کہ جسم اور پاؤں سے ننگے اور غیر مختون یعنی جس طرح دُنیا میں آرائش کے ساتھ گزارتے تھے اس وقت وہ کیفیت نہ ہوگی بلکہ جس طرح بچہ پیدا ہوتے ہی ننگا اور بالوں سے صاف ہوکر آتا ہے ایسے ہی قیامت میں آئیں گے۔

حدیث شریف: سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قیامت میں جسم اور پاؤں سے ننگے ہوکر اُٹھائے جائیں گے۔ سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی حضور! یہ کیسے ہوگا جبکہ عورتیں اور مرد ننگے ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت ہر ایک اپنے عرق میں غرق ہوگا پھر کیسے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔ **وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ** "اور جو کچھ ہم نے تمہیں دُنیا میں دیا ہوگا اسے تم چھوڑ کر آخرت کے پروگرام میں مشغول ہوگے۔

(حل لغات) التخویل بمعنے تملیک الخول یعنی نوکروں چاکروں کا مالک بنا دینا خول بمعنی

الخدم والاتباع - اس کا واحد خائل آتا ہے یا التخویل ،، بمعنے الاعطاء علی غیر جزاء یعنی کسی کو کوئی شے مُفت عطاء کرنا۔ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ،، یعنی جو کچھ دُنیا میں حاصل کیا وہ تمام کا تمام اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دو گے بال برابر بھی ساتھ نہیں لے جاؤ گے بخلاف اہلِ ایمان کے اُنہوں نے دُنیا میں اپنے عقائد صحیحہ کے لئے جد وجہد کی اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے اس لئے وہ اعمال صالحہ وغیرہ قبروں میں ساتھ لائے ہیں جو آج قیامت میں انہیں کام دے رہے ہیں اس لحاظ سے وہ آج اکیلے نہیں بلکہ اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ اُن کے بہترین ساتھی ہیں ؎

چوں ازیجا وارہی آنجا روی ؛ درشکر خانہ ابد شاکر شوی

ترجمہ : جب تو اس علاقہ سے جان رہائی پائیگا تو وہاں پہنچیگا تو شکر خانہ میں ہمیشہ شکر کا صلہ پاتا رہے گا۔

وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمْ ،، اور آج ہم تمہارے سفارشی تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے شفعاء سے اُن کے بُت مُراد ہیں۔ اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ،، جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ وہ ربّ تعالیٰ کی ربوبیت اور استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ بلاشک آج تمہارے اور تمہارے معبودوں کے درمیان جُدائی واقع ہوگئی۔

(ف) یہ اس محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہتے ہیں جمع بین الشیئین ،، یعنی فلاں نے دو چیزوں کے درمیان اجتماع واقع کیا۔

(ف) تفسیر کاشفی میں ہے منقطع گشت آنچہ میاں شما بود از وصلت و مؤدت۔ یعنی تمہارے اور اُن کے مابین جو مؤدت بھی وہ منقطع ہوگئی۔ وَضَلَّ عَنْكُمْ ،، اور تمہارے سے باطل ضائع ہوگیا۔ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وہ جو تمہارا گمان تھا کہ یہی تمہارے سفارشی ہیں لیکن وہ بیچارے تم پر سے عذابِ الٰہی کو دُور نہ کر سکے۔ یا تمہارا گمان تھا کہ یہ ربوبیت اور استحقاق عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔

(ف) سیاق و سباق کے لحاظ سے یہی دوسرا معنی زیادہ موزوں ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا۔

بہترین تقریر : انسان کے دشمن چار ہیں : (۱) مال (۲) عیال (۳) اولاد (۴) دوست و احباب۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہی چاروں قبر میں ساتھ نہیں جاتے بلکہ بندہ قبر میں اکیلا اور تنہا رہ جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کے دوست بھی چار ہیں : (۱) کلمہ شہادت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) ذکرِ الٰہی یہ چاروں نہ صرف قبر کے ساتھی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے ساتھی کی سفارش بھی کریں گے اور لطف یہ ہے کہ مرنے کے بعد یہ چاروں اپنے ساتھی کو کسی وقت بھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنی قبر کی تنہائی کے لئے کچھ سوچے اور قیامت میں جب ننگا ہوگا تو اس وقت کا لباس آج تیار کر کے ساتھ لے جائے اور قیامت کا تقویٰ وطہارت لباس ہے اور انسان کا بہترین ساتھی عمل صالح ہے۔

حدیث شریف : ہر بندے کا عمل قبر میں ساتھ مدفون ہوتا ہے۔ اگر عمل نیک ہے تو بندے کی بہت بڑی عزت ہوتی ہے اگرچہ وہ بندہ دنیا میں کتنا ہی بے وقار سمجھا جاتا ہو۔ وہ عمل صالح اپنے ساتھی سے انس کرتا ہے۔ اُسے خوشیاں دلاتا ہے بلکہ اس کی قبر کو فراخ اور نورانی بناتا ہے۔ اسے ہر قسم کے شدائد اور ہولناکیوں اور عذاب الٰہی سے بچاتا ہے کسی قسم کی خرابی اس کے قریب نہیں بھٹکنے دیتا۔ اگر عمل بُرا ہو تو اپنے ساتھی کو ڈراتا دھمکاتا بلکہ اس کی قبر کو کالی سیاہ اور نہایت تنگ عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شدائد اور ہولناک باتوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا بلکہ ہر ممکن خرابیوں میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

سُورۂ یٰسین شریف کا فائدہ : امام یافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بعض بزرگوں سے سُنا ہے فرمایا کہ بلادمین میں ایک شخص قبر میں دفنایا گیا تو اس کی قبر سے چیخ و پکار سنائی دی اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ گویا اُس کی سخت پٹائی ہو رہی ہے تھوڑی دیر کے بعد اس کی قبر سے ایک سیاہ کالا کُتا نکلا۔ ہم نے کہا خدا تیرا بھلا کرے تو کیا ہے۔ اس نے کہا میں اس بندے کا عمل ہوں۔ ہم نے پُوچھا کہ وہ دھاڑیں کیوں مارتا تھا۔ اُس نے کہا میرے ستانے سے لیکن اس کی خوش بختی کہ سُورۂ یٰسین اور اس طرح کی کئی اور سُورتیں آئیں اور مجھے اس سے دُور کیا۔

سبق : عمل صالح کیسا ہی ہو بُرے اعمال پر غالب آجاتا ہے۔ دیکھئے اس بندے کے نامعلوم کتنے بُرے عمل ہوں گے لیکن سُورۂ یٰسین کی برکت سے نجات نصیب[1] ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے فضل وکرم سے بخش دیا۔ اگر بُرے اعمال انگنت اور نیکیاں قلیل ہوں تو بُرائیاں غالب ہوجاتی ہیں اور ایسا شخص سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا۔

غم وشادمانی نہ ماند ولیک — جزائے عمل ماند ونام نیک
مکن تکیہ بر ملک وجاہ وحشم — کہ پیش از تو بُود ست وبعد از تو ہم

---

[1] اس سے ثابت ہُوا کہ اہل سُنت کا معمول کہ میت پر سُورۂ یٰسین اور قبر میں سُورۂ مُلک وغیرہ وغیرہ پڑھنا فائدہ مند ہے لیکن وہابیہ دیوبندیہ معتزلہ کے نقش قدم پر نہ صرف روکتے بلکہ بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ فافہم۔

۵ـ (۱) غم و شادمانی نہیں رہے گی جزائے اعمال رہے گا اور نیک نامی ۔
(۲) ملک و جاہ و حشم پر تکیہ نہ کر کہ تیرے سے پہلے بہت گزرے نہیں اور بعد کو بھی ۔

تفسیر صوفیانہ

: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی ،، یعنی تم دُنیا میں تن تنہا حاضر ہوئے تو تمہیں ایک چھوٹے سے کپڑے میں لپیٹا گیا۔ پھر جب دُنیا سے رُخصت ہوگے تو بھی تمہیں اسی طرح کپڑوں میں لپیٹا جائے گا (وہ بھی قسمت میں اگر لکھا ہے ورنہ بے شمار بندگانِ خدا بے گور و کفن دُنیا سے رُخصت ہوئے) اس میں اشارہ ہے کہ متجرد ہو کر آنا ہوا اور متجرد ہو کر روانہ ہونا ہے لیکن سر پر گناہوں کا بوجھ ہوگا۔ اگر اعمال صالحہ ہیں تو خوشی اور راحت ورنہ دُکھ اور درد۔ اس وقت نہ مال کام دے گا نہ دُنیوی جاہ و حشم اور نہ ہی کوئی سفارشی جان چھڑائے گا۔ بلکہ تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ حال زار ہوگا اور تمام سکیمیں ملیامیٹ ہو جائیں گی اور تمام کاروائیاں بیکار ہو کر رہ جائیں گی۔

دُوسری تقریر صُوفیانہ

: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کا وصال تجرید تفرید و توحید سے نصیب ہوتا ہے۔ تجرید سے دُنیا کے تعلقات مٹانے کا نام ہے اور تفرید بمعنی دُنیا و آخرت سے علیحدگی اختیار کر کے رجوع الی اللہ کرنا یہاں تک کہ کونین کا تصور بھی ذہن میں نہ ہو جیسے ابتدائے پیدائش کے وقت کونین سے بے خبر تھا۔ ایسے اب اپنا حال پیدا کرے، چنانچہ فرمایا : وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ،، اول مرۃ سے مُراد رُوح کی ابتدائی تخلیق جبکہ وہ ابھی جسم میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے کہ جسم میں داخلہ کی اس کی دُوسری تخلیق ہے۔ کما قال تعالیٰ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ اور فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ، بندہ اللہ تعالیٰ تک اُس وقت پہنچتا ہے۔ جب دنیا اور آخرت کے تعلقات سے متجرد و متنفر ہو جائے کما قال تعالیٰ وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ،، یعنی جو کچھ ہمارے انعامات تم پر ہوئے دونوں جہانوں کے تعلقات کو پسِ پشت ڈال دو گے تو وصالِ الٰہی نصیب ہوگا۔ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ،، یہاں پر شفعاء سے اعمال صالح مُراد ہیں یعنی سالک کا گمان ہوتا ہے کہ یہی اعمال و احوال اس کے وصالِ الٰہی کے وسیلہ ہیں۔ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ لیکن جب سالک کو سیر الی اللہ نصیب ہو جاتی ہے تو یہ اعمال و احوال سب منقطع ہو جاتے ہیں۔

فائدہ : جبریل علیہ السلام کو سیر سدرۃ المنتہیٰ تک تھی اور یہی تمام سیر کرنے والوں کی آخری منزل ہے فرشتے ہوں یا انسان۔

(ف) توحید بمعنے صفات واحدیۃ کے ساتھ تجلی حق سے فیض وحدانیت قبول کرنے کے لئے موحد ہونا

بقیہ صفحہ ۶۰۶

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ

بے شک اللہ دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مردہ سے نکالنے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے

الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ

والا یہ ہے اللہ تم کہاں اوندھے جاتے ہو تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا اور اس نے رات کو

الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ

چین بنایا اور سورج اور چاند کو حساب یہ سادھا ہے زبردست جاننے والے کا اور وہی

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ

ہے جس نے تمہارے لیے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِيْ أَنْشَأَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

ہم نے نشانیاں مفصل بیان کردیں علم والوں کے لیے اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ

پھر کہیں تمہیں ٹھہرنا ہے اور کہیں امانت رہنا بے شک ہم نے مفصل آیتیں بیان کردیں سمجھ والوں کے لیے اور وہی ہے

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ

جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس سے نکالی سبزی جس میں سے دانے

مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ

نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے پاس پاس گچھے اور انگور کے

أَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انْظُرُوا إِلٰى ثَمَرِهٖ إِذَا

باغ اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ اس کا پھل دیکھو

أَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۚ إِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ

جب پھلے اور اس کا پکنا بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے اور اللہ کا شریک ٹھہرایا

الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

جنوں کو اور حالانکہ اسی نے ان کو بنایا اور اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گڑھ لیں جہالت سے پاکی اور برتری ہے

يَصِفُونَ ﴿١٠٠﴾

اس کو ان کی باتوں سے

(بقیہ تفسیر از صفحہ ۶۰۴) تاکہ بندہ اِرجعی اِلیٰ ربِّک کے جذبہ سے مقام وحدت تک پہنچ سکے۔ اگر اسے جذبات ربوبیت کے ساتھ عنایت ازلیہ اس کا تدارک نہ کرے تو بندہ سیر فی اللہ باللہ سے منقطع ہوکر وہ سدرۃ المنتہی میں پھنسا رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی حکایت میں فرمایا: وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ معلوم (فافہم) کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

: اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ (حل لغات) الفلق بمعنی کسی شئے کو کھول کر چیرنا۔ الحب حبۃ کی جمع ہے۔ ان تمام بیجوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو ضروریات زندگی کے لئے کام آتے ہیں۔ جیسے گندم جو باجرہ وغیرہ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ خشک بیج سے سبزہ زار پیدا فرماتا ہے۔ وَالنَّوٰی،، یہ نواۃ کی جمع ہے ہر وہ شئ جو ثمر کے اندر ہو یعنی گٹھلی جیسے آم کشمش کھجور وغیرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت رکھتا ہے کہ گٹھلی کو چیر کر درخت بناتا ہے

اگرچہ وہ گٹھلی بہت سخت تھی، لیکن زمین میں جڑ کر بہت بڑا درخت بن گئی۔ جس پر بڑے بڑے پتے اور بڑی بڑی ٹہنیاں پیدا ہوئیں۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ،، یہ ماقبل کا بیان ہے۔ یعنی حیوانات و نباتات کو پیدا کرتا ہے۔ ایک بے جان نطفے اور دانے سے کہ جن کی بظاہر کوئی طاقت ہی نہیں وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ میت کو نکالنے والا ہے۔ اس سے نطفہ اور دانہ مراد ہے مِنَ الْحَیِّ،، زندہ حیوانات و نباتات مراد ہیں۔ اس کا فالق الحب پر عطف ہے۔ حی و میت سے مجازاً نامی و جامد مراد ہے اس لئے کہ نامی کو حی سے اور میت کو جامد سے مشابہت ہے۔ اس لئے کہ حی حقیقی وہ ہے جو صفت حیات سے موصوف ہو جس میں حس اور حرکت ارادیہ ہو اور میت حقیقی وہ ہے جو صفتِ حیات سے خالی ہو لیکن اُس کی شان یہ ہے کہ اسے حیاۃ سے موصوف ہونا چاہیئے تھا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے یہاں پر حی و میت کا حقیقی معنیٰ مراد لیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ (نطفہ) مردہ سے انسان (زندہ) اور مرغی زندہ سے انڈا (مردہ) پیدا فرماتا ہے۔

(ف) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اُنھوں نے فرمایا حی سے مومن اور میت سے کافر مراد ہے یعنی (جیسے آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام لیکن یہ قول مخدوش بلکہ مردود ہے) اور کافر مومن سے پیدا کرتا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے کنعان۔ اسی طرح مطیع سے عاصی اور عاصی سے مطیع اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم اور عاقل سے احمق اور احمق سے عاقل۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے حروف میتہ کی گٹھلی سے نخل ایمان اور زندہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ سے منافقت کا مردار پیدا فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ : ذٰلِکُمُ ،، وہ قادر عظیم اَللہُ صرف وُہی مستحق عبادت ہے فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ہ پس تم کہاں اوندھے جاتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے رُوگردانی کر کے اُس کے غیر کی عبادت میں مشغول ہوتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

حل لغات : الافک بمعنے قلب الشئ وصرفہ ،، یعنی کسی کو اپنی جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کرنا۔

(ف) یہ خطاب کفار مشرکین کو ہے اس لئے کہ یہ سُورۃ مکیہ ہے۔

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ،، تاریکی چاک کر کے صبح نکالنے والا ہے۔ یہ اَنَّ کی دُوسری خبر ہے۔

(ف) "الاصباح ،، بکسر الہمزہ بمعنی ضوء نہار میں داخل ہونا۔ ضوء نہار کا دُوسرا نام صبح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بیاض نہار اور اس کی چمک سے صبح کے عمود ظاہر کرنے والا ہے۔

وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا ،، اور اسی نے رات کو چین و آرام بنایا کہ دن کا تھکا مارا رات کو آرام کرتا ہے۔ سَکَنَ اِلَیْہِ سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے خوش ہو کر مطمئن ہو یا اس لئے رات کو سَکَنًا کہا جاتا ہے کہ لوگ اس میں سکون پذیر ہوتے ہیں؛ چنانچہ دُوسرے مقام پر فرمایا لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ ،، (تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو)

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سُورج و چاند بنایا حُسْبَانًا ،، حساب مختلف ادوار کی وجہ سے کہ اُن سے شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سُورج کی حرکت مقرر فرمائی ہے وہ اپنے دورہ کو ایک سال میں مکمل کرتا ہے اور چاند کی بھی حرکت مقرر ہے کہ وہ فصول اربعہ سے انتظام پذیر ہوتے ہیں جیسے پھلوں کا پکنا۔ اسی طرح دُوسرے وہ اُمور جو کھیتوں و نسلوں سے متعلق ہیں کہ جن پر عالم دنیا کا قوام ہے۔

نکتہ : چاند کا ہر رات نئی منزل میں ہونا اور سال میں چاند کا متعدد بار طلوع و غروب یعنی بارہ مہینوں میں مقرر کرنے میں بھی یہی نکتہ ہے کہ انسان اپنے قرضہ جات وغیرہ کی میعاد اور دیگر مختلف امور کے لئے مناسب اوقات متعین کر سکے۔ اب جَعَلَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ،، کا مفہوم واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سُورج و چاند کو تمہارے حساب کی صحت کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

: الحسبان بالضم مصدر ہے بمعنے الحساب یعنی شمار کرنا (نَصَرَ یَنْصُرُ) بکسر الحاء

ہو تو از باب عَلِمَ یَعْلَمُ بمعنے الظَّنِّ والتخمین ہوگا۔

نکتہ : سُورج کو چاند سے مقدم کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ سُورج کی روشنی چاند پر غالب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سُورج تمام افلاک کے چاند ستاروں کے انوار کا مرکز و معدن ہے۔ بلکہ یُوں کہو کہ نُورانیت کے لحاظ سے سُورج اصل ہے۔ کیونکہ تمام چاند ستارے اسی سے نُور حاصل کرتے ہیں اور جس قدر چاند ستارے سُورج سے تقابل رکھتے ہیں۔ اسی قدر اُس سے نُور پاتے ہیں۔

فائدہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ چاند کا نُور اپنا ذاتی ہے۔ بلکہ یہ بھی منجملہ عالم انوار میں سے ایک ہے اور یہ نقص جو اسے ہر ماہ لاحق ہوتا ہے۔ یہ اس کی کثافت کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ کمی بیشی اس میں نہ ہو تو مہینوں اور سالوں کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوسکیں۔

فائدہ : سُورج اور چاند اسی تعین کی دو آنکھیں ہیں۔ ان کا باقی حصّہ اُوپر کی طرف ہے۔ یہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں یہ اُن کی وہ کیفیت ہے کہ جب آنکھ کھولتے ہیں تو ہمیں اُن کا جرم (جُثّہ) نظر آنے لگتا ہے جو آنکھیں بند کر لیتے ہیں تو ہماری آنکھوں سے اُوجھل ہو جاتے ہیں۔

فائدہ : ستارے آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ اُن کا نُور اس سُورج کے نُور کا عکس جو اُن کے عروج پر منعکس ہوتا ہے تو یہ روشن نظر آتے ہیں۔

فائدہ : ستاروں کے سقوط کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ سُورج ایک مقام سے دُوسرے مقام کی طرف انہیں دفع کرتا ہے، لیکن یہ باتیں صرف اہلِ سلوک جانتے ہیں۔ حکماء اِن حقائق سے بے خبر ہیں۔

اعجوبہ : عالم آخرت کے لیل و نہار اس روشنی و تاریکی سے نہیں بلکہ اُن کی کوئی اور علامت ہے وہ یہ کہ تجلیاتِ حق سے اُن پر جلوہ گری ہوگی۔ لیل بھی اسی تجلی کی جلوہ گاہ ہے اور نہار بھی لیکن اسے صرف اہلِ حق جانتے ہیں۔

(ف) یاد رہے کہ وہاں آخرت میں ظلمت ہوگی کیسے جبکہ وہاں نُورِ الٰہی کا غلبہ ہوگا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بہشت کے اشجار کا صرف ایک پتہ عالم دُنیا میں آکر گرے تو عالمِ دُنیا کا ذرّہ ذرّہ نُور سے روشن ہو جائے۔

ذٰلِكَ " یہ اشارہ سُورج اور چاند کو حُسبان بنانے کی طرف ہے یعنی سُورج و چاند کو سیر کرانا جیسا

عزیب طریقے اور حساب معلوم سے ہے۔ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ،، اسی غالب کریم کا مقدر کرنا ہے جس کا سورج وچاند پر غلبہ ہے اور جس نے مخصوص طریقہ کے ساتھ انہیں افلاک کی سیر کرائی الۡعَلِیۡمُ وہی کریم جانتا ہے کہ ان میں کتنا منافع ہیں اور مخلوق کے مصالح اُن سے کس قدر متعلق ہیں اور ان کی معاش و معاد اُن سے کس طرح مربُوط ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

(۱) ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ❁ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

(۲) ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار ❁ شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرمان نبری

ترجمہ : ابر و باد اور چاند اور سورج اور آسمان کام میں ہیں تاکہ تو روٹی ہاتھ میں لیکر غفلت سے نہ کھائے۔

(۲) سب کے سب تیرے لئے پریشان اور فرمانبردار ہیں شرطِ انصاف نہیں کہ تو اس کا فرمان پُورا نہ کرے۔

وَهُوَ الَّذِيۡ ،، اور وہ اللہ تعالیٰ جو قدرت کاملہ کا مالک ہے جَعَلَ لَكُمُ ،، تمہاری خاطر بنائے اور صرف تمہارے لئے پیدا فرمائے۔ النُّجُوۡمَ ،، ستارے جو مختلف مقامات میں ہیں۔ کوئی شمال میں کوئی جنوب میں۔ کوئی مشرق کی جانب میں ہے کوئی مغرب کی جانب۔ لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا فِيۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کی تاریکیوں میں راہ پا سکو۔

(ف) ظلمات کی اضافت بر و بحر کی طرف ملابست کی وجہ سے ہے اس لئے کہ ان میں راہ حاصل کرنے کی ضرورت تاریکیوں میں پڑتی ہے۔

(ف) حدادی نے لِتَهۡتَدُوۡا بمعنی لتعرفوا کیا ہے تاکہ تم ستاروں کے ذریعے ایک شہر سے ہے دُوسرے شہر کا راستہ معلوم کر سکو وہ شہر جو جنگلوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں واقع ہیں اور پھر سفر بھی رات کو کرنا پڑے تو پھر راستہ سوائے ستاروں کی رہبری کے نہیں مل سکتا۔ اس لئے کہ اس وقت چلنے والا کسی ایک معین ستارے کو اپنے منہ کے سامنے رکھ کر چلتا ہے۔ بعض موقعہ پر اس ستارے کو دائیں جانب رکھ کر چلنا پڑتا ہے۔ اسی طرح بعض موقعہ ستارے کو بائیں جانب رکھنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ستارہ پیٹھ کے پیچھے کر کے راستہ طے کرنا پڑتا ہے جیساکہ جنگلوں اور دریاؤں کو راستے طے کرنے والے جانتے ہیں کہ مذکور بالا طریقوں سے انسان اپنی منزل کو پالیتا ہے۔

(ف) علاوہ مذکورہ بالا فوائد کے ستاروں میں بے شمار دیگر فوائد ہیں۔ مثلاً وہ آسمان کی زینت ہیں اور اُن سے شیاطین کو مارا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ ،، ہم نے آیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے یعنی ہم نے ہر آیت کو علیحدہ علیحدہ اور واضح طور بیان کر دیا ہے۔ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝ علم والوں کے لئے۔

سوال : اہلِ علم کی تخصیص کیوں حالانکہ قرآنی آیات تو ہر ایک کے لئے تفصیل ہیں۔

جواب : چونکہ صرف وہی اُن سے انتفاع کے دَرپے رہتے ہیں۔ اسی لئے اُن کی تخصیص کی گئی ہے۔
۹۸ وَهُوَ الَّذِیۡ اَنۡشَاَکُمۡ ،، اور اللہ وہ ہے جس نے تمہاری کثرت کے باوجود پیدا کیا۔ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ،، صرف ایک نفس سے یعنی اکیلے آدم علیہ السلام سے۔ اس لئے کہ ہم تمام انہی سے پیدا کئے گئے اور بی بی حوا بھی اُن کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ اس سے ثابت ہُوا ہم سب صرف ایک نفس سے پیدا ہوئے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم سے پیدا ہوئے اور وہ اپنے آباؤ امہات کی نسبت سے آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس تخلیق کا احسان اس لئے جتلایا کہ جب کوئی کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ اُس کا اور ہمارا دادا ایک ہے تو پھر ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوتا اور اگر بعض لوگ ناراض بھی ہوں تو محسوس نہیں کرتا۔

اصل کائنات حضرت محمّد مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں

آیت میں اہلِ عرفان فرماتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اُن سے تمام انسان پیدا ہُوئے۔ اسی طرح سب سے پہلے حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحِ اقدس کو پیدا فرمایا، چنانچہ حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوۡحِی ،، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری کو پیدا فرمایا۔ پھر آپ کی رُوح پاک سے تمام ارواح پیدا ہوئے۔ اس سے واضح ہُوا کہ آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں تو ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم اَبُو الارواح ہیں۔ یہی معنےٰ ہے هُوَ الَّذِیۡ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ،، فَمُسۡتَقَرٌّ وَّمُسۡتَوۡدَعٌ ۱۸ پھر کہیں تمہارا ٹھہرنا اور کہیں امانت رہنا ،، ہر دونوں مصدر میمی اور مرفوع مُبتدا ہیں اور اُن کی خبر محذوف ہے جو فلکم الخ ہے یعنی تم کبھی آباء کی پشتوں میں کبھی زمین میں ٹھہرو گے کبھی امہات کے شکموں میں کبھی زمین کے نیچے قبروں میں۔

نکتہ : آباء کے پشتوں میں ٹھہرنے کو استقرار اور امہات کے شکموں میں رہنے کو استیداع (امانت) سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ باپ کے اصلاب میں نُطفے کا ٹھہرنا کسی کے واسطہ سے نہیں ہُوا۔ اسی لئے پہلے کو استقرار سے اور دُوسرے کو استیداع سے تعبیر کیا گیا ہے گویا ماں کے پیٹ میں کسی نے بطورِ امانت نُطفے کو ٹھہرانے کے لئے رکھا ہے۔ اس لئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابنِ آدم سے فرماتا ہے کہ آدم زادہ تو اپنے اہل و عیال میں چند روزہ امانت ہے پھر تو نے اپنے اصل وطن کی طرف جانا ہے۔ لبید شاعر نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

وَمَا المال والاعیال الا ودیعة ۔۔۔ وَلا بد یومًا ترد الودائع

(ترجمہ) مال اور اہل و عیال تمہارے ہاں چند روزہ امانت ہیں اور امانت کو واپس دینا ضروری ہوتا ہے

فائدہ : قلب بھی منجملہ امانات و ودائع سے ایک امانت و ودیعت ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا :

شعر : ترا بگوہر دل کردہ اند امانت دار — نہ دزد امانتِ حق را نگہدار محتسب

ترجمہ : تجھے دل کے گوہر کا امین بنایا گیا ہے۔ چور نہ امانت حق کا نگہدار ہے نہ محتسب

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ ، ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں یعنی انسانی تخلیق و دیگر مخلوق کی پیدائش تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں۔ **لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ۝** اُن لوگوں کے لئے جو اپنی عقل و فکر اور گہری نظر سے پوشیدہ اور نہایت باریک نکتے سمجھتے ہیں۔

سوال : ذکرِ نجوم میں یعلمون اور تخلیق انسان میں یفقہون کہنے کا راز ہے۔

جواب : آیاتِ آفاق کی طرف اور تخلیق انسانی میں آیات انفس کی طرف اشارہ کی غرض سے یعلمون و یفقہون کا فرق کیا گیا اس لئے کہ آیاتِ آفاق اظہر و اجلیٰ ہیں اور آیاتِ انفس ادق و اخفیٰ ہیں۔ اسی لئے آیاتِ انفس کے لئے یفقہون موزوں ہے اس لئے کہ فقہ خفی معنے کے معلوم کرنے کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ : فقہ کا لفظ شق و فتح پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے فقیہ اس عالم کو کہا جاتا ہے جو احکامِ شرعیہ کی تفصیل سے واقف ہو کر اُن کے دقائق کو پہنچے اور اُن کے اندر جتنی پیچیدگیاں ہیں سب کو کھول کر واضح کرے یہی وجہ ہے کہ فقیہ کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو مسائل شرعیہ کا حاذق و ماہر ہو اور اسے ان پر گہری نظر ہو۔

فقہ اور علم غیب : حضرت حدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لغت میں فقہ بمعنی کلام کا معنیٰ سمجھنا لیکن ایسی گہرائی سے کہ اسے علم غیب سے مشابہت ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا عالم چند اصول مدنظر رکھ کر بطور استنباط معنے کو سمجھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فقیہ کی صفت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس کا علم استنباط کا محتاج نہیں بلکہ وہ بلا واسطہ علے وجہ الاتم جمیع اشیاء کا عالم ہے۔

خلاصہ تفسیر : آیات مذکورہ جنہیں آفاقیہ و انفسیہ سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ صفت پر دلالت کرتی ہیں۔ اہلِ شرک کو توحید و ایمان کی اور اہلِ اخلاص کو شہود و عیان کی اور اہلِ معصیت کو طاعۃ اور توبہ لسانی و قلبی کی دعوت دیتی ہیں ان سے بڑی بڑی نعمتیں اس لئے یاد دلائی جاتی ہیں تاکہ بندہ اُن کے لئے شکریہ ادا کرے اور ان کے حقوق کو پہچانے ہر قوم اور ہر گروہ پر جس طرح کی نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔ مثلاً توحید الافعال والصفات والذات کی نعمتوں کا شکریہ کرنا لازمی ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ طلبِ حق کے لئے جد وجہد کرے۔ اس لئے کہ تمام عوالم آفاقی ہوں یا انفسی کے مقدمات کی ترتیب کا اصل مقصد یہی ہے کہ بندہ مظاہرہ کے ظواہر سے واصل باللہ ہو اور اس کے تمام حجابات دُور ہوں جو اسے غفلت کی وجہ سے وصول الی اللہ کے لئے حائل ہیں۔ (ف) یاد رہے کہ سب سے بڑا حجاب غفلت ہے۔

حکایت : شیخ ابو الفوارس شاہین بن شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ شکار کے لئے نکلے (جب آپ کرمان کے بادشاہ تھے) شکار کے لئے بہت بڑی جد وجہد فرمائی۔ شکار بھاگتا رہا آپ اس کا پیچھا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک جنگل بیابان میں جانکلے ۔ چونکہ اکیلے تھے بہت پریشان ہوئے اچانک آپ کے قریب سے ایک نوجوان درندے پر سوار ہو کر تشریف لایا اس کے ارد گرد تمام درندے گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ جب درندوں نے حضرت کرمانی کو دیکھا تو آپ کو پھاڑ کر کھانے کے لئے دوڑے۔ اس نوجوان نے درندوں کو جھڑکا تو تمام رُک گئے۔ وہ نوجوان حضرت کرمانی کے ہاں حاضر ہو کر السلام علیکم کہہ کر فرمایا اے بادشاہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اتنا غافل کیوں ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے دُنیا اس لئے عنایت فرمائی کہ تم اس کے ذریعے اُس کی خدمت (عبادت) زیادہ سے زیادہ کرسکو۔ لیکن تم نے الٹا اس کی دی ہوئی نعمت کو اُس سے رُوگردانی پر استعمال کیا۔ نوجوان حضرت کرمانی کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا آئی اور پیالہ پانی کا نوجوان کو پیش کیا۔ نوجوان نے تھوڑا سا پی کر بقایا بادشاہ کو دیا۔ حضرت کرمانی فرماتے ہیں کہ اس جیسا پانی ٹھنڈا اور میٹھا اور لذیز ترین میں نے کبھی نہیں پیا اس کے بعد وہ بڑھیا گم ہوگئی۔ نوجوان نے فرمایا اے بادشاہ یہی دُنیا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے میری خدمت کے لئے بھیجا تھا۔ مجھے جب بھی کسی شئی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دُنیا حاضر ہو کر میری ضرورت پُورا کر دیتی ہے۔ اے بادشاہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جب دُنیا کو پیدا فرمایا تو اسے فرمایا کہ اے دُنیا تم اُس کی خدمت کرنا جو میری خدمت کرے اور جو تیری خدمت کرے اُس سے خوب خدمت لینا۔ جب حضرت کرمانی نے یہ حال دیکھا تو فوراً تائب ہوئے اس کے بعد بہت بڑے ولی کامل بن گئے۔ کسی شاعر نے کہا ؎

(۱) خَدَمتُ لِمَا اَنْ صِرْتُ مِنْ خدمكَ ؛ وَدَارَ عِنْدِی السُّرُوْرُ مِنْ نِعَمِكَ

(۲) وَكَانَ الحادثات تَطْرُقنی ؛ فَاسْتَحْشَمَنِیْ اذ صرتُ مِنْ حَشَمِكَ

ترجمہ : (۱) میں نے ایسی بہتر خدمت سرانجام دی کہ میں آپ کے خدام سے شمار ہونے لگا اور تیری نعمتوں سے مجھے بھرپُور کر دیا گیا۔

(۲) لیکن حوادثِ دُنیا نے مجھے جھنجوڑا اور اپنا بنانے کی جد وجہد کی لیکن میں تیرے خدام کے زُمرہ سے ہو چکا۔

اے اللہ مجھے ان لوگوں سے بنا جو تیرے دروازے پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ان لوگوں سے نہ بنا جو مجھے تیری درگاہ سے جدا کر دے۔

تفسیر عالمانہ ۹۸ وَهُوَ " اور وہ اللہ تعالیٰ الَّذِیٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۹۹ " جس نے آسمان سے مخصوص پانی اُتارا یعنی بارش نازل فرمائی)

اس کے بعد غیب کے صیغے سے متکلم کے صیغہ کی طرف التفات فرمایا فَاَخْرَجْنَا " پس ہم نے نکالا۔ یہ نُون عظمت کا ہے جمع کا نہیں اس لئے بہت بڑا بادشاہ اپنی عظمت کے پیش نظر اپنے آپ کو جمع کے صیغے سے تعبیر کرتا ہے بِهٖ پانی کے سبب سے نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ " ہر شئ کی انگوری مثلاً گندم اور جو اور انار اور سیب وغیرہ کے بیج سے مذکورہ بالا اشیاء کی انگوریاں پیدا فرماتا ہے۔ یہ شئ عام نہیں بلکہ مخصوص عنہ البعض ہے اس لئے کہ بعض اشیاء انگوریوں سے نہیں پیدا ہوتیں جیسے پتھر وغیرہ۔

فائدہ : نبات : بنت بمعنی ہر شے نامی جو زمین سے نکلے اس کی پنڈلی ہو (جیسے اشجار) یا نہ ہو (جیسے بیل بوٹیاں) یعنی تمام بے ساق نباتات۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے بنات کے لئے پانی کو کیوں سبب بنایا اور جو سبب بنائے وہ دوسرے سے مدد مانگنے والا ہوتا ہے تاکہ اس سبب کے ذریعہ سے اُس کا کام ہو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا تصوّر کرنا بھی جرم ہے۔

جواب : بارش کا کام صرف اتنا ہے کہ اُس سے انگوری اُگے۔ بارش نے انگوری جنی ہے نہ ہی انگوری کو بارش سے پیدا ہونے کا تصوّر کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ صرف ایک سبب عادی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بارش نہ ہو تب بھی وہ انگوریاں اُگا سکتا ہے۔ سوال کی تقریر ہر اُس شخص کے لئے ہو سکتی ہے جو سبب کا محتاج ہو کہ مسبب نہ ہو تو فعل کا صدور اس سے ممکن بھی نہ ہو۔ جیسے انسان کو سیڑھی کے بغیر چھت پر چڑھنا ناممکن ہے۔ اس لئے وہ سیڑھی کو چھت پر چڑھنے کے لئے سبب بناتا ہے اور سیڑھی چھت پر چڑھنے کا ایک آلہ ہے، لیکن اس کے باوجود انسان کو چھت پر چڑھنے کے لئے سیڑھی لازم نہیں بلکہ بسا اوقات وہ سیڑھی کے بغیر بھی چھت پر چڑھ جاتا ہے۔ جب ایک معمولی انسان کے لئے اس مثال کے بعد اعتراض رفع ہو جاتا ہے تو پھر ذاتِ حق کے لئے اشکال کیوں۔

فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ " یہاں سے اخراج کی تفصیل شروع فرمائی کہ وہ انگوریوں کو کیسے اُگاتا ہے پہلے اُن انگوریوں کا ذکر فرمایا جو زمین پر پھیل جاتی ہیں اور درخت جیسی صورت یعنی ٹہنیاں وغیرہ نہیں رکھتیں، چنانچہ فرمایا پس ہم نے اُس سے نکالا۔ خَضِرًا " سبزی کو یہاں خضرا بمعنی اخضر ہے یعنی سبز تر سبزی ترکاری جو بیج سے نکل کر زمین پر پھیل جاتی ہے۔ نُّخْرِجُ مِنْهُ " یہ خضرا کی صفت ہے یعنی ہم اس سبزی پھیلی

ہوئی سے نکالتی ہیں۔ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ،، دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے۔ متراکب سے وہ بالی مُراد ہے جو دانوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کے ہیئت مخصوصہ سے دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں۔

وَمِنَ النَّخْلِ ،، یہاں سے ترکاریوں کی تفصیل کے بعد اب درختوں کی تفصیل بیان فرمائی کہ اور ہم نے کھجوروں سے نکالے۔ مِنْ طَلْعِهَا ،، اُس کے گابھے سے یہ النخل سے بدل ہے۔ عامل کا اعادہ کر کے طلع ہر وہ شئے جو کھجور سے نکلتی ہے۔ اس کی پہلی شکل جوتے کی سی ہوتی ہے اور اس کے دانے ایک دُوسرے سے ملے ہوتے ہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا موتی کی لڑیاں پروئی ہوئی ہیں۔ قِنْوَانٌ ،، یہ مُبتدا اور اُس کی خبر مِن النخل مقدم ہے۔ یعنی کھجور کے گابھے سے حاصل ہوتے ہیں۔ گچھے۔ قنوانٌ قنو کی جمع ہے اور کھجور کے ثمر کے لئے بمنزلہ انگور کے گچھوں کے ہوتے ہیں۔ دَانِيَةٌ ،، قریب ہونے والے کہ چُننے والے کو آسان ہوتا ہے اس لئے کہ شئ جتنی قریب ہو اتنا ہی چننے میں آسانی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ کھجور جتنا چھوٹی ہو گی اتنا ہی ثمر آسانی سے حاصل کیا جائے گا۔ اسے بڑی کھجور سے لینے کا خیال تک نہ ہو گا۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ کھجور کے ثمرات ایک دُوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس میں اختصار ہے جس کی تفصیل یُوں ہے کہ بعض کھجوریں ایسی ہیں جن کے گچھے قریب ہیں۔ یعنی ان کے درختوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اور بعض بعید اُن کے درختوں کے اُونچے ہونے کے باعث۔ یہاں قریب کا ذکر کر کے طویل کو اس میں داخل کر دیا گیا ہے اس لئے کہ اقرب کو بہت بڑی نعمت اور مکمل ترین سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اپنی پھوپھی کھجور کی عزت احترام کرو۔ اس لئے کہ وہ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی بقایا مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔ کوئی درخت اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ترین نہیں سوائے کھجور کے کہ اس کے نیچے بی بی مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا۔ بچہ جننے والی عورتوں کو سب سے پہلے تر کھجوریں کھلاؤ اگر تازہ کھجور نہ ملے تو خشک سہی۔

(ف) اس سے ثابت ہُوا کہ عرب میں بچہ جننے والی عورتوں کو تر کھجور کھلانے کا سبب یہی ہے کہ بی بی مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت تر کھجور کھائی تھی۔ کما قال فی سُورہ مریم وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا (اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف کھینچئے وہ تجھ پر تر اور پکی کھجور گرائے گی،

(ف) یہی دانہ کی فضیلت میں بھی اسی طرح وارد ہے۔

حکایت: کسی نبی علیہ السلام کو اُمت نے اولاد قبیح شکل پر پیدا ہونے کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں فرمائیں کہ وہ اپنی حاملہ عورتوں کو بہی (سفرجل) کھلائیں۔ یعنی حمل کے تین یا چار ماہ بعد۔ اس لئے کہ اس میں اچھی صُورت کا نقشہ ہے اور یہ بچے کو حسین بناتی ہے۔

وَجَنّٰتٍ مِّنۡ ،، اور ہم نے نکالے باغات مِّنۡ اَعۡنَابٍ انگوروں کا اس کا عطف نبات کا کل شئ پر ہے۔

سَوَال : یہاں پر جنات کا اضافہ کیوں جبکہ پہلے اور بعد کو بھی اسم جنس پر اکتفا کیا گیا یہاں بھی ایسے ہی کیا جاتا۔

جواب : اس لئے کہ یہاں پر دونوں اسم جنس جب تک جمع نہ ہوں ان سے انتفاع نہیں ہو سکتا اور جنات جنۃ کی جمع ہے ہر وہ گھنے دار شئ جو ایک دوسری کو چھپادے اسے جنۃ کہا جاتا ہے۔ ویسے لغتہ بھی جنۃ جن بمعنے استر سے مشتق ہے اور الاعناب ۔ عنب کی جمع ہے اور فارسی و اُردو میں بمعنی انگور وَّالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ ،، زیتون اور انار یعنی ہم نے زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے مُشۡتَبِهًا ،، درانحالیکہ ان کے پتے ایک دوسرے سے ہم شکل اور اوّل سے آخر تک ہر دونوں ٹہنیوں سے بھرپور ہیں (یہ حال ہے)

وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ‌ؕ اور ثمر کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہم شکل نہیں۔

(ف) تفسیر فارسی میں ہے کہ درخت پتوں کے لحاظ سے ایک دُوسرے کے ہم شکل ہوتے ہیں اور ثمرات اور ذائقہ وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ہمشکل نہیں ہوتے اس لئے کہ ان میں بعض نہایت کھٹے اور بعض تھوڑے کھٹے اور بعض کھٹ مٹھڑے ہوتے ہیں۔

اُنۡظُرُوۡۤا ،، اے مخاطبو! غور و فکر کرکے دیکھو اِلٰى ثَمَرِهٖۤ ،، اُسکے ثمر کو یعنی ہر درخت کے پھل کو اِذَاۤ اَثۡمَرَ ،، جب وہ اپنا پھل نکالے کہ پہلے وہ اپنا پھل کچا نکالتا ہے کہ اس سے نفع نہیں لیا جاسکتا وَيَنۡعِهٖ‌ؕ ،، اور اس کے پھل پک جانے کو دیکھو کہ پکنے کی حالت میں کس طرح موٹا ہوجاتا ہے اور اس سے نفع بھی اُٹھایا جاسکتا ہے اور لذیذ بھی ہوتا ہے۔ الینع دراصل ینعت الثمرۃ ،، کا مصدر ہے۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جبکہ درخت اپنے پھل پکنے کی حد کو پہنچ جائے اذا اثمر اُنظرُوا کی طرف ہے۔

نکتہ : نظر عبرت کا حکم اس لئے ہوا کہ قادر کریم کی قدرت دیکھو کہ درخت کا پھل درخت سے نکلا ہے جس کے نکلنے کا مرکز بھی ہے۔ پانی بھی ایک طرح ہے زمین بھی وہی لیکن پھل کا تبدل و تغیر دیکھو کہ کبھی چھوٹا اور کبھی کچا تو پھر بدل کر موٹا اور پختہ اور مختلف رنگوں میں رنگدار ہو جاتا ہے۔ پہلے اُس کا حال اور طرح ہوتا ہے۔ پھر آخر کچھ اور حال اختیار کرلیتا ہے۔ پھل کی مختلف حالتیں دلالت کرتی ہیں کہ اس کا پیدا کرنے والا بڑی قدرت کا مالک ہے اور وہ تخلیق اشیاء میں بہت بڑی حکمتوں والا ہے تمام جہان کو پیدا کرنے کی تدبیر میں ہزاروں حکمتیں و مصلحتیں اور رحمتیں رکھتا ہے۔

مسئلہ : امام قرطبی نے فرمایا کہ جواز بیع میں ثمر پکنے کی شرط اسی پر ہے کہ وہ پھل پورا پختہ

ہو جائے کہ پھر کھانے کے لائق سمجھا جائے اور آسمانی آفت کے نزول سے محفوظ ہو جائے۔ آسمانی آفت سے کہکشاں کے طلوع سے پہلے کا وقت مراد ہے اس لئے کہ ان ستاروں کے طلوع سے پہلے کچے قسم کے پھل توڑے جائیں تو وہ پھل خراب ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نظام پھلوں کے لئے ایسے ہی بنایا ہے

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب صبح کے وقت کہکشاں کا طلوع ہوتا ہے تو آسمانی آفت دفع ہو جاتی ۔

(ف) فصل ربیع کے تین آخری مہینوں کے پہلے ماہ کی بارھویں تاریخ کے بعد کہکشاں کا صبح کے طلوع کا آغاز ہوتا ہے اور وہ تین ماہ یہ ہیں (۱) مارچ (۲) اپریل (۳) مئی ۔ گویا مئی کی بارہ تاریخ کے بعد کہکشاں کے صبح کے وقت طلوع کا آغاز ہوتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ ، یہ اشارہ غور و فکر کے نظر کی طرف ہے۔ لَاٰیٰتٍ ، قادر و حکیم کے وجود اور ان اشیاء کے حدوث پر دلالت کرنے والی بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۰ ایماندار لوگوں کے لئے ۔

(ف) اہلِ ایمان کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء سے استدلال کر کے نفع پاتے اور اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان عنایت سے ہدایت کا پانی برساتا ہے اور اہل زہد و فتویٰ اور اہل عشق و تقویٰ کے مراتب استعداد کے مطابق قسم قسم کے معارف و اسرار نازل فرماتا ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان کا قلب مستقل ایک باغ ہے اس سے وہی پیدا ہوتا ہے جیسی اُس میں استعداد ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر انگوری اُس مٹی کا پتہ دیتی ہے جس سے کہ وہ پیدا ہوئی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

در زمین گر نے شکر و رخود نے است ترجمان ہر زمین بنت وے است

ترجمہ : زمین کا کماد ہو یا کوئی کھانے کی اشیاء اس کا ترجمان اس کا درنہ (بیج) ہے۔

(ف) کھجور تمام درختوں سے بلند تر ہوتی ہے ۔ یہ اصحاب ولایت پر دلالت کرتی ہے اُن کی ولایت کے بعض کے ثمرات ایسے ہیں جو طالبین و مریدین کے لئے بالکل قریب ہوتے ہیں۔ یعنی بعض لوگ ایسے بزرگوں کے قریب تر ہو کر اُن کی ولایت کے ثمرات سے نفع پاتے ہیں اور بعض اولیاء کرام ایسے ہوتے ہیں جو عزلت اور گوشہ نشینی اور لوگوں سے اوجھل زندگی بسر کرتے ہیں وہ اپنے تمام اوقات و احوال کو اللہ تعالیٰ کی طرف صرف کرنا چاہتے ہیں اپنا ہر فعل و قول اذن الٰہی پر مبنی رکھتے ہیں اُن پر صرف جاہل ہی طعن زنی

...تے ہیں ورنہ ایسے حضرات خلوت وجلوت میں قلوب کے باغات سے میوہ کھاتے ہیں اور غیبی دانوں کی ...قوں سے محفوظ ہوتے رہتے ہیں لیکن ایسے بزرگوں کے حالات مخلوق کی آنکھوں سے مستور اور پوشیدہ ...ہتے ہیں۔

حکایت : ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے نو (۹) ایسے بزرگوں کی زیارت کی جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی مجاورت میں مدت تک زندگی بسر کر رہے تھے ...بھی اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مجھ سے اُنہوں نے کہا تیرا ہمارے ساتھ کیا کام ہے۔ میں نے عرض کی میں بھی ...حضرات کی صحبت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہوں اس لئے کہ مجھے آپ حضرات سے عشق ہے۔ آپ کی ...ارت بھی میرے لئے آخرت کا بہترین سرمایہ ہے اس لئے کہ جس ذاتِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے ...شرف ہو رہے ہو۔ اُن کا ارشادِ گرامی میں نے سُنا ہے : اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ "قیامت میں ہر شخص اُس کے ...تھ ہوگا۔ جسے جس سے محبت وعشق ہے۔ ان میں سے ایک نے فرمایا اب ہمارا یہاں سے کوچ کرنے کا ...دہ ہے۔ میں نے کہا تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اُنہوں نے فرمایا تو ہمارے ساتھ نہیں چل سکے گا ...لئے کہ جہاں ہم جانا چاہتے ہیں وہ یہاں سے چالیس سال کی مسافت پر ہے۔ میں نے عرض کی کچھ بھی مجھے ...پنے ساتھ لے چلو۔ ان میں سے ایک بزرگ نے فرمایا بھائیو! اسے ساتھ لے لو جہاں تک چل سکے گا چلتا ...گا۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ اس کے بعد ہم سب وہاں سے چل پڑے لیکن کیفیت یہ تھی کہ ان کے قدموں کے ...زمین لپیٹی گئی اور میں بھی ان کی معیت میں طے الارض کی کرامت سے نوازا گیا۔ یہاں تک کہ ہم ایسے شہر میں پہنچے ...س کے مکانات کی اینٹیں سونے اور چاندی کی تھیں۔ جس کے درخت گھنے دار اور جس کی نہریں ہر وقت تروتازہ ...یٹھے پانی سے جاری رہتی تھیں۔ جس کے باغات کے پھل نہایت موٹے میٹھے اور لذیذ تھے ہم اس میں داخل ...ے۔ اس کے باغات کے پھل کھائے۔ میں نے وہاں سے تین عدد سیب توڑ کر اپنے پاس رکھ لئے ان میں سے ...سی نے نہ روکا۔ میں نے عرض کی کہ واپسی کا ارادہ ہے یا نہیں۔ فرمایا یہ اولیاء اللہ کا شہر ہے۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ ...ولی اس کی سیر کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے یہاں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ شہر خود بخود اولیاء اللہ ...خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ وہ جہاں بھی ہوں یہ شہر وہاں حاضر ہو جاتا ہے۔ اس میں چالیس سال کے عرصہ میں ...ئی آدمی تیرے سوا کوئی داخل نہیں ہوا۔ اس کے بعد مجھے جب بھوک لگتی تو میں اس سیب سے کچھ کھا لیتا لیکن ...مسافت میں لمبے سفر اور اس سے کاٹ کر کھانے کے باوجود سیب میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اسی ...سے میں گھر واپس ہوا تو سیب جوں کا توں رہا۔ گھر میں سب سے پہلے میری بہن سے میری ملاقات ہوگئی۔ ...نے کہا اتنا عرصہ ہمیں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا۔ میں نے جواب دیا کیا پوچھتی ہو میں اس دنیا سے کہیں دُور ...گیا تھا۔ اُس نے کہا تو وہ سیب کہاں ہے؟ میں نے عمداً بات کاٹتے ہوئے کہا کونسا سیب۔ اُس نے کہا

وہی جو تو مدینۃ الاولیاء کے باغات سے توڑ کر اپنے لئے ساتھ لایا ہے۔ میں نے کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ کہا اے بندہ خدا مجھے بھی تو اس شہر میں لے گئے تھے۔ تو نے اس شہر کو اس وقت دیکھا جب تجھے واپس لوٹانے کا ارادہ کیا گیا اور میں نے تو اسے بار بار دیکھا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا کہہ رہی ہو۔ جن اولیاء کی صحبت میں میں رہا۔ ان کا امیر فرماتا تھا کہ اس شہر میں چالیس سال کے عرصہ تک تیرے سوا کوئی داخل نہیں ہوا لیکن تو اس میں آنے جانے کی بات کرتی ہے۔ اس نے کہا انہوں نے صحیح فرمایا اس لئے کہ مریدوں میں سوائے تمہارے چالیس سال کی مدت میں وہاں کوئی نہیں گیا۔ باقی رہے اللہ والے وہ ہر وقت جب چاہیں اس کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس سے روحانی طور کوئی دلچسپی نہیں رکھتے) اب تم جس وقت چاہو گے میں تمہیں وہی شہر یہاں بیٹھے بیٹھے دکھا دوں گی۔ میں نے کہا میں ابھی اس شہر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا یا مدینتی اخضری اے میرے شہر ابھی آ جاؤ۔ بخدا میں نے اپنی آنکھوں سے اس وقت شہر کو دیکھ لیا۔ میری بہن اس باغ کی طرف بڑھی اور اس سے ہاتھ بڑھا کر مجھے کہا تیرا سیب کہاں ہے اس کے کہنے پر سیب میرے ہاتھ سے گر گیا۔ میری اس حالت کو دیکھ کر میری بہن ہنس پڑی اور کہا کہ جس کے ہاں اللہ کی خدائی ہو وہ آپ کے سیب کا محتاج نہیں ہوتا۔ میں اس وقت سخت شرمندہ ہوا اور اس وقت مجھے یقین ہوا کہ میری بہن بھی اُن اولیاء کرام میں سے ہے۔

تفسیر عالمانہ

۹۹ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ،، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک جنوں کو بنایا۔

شانِ نزول

: کاشفی نے فرمایا صحیح تر یہ ہے کہ یہ آیت زندیقوں یعنی مجوسیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اِن زندیقوں کو ثنویہ بھی کہا جاتا ہے۔

اُن کا عقیدہ تھا کہ خالق دو ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ (۲) ابلیس۔ یہ دونوں بھائی ہیں (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ انسانوں اور حیوانوں اور چرپایوں اور ہر بھلائی کا خالق ہے۔ اُسے یزدان کہتے ہیں اور ابلیس درندوں اور سانپوں اور بچھوؤں اور ہر شر کا خالق ہے۔ اسے اہرمن سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ،،

(ف) ابلیس بھی جنوں سے ہے۔

تنبیہ

: اللہ تعالیٰ نے تو جنوں کا بھی خالق ہے پھر مخلوق اُس کی کیسی شریک ہو سکتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مجوسی کا عقیدہ باطل ہے۔

وَخَرَقُوْا لَهٗ ،، اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے گھڑے۔

...ت) خرق اور اخترق ۔ اختلق وافتری ایک معنیٰ میں ہیں ۔ یہ اُس وقت بولتے ہیں جبکہ کوئی ...ے بولے **بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ** ،، لڑکے لڑکیاں ۔ جیسے یہو دیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ ...ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں ۔ **بِغَيْرِ عِلْمٍ** ،، حقیقت سے ...کی بناء پر یعنی جو کچھ اُنہوں نے کہا خطاء وصواب امتیاز کا تصور ہٹا کر غلط کہا ۔ بلکہ بلا تامل وفکر ...ین اور جہالت سے کہا اور بغیر علم کی باء محذوف سے متعلق اور خرقوا کے فاعل سے ہے ۔ دراصل ...ت مه خرقوا ملتبسين بغير علم " تھی ۔ **سُبْحٰنَهٗ** ،، اُس کی ذات منزہ و مقدس ہے اور وہ اسی ...ہ کے لائق ہے ۔ **وَتَعٰلٰى** ،، یہ علو سے ماخوذ بمعنٰے " استعلیٰ " ہے ۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کو علو سے موصوف کرنا جائز ہے اور ارتفاع سے ناجائز ۔ اس لئے کہ علو کا معنٰے کبھی اقتدار بھی ہوتا ہے ۔ بخلاف ارتفاع کے کہ وہ جہت و ...ن کا مقتضی ہے اس لئے علو سے موصوف ہونا جائز ہُوا اور ارتفاع سے ناجائز ۔

فائدہ : سبحان و تعالیٰ کو تباعد کے معنیٰ میں لیا جائے گا تاکہ **عَمَّا يَصِفُوْنَ** ...ی واضح ہو سکے یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کی بتائی ہوئی صفتوں سے دُور ہے نہ اُس کا کوئی شریک ہے نہ ہی اس کی کوئی اولاد ۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ

بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔ اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

عورت نہیں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی

خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ

نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے آنکھیں اسے احاطہ نہیں

وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے پورا باطن پورا خبردار تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ

آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا اپنے برے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں اور

نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ

ہم اسی طرح آیتیں طرح طرح سے بیان کرتے ہیں اور اس لیے کہ کافر بول اٹھیں کہ تم تو پڑھے ہو اور اس لیے کہ اسے علم والوں پر واضح

اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ

کردیں اس پر چلو جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لو اور اللہ چاہتا تو

اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا

وہ شرک نہیں کرتے اور ہم نے تمہیں ان پر نگہبان نہیں کیا اور تم ان پر کروڑے نہیں اور انہیں گالی

الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ

نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے یونہی ہم

اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا

نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کردیئے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے اور وہ انہیں بتادے گا جو کرتے تھے

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے تم

اللّٰهِ وَمَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ

فرمادو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں

كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

کو جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں

ۃ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے) یعنی عالم علوی و سفلی کے طبقات کو بلا ماد ایسی نرالی طرز سے پیدا فرمایا کہ جن کی پہلے کوئی نظیر نہ تھی۔ وہی فاعل ہے علی الاطلاق اور وہ ہر قسم کے انفعال سے منزہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کا والد ہوتا تو اس میں اپنی اولاد کا عنصر ہوتا اور اس کا مادہ اس سے منفصل ہو کر اس کی اولاد میں چلا جاتا اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ میں ممتنع ہیں تو اس کے لئے اولاد کا ہونا بھی ممتنع ہے۔

(ف) اس سے ثابت ہوا کہ بدیع فعیل بمعنی مفعل ہے۔ جیسے الیم بمعنے مولم اور حکیم بمعنی محکم ہے۔

(فائدہ) یہ اضافت حقیقیہ ہے۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ صفت مشبہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔ دراصل عبارت بدیع سمٰوٰتہٖ وارضہٖ تھی۔

(حل لغات) بدیع بدع سے مشتق ہے کہ جس کی طرز عجیب اور شکل فائق اور حسن رائق ہو۔

اَنّٰی يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ اس کی اولاد کیسی حالانکہ اس کی جورو نہیں۔ اس میں اولاد کے تمام اسباب منتفی ہیں اس لئے کہ والدہ کے بغیر اولاد کا ہونا ناممکن ہے اگرچہ باپ کے بغیر اولاد ہو سکتی ہے اور ہوئی بھی جیسے عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

(ف) صاحبۃ سے زوجہ مراد ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا ؎

لَمْ يَلِدْ لَمْ يُوْلَدْ است آواز قدم ۔۔۔ نے پدر دارد نہ فرزند و عم

ترجمہ: لم یلد و لم یولد قدیم کی آواز ہے اس کا نہ باپ ہے نہ اولاد ہے نہ چچا۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اور اس کی شان یہ ہے کہ اس نے ہر شئی کو پیدا کیا یعنی جملہ موجودات کی ایجاد و تکوین کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے منجملہ اُن کے اولاد بھی ہے جو کفار اس کے لئے ثابت کر رہے ہیں اس کے لئے اولاد کا تصور کیسا جبکہ وہ اس کا بھی خالق ہے ؎

خالق افلاک و انجم بر علا ۔۔۔ مردم و دیو و پری و مرغ را

ترجمہ: وہ افلاک و انجم اور ان کے اوپر سب کو پیدا کرنے والا وہی ہے اس کی مخلوق ہیں آدمی۔ دیو، پری اور پرندے۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ مخلوق و غیر مخلوق کو ازلاً ابداً جانتا ہے اس سے کوئی شئی مخفی نہیں جو گذری یا آئے گی۔ شئے کی ذات ہو یا صفات یا احوال منجملہ ان امور کے جو اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہیں یا نہ یا اس کے لئے وہ اشیاء محال ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا ثابت کرنا بھی محالات کے افراد کا ایک فرد ہے ۱۰۲ ذٰلِكُمُ ، وہ بڑی صفات کا موصوف اَللّٰهُ ، وہی اللہ تعالیٰ جو عبادت کا وہی مستحق ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی صفت رَبُّكُمْ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ تمہارے

جمیع امور کا مالک ہے ۔

نیست خلقش را دگر کس مالکے ۔ شرکتش دعوی کند جز ھالکے

ترجمہ: مخلوق کا کوئی دوسرا مالک نہیں اس کے ساتھ شرکت کا دعویٰ وہی کرتا ہے جو تباہ و برباد ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور نہ ہی اُس کا کوئی شریک ہے خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ،، تمام وہ اشیاء جو زمانہ ماضی میں گزری ہیں یا آئیں گی سب کا خالق ہے۔ اس میں تکرار نہیں بلکہ یہ اخبار مترادفہ ہیں۔ فَاعْبُدُوْہُ ،، پس اُسی کی عبادت کرو۔ یعنی جو ان صفات کا جامع ہے تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ۝ اور وہ اللہ تعالیٰ ہر شئی کا وکیل ہے یعنی جو ذات اِن صفات کی جامع ہے وہی تمہارے جملہ امور کا متولی ہے۔ فلہٰذا تم بھی اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرو اور اپنے جملہ دینی و دنیوی امور کی کامیابی کے لئے اُسی کی عبادت کو وسیلہ بناؤ اور یُوں تصور کرو کہ اس ذات کی تمہارے ہر عمل پر نگاہ ہے اور وہ تمہیں ہر عمل پر جزا و سزا دے گا۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر

: حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ وکیل دو طرح کے ہوتے ہیں :

(۱) جو شئے اُس کے سپرد کی جائے وہ مکمل طور بلا کم و کاست اُس شئے کو واپس کر دے۔

(۲) جو سپرد کردہ شئے رتی کے برابر بھی واپس نہ کرے۔

وکیل مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ جو شئی اُس کے سپرد کی جائے تو وہ اسے نہ صرف مکمل طور واپس کرتا ہے بلکہ تا واپسی اُس کی پُوری نگرانی بھی فرماتا ہے۔ اگرچہ بندہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن بندے میں اس معنے کی سینکڑوں خامیاں پائی جاتی ہیں اور وہ کریم ہر خامی سے منزہ اور پاک ہے۔

متوکل کی کہانی

: حضرت شیخ ابو حمزہ خراسانی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ایک سال حج کے لئے جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں اچانک ایک کنوئیں میں جا گرا میرے دل میں خیال گزرا کہ فریاد کروں تو کوئی مجھے باہر نکالے لیکن سوچا کہ وہ کریم جب مجھے جانتا ہے اور اُسے میرے باہر نکالنے کی قدرت بھی ہے تو پھر کیوں غیروں کو پکاروں۔ جب یہ عقیدہ میرے دل پر پُورے طور جم گیا تو دیکھا کہ دو آدمی کنوئیں کے قریب آ گئے۔ اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس کنوئیں کو بند کر دیا جائے تاکہ کوئی اجنبی مسافر اس میں گر کر مر نہ جائے۔ یہ مشورہ کر کے پتھر روڑے اور مٹی اُٹھا کر کنوئیں میں ڈالنا شروع کر دی میرے نفس نے مجھے سخت ستایا کہ اب تو فریاد کرو تاکہ جان بچ جائے۔ میں نے نفس کو جواب دیا کہ اُن لوگوں کو کیوں پکاروں جبکہ نَحْنُ اَقْرَبُ کی شان والا رب مجھ سے قریب تر ہے۔ میں نے یہ کہہ کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر کے خاموشی سے بیٹھ رہا اور وہ لوگ کنواں بند کر کے چلے گئے۔ تھوڑی سی دیر گزری کہ کنوئیں سے

کی آواز آئی اور باہر سے راستہ کھل گیا اور اُوپر سے اپنا پاؤں نیچے میرے قریب کرکے آواز دی کہ اے بندہ اس پاؤں کو پکڑ کر باہر آجا۔ میں نے جونہی اس پاؤں کو پکڑا تو اُس نے مجھے باہر نکالا۔ میں نے دیکھا تو وہ درندہ تھا۔ وہ مجھے باہر نکال کر چلا گیا۔ لیکن ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ ہم نے تجھے ایک ہلاکت کے ذریعے دُوسری ہلاکت سے بچایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہر شئے کا کارساز ہے۔

تفسیر صُوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے جیسے اربابِ کمالات کے قلوب سے لطف و ہدایت کے پانی سے کمالات ظاہر فرمائے ایسے ہی قہر و جلال کے پانی سے گمراہوں کے نفوس کی سرزمین سے کئی قسم کی گمراہیاں پیدا فرمائیں۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنانے کے علاوہ غلط اور گندے بکواسات بکے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اس کریم کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے خائف رہے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں لگا رہے تاکہ اُس کی رضا اور رحمت نصیب ہو۔ اسے چاہیئے کہ غیر کے خیر و شر کو خیال تک میں نہ لائے اس لئے کہ خیر و شر منجانب اللہ ہوتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کسی کے کفر سے راضی نہیں ؎

گناہ اگرچہ نبود در اختیار ما حافظ　　تو در طریق ادب کوش و گو گناہِ منست

ترجمہ : اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے بس میں نہیں لیکن پھر بھی ادب کے طور کہو کہ میرا ہی گناہ ہے۔

اے اللہ کریم ہمیں اپنے قہر و غضب سے ڈرنے کی توفیق عطاء فرمایئے۔ اس لئے کہ تیرے قہر و غضب سے کافر لوگ بے خطر رہتے ہیں ‘‘

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ ’’ دیکھنے کی حس کا نام نظر ہے۔ کبھی آنکھ کو بصر کہتے ہیں۔ اس لئے کہ آنکھ نظر کی محل ہے اور شئ کے ادراک سے شئے تک پہنچنا مراد ہے اور شئ کے محیط ہو جانے کو بھی ادراک کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ تک کوئی آنکھ نہ پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔

﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ ’’ وہ ابصار کا احاطہ کرتا ہے۔ اس سے اس کا علم مُراد ہے یعنی اس کا علم جمیع ابصار کو محیط ہے۔ ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ ’’ اور وہ اللہ تعالیٰ ایسا لطیف خبیر ہے کہ جن اشیاء کو آنکھ کو ادراک حاصل نہیں ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ محیط ہے۔

سوال : صرف آنکھ کے ادراک کی تخصیص کیوں ؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو ہر شئے کو محیط ہے۔

جواب : آنکھ کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے سوا ہر شئ کو دیکھ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کو اپنی آنکھوں کا

ادراک حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے لئے ممکن ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی بصر کی حقیقت کی کنہہ سے بے خبر ہے۔ اور بصر سے وہ حقیقت مراد ہے کہ جس سے بذریعہ آنکھ اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔

فائدہ : ادراک و رؤیت میں فرق ہے اس لئے کہ ادراک شئے کی کنہہ سے واقف اور اس پر محیط ہونے کو کہتے ہیں اور رؤیت صرف معائنہ کا نام ہے بلکہ رؤیت کبھی ادراک کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کہنا جائز ہے۔ فُلَانٌ رَآہُ وَمَا اَدْرَکَہٗ، فلاں نے شئے کو دیکھا لیکن اس کا ادراک نہیں کیا اس سے واضح ہوا کہ ادراک رؤیت سے اخص ہے اور قاعدہ ہے کہ اخص کی نفی سے اعم کی نفی نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ممکن ہے اس کا ادراک ممتنع ہے۔ جیسے دُنیا میں بہت سے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب ہوتا ہے، لیکن وہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ یعنی معرفتِ الٰہی ممکن ہے وہ یہ کہ بندے اور مولیٰ کے درمیان ایک قسم کا ربط قائم ہو جائے، لیکن اتنا قدر کہ طاقتِ بشریہ اس کی حامل ہو اس لئے کہ حقیقی معرفت بندوں کے بس سے باہر ہے؛ چنانچہ بہت بڑے کامل اولیاء کرام عجز و انکسار کا اعتراف کرتے رہے کہ مَا عَرَفْنٰكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مِنْ حَیْثُ التجرد عن الاضافات والنسب کا ادراک ناممکن ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی گئی کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: نورٌ اَنّٰی اراہ" وہ نور تھا میں کیسے دیکھتا یعنی نورِ مجرد کو دیکھنا ناممکن ہے۔

(ف) اس معنی پر دوسرے مقام پر فرمایا: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے مثال میں اپنے نور کے مراتب بیان فرماتے ہیں۔ اس کے بعد مراتب تمثیل بیان فرما کر آخر میں فرمایا: نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ میں پہلے نور سے روشنی اور دوسرے سے مطلق اور اصلی نور مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تتمیم پر فرمایا یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ، یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر میں متعین شدہ نور کے ذریعے سے مطلق احدی نور کا راستہ دکھاتا ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک اس وقت محال ہے جب وہ ذات اضافات نسب اور مظاہر سے متجرد ہو۔ اگر اسے مظاہر اور مراتب کے حجابات سے دیکھا جائے تو پھر ممکن ہے کسی شاعر نے کہا ہے

؎ کالشمس تمنعک اجتلائک وجہہا   فاذا اکتست برقیق غیم امکنا

ترجمہ: سورج کی کرنیں اور اس کی روشنی اس کے چہرے کے دیکھنے کو روکتی ہیں؛ لیکن جب وہ بادل کے اندر چھپ جائے تو پھر اس کا چہرہ دیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ بہشت میں باریتعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ وہ رویت شمس و قمر کے مشابہ ہوگی، چنانچہ فرمایا کہ انھم یرون ربھم فیاتہ لیس بینہ و بینھم حجاب الارداء الکبریاء علی وجھہ فی جنت عدن، بے شک بہشتی اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے جنت عدن میں۔ اللہ تعالیٰ اور بہشتیوں کے درمیان صرف ردائے کبریا کے اور کوئی حجاب نہ ہوگا۔

معتزلہ کا رد : دراصل یہ مسئلہ اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان نزاعی ہے۔ معتزلہ (اسی طرح شیعہ) کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رویت ناممکن ہے۔ انھوں نے صحیحین کی روایت سے استدلال کیا ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ دو بہشتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اُن کی ہر شئی چاندی کی ہے۔ دیگر دو بہشتیں ایسی ہیں جن کے برتن اور اُن کے اندر کی ہر شئی سونے کی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، لیکن سامنے کبریائی کی چادر حجاب کے طور لٹکی ہوئی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ دیکھنے والے اور چادر لٹکانے والے کے درمیان چادر حجاب ہوتی ہے اور یہ حجاب بتاتا ہے کہ وہاں بھی رؤیت ناممکن ہے۔ اہل سنت اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ حجاب سے انکار نہیں لیکن چادر اوڑھنے والے کو محجوب نہیں کہا جاتا۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں لفظ وجہہ سے ذاتِ حق اور رداء سے وہ بندہ کامل مراد ہے جسے اُس صورت پر پیدا کیا گیا جو حقائق امکانیہ اور الٰہیہ کی جامعہ ہے اور رداء وہی خود کبریائی کا عین ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے یعنی کبریائی کی وہ چادر جو علماء عارفین باللہ کے عقول پہنتے ہیں۔

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تحقیقِ لطیف : صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ معتزلہ کی چادر کی دلیل ہمارے لئے قادح نہیں اس لئے کہ وہ چادر کبریائی دنیوی چادروں سے نہیں، بلکہ نورانی چادر ہوگی جو کہ بمنزلہ شیشہ کے ہے اور شیشہ کسی شئی کے دیکھنے کے لئے حائل نہیں ہوتا۔ جیسے لباس بدن کے لئے حائل نہیں بلکہ بدن کا جز ہے۔ اس لئے کہ لباس اور بدن کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ وہ رداء چادر والے کا دیکھنا بھی بلا حائل ہوگا جبکہ ہم نے اس چادر کو بمنزلہ شیشہ کے مانا ہے اور وجہہ سے ذاتِ حق مراد لینا۔ یہ بھی ممنوع نہیں اس لئے کہ اہلِ عرب جزء بول کر کل مراد لیا کرتے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ چادر والی وہ ذاتِ حق ہے جو کسی حجاب سے محجوب نہیں۔ البتہ وہ غیروں سے محجوب ہے جیسے دُلہن کے آگے پردہ لٹکا ہوتا ہے تو غیروں کے لئے ورنہ دُولہا کے لئے پردہ کہاں ہے گا۔ بلکہ وہی پردہ بعینہٖ دُولہا کے لئے پردہ کشائی ہے لیکن دُوسروں کے لئے حجاب ہے۔ نیز یہ بھی

ہو سکتا ہے کہ رداء سے حقیقتِ محمدیہ مُراد ہو جو حقیقۃ الحقائق ہے جس سے ہر حقیقت کو حصّہ نصیب ہُوا جس قدر اس حقیقت کی قابلیت تھی) اگرچہ درحقیقت وہ بھی حقیقت ہے جسے وجودِ عام سے تعبیر کیا جائے جو تمام حقائق دحقائق الحقائق پر مشتمل ہے۔ جیسے حیوان ناطق جو اگرچہ وہ ایک لفظ ہے، لیکن تمام افراد کو شامل ہے۔
۔اگر کثرت ہے تو افراد میں ہے اور ایسی کثرت شئ کی وحدۃ کے منافی نہیں ہوتی۔ اس تقریر سے حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی ، وَمَا بَیْنَ الْقَوْمِ وَبَیْنَ اَنْ یَّنْظُرُوْا اِلٰی رَبِّھِمْ اِلَّا رِدَاءَ الکبریاء عَلٰی وَجْھِہٖ ،، کا مطلب واضح ہو گیا کہ حقیقت ہر دونوں کی ایک ہے یعنی تجلی ذات جو اس حقیقت میں ہے اتنا قدر جتنا کہ اس حقیقت کے شیشہ کی صفائی اور جس قدر اس حقیقت کی معرفت اسے حاصل ہے۔ اس معنے پر وہ حقیقت ذاتِ حق اور بندوں کے درمیان حائل نہیں اس لئے کہ جب وہ اس حقیقت کی تجلی کا ایک نام ہے تو نام کے اختلاف سے شئ کی حقیقت میں تبدیلی نہیں آتی۔ اس اعتبار سے اہل سُنت کے عقیدہ کی توثیق ہو گئی کہ قیامت میں ہر اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا حجاب نصیب ہو گا۔ اگرچہ حدیث شریف میں ایک حجاب کا نام لیا گیا ہے وہ درحقیقت حجاب نہیں ہے بلکہ اُسے یُوں کہا جائے کہ وہ تقیید و اطلاق کے درمیان بمنزلہ برزخ کے ہے جو دونوں حقیقتوں کی جامع حقیقت (یعنی حقیقتِ محمدیہ) جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ،، جس نے خود کو پہچانا اُسے معرفتِ الٰہیہ نصیب ہو گئی جسے اپنے نفس کے متعلق کلی طور معرفت حاصل نہیں اُسے ذاتِ حق کی معرفت بھی نصیب نہ ہو گی
اس لئے کہ ذاتِ حق تو جمیع قیود سے مُنزّہ اور مقدس ہے۔ ورنہ ذاتِ حق تو بالکل غیر محجوب ہے، کیونکہ وہ محیط بکُل شئ ہے بلکہ یُوں کہا جائے کہ محجوب ہم ہیں کہ ہمارے دلوں پر گناہوں نے پردے ڈال رکھے ہیں، جب ظاہری آنکھوں کا یہ حال ہے کہ جب اُن پر پردہ آجاتا ہے تو ظاہری اشیاء کو نہیں دیکھ سکتیں تو باطنی آنکھوں پر جب گناہ کے پردے آجائیں تو وہ باطن کو کس طرح دیکھ سکتی ہیں۔ پھر جب دارِ آخرت میں سب پردے اُٹھ جائیں گے تو اس وقت حقیقتِ حق کھل کر سامنے آجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ رویت باریتعالیٰ کو دارِ آخرت پر موقوف رکھا گیا۔ نہ کہ کسی حجاب پر بلکہ یُوں کہو کہ حجابات تو ذاتِ حق کے لئے ممتنع ہیں اور ایسی ظاہر ذات کے لئے پردوں کا تصور بھی نامناسب ہے بلکہ جو ذاتِ حق کا متلاشی ہے وہ پردے کا تصور کیسے رکھتا ہے اُسے تو ہر پردہ سے متجاوز ہو کر ذاتِ حق کا دیدار حاصل کرنا ہے اور پردے کا تصور جاہلوں کا کام ہے۔ (قاعدہ) بعض مفسرین نے ایک عجیب توجیہہ بتائی ہے وہ یہ کہ جب لفظ ادراک بصر سے متعلق ہو تو اس وقت ادراک کا معنیٰ ہی رؤیت ہوتا ہے۔ مثلاً عربی کہتے ہیں اَدْرَکْتُ بِبَصَرِیْ ،، اس کا معنی ہوتا ہے۔ رَاَیْتُ بِبَصَرِیْ ،، یہاں ادراک و رؤیت کا ایک معنٰے ہے۔
لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ ،، کا معنے ہو گا اس ذات کی دُنیا میں رؤیت نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا آخرت میں

تو وہ اہلِ ایمان کو نصیب ہوگا ، چنانچہ فرمایا وُجُوۡہٌ نَّاضِرَۃٌ اِلیٰ رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ ،، بارونق اپنے رب کو دیکھیں گے اور حدیث شیخین میں ہے۔ انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر ، تم اپنے رب کریم کو آخرت میں ایسے دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔

(ف) حدیث شریف میں چاند سے تشبیہ دینے میں جلاء و وضوح مُراد ہے نہ کہ مَرئی کی مَرئی سے تشبیہ مقصود ہے۔ اس لئے کہ مَرئی کی تشبیہ مطلوب ہوتی تو وہاں جہت و مکان کا ہونا ضروری ہے اور وہاں جہت و مکان کہاں۔ باقی رہا یہ سوال کہ آخرت کی تخصیص کیوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت دُنیا کا قلب ہے وہاں پر بصیرت سے اسی طرح دیکھا جائے گا جیسے کہ دُنیا میں بصارت سے دیکھا جاتا ہے۔ یہی ظاہری بصارت آخرت میں بصیرت کا کام دیگی یعنی اس وقت بصیرت کی آنکھیں ظاہر ہو کر دیکھنے کا کام کریں گی اسی بنا پر ہر ایک کو رؤیتِ حق اپنی استعداد کے مطابق رؤیت نصیب ہوگی۔

شانِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان

: دُنیا میں چونکہ رؤیت ایک اعزاز ہے اور یہ اعزاز صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوگا اور بس ، کیونکہ وہ صاحب مقام محمود ہیں اور لیلۃ المعراج میں اپنی سر مبارک کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اس لئے آپ بسّر و رُوح سے اللہ تعالیٰ کا ظاہری جسم سے مشاہدہ کر چکے اس لئے کہ آپ کا جسم مُبارک عین بن گیا تھا ، کیونکہ آپ اس رات عالم عنصری سے متجاوز ہوئے پھر عالم طبعیہ سے گزرے پھر عالم ارواح کو عبور فرما کر عالم امر تک پہنچے تک اور یہ سر کی آنکھیں تو عالم اجسام سے متعلق ہیں اور آپ نے تمام عوالم سے جُدا ہو کر اپنے رب کا دیدار کیا۔ (سبق) اے راہ راست کے طالب تجھے اتنا مختصر بیان کافی ہے ؛ ورنہ ایسے مسئلہ کے لئے تو بہت بڑا دفتر ناکافی و نادانی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

: تلاوتِ نجمیہ میں ہے لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ،، اللہ تعالیٰ کو محدثاتِ امور لاحق نہیں ہوتے۔ یعنی نہ ابصار ظاہرہ اور نہ ابصار باطنہ اس کی صمدیت اس سے مقدس ہے کہ اسے کوئی دنیوی امر لاحق ہو۔ مخلوق اور حادث کی کوئی شئے بھی اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ وَھُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ،، اور وہ ابصار کا ادراک کا تجلیات سے کرتا ہے کہ اس سے تمام فنا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی اس کی بصر ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے بعد ظاہری اور باطنی آنکھیں برابر ہو کر رؤیت سے مشرف ہوتی ہیں اس لئے کہ بندہ اس وقت نُورِ ربانی سے دیکھتا ہے وَھُوَ اللَّطِیۡفُ ،، اور ایسا لطیف ہے کہ اُسے محدثات کی کوئی شئے ادراک نہیں کر سکتی اور نہ مخلوقات میں سے کوئی اسے لاحق ہو سکتا ہے۔ اَلۡخَبِیۡرُ ، خبیر ہے کہ وہ مستحق کو جانتا ہے کہ یہ تجلیات کے لائق ہے یا نہ

---

[1] یہاں پر رؤیت الٰہی نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ دُنیا عالم فانی ہے اور اس کی ہر شئی فانی اور فانی آنکھیں باقی کو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔

اور اُس کی ابصار میں استعداد پیدا کرتا ہے۔ تاکہ وہ رؤیتِ الٰہی کا مستحق ہو جائے۔

فائدہ : یہ بھی اللہ تعالیٰ کے الطافِ کریمانہ سے ہے کہ اُس نے عدم سے موجودات کو پیدا فرمایا ورنہ وہ وجود کے قابل کہاں تھے یہ صرف اس کی مہربانی اور لطف و کرم ہے کہ اُس نے انہیں نعمتِ وجود سے نوازا۔

فائدہ : انسان اس نعمتِ وجود کو واقعی نعمت سمجھتا تو وہ شکرِ الٰہی بجالاتا۔ اگر وہ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکریہ ادا کرے تو اُس کی اس نعمت میں اضافہ ہو اور سب سے بڑی نعمت دیدارِ الٰہی ہے۔ اس وجہ سے یہ نعمت عالمِ دنیا میں عوام پر حرام کر رکھی ہے۔ حدیث شریف لَنْ تَرَوا رَبَّكُمْ حَتّٰى تَمُوْتُوْا تم اپنے رب کریم کو مرنے سے پہلے ہرگز نہیں دیکھو گے کا یہی مطلب ہے۔

فائدہ : حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتمام نعمت یہی ہے کہ بطریقِ لائق اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایانِ شان اُس کی زیارت سے شرفیابی نصیب ہو لیکن وہ بھی آخرت میں کیونکہ اس زیارت کا وعدہ دار الآخرۃ سے مخصوص ہے۔ دارِ دُنیا میں اُس کی زیارت محال ہے اس لئے کہ نصوصِ شرعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس دُنیا میں زیارت نہیں ہوگی بلکہ اس پر عُلمائے حق کا اجماع ہے اور شرعًا یہی مسئلہ یُونہی ہے۔ البتہ عقلاً زیارتِ الٰہی کا دُنیا میں ہونا ممکن ہے (لیکن اعتبار شریعت کا ہے نہ کہ عقل کا)

مسئلہ : خواب میں رویت باریتعالیٰ ممکن ہے اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ میں بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ جیسے سیدنا ابُوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور اُن کی باہمی گفتگو بھی ہوئی جسے فقہاءِ کرام کی تاریخی کتابوں میں تفصیل سے لکھا ہے۔

حکایت : حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ سے منقول ہے کہ انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی تو حضرت بایزید بُسطامی نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہ العٰلمین تیرے ہاں پہنچنے کا کونسا آسان راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انانیت کو مٹا دو پھر میرے ہاں پہنچ جاؤ گے۔

حکایت : حضرت حمزہ قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور خواب میں تمام ... قرآن پڑھا جب "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ" پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب سے فرمایا اے حمزہ تم بھی قاھر ہو۔

مسئلہ : یاد رہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ایک قسم کا مشاہدہ ہوتا ہے جو صرف قلب سے متعلق ہوتا ہے اسے آنکھ سے کسی قسم کا واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ صُوْرَةِ شَابٍّ أَمْرَدَ "میں نے خواب میں اپنے رب کریم کو نوجوان بے ریش انسان کی شکل

میں دیکھا۔ (یہ حدیث متشابہات سے ہے)

نکتہ : اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ ربوبیت صورت انسانیہ میں اس لئے ظاہر فرماتا ہے کہ انسانی صورۃ اجمع الحقائق ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرتِ انسان کو اپنا خلیفہ بنایا اور اپنے تمام دنیا و آخرت کے خزائن کا اسے خاتم بنایا تو اسماءِ الٰہیہ کی جتنی صورتیں تھیں وہ تمام نشاۃ انسانیہ میں ظاہر فرمائیں اس لئے کہ نشاۃ انسانیہ النشاۃ ورُوحانیہ کی جامع ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ " اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ " اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو اپنی صورت پہ بنایا۔

سوال : اللہ تعالیٰ تو صورت سے پاک ہے اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی صورت بتائی گئی ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ پر لفظ صورت کا اطلاق مجازاً ہے، لیکن یہ بھی جواب اہلِ ظاہر کے لئے ہوگا اس لئے کہ اُن کے نزدیک لفظ صورۃ کا اطلاق صرف محسوسات پہ ہوتا ہے اگر معقولات پر ہو تو مجازاً ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات محسوسات سے نہیں اس لئے اس پر صورۃ کا اطلاق مجازاً ہوگا، لیکن محققین کے نزدیک لفظ صورۃ کا اطلاق ذاتِ حق کے لئے مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے اس لئے کہ عالم کبیر کا مجموعہ حضرتِ الٰہیہ کی صورت ہی ہے اور عالم کبیر کا ذرہ ذرہ اسماء الٰہیہ مع حضرات حق کے تفصیلاً و اجمالاً مظاہر ہیں اور انسان کامل تو اسماء الٰہیہ کا مجموعی طور مظہر ہے۔

سوال : انواع ادراک سے رؤیت اقویٰ ہے یا علم۔

جواب : رویت اقویٰ ہے اس لئے کہ اہلِ ایمان رؤیت سے زیادہ لذت یاب ہیں بہ نسبت معرفت کے۔

فائدہ : احیاء العلوم شریف میں ہے کہ رؤیت کشف و علم کی ایک قسم ہے لیکن رؤیت علم سے اوضح واتم ہوتی ہے جب علم کو جہت وغیرہ کے تعلق کی ضرورت نہیں تو پھر بطریقِ اولیٰ ہے کہ اُسے جہت وغیرہ کے تعلق کی حاجت نہ ہو پس جیسے علم کیف و صورت کا محتاج نہیں ایسے ہی رؤیت کو بھی کیف و صورت کی محتاجی نہ ہونا لازم ہے۔

مسئلہ : رؤیت معرفت سے اعلیٰ ہے اس لئے کہ عارف ہمیشہ منازل وصال کے مشتاق رہتے ہیں بخلاف عارفین باللہ حضوری کے کہ انہیں وصال کے بعد منازلِ معرفت کا اشتیاق نہیں رہتا۔

(ف) بعض فرماتے ہیں کہ معرفت الطف اور رؤیت اشرف ہے۔

نکتہ : حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہ نے فرمایا کہ علماء کا وصالِ الٰہی علم و استدلال کے مطابق ہوگا اور عارفین کو مشاہدہ و معاینہ کے مطابق ہوگا۔ یاد رہے کہ یہ مشاہدہ و معائنہ عام

اشیاء کے مشاہدہ و معائنہ کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیف و این سے منزہ ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ و معائنہ یہ ہے کہ بندہ کا وجود مضمحل ہو کر وجود حقیقی میں فانی ہو جائے تو پھر وجودِ حقیقی واضح اور منکشف ہو۔

مسئلہ صُوفیانہ: صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ جو بندہ اپنی خودی کو مٹا کر فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بصیرت سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرلے ورنہ ناجائز ہے ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم   پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ترجمہ: جب اوصاف سے تجلی کرتا ہے تو وصف حادثات کا سارا سامان جل جاتا ہے۔

مثلاً سُورج جب اپنی پُوری جوانی پر ہو تو اُس کے دیکھنے کے وقت آنکھ چُندھیا جاتی ہے تو پھر ذاتِ حق کا دیکھنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ قلب عالمِ ملکوت سے ہے اس میں بصیرت ہوتی ہے جو اسے شئے کے دیکھنے کا کام دیتی ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ عالمِ ملکوت اُمور وہمیہ یعنی زمان و مکان جہتہ کیفیت وغیرہ کے قیود سے پاک ہے اس لئے کہ یہ اُمورِ وہمیہ عالم ملک کے احکام سے ہیں۔ کجا عالم ملکوت و کجا عالم مُلک۔ اُن کو ایک دُوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ وُہی سمجھتا ہے جسے علم سلوک سے کچھ حصّہ نصیب ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

شکر کمال حلاوت پس از ریاضت یافت   نخست در شکن تنگ ازاں مکان گیرد

ترجمہ: حلاوت تو اُس نے ریاضت کے بعد پائی؛ ورنہ پہلے تو ایسے دُکھ میں تھا کہ مکان کو اس سے عار تھی۔

(ف) لطیف وہ ہے جو مخفی امور کے دقائق و غوامض کو جاننے اور جُملہ امُور کے دقیق و ثقیل معاملات کو جاننے کی وجہ سے ضرورت مند کے ہاں اُس کی ضروریات، نرمی سے پہنچائے۔ سختی کا درمیان میں نام تک نہ ہو جب کسی کے فعل میں نرمی اور لُطف فِی الادراک ہو تو اُس وقت لطیف کا معنٰی مکمل ہوتا ہے اور کمال فی العلم والفعل کا تصور صرف ذات باریتعالیٰ کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔

سبق: سالک کے لئے لطیف کا معنیٰ یہی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ لطف و شفقت سے پیش آئے اور انہیں دعوتِ الٰہی پیش کرے تو لطف کو مدِّ نظر رکھ کر اور انہیں راہِ حق کی ہدایت دے اور سعادتِ ابدی کے لئے بُلائے لیکن اس میں سختی و دُرشتی کو درمیان میں نہ لائے اور نہ ہی کسی سے لڑائی کرے اور نہ ہی تعصب سے کام لے۔

فائدہ: وجود لطف سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان حق کو قبول کرتے ہُوئے اپنے میں اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ اور اعمال صالحہ پیدا کرے اس لئے کہ یہی امور زبانی جمع خرچ اور میٹھے میٹھے بول

ہزار درجہ بہتر ہیں۔

نکتہ : حضرت شیخ الاکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ ارشاد نبوی صَلُّوْ کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ ،، جیسے میں نماز پڑھتا ہوں ایسے ہی نماز پڑھو ،، میں فعل کا حکم ہے نہ کہ قول کا اس لئے کہ فعل قول سے راجح ہوتا ہے ؛ چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

واذا المقال مع الفعال وزنتہ ۔ رجح الفعال وخف کل مقال

ترجمہ : قول و فعل کا موازنہ کیا جائے تو فعل قول سے بڑھ جائے گا ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

پند فعلے خلق را جذاب تر ٭ کہ رسد در جان ہر باگوش کر

ترجمہ : نصیحت مخلوق کے فعل کو کھینچتی ہے بہرے کان کو بھی جان بخش دیتی ہے ،،

اور خبیر وہ ہے کہ جس سے کوئی مخفی سے مخفی بات پوشیدہ نہ ہو۔ ملک و ملکوت کا ہر حکم اسی کے امر سے جاری ہو اور ہر عالم کا ہر ذرہ اسی کے ایماء سے متحرک ہو۔ ہر نفس کو اس سے سکون نصیب ہو اور اگر کسی کو اضطراب ہو تو اسی سے اور کسی کو اطمینان اور چین ہو تو اس سے وہ جملہ امور کو جانتا ہو اور خبیر بمعنے علیم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جن امور کو امور مخفیہ سے تعلق ہو ان کے جاننے والے خبیر اور اس کے مصدر کو خبرۃ سے تعبیر کرتے ہیں اور بندے کو خبیر کہا جاتا ہے اس لئے کہ جو کچھ قلب اور بدن میں جاری ہوا اس سے وہ باخبر ہے اگرچہ قلبی امور کتنے ہی مخفی کیوں نہ ہوں بلکہ دل جیسے کھوٹ یا خیانت کا قصد کرتا اسی طرح دل کے جلا بخشنے والے کاموں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور شرور کو پوشیدہ اور نیکیوں کو ظاہر اور اخلاص و افلاس کو ظاہر کرتا ہے ، یہ قلب کے امور سے متعلق ہیں۔ ان سے باخبر ہونا کسی زیرک انسان کا کام ہے بلکہ سمجھدار انسان اپنے نفس کی مکاریوں غداریوں سے پورا واقف ہوتا ہے ۔ ایسا انسان اپنے نفس کا خوب مقابلہ کرتا ہے اور اس کی چالاکیوں کا پورا قلع قمع کرتا ہے۔ اس لئے ایسے بندے کو خبیر کہنا موزوں ہے ۔

تفسیر عالمانہ قَدْ جَآءَکُمْ ،، اے پیارے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو فرمائیے بالخصوص اہل مکہ کو بے شک تمہارے ہاں آئے ہیں ۔ بَصَآئِرُ ،، دلائل مِنْ رَّبِّکُمْ ،، تمہارے رب کی طرف سے جن میں توحید کے دلائل کے علاوہ نبوت کی حقانیت کا بیان ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ بعثت و نشر اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا حق ہے ۔

حل لغات : بصائر ،، بصیرۃ کی جمع ہے ہر وہ نور جس سے قلب اشیاء کو دیکھے جیسے بصر ہر اس نور کو کہا جاتا ہے جس سے آنکھ دیکھتی ہے ؛ لیکن عرف میں بصیرۃ اس قوت کو کہا جاتا ہے جو قلب معقولات کے ادراک کے لئے امانت رکھی گئی ہے اسے معلوم کرے تاکہ قلب معقولات کا ادراک

کر کے مقاصد کے لئے حجۃ بتینہ تیار کر سکے چونکہ قوۃ مُودَعَہ اور قلب کی بینائی ہر دونوں ہی ادراک کا سبب ہیں۔ اسی لئے قوۃ مودعۃ پر استعارۃً اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ اَبْصَرَ ،، پس جو شخص اِن دلائل کے ذریعے حق دیکھ کر ایمان لاتا ہے۔ فَلِنَفْسِہٖ تو وہ اُسی کی اپنی ذات کے لئے ہے۔ یعنی جس نے دلائل کو دیکھا ہے ان دلائل سے اس دیکھنے والے کو فائدہ ہوگا۔ وَمَنْ عَمِیَ ،، اور جس نے دلائل کے ظہور و وضوح کے باوجود انہیں نہ دیکھا۔ اور گمراہی کا راہ اختیار کیا۔

نُکتہ : دلائل نہ دیکھنے کو اندھاپن (عمی) سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا فعل نہایت درجہ کا قبیح تھا اور اس کی قباحت سے پُورے طور نفرت کی جائے۔

فَعَلَیْھَا ،، پس اس بُرے فعل کا وبال اسی پر ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کے دل میں بصیرت امانت رکھی ہے جس سے ان حقائق غیبی اور کمالات کا مشاہدہ کرتا ہے جو اہل اللہ کو نصیب ہوتے ہیں۔ جس طرح ہر انسان کو آنکھ عطا ہوئی کہ جس سے دُنیا کی ظاہری اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔ یعنی ماکولات و مشروبات وملبوسات ومنکوحات وغیرہ وغیرہ جو کچھ قلب کی بصیرت سے مراتب علویہ، اخرویہ، باقیہ کو (اسی طرح کمالات قرب اور وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے تیار ہونے ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ ہی کسی کے تصوّر میں آسکتا ہے) دیکھتا ہے تو ایسا شخص اُن کے حصُول کے لئے مشغول ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے راہ پر چلنے کی جدوجہد کرتا ہے اور وہ دُنیاوی اور باطل اُمور سے دُور ہوجاتا ہے۔ پھر اُس کا یہ حال ہوتا ہے کہ دُنیا کی زینت اور اُس کے نقش ونگار اور اس کے شہوات فانیہ سے بے پرواہ ہوجاتا ہے۔ یہی اس کی سعادت وکرامت ہوتی ہے جو اس کے نفس کو نصیب ہوتی ہے؛ ورنہ اللہ تعالیٰ تو تمام عوالم کے جملہ اُمور سے بے نیاز ہے اور جو اِن اُمور سے اندھا ہُوا اور اُسے بصیرت نصیب نہ ہو تو جسم کی آنکھ سے دیکھا اور دُنیا کے نقش ونگار اور اس کے شہوات میں مشغول ہوگیا اور اس کی لذتوں میں محو ہُوا اور حیوانوں کی طرح ان میں صرف کھانے پینے تک محدود رہا تو اُس کی بصیرت اندھی ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان لوگوں کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوئیں بلکہ اُن کے دل کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ ایسے لوگوں کو شقاوت اور دائمی خسارہ نصیب ہُوا (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ،، اور میں تمہارا محافظ نہیں ہوں بلکہ میں تو مُنذِر و مبلغ ہوں اللہ سب کا نگران ہے وُہی تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور وہی تمہیں اعمال کی جزاء وسزا دے گا۔

تفسیر عالمانہ "وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ" یعنی مذکورہ تعریف کی طرح ہم آیات کو پھیرتے ہیں جو عجیب معانی پر دلالت کرتی اور بہترین معانی واضح کرتی ہیں۔ یہ صرف سے ماخوذ ہے۔ بمعنے نقل الشئ من حال الی حال یعنی شئ کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نقل کرنا۔ "وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ" یہ محذوف کلام کی علت اور لام عاقبت کی ہے اور الدرس بمعنی القرأۃ والتعلم یعنی پڑھنا اور تعلیم حاصل کرنا یعنی انجام کار یہ لوگ ہی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ باتیں کسی دوسرے سُنی ہیں۔

شانِ نزول : قریش مکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ آپ یہ باتیں روم کے دو قیدیوں یعنی سیار وجبیر سے سُن کر ہمیں پڑھ کر بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کلام تو اللہ تعالیٰ سے اُترا ہے۔

(ف) وہ قیدی رُومی قریش کی قید میں تھے۔

"وَلِنُبَيِّنَهٗ" اس کا عطف لیقولوا پر ہے اور لام اپنے اصل پر ہے اس لئے کہ تبیین تعریف مقصود ہے۔

سوال : آیات تو جمع کا صیغہ ہے اور ضمیر واحد کی کیوں۔

جواب : آیات قرآن کی تاویل ہیں۔ بنابریں ضمیر بھی واحد کی ہے۔

"لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ" علم والوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

"اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ" جس کی آپ کو وحی کی گئی ہے۔ اس کی آپ اتباع کرتے رہیں یعنی قرآنی تعلیمات میں جو کہ ان میں عمدہ توحید ہے۔ اگرچہ کفار آپ پر جیسے ہی طعن تشنیع کرتے رہیں۔

"لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ : اور مُشرکین سے رُوگردانی فرمائیے۔ اپنی قوم کی پرواہ مت کیجئے اور جو کچھ وہ بکتے ہیں۔ یا آپ کے متعلق غلط آراد قائم کرتے ہیں انہیں خیال میں نہ لائیے۔ اس لئے کہ جاہلین کی جہالت سے رسالت ونبوت کے پیغامات پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی جاسکتی۔ حضرت شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بگو آنچہ دانی سخن سودمند — وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں برآرد خروش — کہ آوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ : وہ سخن بول جو سودمند ہے اگرچہ کسی کو پسند نہ آئے
کہ کل پریشان ہوکر تو شور مچائے گا کہ افسوس میں نے حق کیوں نہ سُنا

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ ،، اور اگر اللہ تعالیٰ اُن کی توحید یعنی ان کا مشرک ہونا نہ چاہے۔ مَآ اَشْرَکُوْا " تو وہ مُشرک نہ ہوتے۔

سوال : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ مشرکین کی توحید و ایمان چاہتا ہی نہیں حالانکہ یہ تو نہایت قبیح امر ہے اور قبیح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف حرام ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ کے نہ چاہنے کی نسبت اس وقت نہیں جبکہ کفار ایمان و توحید کی طرف رغبت رکھ کر متوجہ ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں اس سے روکے۔ یہ معنیٰ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ معنے ہے کہ جب یہ لوگ اپنے اختیار کو ایمان پہ صرف ہی نہیں کرتے بلکہ کفر پہ ڈٹے ہُوئے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُن کے ایمان و توحید کا بھی ارادہ نہیں فرماتا۔

وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ ،، یہ اور حَفِيْظًا اپنے ماقبل کے متعلق ہیں۔ یعنی ہم نے آپ کو ان پہ حفیظًا نگران اور محافظ نہیں بنایا کہ آپ ہماری طرف سے اُن کے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں اور وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ نہ ہی آپ ان کے وکیل ہیں کہ اُن کے امور کا نظم و نسق سنبھال کر اُن کی مصلحتوں کی تدبیریں بناتے رہیں۔

حفیظ و وکیل میں فرق : آیت میں حفیظ وکیل دونوں کو یکجا لانے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں میں معنوی فرق ہے اس لئے کہ حافظ و حفیظ وہ ہے جو کسی کو نقصان رساں شئے سے بچائے اور وکیل وہ ہے جو کسی کو نفع رسانی کی تدبیر بتائے۔

فائدہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا حق۔ وہ بدبخت قبول نہیں کرتا جو ازل سے بدبختی کا شکار ہُوا ہو۔ ایسے بدبختوں کے لئے اللہ تعالیٰ بھی ہدایت دینا اور ان کو سعادت مند بنانا نہیں چاہتا۔

ازلی بدبختی کی علامات : (۱) آنکھیں کبھی خوفِ خدا سے نہ روئیں۔
(۲) دل بہت سخت ہو۔
(۳) دنیا کی محبّت بہت زیادہ ہو۔
(۴) دنیوی آرزوؤں کی بہتات ہو۔

سعادت مند کی نشانیاں : (۱) صالحین (اولیاء اللہ) کی محبّت اور اُن کے قرب کی تمنّا (۲) تلاوتِ قرآن مجید
(۳) شب بیداری
(۴) صُحبتِ عُلمائے (اہلسنت)
(۵) رقّتِ قلبی

حکایت : حضرت ابراہیم مہلب سیاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا کہ ایک لڑکی کو دیکھا کہ وہ کعبہ معظمہ کا غلاف پکڑ کر کہہ رہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ میں تجھے محبت کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ میرا دل مجھے واپس لوٹا دے میں نے کہا بیٹی تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ بے نیاز تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کی عنایتِ قدیمہ کے لشکر نے مجھ پر حملہ کیا اور مجھ پر بہت سا مال خرچ کر کے شرک کے علاقوں سے نکال کر توحید کے ملک میں پہنچایا اور جہالت کے گڑھے سے نکال کر مجھے عرفان کے شہر میں بسایا۔ یہ اس کی محبت و عنایت ہی تو اور کیا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی نے فرمایا :

؎ چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست آں بہ کہ کارِ خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ : بسبب حسن کا انجام ترک دنیا اور زہد ہے تو پھر وہی بہتر ہے کہ وہ اپنے کرم سے جس طرح چاہیں نجات دیں

سبق : نیک بندے پر لازم ہے کہ وہ نیکی کرنے میں سبقت کرے۔ اس لئے کہ اعمال صالحہ سعادت کی علامت ہیں اور نیک اعمال سے کترانا اور لمبی لمبی آرزوؤں میں مبتلا ہونا بدبختی کی علامت ہے۔

حکایت : ایک عابد نے اللہ تعالیٰ سے آرزو کی کہ انہیں ابلیس کی اصلی شکل دکھائی جائے اسے جواب ملا کہ آپ صرف اپنی عافیت کی خیر مانگئے اور بس، لیکن وہ اس پر مُصر ہے کہ ایک بار تو ابلیس کو ضرور دیکھوں گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کے سامنے کر دیا۔ ابلیس کو دیکھ کر اس عابد نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو ابلیس نے کہا اگر تم ایک سو سال زندگی بسر کرو تب بھی میں تمہیں گمراہ کر کے تو تباہی کے گڑھے میں ڈال دوں گا اس سے عابد کو غرور پیدا ہو گیا اور کہا کہ تو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا اس لئے کہ اگر کوئی گناہ کر لوں گا تو پھر توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لوں گا ؛ چنانچہ ایک مدت کے بعد شیطان ابلیس نے اس عابد کو گمراہ کر کے تباہی کے گڑھے میں ڈال دیا۔

سبق : اس حکایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو لمبی آرزو تباہ و برباد کرتی ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑی آفت ہے۔ صائب نے کہا ؎

در سرایں غافلاں طول امل دانی کہ چیست ٭ آشیاں کردست مارے در کبوتر خانہ

ترجمہ : ان غافلوں کے خیال میں طول امل کے سوا کچھ نہیں۔ کبوتر خانہ میں تو سانپ نے بسیرا کر لیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : رسول علیہ السلام کے ذمہ صرف تبلیغ احکام ہے اور بس۔ صرف فرق اتنا ہے کہ عوام کو توحید کی طرف بلاتے ہیں اور خواص کو وحدانیت

کی طرف اور خواص الخواص کو وحدۃ کی طرف۔ کچھ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے (جو انبیاء علیہم السلام کے وارثین ہیں) لیکن ان مقامات پہ پہنچنا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں اور نہ ہی مرشد کے ارادہ پر ہے کہ جس کے لئے وہ چاہے تو اسی طرح ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت پر ہے۔ لیکن ان تمام مقامات کا اصل سرچشمہ توحید ہے کہ جس طرح مومن اس سے ہی مومن بنتا ہے تو کافر بھی اسی کے انکار سے کافر بنتا ہے۔ مومن مخلص وہ ہے جو توحید کے تکرار میں لگا رہے۔ اس لئے شرک جلی ہو یا خفی اس توحید سے مٹتا ہے۔ مومن ناقص تو مشرک اور شرک جلی کو خیال میں لاتا ہے لیکن مومن کامل مشرک شرک خفی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ○ کفار سے اعراض حقیقی حاصل ہو تو اس کے ساتھ ظاہری اختلاط سے نقصان نہیں پہنچتا اس لئے کہ اگر یہ ظاہری اختلاط بھی نہ ہو تو پھر اُسے دعوت کس طرح دی جاسکے گی اور اس پر حجت کس طرح قائم کی جاسکے گی اور قیامت میں اُسے کس طرح ساکت کیا جاسکے گا۔ وَاللہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی "اللہ تعالیٰ صرف اسے اپنی دار السلام کی دعوت دیتا ہے جو ہدایت کی اتباع کرتا ہے اور جو خواہش نفسانی کے درپے رہتا ہے اسے قیامت میں سخت ملامت اور رسوائی نصیب ہوگی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ شکر ہاست دریں شہر قانع شدہ اند　　شاہباز ان طریقت بمقام مگسے

تفسیر عالمانہ

ؕ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ "اے مومنو! گالی نہ دو۔ اَلَّذِیْنَ انہیں جو یَدْعُوْنَ "بتوں کو پرستش کرتے ہیں۔ یعنی انہیں پکارتے اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ مِنْ دُوْنِ اللہِ" درانحالیکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تجاوز کرنے والے ہیں اُن سے کفار مکہ مراد ہیں۔

(ف) مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ " بحیثیت عبادت کے انہیں گالی نہ دو مثلاً یوں نہ کہو اے کافرو! تمہیں اور تمہارے معبودوں کے لئے خرابی ہو۔

فَیَسُبُّوا اللہَ عَدْوًا "تو وہ بھی حق سے متجاوز ہو کر تمہاری طرح وہ تمہارے معبود کو گالی دیں گے۔ (ف) عدوًا یا مفعول مطلق ہے اس لئے کہ سب بھی ایک قسم کی عداوت ہے یا وہ مفعول لہ ہے یعنی وہ تمہیں عداوت کی وجہ سے گالی دیں گے۔

بِغَیْرِ عِلْمٍ " یہ فَیَسُبُّوا سے حال ہے یعنی وہ گالی دیں گے۔ درآنحالیکہ انہیں نہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور نہ ہی اُس کی شان کے وہ آداب جانتے ہیں اس لئے کہ وہ نرے جاہل ہیں کیونکہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی شانِ مرتبت کا علم ہوتا تو اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

سوال : وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح گالی دے سکتے جبکہ وہ شان الوہیت کے قائل تھے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا انہیں اقرار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بتوں کی پرستش بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کی نیت پر کرتے۔

جواب : اگرچہ وہ صراحۃً اللہ تعالیٰ کو گالی نہ دیتے لیکن اُن سے اپنے بتوں کی غیرت سے ایسے امور سرزد کرتے جن سے اللہ تعالیٰ کی گستاخی کا پہلو نکلتا۔ جیسے انسان کی فطرت ہے کہ جب غیظ و غضب سے بھرپور ہو جاتا ہے تو اس سے ایسے امور سرزد ہوتے ہیں جن کا ارتکاب اس سے نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ بلکہ انسان لبا اوقات شدتِ غضب سے کلماتِ کفریہ بھی بک جاتا ہے (العیاذ باللہ)

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ جو طاعت گناہوں کا سبب بن جاتی ہے اُسے ترک کر دینا ضروری ہے اس لئے کہ جو شئے شر کا سبب بنے وہ بھی شر کہلاتی ہے۔ مثلاً بتوں کی مذمت اور انہیں گالی دینا اصل طاعات سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن سے روک دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک بہت بڑے گناہ کا سبب بنتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے اور اُنہیں گالی دینے کا موجب بن جاتی ہے۔ اس سے سفاہت کا دروازہ کھل جائے گا۔

مسئلہ : جب کوئی کسی کے متعلق یقین کرے کہ وہ اس کی نصیحت سے یعنی اسے ایک برائی کے روکنے سے وہ کسی دُوسرے بڑے گناہ میں مُبتلا ہو جائے گا تو ایسے انسان کو نصیحت نہ کرنا لازم ہے۔ بلکہ اُسے ویسے ہی حال پہ رہنے دے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مجال سخن تا نیابی مگوئی ۔۔۔ چو میداں نہ بینی نگہدار گوئی

ترجمہ : سخن کا موقعہ نہ ہو تو نہ بول جب میدان نہ ہو تو سخن کو نگاہ رکھ اور گیند نہ پھینک۔

کَذٰلِکَ ،، یعنی اس تزیین قوی کی طرح اس سے کفار کا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا اور اُن کی اصنام پرستی مراد ہے۔ **زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَھُمْ** ،، ہم نے زینت دی ہر اُمت کو اُن کے اعمال بھلے یا بُرے طاعت یا معصیت یعنی جب ان میں کسی ایک کو اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں اُن کی طرف طبیعت کا میلان پیدا کر دیتا اور نیکی کی توفیق بخشتا یا بُرائی کا خوگر بناتا۔

ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ ،، پھر اپنے ربِّ کریم اور جُملہ امور کے مالک کی طرف **مَّرْجِعُھُمْ** اُن کا رجوع ہوگا۔ اس سے مرنے کے بعد اُٹھنا مُراد ہے۔ **فَیُنَبِّئُھُمْ** ،، پس وہ انہیں بلا تاخیر خبر دیگا۔ **بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ** ٥ بسبب اُن کے اعمال کے جو دُنیا میں دائمی طور کرتے اور وہ بُرے اعمال انہیں نہایت اچھے لگتے۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو کسی کو سزا و عتاب سے ڈرائے۔ مثلاً کسی نے کسی دُوسرے

کو دھمکانا ہوتا تو کہتا سأخبرک بما فعلتَ "میں عنقریب تیری خبر لوں گا جو کہ تُو نے فلاں کام کیا ہے۔ اس کی تجھے عنقریب سزا مل جائے گی۔

نُکتہ : اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جو اُمور یہاں ہمیں بہتر اور بھلے محسوس ہوتے ہیں۔ کل قیامت میں اُن کی مخالف صُورت میں ظاہر ہوں گے۔ اس لئے کہ گناہ انسان کے لئے زہرِ قاتل ہیں۔ اِس دُنیا میں تو نہایت حسین محسوس ہوتے ہیں (جو کہ عاصیوں کی نگاہوں میں بے نظیر نظر آتے ہیں) چنانچہ اس آیت کے "زُینا" کے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت طاعات کی ہے کہ باوجودیکہ حسن و جمال میں وہ اپنی نظیر آپ ہیں، لیکن بعض اوقات انسان کو قبیح محسوس ہوتے ہیں۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت کے گرد مکارہ اور دوزخ کے گرد شہوات کھڑی کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و مجرمین کو دُنیا میں بُرے اعمال (کفر وغیرہ) ایسے مزین نظر آتے ہیں کہ انہیں اُن کے سوا اور کوئی شئے اچھی نہیں لگتی، لیکن آخرت میں اُن کی حقیقت ایسے مکروہ منظر میں متبدل ہو جائیں گی جنہیں وہ دیکھ کر گھبرائیں گے۔ اِس پر انہیں کہا جائیگا یہ تمہارے وہی کرتوت ہیں جن کے تم دُنیا میں مرتکب ہوئے تھے جو آج اس قباحت کے ساتھ تمہارے سامنے ہیں اور اُن کی حقیقی اور اصلی شکل یہی ہے جنہیں تم دُنیا میں نہایت درجہ کے شکیل و جمیل صُورت میں دیکھتے تھے اور تم کو اُس کی اطلاع دُنیا میں دی جا چکی تھی کہ ان برائیوں کی ظاہری شکل کو نہ دیکھو کہ ان کی حقیقت اور اصلی صُورت بہت بڑی خراب ہے لیکن تم نے اس وقت کوئی بات نہ مانی (تفسیر الارشاد)

فائدہ : اللہ والوں کو یہی بُرے اعمال دُنیا میں ہی گندی صُورت میں نظر آجاتے ہیں جنہیں وہ اچھی صُورت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حکایت : حضرت شیخ ابوبکر ضریر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک حسین جمیل شخص رہا کرتا تھا جو رات عبادت میں گزارتا اور دِن کو رونے سے رہتا ایک دِن میرے ہاں حاضر ہو کر کہا کہ میں نے رات کو خراب کے ہجوم سے اوراد نہیں پڑھ سکا۔ نیند میں دیکھ رہا تھا کہ میرا حجرہ پھٹ گیا ہے اور میرے اس حجرے سے چند نوجوان حسین و جمیل لڑکیاں نکلی ہیں۔ اِن میں ایک بدنما اور نہایت گندی شکل والی بھی ہے۔ میں نے اُن سے کہا تم کس کی لونڈیاں ہو اور یہ بدشکل کس کی ہے اُن سب نے کہا ہم سب تیری وہ راتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارتا تھا اور یہ سیاہ فام تیری وہی رات ہے کہ جس میں تو نے اپنے اوراد و وظائف اور عبادت ترک کر کے نیند کر رہا ہے۔ اگر تو اسی رات مرجاتا تو رات اس شکل میں تجھے نصیب ہوتی۔ پھر وہی بدنما گندی شکل والی نے یہ شعر پڑھے۔

اسئال لمولاك فاردنی الی حالی　　　فانت قبحتنی من بین اشکالی

وقد ابدت بخبرا ذوعظمت بنا　　　ابشر فانت من المولیٰ علی حال

ترجمہ: اپنے مالک و مولیٰ سے میرے متعلق سوال کیجئے تاکہ وہ مجھے اپنی اصلی صورت میں لوٹا دے اس لئے کہ تونے ہی مجھے قبیح بنایا اور تم نے نوزیکی کے ارادے کئے ہوئے تھے اور اس کی تو ہمیں نصیحت دیتا ہے۔

اس پر تمہیں مبارک ہو کہ تو ہر حال میں ہمارا مولیٰ ہے۔ پھر حسین شکل والیوں سے ایک نے یہ شعر پڑھا ؎

نحن اللیالی اللوانی کنت تسھرھا　　　تتلوا القرآن بترجیع واناث

ترجمہ: ہم تیری وہی راتیں ہیں جنہیں تو اچھے لہجے سے قرآن پڑھ کر زندہ رکھتا تھا۔

نسخہ رُوحانی: بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نفس کے کسی ایک عیب کا انکشاف ملکوت کے انکشاف سے بہتر ہے اس لئے انسان کا مقصود طبیعت اور نفس کی اصلاح ہے اور اکل و شرب اور نیند صفات بہیمیہ سے ہیں اور طبیعت کے مقتضیات یہی ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ زینا لِکُلِّ اُمَّۃٍ الخ یعنی ہم ہر امت کے مقبول لوگوں کے اعمال اہلِ قبور کے لئے سنوار رہے ہیں اور مردودوں کے اعمال اہل رد کے لئے مزین کئے ہیں۔ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمۡ مَّرۡجِعُھُمۡ، پھر ان کا رجوع اس گروہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دیں گے۔ فَیُنَبِّئُھُمۡ بِمَا کَانُوۡا الخ، پس اللہ تعالیٰ انہیں اُن کے اعمال کی خبر دے گا۔ اہل قبول تو اعمال صالحہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لئے وہ صحیح راستہ پر چلیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و احسان سے نوازے گا۔ اس لئے کہ وہ نیکی کرنے والے ہیں اور اہل رَدّ چونکہ اللہ تعالیٰ کے کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں اس لئے وہ ہلاکت اور قہر کی وادی میں بھٹکتے ہوئے حاضری دیں گے بنابریں عدل و انصاف کے طور انہیں گھاٹے اور خسارے میں ڈالا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ دُنیا میں بُرائیوں کے مرتکب ہوتے رہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

جملہ دانند ایں اگر تو نگردی　　　ہرچہ می کاریش روزے بدروی

ترجمہ: تمام کو معلوم ہے کہ اگر تو نے کوئی کام نہ کیا پھر یاد رکھ کہ جو کچھ بوئے گا وہی اُٹھائیگا۔

حکایت: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک بڑھیا رہتی تھی جو عبادت کرتے کرتے کوزہ پشت ہو چکی تھی۔ میں نے کہا آپ اپنے نفس پر نرمی کیوں نہیں کرتیں۔ اُس نے جواب دیا کہ اے شیخ تمہیں معلوم ہے کہ نفس کی نرمی اپنے مولیٰ سے دُوری کا سبب بن جاتا ہے اور جو اپنے مولیٰ سے دُور ہو جاتا ہے وہ دُنیا میں مشغول ہو کر خود کو مصائب و پریشانیوں میں ڈال دیتا ہے۔ میں

اپنے اعمال میں جدوجہد کروں تب بھی کچھ نہیں ہوں۔ پھر میرا اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ میں اعمال صالحہ میں کوتاہی کروں۔ اس کے بعد فرمایا کہ سباق کی حسرت اور فراق کا درد بہت سخت ہے سباق کی حسرت تو یہ ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے تو بعض حضرات وہ ہوں گے جو نُورانی سواریوں پر سوار ہوکر عزوجل کے محل میں پہنچیں گے اور اُن کے لئے محبّین کی منازل پیش کی جائیں گی اور مقربین کے گروہ میں شامل ہوجائیں گے اور جو اُن سے پیچھے رہ جائیں گے انہیں سخت حسرت ہوگی اور غم کے مارے اُن کے دل پھٹنے پر آجائیں گے افسوس کھائیں گے ندامت اور شرمساری سے اُن کے دل پگھل جائیں گے اور فراق کا درد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کی آپس میں جُدائی ڈالے گا۔ یعنی تمام مخلوق کو میدانِ محشر میں ایک جگہ جمع فرمائیں گے اور ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ وہ زور سے پکارے اے مجرمو! علیحدہ ہوجاؤ۔ اُس وقت متقین کو کامیابی نصیب ہوگی؛ چنانچہ قرآنِ مجید میں ہے: وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ٥ اس وقت شوہر کو اپنی زوجہ سے اور بچے کو ماں سے اور دوست کو دوست سے جُدا کیا جائے گا۔ اُن میں سے ایک کو ریاضِ جنّت کی طرف نہایت اجلال و اکرام سے لایا جائے گا۔ اور دوسرے کو پاؤں اور گردن میں بیڑیاں اور زنجیر ڈال کر عذابِ جہنّم کی طرف گھسیٹا جائے گا اور انہیں اس جُدائی اور فراق پر بہت سخت دُکھ اور درد پہنچے گا جس سے وہ سخت روئیں گے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی نہریں جاری ہوجائیں گی۔ ایک دُوسرے سے جُدائی کے وقت گویا یہ شعر پڑھیں گے ؎

لَوْ كُنْتَ سَاعَةَ بَيْنِنَا مَا بَيْنَنَا　　وَرَأَيْتَ كَيْفَ نُكَرِّرُ التَّوْدِيعَا

لَعَلِمْتَ اَنَّ مِنَ الدُّمُوعِ لَاَجْرًا　　تَجْرِي وَعَايَنْتَ الدِّمَاءَ دُمُوعًا

ترجمہ: اگر میں اس وقت ہوتا جبکہ ہمارے مابین جُدائی ڈالی جارہی تھی اور دیکھتا کہ کس طرح ہمیں جُدا کیا جارہا تھا تو مجھے معلوم ہوتا کہ بے شک اس وقت آنسو کے دریا بہہ رہے ہیں۔ اس وقت آنسو کے بجائے خون کی نہریں جاری ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ ،، (شانِ نزول) مروی ہے کہ کفارِ مکہ نے کہا یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا جسے وہ زمین پر مارتے تو اس سے پانی کے چشمے بہہ نکلتے۔ اور یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ صالح علیہ السلام نے اونٹنی پتھر سے نکالی تھی اور آپ بھی تو ہمیں ان میں سے کوئی معجزہ دکھائیے۔ اگر آپ ہمیں ان میں سے کوئی معجزہ دکھائیں گے تو بخدا ہم آپ کو ضرور نبی مان لیں گے اور اس پر بہت بڑا زور دیا اور قسمیں کھائیں۔ آپ نے فرمایا بتاؤ تم کیا چاہتے ہو اُنھوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ آپ صفا پہاڑی کو سونا بنادیں یا ہمارے بعض مردگاں کو زندہ کردیں تاکہ ہم اُن سے آپ

سے متعلق سوال کریں کہ کیا واقعی آپ سچے نبی ہیں یا فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیے تاکہ وہ ہمیں گواہی دیں کہ آپ رسُول برحق ہیں۔ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا اگر وان میں سے بعض باتیں پُوری کر دُوں تو تم واقعی مسلمان ہو جاؤ گے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں گے۔ مسلمانوں نے بھی رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور! آپ مزید انہیں کچھ تو کچھ دکھا دیں تاکہ یہ لوگ ایمان کی دولت سے نوازے جائیں۔ آپ اس سے ملول و حزیں ہوئے تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اگر چاہیں تو مذکورہ بالا امُور ضرور ہو کر رہیں گے لیکن یہ بدبخت ایمان نہیں لائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ اُن کے انکار کو دیکھے گا تو انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ اُن کی جڑ کٹ جائے گی۔ اگر آپ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں تو ان میں سے بعض کو توبہ کی توفیق نصیب ہوگی۔ اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار قریش نے اللہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ **جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ** ،، جہد مصدر ہے اور حال کے مقام پہ واقع ہے۔ دراصل جاہدین فی ایمانہم ہے یعنی درآنحالیکہ وہ اپنی قسموں میں جد وجہد کرنے والے ہیں۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی قسم کو تاکید اور سخت تاکید سے ظاہر کرے۔

لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ،، کہ اگر اُن کے مطالبہ پر کوئی معجزہ ظاہر ہو **لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا** ،، تو وہ ضرور مان لیں گے **قُلْ** محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں فرمائیے۔ **اِنَّمَا الْاٰيٰتُ** ،، بے شک تمام آیات **عِنْدَ اللّٰهِ** ،، اللہ کے ملک ہیں۔ وُہی اُن پر قُدرت رکھتا ہے۔ ان میں سے جنہیں چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے۔ ان میں کوئی بھی شے میرے بس کی نہیں اور نہ ہی ذاتی طور میں اپنے ارادہ سے انہیں ظاہر کر سکتا ہوں۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سُناتا ہوں۔

(ربط) مذکورہ بالا حکم سُنا کر اب اِن معجزات کے عدمِ ظہور کی حکمت بتاتے ہیں اور اہل اسلام کو مخاطب کر کے بتایا اے مسلمانو! **وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ** اور کونسی شئی تمہیں بتاتی ہے کہ وہ اِن معجزات کو دیکھ کر ضرور ایمان لائیں گے بلکہ جُونہی وہ معجزات دیکھیں گے وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے سرمُو بھی نہیں ہٹیں گے۔ اس لئے کہ اُن میں کُفر و عناد کا مرض ہے۔ تم اے مسلمانو! اس راز کو نہیں جانتے فلہٰذا ان معجزات کے ظہور کی تمنا مت کرو۔ صرف اِس ارادہ پر کہ کافر مسلمان ہو جائیں گے۔ اِستعار کا انکار سبب ہے ...... نفی کا سبب یعنی شعور کی بطور مبالغہ نفی کی گئی ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ کفار کی یہ قسمیں جھُوٹی ہیں اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اللہ تعالیٰ معجزات کو ظاہر بھی نہیں فرماتا۔ ہاں اُن کے لئے ظاہر نہیں فرماتا جو ازل سے

اُس کی رحمت سے محروم ہیں۔

۹ وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ ،، اس کا لَا یُؤْمِنُوْنَ ،، پر عطف ہے یعنی اے مسلمانو! تمہیں کیا پتہ کہ میں اُن کے دل اُس وقت پھیر دیتا ہوں جس سے وہ حق سے رُوگردانی کرکے حق کو سمجھتے ہی نہیں۔

وَ اَبْصَارَهُمْ ،، اُن کی آنکھوں کی روشنی چھین لیتا ہوں کہ جس سے وہ حق کو دیکھتے نہیں ایسے وہ ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے۔

كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ ،، جیسے کہ وہ پہلے آئی ہوئی آیات پر ایمان نہیں لائے۔

اَوَّلَ مَرَّةٍ ،، اس سے قبل جو اُن پر معجزات ظاہر ہوئے مثلاً چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔ وَ نَذَرُهُمْ ،، اُس کا عطف بھی لَا یُؤْمِنُوْنَ پر ہے اور یہ بھی استفہام انکاری کے حکم میں داخل ہے۔ یعنی ہم انہیں چھوڑتے نہیں۔

فِیْ طُغْیَانِهِمْ ،، اُن کی گمراہی میں۔ یہ نَذَرُهُمْ کے متعلق ہے۔ یَعْمَهُوْنَ حیران پھرتے ہیں کہ ہم انہیں ہدایت نہیں دیں گے۔ جیسے اہلِ ایمان کو ہدایت سے نوازا ہے۔ یہ نَذَرُهُمْ کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔

فائدہ : اس تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ ان کی استعداد بھی ختم کردی گئی ہے اور وہ حق سے بالکل دُور ہوچکے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ تو ہدایت کی طرف آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں آنے نہیں دیتا بلکہ اس کا مطلب وہی ہے کہ چونکہ اُن کی استعداد ختم ہوچکی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت بھی نہیں دی ورنہ یہ تو اجبار محض ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کُلّی استعداد کے باوجود انہیں ہدایت نہیں دیتا تو وہ مقہور اور مجبور محض ہوں گے اور بحکم خداوندی اِن کے دل پر مہر لگی ہوئی ہے۔ اس طرح سے یہ ظلم ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی شان اور لطف کرم سے بعید ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اس طرح کرتا ہے۔ فللّٰہ الحجۃ البالغۃ ومن اللّٰہ الھدایۃ والتوفیق

اس پارہ ہفتم کے ترجمہ سے فقیر نے شب منگل ۱۳۔ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ تقریباً گیارہ بجے فراغت پائی۔ اس کی تصحیح ۱۴۱۹ھ سے فراغت پائی

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

(بہاول پور۔ پاکستان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پارہ نمبر ۸

وَلَوۡ اَنَّنَا نَزَّلۡنَاۤ اِلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ وَکَلَّمَہُمُ الۡمَوۡتٰی وَحَشَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ کُلَّ شَیۡءٍ
اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے اٹھا لاتے
قُبُلًا مَّا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ یَجۡہَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾ وَکَذٰلِکَ
جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا ولیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں اور اسی طرح
جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ یُوۡحِیۡ بَعۡضُہُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ
ہم نے ہر نبی کے دشمن کیے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی
زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوۡہُ فَذَرۡہُمۡ وَمَا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾
بات دھوکے کو اور تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں ان کی بناوٹوں پر چھوڑ دو
وَلِتَصۡغٰۤی اِلَیۡہِ اَفۡـِٕدَۃُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ وَلِیَرۡضَوۡہُ وَلِیَقۡتَرِفُوۡا مَا
اور اس لیے کہ اس کی طرف ان کے دل جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں
ہُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ
جو انہیں کمانا ہے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کا فیصلہ چاہوں اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب
مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ
اتاری اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا ہے تو اے
فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ
سننے والے تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا
لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ
کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سنتا جانتا اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ
عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾
کی راہ سے بہکا دیں وہ صرف گمان کے پیچھے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾
تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون بہکا اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا
تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو اور تمہیں کیا ہوا کہ اس میں

مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا مگر جب تمہیں اس سے مجبوری

إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ
ہو اور بیشک بہتیرے اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں بے جانے بے شک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں

بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ
کو خوب جانتا ہے اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ وہ جو گناہ کماتے ہیں

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ
عنقریب اپنی کمائی کی سزا پائیں گے اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا

عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ
اور وہ بے شک حکم عدولی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں

وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾
اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ

تفسیر عالمانہ

(ربط) ۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ۔ میں جسے اجمالاً ذکر کیا گیا تھا اب اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ـــــ

اور اگر ہم ان کی طرف ملائکہ کو نازل کریں ۔ جیسا کہ اُن کا سوال ہے کہ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ فرماد ہم اگر ہمارے ہاں ملائکہ نازل ہوں تو ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ لیں۔ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ اور اُن سے مردے کلام کریں ۔ اور وہی آکر ایمان و اسلام کی حقانیت کی گواہی دیں ۔ یعنی وہ زندہ ہو کر کہیں کہ اسلام حق ہے جیسا کہ ان کا سوال تھا کہ فَأْتُوا بِآبَائِنَا

فائدہ : صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ پس ہم ان کے تمام مردگان کو زندہ کریں اور وہ اُن

سے کلام کریں اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں" اگرچہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے صرف اپنے دو کافروں (قصی بن کلاب اور جدعان بن عمرو) کے زندہ کرنے کا سوال کیا۔ اس لئے کہ یہ دونوں اُن کی برادری کے سردار بھی تھے اور اُن کے نزدیک سچے تھے۔ چنانچہ کہا کہ اگر آپ ان کو زندہ فرما دیں اور وہ آپ کی نبوت کی شہادت دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

وَحَشَرْنَا (اور ہم جمع کردیں) عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا اُن پر ہر شے آمنے سامنے۔

قُبُلًا قبیل کی جمع ہے یعنی کفیل اور اس کا منصوب ہونا کل شیءٍ (مفعول بہ) سے حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی ہم ہر شے کو جمع کریں تاکہ وہ تمام چیزیں صحت امر اور حضور نبی پاک کی سچائی کی کفیل ہوں۔ یا قُبُلًا قبیل کی جمع ہے جو کہ وہ بھی قبیلہ کی جمع ہے یعنی جماعات یعنی ہم تمام مخلوق کے ایک ایک نوع اور فوج در فوج جمع کریں۔

فائدہ: تیسیر میں ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کے جانور (ہاتھی سے لیکر مچھر تک) مراد ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم قیامت قائم کریں۔ مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا کسی حال میں بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ یعنی ان کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے لیکن وہ تو ہمیشہ گناہوں میں منہمک رہتے ہیں اور تمرد وطغیان میں یکتا ہیں پھر ان کے لئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان لانے کی مشیت کس طرح ہو سکتی ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ "اور لیکن اکثر ایمان سے بے خبر ہیں۔ یعنی مومن کافروں کے ایمان لانے سے بے خبر ہیں۔ جب اُن کے ہاں آیاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو اہلِ ایمان کافروں کے ایمان لانے سے پُرامید ہو جاتے ہیں لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بے خبری ہے۔ اس معنی پر اس جملہ سے وَمَا یُشْعِرُكُمْ الخ کے مضمون کی تقریر وتاکید ہوگی۔

مسئلہ: معجزہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ کسی کو ایمان پر مجبور نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق ایمان کا ارادہ نہ ہو اور قیامت کے قائم ہونے سے اور کونسی اللہ تعالیٰ کی بڑی آیت ہو سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کے لئے اگر قیامت بھی قائم ہو جائے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اس فطرت کو بدلتی ہے جس میں استعداد ہو۔ جس میں استعداد نہ ہو۔ اسے مشیت نہیں بدلتی۔ اس لئے اہلِ ضلال قہر وجلال میں رہتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ا: از وحشی نیاید کہ مردم شود
بسعی اندر او تربیت گم شود
۲: تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ ۱: وحشی کیلئے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ انسان بن جائے کوشش سے اُلٹا تربیت ضائع ہوگی۔
۲: آئینہ سے زنگ دور کرنا تو ممکن ہے لیکن پتھر آئینہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گر جان بدہد سنگِ سیہ لعل نگردد
با طینت اصلی چہ کند بدگہر افتاد

ترجمہ: جان دیکر بھی کالا پتھر لعل نہ ہوگا۔ باطینت اصلی سے بدگوہر کو کیا لگاؤ۔

سوال: حضرت مولانا روم قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ: اگر تو پتھر اور سنگ مرمر ہے۔ جب تو صاحب دل کے ہاں حاضر ہوگا تو گوہر ہو جائیگا
خلاصہ یہ کہ شیخ سعدی اور حافظ شیرازی قدس سرہما ہر دونوں متفق ہیں کہ بدگوہر کبھی اچھے نہیں ہوسکتے
اور حضرت مولانا روم قدس سرہ کے نزدیک بدگوہر اللہ والے کی نگاہ سے گوہر ہوسکتا ہے

جواب: شیخ سعدی و حافظ شیرازی قدس سرہ نے ذاتی استعداد کے گم کردہ انسان کیلئے فرمایا اور مولانا روم قدس سرہ نے عارضی استعداد کے گم کردہ کیلئے فرمایا اس لئے کہ جس کی عارضی استعداد گم ہو اسے تربیت نافع ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات سب کی سب بھی تربیت کا کام دیتی ہیں وہ معجزات و کرامات علمی ہو یا کوئی جو لوگ ان معجزات و کرامات کے وقت موجود تھے انہیں ان کی تربیت سے فائدہ نصیب ہوا۔ کیوں کہ جس کے اندر استعداد ہوتی ہے وہ حق کی طرف جھک جاتا ہے اور ہدایت قبول کرلیتا ہے اور جس کا ازل سے مادہ فاسد تھا اس نے حق سے اعراض کیا اور گمراہ ہوا۔ بہت سے دھوکہ کھا کر اپنی طبائع خبیثہ کے موافق احکام کی پابندی کرتے ہیں اور جیسے انہیں نفوس متمردہ حکم کرتے ہیں اسے بجالاتے ہیں۔ جیسے وہ جھوٹے طالبانِ حق جو کہتے ہیں کہ اگرچہ مرشدانِ کامل کا معمول یہی تھا اور ان کا طریقہ بجا لیکن ہم جسطرح سلوک طے کرتے ہیں اور جیسے ہم حقیقت کی راہ پہ گامزن ہیں یہی موزوں تر ہے۔ انہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سورج کی حقیقت اپنے مقام حق ہے۔ لیکن اندھا نہ دیکھے تو اس کا اپنا قصور ہے اسی طرح

شہد کی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر جس کی زبان صفرا سے کڑوی ہے وہ نہ سمجھے تو اس کی اپنی غلطی ہے، طالب حق وہ ہے جو اپنی خواہش کا پابند نہیں ہوتا وہ اپنے اوقات عزیز ضائع کرتا ہے بلکہ وہ حتی المقدور محنت کرتا ہے اور طاعات میں لگا رہتا ہے اور طریق طلب میں قدم آگے بڑھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کل حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر کل لوا سے ترک بھی نہ کرنا چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر گران و گر شتابندہ بود
آنکہ جوئندہ است یابندہ بود

ترجمہ: کمزور ہو یا تیز چلنے والا۔ تلاش کرنے والا مطلب پا لیتا ہے۔

سبق یہ استعداد اور طلب حق کا انشراح صدر اللہ تعالیٰ کا نور ہے وہ جس دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں نوجوان ہو یا بوڑھا جسے نصیب ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عنایت فرمائے۔ بہت سے عنفوان شباب میں غلبۂ حال میں مستغرق دیکھے اور سنے گئے۔

حکایت بعض بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک سال مجھے حج کی دولت نصیب ہوئی اور وہ سخت گرمی کے ایام تھے۔ ایک دن ہم ارض حجاز کے وسط میں پہنچے۔ لیکن میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور ایسے جنگل میں پھنس گیا جس میں نہ دن کا پتہ چلتا نہ رات کا۔ اکیلا تو تھا ہی اچانک مجھے ایک شخص کا احساس ہوا کہ وہ میرے آگے چل رہا ہے۔ میں نے جلدی کر کے اسے پا لیا۔ دیکھا تو وہ بے ریش لڑکا تھا اور حسین ایسا کہ اس سے چاند بھی شرماتا تھا اور سورج کی روشنی سے بھی زیادہ روشن۔ اس سے دولتمندی اور ناز و نعمت کے آثار محسوس ہوتے۔ میں نے السلام علیک یا غلام کہا۔ جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ یا ابراہیم مجھے سخت تعجب ہوا اور کہا بیٹا میرا نام تجھے کس نے بتایا ہے حالانکہ اس سے قبل میرا آپ سے تعارف نہیں۔ جواب دیا میں آپ کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ اور میری اور آپ کی دوستی لافانی ہے۔ میں نے کہا تیرا اس جنگل میں کیسے آنا ہوا جب کہ ان دنوں سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ جواب دیا جب سے اس کریم سے تعلق ہوا ہے اب کسی کا وہم و خیال تک نہیں۔ اب میں صرف اسی کا ہو چکا ہوں اور مجھے اپنی عبودیت کا اقرار ہے میں نے کہا تیرے ہاں کھانے پینے کا کوئی انتظام بھی ہے۔ جواب دیا میرا محبوب میری کفالت کرتا ہے۔ میں نے کہا تیری اس تقریر سے مجھ پر خاصہ اثر پڑا ہے۔ آنسو بہا کر مجھے جواب دیا ؎

فلوا جوع فذکر اللہ یشبعنی
ولا اکون بحمدہ اللہ عطشانا

۲: وان ضعفت فوجدینہ حملنی
من الحجاز الی قصلی خراسانا

ترجمہ ۱: اگر مجھے بھوک لگتی ہے تو ذکرِ الٰہی سے بھوک مٹاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حمد سے میری پیاس بجھ جاتی ہے۔
۲: اگر تھک جاتا ہوں تو وہی مجھے حجاز سے خراسان میں پہنچاتا ہے۔

پھر میں نے اس سے پوچھا تیری عمر کتنی ہے کہا بارہ سال۔ میں نے کہا میرے لئے دعا کیجئے۔ میں اپنے قافلے کو پالوں۔ چنانچہ اُس کی دُعا کی برکت سے میں نے اپنے قافلہ کو پایا۔ جب ہم عرفات سے فارغ ہو کر حرم شریف میں پہنچے تو میں نے اسی نوجوان کو دیکھا کہ وہ کعبے کے غلاف کو پکڑے ہوئے ہے اور روتا ہوا اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سجدہ میں رکھا اور اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پھر میں نے اُسے خواب میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا۔ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ کہا کہ میرے رب کریم نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھا تیرا مقصد کیا ہے۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین صرف تو ہی میرا مقصود و مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو میرا حقیقی بندہ ہے۔ اب میرا حق ہے کہ میں تجھ سے پردے ہٹا دوں۔ اس کے بعد پوچھا اب کیا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین جتنا میرے ہمزمان ساتھی ہیں سب کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیری شفاعت قبول کی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے میرے ساتھ معانقہ کیا اس پر میری جاگ ہو گئی۔ مجھے اب ہر شخص کہتا ہے اے ابراہیم تیرے ہاتھ میں کونسی خوشبو ہے جس سے لوگ معطر ہو گئے۔

فائدہ: بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے خوشبو تادم زیست مہکتی رہی۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)

۱۱۲ وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے آپ کا ابوجہل و دیگر کفار مکہ کا دشمن جَعَلْنَا بنایا لِكُلِّ نَبِيٍّ آپ سے پہلے ہر نبی علیہ السلام کے لئے عَدُوًّا دشمن بنائے تھے اس میں اپنے محبوب علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ دشمنوں کی دشمنی (کہ جس میں آپ پر جھوٹے الزامات اور آپ کے ساتھ غلط اور گندے کردار ادا کرتے ہیں) میں کسی قسم کی بھلائی نہیں فلہذا اُن کی یہ عداوت صرف آپ کے ساتھ نہیں بلکہ پہلے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں سے بھی ایسے کرتے رہے۔ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ انسانوں اور جنوں ہر دونوں فریقوں کے سرکش۔ یہ اضافت بیانیہ اور عدوا سے بدل ہے۔

شیاطین شیطان کی جمع ہے ہر متمرد و سرکش کو کہتے ہیں۔ جن ہو یا انسان۔ جب کسی مومن کو جنات کا شیطان نہیں گمراہ کر سکتا تو پھر وہ انسانی شیطان کا سہارا لیتا ہے۔ اس لئے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مجھے جنات کے شیطان سے اتنا ڈر نہیں جتنا انسانی شیطان سے خطرہ ہوتا ہے کیوں کہ جب مجھے جنات کے شیاطین بہکاتے ہیں تو اُن سے اعوذ باللہ پڑھ کر چھٹکارا پا لیتا ہوں لیکن انسانی شیطان کسی شئے کو نہیں مانتے اس اس لئے جدوجہد کر کے مجھے برائیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ یہ نیا جملہ ہے۔ دشمنوں کی دشمنی کے احکام بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے

فائدہ: وحی حقیقی اور وحی شیطان میں وجہِ تشبیہ یہ ہے کہ وحی دراصل کلام خفی اور اس قول سریع کو کہتے ہیں جو کسی کے دل میں بطور رانکے ڈالی جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ شیاطین الانس وجن وسوسہ ڈالتے ہیں۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ جنات کے بعض شیاطین بعض کو وسوسہ ڈالتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ انسانی شیاطین ان کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ باطل سے سنگاری ہوئی باتیں۔ یعنی وہ باتیں کہ جن کا ظاہر بہتر اور اندرون باطل ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے " فلان زخرف کلامه " یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنے کلام کو جھوٹ اور باطل سے مزین کر کے بیان کرے۔ غروراً یہ لوحی کا مفعول لہ ہے یعنی مزین کلام اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کو دھوکہ دے سکیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ اور اگر تیرا رب اُن سے عداوت وسوسہ ڈالنے کا امر نہ چاہے۔

مَا فَعَلُوهُ تو وہ نہ عداوت کر سکتے اور نہ وسوسہ ڈال سکتے۔

سوال: عداوت و وحی کیلئے تثنیہ کی ضمیر چاہیے تھی اور یہاں " مَا فَعَلُوهُ " میں واحد کی ضمیر ہے۔

جواب: ما ذکر سے مؤول ہیں اس لئے اُن کے لئے ضمیر واحد کا لایا گیا ہے۔ **فَذَرْهُمْ** چونکہ مشیتِ باری تعالیٰ سے وہ آپ کے ساتھ عداوت وغیرہ رکھتے ہیں اس لئے انہیں اُن کے حال پر چھوڑیے۔

وَمَا يَفْتَرُونَ اور ان کے افترا یعنی کفر اور باقی تمام مکاریوں و غداریوں کو۔ کیوں کہ ان کے لئے ہم نے سخت ترین سزائیں تیار کر رکھی ہیں اور آپ کے لئے بہت بڑے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب مقرر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں لاتعداد حکمتیں مضمر ہیں۔

۱۱۳ **وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ** اور تاکہ وہ بناوٹی اقوال کی طرف کان لگائیں۔ یہ شیاطین کے وحی کی دوسری علت اور اس کا غروراً پر عطف ہے۔

سوال: غروراً پر عطف ہے تو اسے مصدر لا کر منصوب کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب: اس میں منصوب ہونے کی شرط مفقود ہے اس لئے کہ غرور (موحی) وسوسہ ڈالنے والے کا فعل ہے۔ اور (اصغاء) کان لگانا موحیٰ الیہ (جس کے دل میں وسوسہ ڈالا گیا) کا فعل ہے۔ یعنی شیطان اُن کے دل میں اس لئے وسوسے ڈالتے ہیں کہ انہیں بہکائیں اور وہ ان کی طرف میلان رکھیں۔

"أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ" ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اہل ایمان تو اُن کے بناوٹی اقوال کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ یہ اقوال سراسر باطل اور ان کا انجام بھی بُرا ہے۔ وَلِيَرْضَوْهُ اور جب اُن کے دل اُن کی طرف جُھک جائیں۔ پھر وہ انہیں وہی اقوال باطلہ وغیرہ پسند ہوں۔ وَلِيَقْتَرِفُوا تاکہ ان باتوں سے خوش ہو کر اُن کا ارتکاب کریں مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ۔ وہ جو ان قبائح کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔

سوال: ان قبائح کو اشارہ کنایہ سے واضح طور پر کیوں نہیں بیان کیا۔

جواب: وہ ایسے گندے امور ہیں کہ ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے ان سے اُن کے وہی قبائح مراد ہیں جو لوح محفوظ میں ان کی تقدیر میں لکھے گئے۔

حل لغات: اقترف فلان ذنبہ۔ یعنی فلاں نے فلاں برائی کا ارتکاب کیا اور کہا جاتا ہے۔ اقترف عملاً اور مال کمایا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ مصائب اللہ والوں کیلئے بمنزلہ سواریوں کے ہیں اور سب سے بڑی مصیبت شماتت اعداء (دشمنوں کا گالی بکنا اور ایذاء دینا ہے) اور چونکہ حضرات انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم السلام مراتب عُلیا کے مالک ہوتے ہیں اس لئے ان پر شماتت اعداء کا ذکر ہوتا ہے اور شماتت اعداء کی بہتات سے ترقی پاتے اور تجلیات ربانی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ جورہا کہ کشیدند بُلبلان از دی
بہوئے آنکہ دگر نوبہار باز آید

ترجمہ: بلبلیں کتنا کانٹے سے ظلم برداشت کرتی ہیں۔ اس خوشبو کے انتظار میں جو نئی بہار میں نصیب ہو گی۔

دوسری تقریر صوفیانہ

شیطان الانس سے نفس امارہ مراد ہے انسان کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے اس لئے یہاں پر الانس کو شیطین سے پہلے ذکر کیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ شیاطین الانس اور اُن کے ساتھی شیاطین الجن اور اُن کے ساتھیوں سے عداوت میں اصعب واشد ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ شیطان کا مکروفریب بہ نسبت انسان کے مکروفریب کے ضعیف ہے اور اہل دل دشمنوں کے اقوال کاذبہ کی طرف دھیان نہیں کرتے بلکہ جونہی ان کا مکروفریب سخت تر ہوتا ہے۔ اللہ والوں کے ایمان میں تقویت اور مضبوطی ہے ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ : ہم وفا کریں ملامت اٹھائیں اور خوش ہوں کیونکہ ہمارے طریقت میں رنجیدہ ہونا کافری ہے

شیطان کیسے بہکاتا ہے شیطان ابن آدم پر اس وقت مسلط ہوتا ہے جب انسان ضرورت سے زیادہ کھائے اور فضول باتیں اور لباس میں حد سے بڑھے اور لوگوں میں بلاوجہ نشست برخاست رکھے۔ اس لئے جو لوگوں سے بلاوجہ نشست و برخاست رکھے گا وہ ان کی جھوٹی باتیں سنے گا اس سے اس کے نفس میں اسی گندی عادت کا طوف میلان ہوگا جس سے وہ پھر ایسی غلطیوں کا شکار ہوگا۔

اعجوبہ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کے گھر والوں سے شیطان بہت زیادہ روتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے کہنے پر غلط کاریوں کا ارتکاب کرتا تھا۔ اب کون اس کے حکم پر چلے گا پھر جب اس کی روح کو ملائکہ آسمانوں پر لے جاتے ہیں تو ملائکہ کہتے ہیں کہ الحمد للہ اب یہ شیطان کی شرارتوں سے بچ گیا۔ دیکھیے شیطان کی دشمنی کتنی ہے۔

سبق انسان کو چاہیے کہ وہ شیطان کے وسوسوں اور اس کی فریب کاریوں سے بچنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے سامنے کل قیامت میں شرمسار نہ ہو۔

اعجوبہ وہ شیطان کہ جس کا وسواس وخناس نام ہے انسان جو کچھ دل میں خیال کرتا ہے کہ یہ کرونگا وہ کرونگا تو یہی شیطان لوگوں میں ایسی باتیں عام پھیلاتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے متعلق دل میں خیال کیا تو اس کو شیطان نے عام لوگوں میں پھیلا دیا اور لوگ آپس میں ان کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

فائدہ : انسان کا ہمزاد جن اگر مسلمان ہو جائے تو پھر اس کے شر سے حفاظت مل سکتی ہے۔

فائدہ : جنات میں بعض اہل ایمان بھی ہوتے ہیں جو نیک لوگوں اور اہل علم کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان سے پوشیدہ بھی رہتے ہیں۔

حکایت : حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ایک سال میں حج کیلئے سفر کر رہا تھا کسی نے مجھے پوشیدہ طور کہا کہ علیحدگی میں مجھے آپ سے کام ہے آپ اپنے قافلے سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار فرمائیے تاکہ میں آپ سے چند باتیں پوچھ سکوں۔ میں اپنے قافلے سے ہٹ کر دوسرے راستہ پر چل پڑا۔ تین دن رات تک نہ مجھے بھوک لگی اور نہ پانی کی خواہش ہوئی اور نہ ہی قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی۔ تیسرے روز کے بعد میں ایک جنگل میں پہنچا۔ جو نہایت سرسبز تھا۔ جس میں ہر قسم کے میوہ جات اور خوشبودار پھول تھے۔ اس جنگل کے وسط میں ایک جھیل تھی۔ ایسے معلوم ہوتا کہ گویا بہشت کا ٹکڑا ہے میں اس تعجب میں گھر گیا

تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ میرے سامنے ایک جماعت ہے۔ جن کے چہرے انسانوں جیسے تھے اور وہ بہترین لباس
میں ملبوس تھے اور آکر میرے گرد حلقہ بنالیا۔ مجھ سے کہا۔ السلام علیک میں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ
میں نے دل میں سوچا کہ یہ جنات ہیں۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔ ہمیں ایک مسئلہ میں اختلاف ہے اور ہم وہ
ہیں جنہوں نے لیلۃ الجن حضور نبی پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ اُن کے کلام
کی یہ تاثیر تھی کہ اس وقت سے ہمارے دنیوی امور متروک ہو چکے ہیں اور اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس
جزیرہ میں متعین فرمایا۔ میں نے اُن سے پوچھا پہلے یہ بتاؤ کہ میرے ساتھی یہاں سے کتنا فاصلہ پر ہیں۔ ان
سے ایک ہنس پڑا اور کہا کہ اے ابواسحاق جس مقام پہ آپ تشریف فرما ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کے اسرار و
اور عجائبات ہیں۔ یہاں پر کسی آدمی نے قدم نہیں رکھا آپ تشریف لائے ہیں یا آپ سے پہلے ایک نوجوان
تشریف لایا۔ جس کا یہاں وصال ہو گیا اور سامنے والی قبر اسی کی ہے۔ وہ قبر مبارک اس جزیرہ کے کنارے
جس کے گرد نہایت خوشبوناک باغیچہ تھا۔ اتنا معطر اور خوشنما کہ مجھے زندگی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا
اس کے بعد انہوں نے کہا کہ جہاں آپ ساتھیوں کو چھوڑ کر تشریف لائے ہیں یہاں سے ایک مہینہ کی
مسافت ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ اس فوت شدہ نوجوان کے متعلق کچھ مجھے بھی بتاؤ انہوں نے کہا ہم
جزیرہ کے گرد بیٹھے محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان تشریف لایا۔ اس نے السلام علیکم کہا۔
اس کے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے پوچھا کب سے وہاں سے چلے ہو۔ اس نے کہا۔ مجھے وہاں سے نکلے
ہفتہ ہو گیا ہے۔ ہم نے کہا تجھے تیرے وطن سے کس بات نے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ اس نے کہا جب
سے کلام الٰہی سنا ہے۔ وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَا
لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ ہم نے اُن سے پوچھا کہ الانابۃ کا کیا معنی ہے اور اسلام کسے کہتے ہیں اور عذاب کیا
اس نے کہا الانابۃ یہ ہے کہ خودی کو مٹا کر صرف خدا کا بن جانا اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس
سپرد کر دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ میرے سے وہی زیادہ لائق ہے کہ میں اپنے آپ کو اسی کے قبضہ میں
اور عذاب سے جدائی کا عذاب مراد ہے یہ کہہ کر ایک سرد آہ بھری اور مر گیا۔ پھر ہم نے اُسے اس
پر دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے۔ میں اس کا حال سن کر متعجب ہوا اور اس کی قبر کی زیارت کو
چلا گیا۔ قبر کے سرہانے نرگس کا گلدستہ رکھا دیکھا اور اس کی لمبائی چوڑائی موٹائی ایک بہت بڑا
کے برابر تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔ ھذا حبیب اللہ قتیل الغیرۃ ۝ یہ اللہ کا محبوب اور
غیرت ہے نرگس کے پتے پر انابت کا معنی لکھا تھا۔ جنات نے مجھ سے اُس کی تفسیر و تشریح پوچھی
جب میں نے انہیں انابت کی تفسیر سنائی تو انہیں وجد آگیا۔ جب ہوش میں آئے تو کہا ہمارا یہی
سوال تھا۔ اور آپ نے ہمیں تسلی بخش جواب عنایت فرمایا۔ اس کے بعد مجھے نیند آگئی۔ بیدار

اپنے آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسجد میں پایا دجبات اٹھا کر یہاں پہنچ گئے اور دیکھا تو مزار کا گلدستہ میرے سامان میں تھا۔ وہ ایک سال کامل میرے پاس رہا۔ جس میں کسی قسم کا تغیر نہ آیا چند دنوں کے بعد مجھ سے گم ہو گیا۔ رضی اللہ عنہم ومن جمیع الصالحین۔

۹۴ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا فیصلہ چاہوں۔ یہ ہمزہ انکاری اور فاء عاطفہ ہے کا معطوف علیہ مقدر ہے اور غیرا ابتغی کا مفعول اور حکماً حال ہے اور مفعول کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ صرف غیر تو حکم کی طلب کا ہے نہ کہ مطلق طلب کا انکار مقصود ہے اور حکم حاکم سے زیادہ بلیغ اور رسوخ پر دلالت کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کا اطلاق صرف عادل پر ہوتا ہے اور اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے حکم بار بار صادر ہو بخلاف حکم کے کہ اس میں یہ باتیں ضروری نہیں۔ کلام میں قول مراد ہے اور وہ مقدر ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اور اپنے مابین یہودیوں اور نصاریٰ کے پادریوں کو حکم مقرر فرما لیجئے تاکہ وہ حق و باطل کا فرق کر دیں اس لئے کہ انہوں نے آپ سے پہلے نازل کردہ کتاب کو پڑھا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کیا میں حق سے منہ پھیر کر غیر اللہ کی طرف رجوع کروں۔ پھر وہی غیر اللہ میرا اور تمہارا فیصلہ کرے۔ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ اور وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی۔ ابتغی کے فاعل سے حال ہے یعنی میں غیر اللہ کو حکم کیوں طلب کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی حالانکہ تم ان پڑھ لوگ تھے۔ تمہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ قرآن کے کس حصہ پر عمل کرنا ہے اور کتنا قدر چھوڑنا۔ حالانکہ قرآن سب کا سب حق اور صواب ہے۔ مُفَصَّلًا در انحالیکہ قرآن میں حق و باطل اور حلال و حرام اور دیگر جملہ احکام کو ایسا مفصل طور بیان کیا گیا ہے کہ دینی باتوں میں اب کسی بات کا شک وشبہ اور ابہام نہیں رہا۔ جب ہمارے ہاں ایسی کتاب موجود ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم غیروں کو اپنا فیصلہ پیش کریں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ قرآن صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ اس میں اتنے واضح اور روشن احکام بیان کئے گئے ہیں کہ اس کی توضیح وتفصیل کے لئے کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے باوجود بھی ہمیں حدیث کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حدیث کو سمجھنے کے لئے فقہ کی ضرورت ہے

وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے حق نازل ہوا۔ یہ نیا کلام مستانفہ ہے قول مقدر کے

تحت داخل نہیں اور بیان کرتا ہے کہ جن علماء پر انہیں اعتماد ہے اور ان کے حکم بتلانے پر انہیں یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن حق اور منزل من اللہ ہے درانحالیکہ متلبس ہے۔ بِالْحَقِّ حق وصدق سے فارسی میں حق ہے راستی اور صدق بمعنی درستی اور بالحق متلبس محذوف کے متعلق ہے اور منزل کی ضمیر سے حال ہے۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ پس نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں سے اس بارہ میں کہ واقعی وہ قرآن کی حقانیت کو جانتے ہیں جب کہ اُن سے علم کے آثار نہیں ملتے اور احکام معرفت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اس معنی پر فاء اہل کتاب کے شانِ قرآن کو جاننے کی خبر دینے کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہ حق اور منزل من اللہ ہے اس اعتبار سے یہ جملہ کفار کے لئے توبیخ اور اہل اسلام کے یقین کو مضبوط اور پختہ کرنے کے لئے ہے جیسے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ یہ فاء بھی اُن کے قرآن کریم کے حال کے نفس علم کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے۔

(ربط) جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا کمال مذکور بیان کیا اور اُسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ وہ منزل من اللہ ہے اور اس کی حقانیت بالحق سے واضح فرمائی تو اب اس کے ذاتی کمال کو بیان فرمایا ۱۱۵ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور مکمل ہے تیرے رب کا کلمہ۔

سوال: قرآن مجید کو کلمہ سے کیوں تعبیر فرمایا۔

جواب: صدق و عدل سے بالاصالۃ کلمہ موصوف ہوتا ہے اور اس سے ہی حکم کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ صِدْقًا وَعَدْلًا یہ دونوں مصدر ہیں۔ اور ہر دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی درانحالیکہ وہ کلمہ سچا اور عادل ہے۔

۔ فائدہ: قرآن مجید اتم واکمل باینمعنی ہے کہ مکلفین جن امور کے علماً و عملاً محتاج ہیں ان کی ضرورت پورا کرنے کیلئے قیامت تک ان کی کفایت کرتا ہے اور صادق باینمعنی کہ جتنی خبریں اس میں واقع ہوئی ہیں۔ مثلاً ذات باری تعالیٰ کا وجود اور اس کے جملہ صفات ثبوتیہ و سلبیہ اور اس کے جملہ احکام وعدو وعید اور ثواب و عقاب کی خبر اسی طرح گذشتہ لوگوں کے حالات اور آنے والے غیوب بتانے اور عادل باینمعنی ہے کہ جن و انسان مکلفین کے جملہ احکام اور فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ و حج و دیگر جملہ تکلیفات شرعیہ وہ اوامر ہیں یا نواہی۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ اور نہ ہی کوئی اس کے کلمات کے متبادل پیش کر سکتا ہے جو اس سے اصدق و اعدل ہو یا کم از کم اس کے متساوی ہو۔ جس کی یہ شان ہے پھر اللہ تعالیٰ کے غیر کو کیونکر حکم تلاش کیا جائے وَهُوَ السَّمِيعُ ہر وہ اشیاء جو سمع سے تعلق رکھتی ہیں سب کو سنتا ہے۔ الْعَلِيمُ۔ ہر وہ شے کہ جس کا جاننا ممکن ہے اس کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے متحاکمین کے اقوال و احوال ظاہر ہوں یا باطن۔ کوئی شے اس کے علم

ظاہر نہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں کے مابین حجت بالغہ ہے کسی طرح سے بھی اس کے حکم کی معارضہ نہیں ہو سکتی۔ اس کا انکار سوائے منکر کے اور کوئی نہیں کر سکتا اس کا انکار عنادی ہو جیسے اس کی حقانیت پر یقین کرنے کے باوجود انکار کرے یا تکذیبی۔ جیسے اس کی حقانیت کا انکار از رشتۂ جہالت۔

تفسیر صوفیانہ جو قرآن کی حقانیت کا اقراری ہے اسے جذبۂ الٰہی اس کے عمل کی طرف لیجا کر درجات علم وعرفان اور کمال ایقان میں پہنچاتا ہے اس لئے کہ وہ کلمہ حق وصدق ہے اور صدق جنۃ وقربت و وصلت کی طرف لے جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ بندہ جب تک عالم دنیا میں ہے اس سے احکام تکلیفیہ کبھی معاف نہیں ہوتے اگرچہ وہ کسی ذات تک بھی پہنچ جائے اس سے ان بدباطن جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ بندہ جب واصل باللہ ہو جاتا ہے تو اس سے احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جاتے ہیں البتہ عالم آخرت میں جملہ احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اس عالم میں صرف توحید ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جمیع مراتب کمال میں شریعت کی رعایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس لئے کہ کمال اسی کا نام ہے کہ شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوٹے وہ ابھی ناقص ہے کہ کسی کمال کے حصول میں شریعت کا دامن چھوڑ دے۔ جیسے مجاذیب کہ شریعت کے دامن چھوڑنے پر محققین نے انہیں ناقص کہا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سکر وجنون طاری نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے انہیں کامل ترین سمجھا گیا اور اس مرد مولیٰ کو بھی کہ جسے حالت استغراق میں بھی دروازہ کھلنے اور مکھی کی آواز سے باخبر ہو۔

حکایت: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ کبھی تم نے مجھ سے خلاف شرع امر تو نہیں دیکھا سب نے کہا نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ۔ پھر فرمایا کہ میں تیس سال سے حالت استغراق میں رہا ہوں لیکن بفضلہ تعالیٰ شریعت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

نکتہ: اشرف المخلوقات انسان ہے اور تمام انسانوں سے برگزیدہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لئے آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اور مبداء قدیم سے آپ کو مظہر بنایا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی اپنا حکم مقرر فرمایا تاکہ حق کو ثابت کریں۔ اور باطل کو مٹائیں۔

الا اے احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل
کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولیٰ

تحت داخل نہیں اور بیان کرتا ہے کہ جن علماء پر انہیں اعتماد ہے اور ان کے حکم بنانے پر انہیں یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن حق اور منزل من اللہ ہے درانحالیکہ متلبس ہے۔ بِالْحَقِّ حق وصدق سے فارسی میں حق ہے راستی اور صدق بمعنی درستی اور بالحق متلبس محذوف کے متعلق ہے اور منزل کی ضمیر سے حال ہے۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ پس نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں سے اس بارہ میں کہ واقعی وہ قرآن کی حقانیت کو جانتے ہیں جب کہ اُن سے علم کے آثار نہیں ملتے اور احکام معرفت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اس معنی پہ فاء اہل کتاب کے شانِ قرآن کو جاننے کی خبر دینے کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہ حق اور منزل من اللہ ہے اس اعتبار سے یہ جملہ کفار کے لئے توبیخ اور اہل اسلام کے یقین کو مضبوط اور پختہ کرنے کے لئے ہے جیسے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ یہ فاء بھی اُن کے قرآن کریم کے حال کے نفسِ علم کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے۔

(ربط) جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا کمال مذکور بیان کیا اور اُسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ وہ منزل من اللہ ہے اور اس کی حقانیت بالحق سے واضح فرمائی تو اب اس کے ذاتی کمال کو بیان فرمایا ۱۱۵ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور مکمل ہے تیرے رب کا کلمہ۔

سوال: قرآن مجید کو کلمہ سے کیوں تعبیر فرمایا۔

جواب: صدق و عدل سے بالاصالۃ کلمہ موصوف ہوتا ہے اور اس سے ہی حکم کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ صِدْقًا وَّعَدْلًا یہ دونوں مصدر ہیں۔ اور ہر دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی درآنحالیکہ وہ کلمہ سچا اور عادل ہے۔

فائدہ: قرآن مجید اتم و اکمل بایں معنی ہے کہ مکلفین جن امور کے علماً و عملاً محتاج ہیں ان کی ضرورت پورا کرنے کیلئے قیامت تک ان کی کفایت کرتا ہے اور صادق بایں معنی کہ جتنی خبریں اس میں واقع ہوئی ہیں۔ مثلاً ذات باری تعالیٰ کا وجود اور اس کے جملہ صفات ثبوتیہ وسلبیہ اور اس کے جملہ احکام وعدو وعید اور ثواب وعقاب کی خبر ایسا ہی گذشتہ لوگوں کے حالات اور آنے والے غیوب بتائے اور عادل بایں معنی ہے کہ جن و انسان مکلفین کے جملہ احکام اور فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ و حج و دیگر جملہ تکلیفات شرعیہ وہ اوامر ہیں یا نواہی۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اور نہ ہی کوئی اس کے کلمات کے متبادل پیش کر سکتا ہے جو اس سے اصدق واعدل ہو یا کم از کم اس کے متساوی ہو۔ جس کی یہ شان ہے پھر اللہ تعالیٰ کے غیر کو کیونکر حکم تلاش کیا جائے وَهُوَ السَّمِيعُ ہر وہ اشیاء جو سمع سے متعلق رکھتی ہیں سب کو سنتا ہے۔ الْعَلِيمُ۔ ہر وہ شے کہ جس کا جاننا ممکن ہے اس کو جانتا ہے۔ منجملہ ان کے متکلمین کے اقوال واحوال ظاہر ہوں یا باطن۔ کوئی شے اس کے علم

ظاہر نہیں۔

خلاصہ تفسیر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں کے مابین حجۃ بالغہ ہے کسی طریق سے بھی اس کے حکم کی معطلی نہیں ہو سکتی۔ اس کا انکار سوائے منکر کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کا انکار عناد ہوتا ہے جیسے اس کی حقانیت پر یقین کرنے کے باوجود انکار کرے یا تکذیب۔ جیسے اس کی حقیقت کا انکار از راہ جہالت ہو۔

تفسیر صوفیانہ جو قرآن کی حقانیت کا اقراری ہے اسے جذبہ الٰہی اس کے عمل کی طرف لیجا کر درجات علم و عرفان اور کمال ایقان میں پہنچاتا ہے اس لئے کہ وہ کلمہ حق و صدق ہے صدق جنت و قربت و وصلت کی طرف لے جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ بندہ جب تک عالم دنیا میں ہے اس سے احکام تکلیفیہ کبھی معاف نہیں ہوتے اگرچہ وہ کسی ذات تک بھی پہنچ جائے اس سے ان بدباطن جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ جب واصل باللہ ہو جاتا ہے تو اس سے احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جاتے ہیں البتہ عالم آخرت میں جملہ احکام تکلیفیہ مرتفع ہو جائینگے۔ اس لئے کہ اس عالم میں صرف توحید ہو گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جمیع مراتب کمال میں شریعت کی رعایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس لئے کہ کمال اسی کا نام ہے کہ شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوٹے وہ ابھی ناقص ہے کہ کسی کمال کے حصول میں شریعت کا دامن چھوڑ دے۔ جیسے مجاذیب کہ شریعت کا دامن چھوڑنے پر محققین نے انہیں ناقص کہا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سکر و جنون طاری نہیں ہوا اسی وجہ سے انہیں کامل ترین سمجھا گیا اور اس مرد مولیٰ کو بھی کہ جسے حالت استغراق میں بھی دروازہ کی اور کھٹی کی آواز سے باخبر ہو۔

حکایت حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ کبھی تم نے مجھ سے خلاف شرع امر تو نہیں دیکھا سب نے کہا نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ۔ پھر فرمایا کہ میں تیس سال سے حالت استغراق میں رہا ہوں لیکن بفضلہ تعالیٰ شریعت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

نکتہ: اشرف المخلوقات انسان ہے اور تمام انسانوں سے برگزیدہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لئے آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اور مبداء قدیم سے آپ کو مظہر بنایا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی اپنا حکم مقرر فرمایا تاکہ حق کو ثابت کریں۔ اور باطل کو مٹائیں۔

الا اے احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل
کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولیٰ

شریعت از تو روشن شد طریقت ہم بہین شُد
حقیقت خود متعین شد زہے سلطان بے ہمتا

ترجمہ (۱) اے احمد مرسل آپ سے ہی ہر مشکل حل ہوتی ہے آپکی تو میں مجمل وصف بیان کرتا ہوں کہ ہر ایک کے مولا ہیں۔
۲ شریعت آپ سے روشن ہے طریقت کے برہان و دلائل آپ سے ظاہر ہوئے حقیقت بھی معین ہوتی ہے تو آپ واہ واہ آپ کیسے بے مثل بادشاہ ہیں

دوسری تقریر صوفیانہ یہ آیت مرتبۂ نفس اور اس کی اصلاح سے متعلق ہے غیر اللہ کو حکم طلب کرنا خواہشات نفسانیہ سے پھر اس کی اصلاح انقیاد و تسلیم سے ہوتی ہے جسے قرآن کریم کے ظاہر و باطن سے کچھ علم نصیب ہوا وہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی وارث ہے اور حاکم بھی اسے ہونا چاہیے جو امورِ الٰہی کا علم رکھتا ہو۔ ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جو علم کے بغیر فتویٰ (حکم) دیتا ہے۔ اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

حکایت علی بلخی کی لڑکی نے اپنے باپ سے قے کا مسئلہ پوچھا کہ کسی کو قے منہ بھر کر نہ آئے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا یا نہ۔ علی بلخی نے فرمایا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اسے وضو کا اعادہ ضروری ہے اس کے بعد علی بلخی خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے علی بلخی تم نے مسئلہ غلط بتایا جب تک قے منہ بھر کر نہ آئے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت علی بلخی فرماتے ہیں اس وقت مجھے یقین ہوا کہ ہر مسئلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ میں نے تہیہ کیا اور قسم کھائی کہ آئندہ کوئی فتویٰ نہیں دوں گا۔

حکایت حضرت شعبی سے کسی مسئلہ کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا لَا اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ آپ کو کسی نے کہا کہ اے شعبی تمہیں حیاء کرنی چاہیے۔ فتوے جانتے ہوئے نہیں بتاتے۔ تم تو عراق کے بہت بڑے مفتی ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس ذات سے حیاء کرتا ہوں جس سے ملائکہ کرام نے حیاء کیا کہ کہا تھا۔ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

سبق عوام پر لازم ہے کہ وہ امور ظاہرہ کے لئے شہر یا اپنے ہم زمان بہت بڑے عالم سے مسئلہ پوچھیں اور خواص پر لازم ہے کہ وہ اپنے احوالِ باطنہ کا بہت بڑے عارف سے استفسار کریں۔ اگرچہ وہ ان پڑھ اور علماء کے اصطلاحات سے بے خبر ہو۔ اس لئے کہ اُن کے ہاں ایک ایسی معنوی حکمت ہوتی ہے جسے اصطلاحات عالمانہ کی ضرورت ہی نہیں۔ درحقیقت حکیم وہی ہوتے ہیں اس لئے کہ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ بندہ جب واصل باللہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے علوم کا ماہر بنا دیتا ہے اور بذریعہ الہام اسے حق و باطل کی تمیز کرا دیتا ہے اس سے خلاف شرع نہ کوئی بات صادر ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی عمل خلاف شرع ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ اگر اُسے ولی بناتا ہے تو پہلے اسے علوم ظاہرہ سے نوازتا ہے جیسے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کیفیت تھی کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے خلاف سرِ مو بھی نہیں ہٹتے تھے۔ کما قال تعالیٰ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اور فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ بلکہ یہی حال سچے مریدوں کی ہے کہ وہ بھی اپنے مرشدانِ کرام کے حکم سے سرِ مو نہیں ہٹتے۔ اس لئے کہ وہ حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے چنانچہ اس کا احادیث میں واضح ثبوت موجود ہے۔ لیکن اس کے ظاہر کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ اسی طرح وہ حضرات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ اگر آپ زمین والوں کی اکثر بات مانیں گے

شانِ نزول اہل مکہ مردار کا کھانا حلال سمجھتے بلکہ مسلمانوں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے۔ دلیل یہ دیتے کہ جسے تم چھریوں سے ذبح کرتے ہو وہ حلال ہے تو پھر جسے اللہ تعالیٰ ذبح کرے وہ تو بطریق اولیٰ حلال ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کفار کی بات مان لیں گے۔

فائدہ: ہم نے کفار سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس وقت کفار بہت زیادہ تھے۔

يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ تو تجھے اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دیں گے۔ سبیل اللہ سے دین اور شریعت مراد ہے۔ اس پر سوال ہوا کہ وہ کیسے گمراہ کریں گے۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ إِنْ يَتَّبِعُونَ وہ اپنے دینی امور اور آپ کے ساتھ مردار کی بجائے حلال کھانے میں اتباع نہیں کرتے۔ إِلَّا الظَّنَّ مگر گمان کی اور ان کا گمان یہی تھا کہ وہ سمجھتے کہ ان کے آباء حق پر تھے اور یہ انہیں کے نقش قدم پہ چل رہے ہیں حالانکہ وہ اس وجہ سے بہت سخت گمراہ ہوئے اور یہ ظاہر ہے کہ جو گمراہ اپنی گمراہی کو رہبری سے تعبیر کرتا ہو تو وہ اپنے مسلک پہ دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حق کا راستہ گمان اور تقلید اور خواہشات پر مبنی نہیں بلکہ حق کا راستہ میں صدق اور تحقیق اور ہدایات ہے۔ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ اور وہ صرف اٹکل پچو سے کام چلاتے ہیں۔ یعنی وہ مردار کو حلال کہہ کر اسی طرح دوسرے مسائل میں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں۔

۱۱۶ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے۔ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔ اس کو جو سیدھے راہ سے بہکاتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی بہتر جانتا ہے۔ اس لئے ہر مستحق کو اس کے استحقاق پر جزا دے گا۔

سبق : گروہ اول سے سائلہ کو احتراز کرنا لازم ہے۔

فائدہ :- علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اعلم اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر شئے کو ہر جہات سے جانتا ہے۔ بخلاف دوسروں کے کہ وہ اشیاء کو بعض وجوہ سے جانتے ہیں اور بعض سے بیخبر ہوتے ہیں

۱۱۸ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ۔ پس کھاؤ اسے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے آیات پر ایمان رکھتے ہو۔ اس میں ان گمراہ کرنے والوں کی اتباع سے انکار کا سبب بنایا گیا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتلاتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔

اب معنی یوں ہوا کہ اے مومنو! تم ان چیزوں کو کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا۔ وہ نہ کھاؤ کہ جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا یا اس کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام لیا گیا۔ یا اس کی ناک بند کر کے اس کی جان نکالی گئی۔ اس لئے کہ آیاتِ قرآنیہ پر ایمان لانے کا یہی تقاضا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کا کھانا مباح ہے اور جنہیں حرام فرمایا ہے اُن سے اجتناب ضروری ہے۔ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ تمہیں کونسا سبب مانع ہے کہ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اُسے نہیں کھاتے۔

فائدہ : امام صاحب نے فرمایا کہ مشرکین کی عادت تھی کہ جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا اس کے کھانے کو مباح سمجھتے لیکن جھگڑا اس میں تھا کہ وہ مردار کو حلال سمجھتے تھے اور اہل اسلام اسے حرام سمجھتے تھے لیکن اس تقریر پر اعتراض پڑتا ہے کہ اس سے تو ما ذکر اسم اللہ کی اباحت کی خصوصیت سے وارد ہونا فضول جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ " ما ذکر اسم اللہ علیہ" کو بھی حلال مانتے تھے تو پھر انہیں متنبہ کرنے کا کیا معنیٰ۔ حالانکہ مذکورہ آیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس میں انہیں اختلاف ہو اس کے لئے انہیں متنبہ کیا جائے۔ اس کا جواب امام صاحب نے یہ دیا کہ کُلُوا کا معنیٰ ہے اجعلوا اکلکم مقصوراً مما ذکر اسم اللہ۔ یعنی اپنے کھانے کو صرف اسی پر مقصور رکھو کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے اور ان لا تاکلوا الخ کا معنی ہے ان لا تجعلوا اکلکم مقصوراً علیہ۔ یعنی اپنے کھانے کو صرف مردار پر مقصور نہ کرو۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت سے صرف مردار کے کھانے کی تحریم کا افادہ ہوا۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حکم تفصیل وار بیان فرمایا ہے۔ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ جو اشیاء تمہارے لئے حرام ہیں یا حرام نہیں۔ چنانچہ اسی سورۃ میں مضمون آرہا ہے۔ کما قال قل لا اجد فیما اوحی الی محرما الآیۃ اس کے بعد باقی تمام اشیاء اپنے حال یعنی اباحت پر رہیں گی اس تفصیل سے حرمت علیکم المیتۃ والدم الآیۃ مراد ہے اس لئے کہ یہ آیت مدنیہ اور سورۃ ہذا مکیہ ہے۔

سوال ، قل لا اجد الخ ابھی مذکور نہیں ہوئی اور قد فصل صیغۂ ماضی ہے اس کا تقاضا ہے کہ تفصیل کا ذکر پہلے ہو۔

جواب ۱ ، قل لا اجد الخ کا تاخر صرف تلاوت کے اعتبار سے ہے اور وہ تاخر النزول کو مستلزم نہیں۔

جواب ۲ ، ممکن ہے کہ یہ تفصیل وحی غیر متلو سے ہوئی ہو۔ چنانچہ سعدی چلپی مفتی نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہی جواب اولیٰ ہے۔ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ، ہاں جب تم حرام اشیاء کے استعمال کرنے پر سخت مجبور ہو جاؤ وہ حرام تمہارے لئے حلال ہے۔ بوجہ ضرورت کے یہ استثناء متصل ہے اور مستثنیٰ منہ ما حرم ہے اور ما مصدر یہ بمعنی المدۃ ہے یعنی حالانکہ تمہیں وہ اشیاء جو تمہارے لئے حرام ہیں جمیع اوقات میں حرام ہیں مگر بوقت اضطرار اگر اسے ما موصولہ بنایا جائے تو یہ مستثنیٰ منفصل ہوگا۔ اس لئے کہ ما اضطر الیہ حلال ہوتا اس بنا پر وہ ما حرم علیہم میں داخل نہ ہوگا۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا اور بے شک بہت سے کافر لَيُضِلُّوْنَ۔ البتہ لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ بِاَهْوَآئِهِمْ اپنی خواہشات سے یعنی وہ حرام کردہ اشیاء سے کہ جنہیں ان کے نفس چاہتے ہیں۔ مثلاً مردار وغیرہ کا حلال سمجھنا بغیر علم بغیر علم کے۔

فائدہ : اس سے وہ علم مراد ہے جو شریعت مطہرہ سے حاصل اور وحی سے مستند ہو۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ بے شک تیرا رب حق سے باطل کی طرف اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والوں کو جانتا ہے۔

فائدہ : خواہشات نفسانی کے تابعدار کئی قسم کے ہیں۔ منجملہ ان کے معتزلہ (وہابیہ) شیعہ وغیرہما ہیں۔ اگرچہ یہ اہل قبلہ ہیں۔ لیکن قرآن و حدیث کی غلط تاویلیں کرکے اہل سنت کے خلاف وہ مسائل بناتے ہیں جو ان کی خواہشات نفسانی کے ترجمان ہوتے ہیں۔ وہ بھی کافروں اور مشرکوں کی طرح لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

سوال : صوفیاء کرام بھی آیات و احادیث میں اپنے مسلک کے مطابق تاویلیں کرتے ہیں پھر انہیں کیوں معتبر مانا جاتا ہے۔

جواب : صوفیاء کرام کی تاویلیں عین شرع شریف کے مطابق ہوتی ہیں۔ جن میں خواہشات نفسانیہ کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عرفانی و وجدانی باتیں ہوتی ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین

۲۔ ظاہر قرآن چو شخص آدمیت
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

ترجمہ ۱ ، تو قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھ شیطان آدم (علیہ السلام) کے صرف ظاہر کو دیکھتا ہے۔

۲۔ قرآن کا ظاہر انسان کے ظاہری جسم کی طرح ہے کہ اس کے نقوش تو ظاہر ہیں لیکن اس کی جان مخفی (پوشیدہ) ہے۔

اصحابِ اشارات یعنی صوفیاء کرام کی تقلید گمراہ لوگوں کی تقلید جیسی نہیں۔ اس لئے کہ صوفیاء کرام کے معانی عین الیقین پر مبنی ہوتے ہیں۔ بخلاف گمراہ لوگوں کی تاویلوں کے کہ وہ محض ظن و تخمین سے کام چلاتے ہیں۔

فائدہ: اسی طرح اہلِ دنیا بہ نسبت طالبانِ آخرت کے اہلِ ہوی ہیں۔ اس لئے کہ اہلِ دنیا کے تمام امور خیالی ہوتے ہیں اور خیال کا عاشق عاقل نہیں ہو سکتا۔

حکایت

حضرت بہلول دانا فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی کسی سڑک پر سفر کر رہا تھا۔ ایک مقام پہ دیکھا کہ لڑکے بادام اور اخروٹ سے کھیل رہے تھے۔ لیکن ایک لڑکا اس حسرت سے رو رہا تھا کہ دوسروں کے پاس بادام و اخروٹ ہیں اور وہ خالی ہاتھ ہے حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا بیٹا تو کیوں روتا ہے۔ اگر تیرے پاس بادام و اخروٹ نہ ہوں تو میں تجھے خرید کر کے دوں تاکہ تم بھی ان کے ساتھ کھیلو۔ لڑکے نے میری بات سن کر تیز نگاہ سے دیکھا اور کہا اے بے عقل ہم کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ میں نے پوچھا تو پھر کس لئے پیدا کئے گئے ہو۔ جواب دیا کہ ہم علم اور عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ قرآن مجید میں واضح الفاظ میں فرمایا کہ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ۔

ترجمہ: کیا تمہیں گمان ہے۔ کہ ہم کو ہم نے عبث پیدا کیا ہے تم ہماری طرف لوٹو گے۔

فائدہ: اہلِ عقبیٰ بہ نسبت طالبانِ مولیٰ کے اہلِ ہوی ہیں اس لئے کہ طالبانِ مولیٰ ہر دو کون سے فارغ البال ہوتے ہیں انہیں وصل وصال اور جدائی اور مفارقت کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے محبوبِ حقیقی کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ صاحب الحدیقہ نے فرمایا:

سالکان درگہت را ہر دو عالم یکنفس
والہاں حضرتت از حور جنت ملال

ترجمہ: سالک تیری درگاہ کے ہر دو عالم میں ایک ہی خیال میں ہے کہ وہ صرف تیرے ہی متوالے (عاشق) ہیں حوروں سے انہیں ملال ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اہلِ آخرت پر دنیا حرام ہے اور اہلِ دنیا پر آخرت حرام اور اللہ والوں کے لئے ہر دو حرام ہیں ہاں جو شخص دنیا کی اشیاء میں بقدرِ ضرورت کھاتا ہے اور بقدرِ ضرورت ستر پوشی کرتا ہے وہ اہلِ دنیا نہیں اس لئے کہ یہ تو ضروریاتِ بشریہ سے ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے کہ زندگی

کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت کی اشیاء استعمال کی جائیں۔ فکلوا مما ذکر اسم اللہ الخ میں اشارہ ہے کہ طعام حکم شریعت کے مطابق کھاؤ نہ جو طبیعت چاہے اور جو کچھ کھاؤ اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو۔ یہی ایمان کی علامت ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: طعام کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو اس لئے کہ مردہ طعام جو غفلت ونسیان اور گناہوں کی اعانت کے لئے کھایا جائے وہ دل کو موت کے گھاٹ اتارتا اور بہشت سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔

مسئلہ: حدیث مذکور سے ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں لفظ اذابتہ ہے یعنی پگھلانا اور وہ ذکر جہری سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید دوسری حدیث شریف سے بھی ملتی ہے وہ یہ کہ طعام کھانے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ملتا ہے۔ یا طعام کے بعد قرآن مجید کی کم از کم دس آیتیں پڑھنا۔ اس لئے کہ حرکت بدنیہ سے طعام ہضم ہوتا ہے۔ طعام ہضم ہو جائے تو بدن کو طاقت حاصل ہوتی ہے اور بدن قوی ہو تو عبادت آسانی سے ہوتی ہے۔ نیز طعام کے بعد عبادت کرنا نعمت کیلئے ادائیگی شکر بھی ہے اور شکر کی ادائیگی قلب سے بھی ہوتی ہے اور زبان سے بھی۔ اسی طرح اعضاء سے بھی۔

تفسیر عالمانہ: وَذَرُوْا اور اے ایمان والو چھوڑو ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ظاہری اور باطنی گناہ اس میں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دراصل "الاثم الظاہر والباطن" تھا۔ یہاں پر اثم سے وہ عمل مراد ہے جو گناہ کا سبب بنے۔ اسی طرح اس سے ہر قسم کے گناہوں کا ترک کرنا مراد ہے اور وہ ان دونوں سے خالی نہیں اس لئے کہ گناہ یا سراً ہوتے ہیں یا اعلاناً۔ وہ اعمال قلوب سے ہوں یا اعضاء سے۔ اعمال اعضاء کو ظاہراً کیا جاتا ہے۔ جیسے اقوال و افعال اور اعمال قلوب کو باطناً جیسے عقائد فاسدہ وعزائم باطلہ اور حقیقی ظاہرہ گناہ دنیا طلبی ہے اور باطنی گناہ عقبیٰ کی نعمتوں کی خواہش ہے اس لئے کہ یہ ہر دونوں بندے کو مولا سے دور کرنے والے ہیں۔

ظاہر و باطن پاک کن از لوث گناہ
تاکہ پاکیزہ شوی درصف مردان الہ

ترجمہ: ظاہر و باطن کو گناہ کی آلائش سے پاک کر تاکہ مردانِ خدا کے آگے تو پاکیزہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ بے شک وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سَيُجْزَوْنَ۔ عنقریب آخرت میں سزا پائیں گے۔ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ۔ اس سبب سے جو دنیا میں گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اس لئے بندوں کو ظاہری اور باطنی گناہوں سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

جملہ دانند ایں اگر تو نگروی
ہرچہ میکارش روزے بدروی

ترجمہ: ۔۔۔ معلوم ہوگا اگر اس دنیا پر فریفتہ نہ ہوگا جو تو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے انسان کا ظاہر بنایا جسے بدنِ انسانی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا باطن بھی جسے قلب روحانی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض گناہ باطنی بنائے۔ وہ یہ ہیں کہ انسان کے اندر مادہ حیوانی وسبعی وشیطانی رکھا کہ انہی عادات کا نفس خوگر ہے اسی بنا پر فرمایا "وذروا ظاہر الاثم وباطنہ" یعنی اعمال شرعیہ پر عمل کرکے افعال طبعیہ کو چھوڑو۔ اسی طرح اخلاق ملکیہ روحانیہ کی عادت پیدا کرکے خصائل مذمومہ نفسانیہ کا ترک کرو۔ ان الذین یکسبون الاثم ظاہرہ وباطنہ۔ بے شک وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس سے عام اعمال واخلاق مراد ہیں۔ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ انہیں ان کے کردار کی سزا ملے گی جلدی یا دیر سے۔ وہ سزا جو جلدی ملے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو فعل وقول انسان اپنی طبیعت کے مطابق عمل میں لاتا ہے اس سے ایک ہی سیاہی پیدا ہوتی ہے جو دل کے شیشہ پر زنگ چڑھ جاتی ہے۔ جس سے اخلاق قلبیہ روحانیہ سے منحرف ہوجاتا ہے اور اس کے نفسانی ظلمانی اخلاق قوت پکڑ جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسیر نفسانی خواہشات اور دنیا کی محبت اور دنیوی ارادے غالب رہتے ہیں قاعدہ ہے کہ جو خواہش نفسانی کے مطابق سرزد ہو تو اس سے دل کی زنگ پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ دل کی قساوت زور پکڑ جاتی ہے۔ جس سے بندہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہوجاتا ہے کما قال تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون" اور وہ سزا جو اسے دیر سے ملے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہی موانع وحجابات (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے بالکل جدا اور منقطع ہو جائے گا۔ پھر وہ دائمی طور پر محجوب اور عذاب یافتہ رہے گا اور اسے ہمیشہ کے لئے جہنم کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔ (کما قال تعالیٰ) کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ کذا فی التاویلات النجمیہ

مسئلہ: تمام مجرم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے رحم وکرم پر گزار رہے ہیں بلکہ اسی کی مشیت کے ماتحت ہیں انہیں معلوم نہیں کہ خاتمہ کا کیا بنے گا۔

سبق: مجرم کو کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ کسے معلوم ہے کہ وہ کریم کس پر لطف وکرم فرمائے۔ اس نے جسے معاف کرنا ہے اس کے لئے پہلے لکھ دیا ہے اور وہ بہت قلیل ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک قوم کو دیکھا کہ ایک جنازہ ملئے جا رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ کوئی جنازہ کی مشایعت کرنے والا نہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ اس کے ساتھ لوگ مشایعت کے لیے نہیں چلے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا مجرم ہے۔ موصوف فرماتے ہیں میں نے اس کے لیے دعائے خیر کی اور اپنے ہاتھ سے اسے قبر میں اُتارا۔ پھر آکر ایک درخت کے نیچے سو گیا نیند میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہو کر اس کی قبر میں داخل ہو گئے۔ ایک فرشتہ نے اس کے قریب بیٹھ کر دوسرے کو کہا کہ اسے لکھئے کہ یہ جہنمی ہے اس لیے کہ اس کا کوئی عضو بھی گناہ سے خالی نہیں۔ دوسرے فرشتے نے کہا اس کے لیے عجلت نہ کیجئے اس کی آنکھوں کو دیکھئے ممکن ہے اس میں کوئی نیکی موجود ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے آنکھوں کو بھی گناہوں سے پُر پایا ہے اس لئے کہ یہ ہر وقت غیر محرم کو بُری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ پھر کہا کہ اس کے کانوں کو دیکھ۔ اس نے دیکھا۔ اس کے کان بھی برائیوں سے پُر ہیں۔ اُس نے کہا کہ زبان کو بھی دیکھو اُس نے کہا کہ زبان کو بھی دیکھا ہے۔ زبان بھی ہر بری بات کہنے اور ہر حرام کھانے اور اس کی لذت چکھنے سے پُر ہے اُس نے کہا اس کے ہاتھوں کو دیکھئے۔ اس نے کہا ہاتھ بھی نجاسات اور امور مذموم سے بھرے پڑے ہیں اس نے کہا اس کے پاؤں کو دیکھئے اس نے کہا پاؤں بھی خالی از معاصی نہیں۔ اس پر دوسرے فرشتہ نے کہا۔ پھر بھی عجلت اچھی نہیں مجھے بھی دیکھنے دے۔ چنانچہ وہی دوسرا فرشتہ اس میت کے قریب آیا اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی تیرا ہر رگ و ریشہ جرم و خطا سے ملوث ہے یہ کہہ کر اُس کے دل کو ٹٹولا اور کہا کہ اس میں ایمان تو موجود ہے لہٰذا اسے مرحوم و مسعود لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس کے گناہ مٹائے اور اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

عروسی بود نوبت ماتمت
گرت نیک روزی بود خاتمت

یعنی اگر تیرا خاتمہ ایمان پہ ہوا تو تیرے وہ دن عید اور خوشی کا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور اس کی رحمت کا سوال کرتے ہیں ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

ترجمہ۔ اے اللہ بنو فاطمہ (آل نبی) کے طفیل ایمان پر میرا خاتمہ فرما۔

تفسیر عالمانہ [۱۲۱] وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔

عمداً وہ نہ کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔

مسئلہ: بھول کر بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ بھولنے والا مکلف نہیں۔ علاوہ ازیں ہر مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت موجود ہے۔

مسئلہ: عمداً بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑے تو اس جانور کا کھانا حرام ہے۔ اس لئے کہ جس نے عمداً چھوڑا تو گویا اس نے دل والے ذکر کو بھی چھوڑ دیا اس لیے یہ جانور مردار کے حکم میں ہوگا۔ کیونکہ یہ اس حکم میں داخل ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہیں ہوا۔

مسئلہ: ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے۔

وَاِنَّهٗ: یہ ضمیر کھانے یا اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کی طرف راجع ہے۔ لَفِسْقٌ اور البتہ وہ فسق ہے یعنی جو چیزیں حرام ہیں ان کی طرف جانا فسق ہے۔

مسئلہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس جانور پر ذبح کے وقت عمداً بسم اللہ چھوڑی جائے وہ حرام ہے۔

شانِ نزول مشرکین نے اہلِ اسلام سے جھگڑا کیا کہ جس جانور کو تم قتل کرتے ہو وہ تو حلال ہے اور جسے اللہ تعالیٰ مارتا ہے وہ کیوں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سوال کا جواب عمومی طور دیا کہ جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہ ہوگا وہ حرام ہے۔ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ یعنی ابلیس اور اس کا سارا لشکر۔ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ البتہ وسوسہ ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دل میں یعنی مشرکین کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں اور وحی بمعنی القاء المعنیٰ الی النفس مع الخفیہ یعنی پوشیدہ طور کوئی بات کسی کے دل میں ڈالنا۔ لِيُجَادِلُوْكُمْ اے مومنو! وساوس شیطانیہ سے مردار کے حلال قرار دینے میں تمہارے ساتھ جھگڑتے ہیں وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اور اگر حرام کو حلال قرار دینے میں تم ان کے باطل خیالات کی موافقت کروگے۔ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ بے شک تم بھی مشرک ہوگے۔ اس لئے کہ جو طاعتِ الٰہی ترک کر کے غیر اللہ کی طاعت اختیار کرتا ہے۔ گویا اس نے دینِ حق کو چھوڑ دیا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا اور غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ پر پسند کیا۔ اس لئے وہ بھی انہیں سے ہو گیا۔

قاعدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ صرف حکمِ الٰہی کے تحت اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسی کی طلب میں کھاؤ تاکہ نورِ ذکرِ الٰہی سے طعام کی تاریکی اور اس کی شہوت دفع ہو۔

کیونکہ مقام کی تاریکی اور اس کی شہوت فسق کی طرف لے جاتے ہیں۔ یا تصعف طاعت الہی الاخانی
کی طرف جانے کو فسق کہتے ہیں۔

حدیث شریف: شیطان ہر طعام کو حلال سمجھتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر آجائے تو وہ طعام اس پر حرام ہو جاتا ہے یعنی شیطان کا کام ہے کہ وہ طعام پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا اور یہ بھی کہ جب تک طعام کو کھایا نہ جائے اسے شیطان اپنے لئے حلال نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکٹھے کھانے والوں میں سے کوئی ایک بھی بسم اللہ پڑھ لے تب بھی سُنت ادا ہو جائے گی اگرچہ پڑھنے کا ثواب صرف پڑھنے والے کو ملے گا۔

مسئلہ: جو شخص ابتدائے طعام میں بسم اللہ نہیں پڑھ سکا۔ یعنی وہ بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تھا تو اُسے چاہیے جب بھی یاد آجائے تو اس وقت کہے بسم اللّٰہ اولہٗ و آخرہٗ۔ جب یہ کلمہ پڑھے گا تو اس کی غلطی معاف اور سُنت ادا ہو جائے گی۔

مسئلہ: بخلاف وضوء کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا سُنت ہے اگر کوئی وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اب درمیان میں پڑھے سنت تو ادا نہ ہوگی اگرچہ پڑھنے کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ اس لیے کہ وضو سب کا سب ایک عمل ہے۔ بخلاف طعام کے کہ اس کا ہر لقمہ علیحدہ علیحدہ عمل ہے۔

حکایت: ایک شخص طعام کھا رہا تھا۔ اسے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہا۔ درمیان طعام میں اسے یاد آیا تو پڑھا بسم اللّٰہ اولہٗ و آخرہٗ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اس طریقہ سے ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اس کے ساتھ شیطان طعام کو کھا رہا تھا۔ جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جتنا کھایا تھا سب قے سے نکال دیا۔

فائدہ: حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ شیطان بھی طعام کو چبا کر نگل جاتا ہے جیسا کہ ایک قوم کا مذہب ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شیطان کا کھانا اگرچہ صحیح سنت سے ثابت ہے لیکن وہ صرف سونگھنے اور ہوا حاصل کرنے کے طور پر ہے اس لئے کہ چبانا اور نگلنا اس کے لائق ہے جو شے ذی جُثہ یعنی جسم والی ہو اور شیاطین ذی جسم ہیں لیکن نہایت لطیف۔

فائدہ: آکام المرجان میں ہے طعام اور پانی اور لباس اور دیگر وہ اشیاء کہ جن سے نفع حاصل کرنا مقصود ہے ان پر اللہ کا نام اگر نہ لیا جائے تو انہیں شیطان تصرف کرتا اور خود شریک ہو جاتا ہے یا تو سرے سے اس شے کو ضائع کر دیتا ہے یا کم از کم اس میں نحوست ضرور ڈالتا ہے۔

حکایت: حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں میں نے اپنے لئے ایک شربت بنائی اسے تیار کر کے رکھ دیا اس نیت پر کہ اسے صبح کو پیوں گا۔ صبح کو اٹھا تو وہ شربت غائب تھی۔ بعد تلاش آخر نہ ملی۔ پھر دوسری شربت

تیار کی اور اس پر سورۃ یٰسین پڑھ کر رکھدی اور وہی ارادہ کر صبح کو پیوں گا۔ صبح کو اٹھ کر دیکھا کہ شیطان اندھا ہو کر گھر کے گرد پھر رہا ہے لیکن شربت تک پہنچنا تو کجا وہ اس گھر میں بھی نہ جا سکا۔

حدیث شریف شیطان شے کو محسوس کر لیتا ہے اور پھر وہ اسے چاٹنے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ بنا بریں تمہارے لئے لازم ہے کہ سوتے وقت اپنے ہاتھ وغیرہ دھو کر سویا کرو۔ ورنہ اگر کسی کے ہاتھ وغیرہ کو کوئی دُکھ پہنچے تو پھر وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طعام کو حرام کیا ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس لئے حرام کیا ہے کہ بندۂ عارف اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے اور حبیب کا کام ہے کہ اپنے کھانے پینے اور لباس اور بستر و غرضیکہ جو فعل بھی کرتا ہے اس میں اپنے حبیب کا نام لیتا ہے دیکھئے یعقوب علیہ السلام سے محبت تھی اس لئے وہ اُٹھتے بیٹھتے و دیگر جملہ امور میں یوسف علیہ السلام کا نام لیتے تھے۔

نکتہ : ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام اس لئے لیا جاتا ہے کہ نزع کی گھڑی سخت کڑوی ہوتی ہے اور اللہ کا نام ہر شے سے میٹھا ہے بنا بریں ہمیں جانور پر اللہ کا نام لینے کا حکم ہے کہ نزع کے وقت جب جانور اللہ کا نام سنتا ہے تو اس کی سختی دُور ہو جاتی ہے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا لقنوا موتاکم بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ اپنے مُردوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے مردے پر سکرات آسان ہو جاتی ہے علاوہ ازیں جب زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر ذبح کے وقت بھی صرف اسی کا نام لیا جائے نہ کہ اس کے غیر کا۔

مسئلہ : حضور علیہ السلام نے ذبح کے وقت جن یعنی شیطان کا۔ نام لینے سے رُوکا ہے اور اس سے مدعا ہے کہ اس کے لئے کوئی شے ذبح کی جائے۔

حکایت بعض خلفاء نے ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے افتتاح کے وقت چاہا کہ ایک جانور جنات کے نام ذبح کیا جائے تاکہ کنویں کا پانی کم نہ ہو۔ چنانچہ جن کا نام لیکر وہ جانور لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ یہ بات حضرت ابن شہاب کے ہاں پہنچی تو انہوں نے فرمایا جانور حرام کیا اور لوگوں کو حرام کھلایا۔

دریائے نیل کی رسم کو فاروق اعظم نے مٹایا مصریوں کی قبل اسلام یعنی دورِ جاہلیت میں عادت تھی کہ ایک نوجوان کنواری حسین لڑکی کو اچھے کپڑے پہنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے۔ اسلام کی برکت سے یہ رسم ختم ہوئی اور اس رسم کو اس نے مٹایا جس سے جنات ڈرتے تھے یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے۔ آپ نے دریائے نیل کو خط لکھ کر یہ رسم ختم کی اور قیامت تک دریائے نیل کو ایسا جاری کیا کہ اب کبھی بند ہونے کا نام نہیں لیتا۔

...ق: اسی طرح اس وظیفے کو پڑھنے والا کوئی کھونا چاہے تو پھر سوائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے کسی کی پرواہ نہ کرے۔
...ن: اس طرح کسی تکلیف کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ یاد رہے کہ ہر زمانہ میں ایسے حضرات کی کمی نہیں یعنی حضرات ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔

...ثانی: جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسم کا وظیفہ پر مداومت کرے تو پھر نہ اُسے آگ جلا سکتی ہے اور نہ اسے پانی ہی غرق کر سکتا ہے اور نہ ہی سانپ ڈس سکتا ہے اور نہ اس پر زہر اثر کر سکتی ہے ... رسالہ میں اللہ تعالیٰ کے ڈرنے والے سے خوف کھاتی اور ڈرتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے مکمل طور ڈرتا ... کائنات اس کے قبضہ میں دے دی جاتی ہے۔

۱۔ تو گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

۲۔ محال است چون دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو گردن نہ موڑ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ موڑیگا۔

۲۔ اگر وہ تجھ سے محبت کرتا ہے تو محال ہے کہ وہ تجھے دشمن کے قبضہ میں دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مکان میں جنات کے وہم سے دھونی دینا اور گلاب کا پانی چھڑکنا یا پانی کے چھینٹے (دعملی) شرک ہے ایسا کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

مسئلہ: کسی مرغ کے بے وقت اذان دینے کو منحوس سمجھ کر ذبح کرنا بھی (دعملی) شرک ہے اس لئے ... مرغ سحر سے پہلے بے وقت اذان دے دیتے ہیں۔ تو بعض لوگ اسے مکان میں جنات کی تاثیر سمجھ کر مرغے کو جنات کے لئے ذبح کر دیتے ہیں۔ اس خطرہ سے کہ اگر اس طرح نہ کیا جائے گا تو جان و مال اور اہل و ... کو جنات نقصان پہنچائیں گے یا کوئی بلا و آفت نازل ہوگی۔

مسئلہ: مخلص مومن اس طرح کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ بلکہ ایسے مرغے کو نہ منحوس سمجھتا ہے اور نہ ہی اُس کے ...نے سے انکار کرتا ہے بلکہ سرے سے ایسے توہمات میں پھنستا ہی نہیں۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ

اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا

نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ

اور اس کے لیے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو اندھیریوں میں ہے ان

بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

سے نکلنے والا نہیں یوں ہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال بھلے کر دیئے گئے ہیں اور اسی طرح ہم نے ہر بستی

فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا

میں اس کے مجرموں کے سرغنہ کیئے کہ اس میں داؤں کھیلیں اور داؤں نہیں کھیلتے مگر اپنی جانوں پر اور

يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ

انہیں شعور نہیں اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ

رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

ملے جیسا اللہ کے رسولوں کو ملا اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

اور سخت عذاب بدلہ ان کے مکر کا اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے

اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ

اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا

ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى

ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

لانے والوں کو اور یہ تمہارے رب کی سیدھی راہ ہے ہم نے آیتیں مفصل بیان کر دیں نصیحت

يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا

ماننے والوں کے لیے ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اپنے رب کے یہاں اور وہ ان کا مولیٰ ہے یہ ان کے کاموں کا

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ

پھل ہے اور جس دن ان سب کو اٹھائے اور فرمائے اے جن کے گروہ تم نے بہت آدمی گھیر لیے

الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ

اور ان کے دوست آدمی عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا

بَلَغْنَا اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اِلَّا مَا
پہنچے اپنی میعاد کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ اس میں رہو مگر جسے
شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ
خدا چاہے اے محبوب بیشک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے اور یونہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں
بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۱۲۹
بدلہ ان کے کیے کا

تفسیر عالمانہ ۱۲۲ اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا شانِ نزول: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوجہل بدبخت نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر گوبر پھینکے ... حضرت حمزہ کو ہوا۔ اس وقت حضرت حمزہ دولتِ ایمان سے نہیں نوازے گئے تھے ان کو ابوجہل کی اس ... علم اس وقت ہوا۔ جب وہ شکار سے واپس آرہے تھے اور آپ کے پاس تیر و کمان بھی تھا۔ آپ سیدھے ... کے ہاں چلے گئے اور جاکر وہی کمان اس کے سر پہ مارا۔ ابوجہل نے کہا تم اس کی طرفداری کرتا ہے جس نے ... ترک کر رکھا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا تمہارے جیسا پاگل اور بے وقوف اور کون ... پتھروں کے بت اپنے ہاتھوں سے خود گھڑتے اور پھر اُن کی پرستش کرتے ہو۔ سُن لو اب سے میں مسلمان ... پھر آپ نے پڑھا اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ... یہی آیات نازل ہوئیں۔ آیت میں ہمزہ انکاری نفی کے لئے اور واؤ عاطفہ ہے۔ جملہ اسمیہ کو اس کے اپنے ... پر عطف ڈالنا مطلوب ہے۔ چنانچہ فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے مومنو کیا تم مشرکین ... کی طرح ہو سکتے ہو۔ فَاَحْیَیْنٰهُ پس ہم نے انہیں زندہ کیا یعنی ہم نے انہیں زندگی اور دیگر قوائے ... کرکے عنایت فرمائے۔

وَجَعَلْنَا لَهٗ اور مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ ہم نے اُن کے لئے خارج سے بنایا۔ نُوْرًا بہت بڑا نور۔ یَمْشِیْ بِهٖ" جو اس کے سبب سے چلتا ہے۔ فِی النَّاسِ لوگوں میں۔ یعنی ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے بچ کر چلتے ہیں۔ کَمَنْ مَثَلُهٗ۔ صفت عجیبہ میں اس کی مثال ہے ظلمات میں یہ خبر ہے۔ اس کا ابتدار محذوف ہے۔ ای هُوَ فِی الظُّلُمَاتِ (لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا) اس سے وہ کسی حال میں نکلنے والا نہیں۔ یہ فی الظلمات ظرف کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔ پہلا مَنْ موصولہ ہے اور اس کی خبر کَمَنْ مَثَلُهٗ ہے اور یہ من موصولہ ہے اس کا صلہ وہ جملہ اسمیہ ہے جو اس سے پہلا اُس شخص کی مثال ہے جسے منجانب اللہ ہدایت ہوئی ہو اور اُسے اللہ تعالیٰ نے اس کو حجج و آیات کے نور سے نوازا ہو اور وہ انہیں کے ذریعے اشیاء میں غور وفکر کرکے حق و باطل اور حق والے کا امتیاز کر سکے۔ جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا دوسرا مَنْ اس شخص کی تمثیل ہے جس کو گمراہی گھیر لے اور مرتے دم تک اُسے نہ چھوڑے جیسے ابوجہل وغیرہ کا كَذٰلِكَ جیسے مومن کو ایمان کی (زُیِّنَ) زینت دی جائے۔ یعنی منجانب اللہ بطریق تخلیق یا منجانب شیطان بطریق وسوسہ۔ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کافروں کے لئے وہ عمل کرتے ہیں یعنی فنون کفر اور معاصی میں اپنے عمل یعنی کفر و معاصی پر مداومت کرتے ہیں۔ اس ظلمات کفر اور گمراہی میں رہ کر ایمان و ہدایت کی طرف راہ نہیں پاتے۔

تفسیر صوفیانہ

ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ موت ہوائے نفس اور حیات حق کا نام ہے۔ یا یوں کہو کہ موت دُوری کو کہتے ہیں اور حیات معرفت اور حیات بشریت میں یہی فرق ہے کہ عوام حیات بشریت سے زندہ رہتے ہیں لیکن وہ اپنی بشریت میں میت ہوتے ہیں۔ یعنی جس طرح میت کے جسم کا انگ بے حس و حرکت ہوتا ہے اسی طرح عوام کی کیفیت ہے کہ وہ بھی اس حیات بشریت میں بے خبر ہو کر مُردہ ہیں اور اہل اللہ کی حیات معرفت کی زندگی ہوتی ہے۔ جب ان کی بشریت کی حیات ان سے زائل ہو جاتی ہے قال تعالیٰ کل نفس ذائقۃ الموت۔ حیات معرفت ان سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ کما قال تعالیٰ لنحیینہ حیوۃ طیبہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا "المومن حیّ فی الدارین" مومن دونوں عالم میں زندہ ہیں ؎

نیرد ہر کہ اجانش تو باشی
خوشا جانی کہ جانانش تو باشی

ترجمہ، وہ نہیں مرتا جس کی جان تم ہو وہ خوش قسمت روح ہے جس کا تو محبوب ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ : وہ نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہے کیا ہے صفحہ عالم پر ہمارا نام ہمیشہ۔
فائدہ : فارسی تفسیر میں ہے کہ شاہ کرمانی نے یہ آیت (اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ) پڑھی اور فرمایا کہ اس آیت کی تین نشانیاں ہیں۔ (۱) مخلوق سے علیحدگی (۲) خالق سے خلوت (۳) دل اور زبان کے ذکر پر مداومت کرنا۔ کسی بزرگ نے اس آیت کا معنی اشعار میں یوں بیان کیا ہے ؎

بر رُوئے خلائق در صحبت بکشائے
می باش بکلی متوجہ بخدائے
غافل مشو از ذوق دل و ذکر زبان
تا زندۂ جاوید شوی در دو سرائے

ترجمہ : مخلوق پر صحبت کا دروازہ نہ کھول کلی طور اللہ کی طرف متوجہ ہو۔
: غافل نہ ہو ذوق دل اور ذکر زبان سے جب تک تو زندہ ہے تو دونوں جہانوں میں تجھے ہمیشگی نصیب ہوگی۔
فائدہ : حقیقی زندہ وہی ہے جو نہ مرتا ہے اور نہ اس پر کبھی موت آسکتی ہے اور وہ ایک ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے ماسوا باقی سب مردہ ہیں اس لئے کہ وہ پہلے بھی معدوم تھے اور پھر بالآخر وہ مٹ جائیں گے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسر تر ہر چہ کہ ہست

ترجمہ : میں نے اس وقت سے چشمۂ عشق سے وضو کیا پھر موجود پر کلی طور چار تکبیر کہہ ڈالی ہے۔
یعنی تمام مخلوق کو میں نے مُردہ پایا بوجہ وصال اور مقام عشق و فنا کے نسخہ روحانی حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ انسان جو مخلوق کے لئے یوں عقیدہ رکھے کہ ان کا اپنا کوئی فعل نہیں تو وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے مخلوق کیلئے یوں عقیدہ رکھا کہ اسے فنا ہی فنا ہے۔ تو واصل باللہ ہوگیا۔
حکایت : حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک راہب سے گزرا۔ اس سے میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کتنا عرصہ سے رہتے ہیں اس نے کہا بیس سال سے میں نے پوچھا کوئی ساتھی بھی ہے کہا صمد۔ اللہ تعالیٰ ساتھ ہے تو اور ساتھی کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو ہر ایک کا ساتھی ہے میرا مطلب ہے کہ کوئی مخلوق سے بھی ہے کہا وحشت میرا ساتھی ہے میں نے پھر پوچھا کھاتے کیا ہو۔ کہا ذکر اللہ سے بھوک

مٹ جاتی ہے میں نے کہا آخر آپ انسان ہیں بتقاضائے بشریت کچھ تو آپ کھاتے ہوں گے۔ کہا درختوں کے پتے اور ان کے میوے اور زمین کی انگوریاں۔ پھر میں نے سوال کیا آپ کو کسی کے ملنے کا شوق بھی ہوتا ہے کہا بات قلوب العارفین کے محبوب کا ہر وقت شوق دامنگیر رہتا ہے میں نے کہا مخلوق میں سے کسی کا بھی تو ہوگا۔ اُس نے کہا جس کا لگاؤ ذات حق سے ہو اسے کسی کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں نے کہا آپ تنہائی میں کیوں رہتے ہیں فرمایا کہ لوگ عقل کے ڈاکو بلکہ راہِ ہدایت چھیننے والے چور ہیں۔ میں نے اُن سے عرض کیا فرمائیے کہ بندے کو راہِ ہدایت کس طرح نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا جب ماسوی اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور اس کے ذکر کے سوا کسی کے ذکر کا خیال تک نہ لائے۔

قاعدہ : ہر سالک کا سلوک کا آخری قدم مالک الملک کے ہاں ہوتا ہے۔

حکایت حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بیت المقدس کی زیارت کیلئے روانہ ہوا ایک جگہ راستہ بھول گیا۔ کچھ آگے بڑھا تو ایک بڑھیا کو دیکھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھی میری طرح راستہ بھول گئی ہے۔ اُس نے فرمایا عارف باللہ کبھی مسافر ہوتا ہی نہیں پھر اس کے لئے راستہ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ جیسے مالک سے محبت رکھتا ہے تو راستہ کیوں بھولے یہ کہہ کر مجھے فرمایا کہ میرے عصا کا سرا پکڑ کر میرے آگے آگے چلتے جائیے۔ چنانچہ میں نے اُن کے فرمان پر اُن کے عصا کو پکڑ کر آگے چل پڑا صرف پانچ چھ قدم ہی چلا تھا کہ بیت المقدس میں پہنچ گئے۔ میں سمجھا کہ شاید میری غلطی ہو ورنہ کہاں بیت المقدس اور کہاں ہم۔ مائی بڑھیا نے فرمایا۔ بندہ خدا تم زاہدوں کی رفتار کے خیال میں ہو اور میں تمہیں عارفوں کی رفتار پر یہاں لے آئی ہوں۔ زاہد پاؤں سے چلتا ہے اور عارف پروں سے اُڑتا ہے۔ چلنے اور اڑنے میں بہت بڑا فرق ہے یہ کہہ کر وہ بی بی مجھ سے غائب ہو گئی اور پھر تا حال مجھے اس کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ عارف کامل اللہ تعالیٰ کے نور سے چلتا ہے اور جہاں اور جیسے چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ لیکن جاہل ہمیشہ حیران و سرگردان رہتا ہے اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملتا جہاں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم رہبری کرے تو پھر اس کی قسمت۔

فائدہ : عارف اور جاہل کی مثال نابینا اور بینا کی ہے۔ جیسے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ایسے ہی عالم و جاہل ہم مرتبہ نہیں ہو سکتے۔ خواہ عالم شریعت ہو یا عالم طریقت و معرفت و حقیقت۔ اسی طرح اہل حال اور اہل قال کا فرق سمجھئے۔

قاعدہ : نور کی عظمت وسعت قلب کے نور کے مطابق ہوتی ہے۔ قلب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جس طرح اس کا تبدل و تغیر چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے اہلِ ایمان کیلئے نیکیاں اور طاعات مزیّن

فرمائی ہیں اور اہل کفر کو برائیاں اور شرور اچھے لگتے ہیں۔

مسئلہ: یاد رہے کہ بندہ مجبورِ محض نہیں بلکہ اسے اختیار ہوتا ہے کہ برائیوں سے دور رہے اور نیکیاں کرے۔ ہاں جب وہ اپنی استعداد کو صرف برائی میں لگا دیتا ہے تو پھر دائمی طور برائیوں میں پھنس کر نفس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

یہ تقریر ظاہری احکام کے مطابق ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لفظ احیا و جعل سے تو ثابت ہوتا ہے کہ تمام اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو فانی فی اللہ ہو کر بحرِ توحید میں غوطہ زن ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کل شیٔ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر شے میں اسی کی تاثیر ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اسے بھلائی نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس کریم نے اپنی کرم سے بھلائی کی توفیق بخشی۔ اس پر مداومت کرنے سے دائرہ تحقیق میں قدم رکھنے کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بہت سے امور مقلدانہ طور کرنے سے محقق بنا دیتے ہیں۔ (روح البیان)

۱۲۳ وَكَذٰلِكَ اور جیسے مکہ میں اُن کے لیڈروں نے انہیں گمراہ کیا۔ ایسے ہی جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ ہم نے ہر دیہات میں بنائے ہیں۔ فی کل قریۃ جعلنا سے متعلق ہے۔ اَكٰبِرَ بمعنی لیڈر۔ یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اور اکبر بمعنی عظیم کی جمع ہے۔ مُجْرِمِيْهَا یہ مفعول اوّل اور مجرم کی جمع ہے فارسی میں بمعنی گنہگار۔ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا تاکہ وہ اس دیہات میں مکر و فریب کا جال بچھائیں۔ اس لئے کہ ان لیڈروں کو عوام کو بہکانے پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور انہیں مکر و فریب اور دھوکہ دہی پر ہر طرح کے اسباب مہیا ہوتے ہیں اور عوام کو پھنسانے اور غلط طریقوں پر چلانے کا حربہ استعمال کر سکتے ہیں۔

فائدہ: قریش کے سرداروں کا کام تھا کہ وہ مکہ کے بڑے بڑے چوکوں اور مشہور شاہراہوں پر چار چار آدمی بٹھا دیتے جو آنے جانے والے لوگوں کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متنفر کرنے کی باتیں کرتے اور مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کے منکر کرنے پر بہت بڑی جد و جہد کرتے اور ہر جانے والے سے اپیل کرتے کہ جہاں جاؤ جس سے ملو یہی مشہور کرو کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساحر و کذاب ہیں۔ (معاذ اللہ)

فائدہ: بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ ہر پیغمبر علیہ السلام کے تابعدار جن دیہاتوں میں پیدا فرمائے تو غریب اور مالی لحاظ سے کمزور۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہے کفار نے کہا انؤمن لک واتبعک الارذلون۔ اور ان کا ہر مخالف دنیادار اور ہر لحاظ سے بہت بڑا طاقتور ہوتا ہے تاکہ دینِ حق کے خلاف وہ اپنی ہر طرح کی طاقت و قوت کو استعمال کر سکے۔

قاعدہ قرآنی اصطلاح میں بکسرٗ زمین پہ خفیہ طورفساد پھیلانے اور شرارت اور فساد کو فروغ دینے کو کہا جاتا ہے۔
فائدہ: آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو مخالفین کی شرارت سے ملال نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی لوگ اسی قسم کی شرارتیں کیا کرتے تھے
وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اور یہ مکر و فریب اپنے ساتھ کر رہے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال بالآخر انہیں کو پہنچیگا۔ وَ مَا۔ یہ واو حالیہ اور ما نافیہ ہے۔ یَشْعُرُوْنَ حالانکہ وہ اسے سمجھتے ہی نہیں اس لئے وہ اس گمان میں ہیں کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا رہے ہیں ٥ [۱۲۴] وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اور جب انکے پاس آتی۔
ربط: جب سابقہ پیغمبروں کے منکرین کی باتیں بتائی گئیں۔ اب ضروری ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کی علامات بھی بتائی جائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ آپ کے مخالفین کی علامت ہے کہ جب اُن کے ہاں آتی ہیں وہ (آیۃ) آیتیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔
قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ۔ کہتے ہیں کہ ہم نہیں ایمان لاتے جب تک کہ ہمیں وہ نہ ملے جو سابقہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ یعنی وحی و کتاب۔

شانِ نزول مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا ہم بنی عبد مناف سے بالمقابل ہے۔ اب شرافت وجدگی میں وہ اور ہم برابر ہو چکے ہیں۔ اب اُن کے قبیلہ سے ایک ایسا ہے جو نبوت کا دعویٰ کر کے کہتا ہے کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے لیکن ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے ہاں بھی وحی نہ آئے۔ گویا ان کا یہی ارادہ تھا کہ انہیں بھی نبوت و رسالت حاصل ہو جیسے کہ رسول پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی ہے ہم سردار بن کر رہ سکتے ہیں کسی کے تابعدار ہو کر نہیں رہ سکتے۔

فائدہ: صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ یہ اُن کی انتہائی بے وقوفی تھی اس لئے کہ کسی کو کہا جائے کہ ایمان قبول کر لو وہ جواب دے کہ میں اس وقت ایمان لاؤں گا جب کہ مجھے بھی نبوت ملے۔
فائدہ: امام ثعلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں رُسُلُ اللّٰہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ جمع کا صیغہ ہے۔ لیکن مراد حضور علیہ السلام ہیں وہ مقام یہ ہے قال تعالیٰ یا ایہا الرسل کلوا الخ اور یہ جمع تعظیم کی ہے۔
فائدہ: شرح تعرف میں لکھا ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کے جملہ صفات کسی نبی علیہ السلام میں جمع نہیں ہوتے یہ صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صفات جمع ہیں ؎

ہر چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: وہ جو محبوبوں کو تمام حسن عطا ہے تو اکیلا اپنے پاس رکھتا ہے۔

فائدہ: منجملہ ان اماکن کے کہ جہاں دُعا مستجاب ہوتی ہے ایک مقام یہی ہے جو کہ سورۃ ہذا کے دو بڑی عظمت والی آیتوں کے درمیان میں واقع ہوا ہے۔ اللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، یعنی ہر جاننے والے سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ جس جس جگہ پر رسالت و نبوت رکھنا چاہتا ہے رکھتا ہے اور یہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلیت فضائل نفسانیہ کا نام ہے نہ کہ نسب اور مال کو اہلیت کہا جائے۔

ترکیب: حیث الخ فعل مقدر یَعْلَمُ کا مفعول بہ ہے اور یہ ظرف میں وسعت کی وجہ سے جائز ہوتا ہے۔

سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا عنقریب ان مجرمین کو مصائب میں مبتلا کیا جائے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ نبوت و رسالت کے بہت بڑے منصب کی تمنا کرکے عزت کے طالب ہیں انہیں ذلت و خواری کا منہ دیکھنا ہوگا۔ عند اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یعنی قیامت کے دن۔ یہ سیصیب کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے قیامت کے دن کی ذلت و خواری مُراد ہے۔ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ اور بوجہ ان کے مکر و فریب کے انہیں سخت عذاب ہوگا۔ چونکہ ان کا یہی بہت بڑا جرم تھا جو مذکور ہوا۔ اس لئے ان کو عذاب شدید کا سبب واضح طور بتایا گیا۔

مرزائیوں کی تردید اس آیت سے ثابت ہوا کہ نبوت و رسالت عطیہ الٰہی ہے۔ اس کی مرضی جسے چاہے عطا کرے یہ سلطنت و حکومت کی طرح کسبی نہیں (جیسا کہ مرزائیوں نے سمجھا ہے) فلہذا نبوت کسی کی جدوجہد سے حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ اس میں جمیع اسباب و شرائط (نبوت) بھی پائے جائیں۔

ازالہ وہم ولایت بھی اسی طرح ہے اس لئے کہ ولایت نبوت کے لئے بمنزلہ وزارت کے ہے اس لئے یہ جدوجہد سے حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی ضروری نہیں کہ ہر جدوجہد کرنے والا واصل باللہ ہو بلکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ دولت (ولایت) مجاہدہ کے بغیر بھی نصیب ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی استعداد اور فضل الٰہی بھی شامل حال ہو۔

حکایت منقول ہے کہ میرے شیخ سیاحت کے لئے زبید سے اہواز کی جانب تشریف لے گئے آپ کے ساتھ ایک شاگرد (خلیفہ) بھی تھا۔ ان کا ایک کھیت سے گزر ہوا جس میں کماد کی موٹی چھڑیاں تھیں۔ آپ نے شاگرد سے فرمایا اس سے ایک بڑی اور موٹی چھڑی اُٹھا لے۔ مرید نے حکم بجا لا کر ایک بڑی چھڑی اٹھا لی اور چل پڑے۔ شیخ ایک ایسے مقام پہ پہنچے جہاں کے لوگ اتنے بے دین تھے کہ نہ انہیں نماز کا پتہ نہ دیگر عبادات کا۔ مردار کھانا ان کا کام

تھا۔ شراب پینے کے خوگر تھے۔ جب یہ دونوں پیر و مرید پہنچے تو انہیں شراب میں مست پایا۔ لہو و لعب میں مصروف اور گانے بجانے میں غرق تھے۔ شیخ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ اس مجلس کے سرغنہ کو جو کہ طنبور بجا رہا تھا بلاؤ۔ مرید نے جا کر اُسے کہا کہ تجھے فلاں بزرگ بلا رہے ہیں۔ اس نے طنبور گلے میں لٹکایا اور شیخ کی طرف چل پڑا جب شیخ کے ہاں پہنچا تو شیخ نے مرید سے فرمایا کہ اس کا طنبور ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ مرید نے طنبور توڑ دیا۔ شیخ نے اس مست سے فرمایا۔ چل ہمارے آگے اُس نے چلنا شروع کر دیا۔ جب دریا کے کنارے پہنچے تو شیخ نے فرمایا کپڑے اُتار کر اور انہیں پاک کر اور خود بھی نہاد ہولے۔ اُس نے شیخ کا حکم پورا کیا۔ اس کے بعد شیخ نے اسے وضو کا طریقہ بتایا اور نماز سکھائی۔ ظہر کی نماز کے وقت شیخ نے ان دونوں کو نماز پڑھائی۔ فراغت کے بعد شیخ نے مصلےٰ اٹھا کر دریا میں ڈال دیا۔ اس نو وارد مرید سے کہا کہ اس دریا والے مصلیٰ پر قدم رکھ کر چلتا جا۔ چنانچہ اُس نے دریا میں مصلیٰ پر قدم رکھا اور روانہ ہو گیا۔ جب نظروں سے اُوجھل ہوا تو پرانے مرید نے واویلا شروع کر دیا کہ حضرت مجھے عرصہ ہوا آپ کے جوتے صاف کرتے ہوئے لیکن کچھ نہ ملا اور یہ بدمعاش ابھی آیا اور کامل ولی بن کر چلا گیا۔ شیخ نے رو کر فرمایا بیٹے میرے بس کی بات نہیں اور نہ ہی میں نے اُسے کامل ولی بنایا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا ہے۔ اس لئے کہ مجھے حکم ہوا کہ فلاں علاقہ کا ابدال فوت ہو گیا ہے آپ فلاں شخص کو اس کے قائم مقام مقرر فرما دیجئے۔ میں نے حکم مانا جیسے کہ خدام آقاؤں کا حکم مانتے ہیں۔ بلکہ میں تو خود بھی ایسا نہیں جیسے وہ دریا میں جانے والا مراتب لے کر چلا گیا ہے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ ولایت بھی اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں حسن عاقبت نہ برندی و زاہدیست
آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ:۔ جب تو حسن عاقبت وزاہدی از خود نہیں لے سکتا تو بہتر ہے کہ اپنے تمام امور اسی کو سپرد کر دے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ قریہ سے انسان کا وہ عالم مراد ہے اور اس کے مجرمین سے وہ چیزیں مراد ہیں جو اس کے حسن کی استعداد ضائع کر کے اسے بدبختی کا خوگر بناتے ہیں۔ جیسے نفس اور خواہشات نفسانی اور شیطان۔ یمکرون فیہا سے شرع کی مخالفت اور طبع نفسانی کی موافقت مراد ہے۔ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ۔ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جب اپنی حسن استعداد کو ضائع کیا تو اس کا وبال اُن کی طرف عود کرے گا۔ کہ سوائے بدبختی کے انہیں اور کچھ حاصل نہ ہو گا کہ وہ دائمی طور سعادت سے محروم ہو جائیں گے وَمَا يَشْعُرُونَ سے مراد ہے کہ انہیں اپنے کرتوت کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ انہیں اس وقت معلوم ہو گا جب

جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ وَاِذَا جَآءَتْھُمْ قَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ۔ اس سے نفس و شیطان اور خواہشات نفسانی مراد ہیں اس لئے کہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی کو دیکھ کر انکار کر جاتے ہیں۔ کیوں کہ سرکشی اور انکار اُن کی فطرت میں ہے بنا بریں وہ زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ یہاں رسل اللہ سے قلب اور سِر و روح مراد ہیں اس لئے کہ اسرار حق اور الہامات الٰہی کے کی جائے ورود یہی ہیں۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات صرف قلب اور سِر و روح اور انہیں اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ کے پیغام سے نوازا جاتا ہے۔ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ اس سے نفس امارہ والے لوگ مراد ہیں۔ کہ صرف انہیں ذلت و خواری حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے دائمی طور دور ہو جائیں گے اور عذابٌ شدید سے فرقت و انقطاع مراد ہے۔ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ بوجہ اس کے کہ انہوں نے حسن استعداد کو ضائع کر دیا۔ اس کر و فریب اور شر و فساد کی انہیں یہی سزا ملے گی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ: ۱۲۵ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ جس کیلئے اللہ تعالیٰ چاہے اسے ہدایت دینا یعنی اسے طریق حق بتلائے اور اسے ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ۔ تو اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے یعنی اس میں وسعت اور کشادگی پیدا فرماتا ہے اس سے نفس کا حق کو قبول کرنے کی استعداد مراد ہے کہ وہ استعداد نفس کے اندر حلول کر جاتی ہے اور تزکیہ سے صاف ستھرا ہو جاتا ہے اور جو امُور اسے ترقی سے مانع اور منافی ہیں سب سے فارغ ہو جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: آیت کا معنی یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ایمان سے سرفراز کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو کفر سے دوری اور ایمان قبول کرنے کے اسباب اس کیلئے مضبوط کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لئے اسباب اس کے لئے مضبوط کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لئے تیار فرماتا ہے تاکہ دل صرف ایمان کی دولت کیلئے مستعد ہو اور جتنا امور ایمان سے مانع اور اس کے منافی ہیں۔ اُن سے یکسر خالی ہو جائے۔

حدیث شریف جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرح صدر کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈالتا ہے پھر وہ سینہ واسع اور کشادہ ہو جاتا ہے آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے تو آپ نے فرمایا ہاں اس کی علامت یہ ہے کہ بندے کا رجوع دار الخلد (آخرت) کی طرف ہو جائے اور دار غرور (دُنیا) سے اسے نفرت ہو اور موت کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

فائدہ: علم دو قسم ہے (۱) علم معاملہ (۲) علم مکاشفہ۔ پہلا علم بندے کو اللہ تعالیٰ سے ملاتا ہے اور دُوری کے جملہ اسباب کو مٹاتا ہے۔ یہی وجہ ہے دوسرے علم کے حصول سے پہلے اسے حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ

دوسرا علم وہ ہے جو دل میں ظاہر ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے کو غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ علم اول علم ثانی کے لئے شرط ہے کما قال تعالیٰ " والذین جاھدو فینا لنہدینہم سُبلنا ۔ اور اتنا ضروری کہ وہ اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ حدیث شریف مذکور میں تصریح کی گئی ہے کہ انابت وتجافی اور استعداد علم معاملہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اسی نور کی علامات سے ہیں۔

فائدہ: مکاشفہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ جو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ اُمتی عالم دین کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے میری فضیلت ادنیٰ اُمتی پر۔ نیز مکاشفہ کے سوا باقی تمام امور عمل کے تابع ہیں اس لئے کہ ان کے ثبوت کیلئے عمل شرط ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جتنا حجابات رقیق تر ہوتے ہیں اتنا ایمان قوی تر اور دل روشن اور صاف تر ہوتا ہے یہاں تک کہ حجابات اٹھ جانے پر ایمان یقین سے بدل جاتا ہے اور دل کی نورانیت میں جونہی اضافہ ہوتا ہے تو وہ یقین عیان سے بدل جاتا ہے لیکن اُن میں حجابات کا احتمال رہتا ہے پھر جب دل پر حق کے جمال کا جلوہ ہوتا ہے تو عیان سے عین ہوجاتا ہے لیکن اس میں جمال کے ساتھ جلال کے جلوہ کا ہونا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُضِلَّهٗ ۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے یعنی اس کے اندر گمراہی پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس بندے کے اپنے اختیار کے تقاضے یوں ہوجاتے ہیں کہ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا

تو اس کا سینہ تنگ کردیتا ہے۔ ضیق بمعنی تنگ ہے۔ حَرَجًا اور ایسا تنگ کہ وہ ایمان قبول کرنے سے حرج محسوس کرتا ہے اس طرح اُس کے اندر ایمان داخل نہیں ہوسکتا۔ یعنی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کفر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کیلئے ایمان سے دوری اور کفر کے قریب کے اسباب تیار فرماتا ہے۔ الحرج بالفتح مصدر ہے مبالغہ کے طور سے صفت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور بالکسر بمعنی اسم فاعل یعنی زائد تنگی والا۔ یہ ضیق سے اخص ہے۔ اس معنی پر ہر حرج ضیق ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ضیق حرج ہو۔

فائدہ: بعض کے نزدیک حرج درخت کی گھنی دار جگہ کو کہا جاتا ہے۔ اب مطلب یوں ہوا کہ کافر کے دل میں ایمان کا پہنچنا ایسے مشکل ہوجاتا ہے جیسے درخت کی گھنی دار جگہ پر چرنے والا جانور کا پہنچنا دشوار ہے۔

كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ گویا وہ آسمان پر چڑھتا ہے۔

فائدہ: کافر کو آسمان پر چڑھنے سے تشبیہ دینے کی دو وجہ ہیں۔

(۱) جیسے انسان کو آسمان پر چڑھنے کے لئے کہا جائے تو اُسے آسمان پر چڑھنا سخت دشوار محسوس ہوتا ہے

اسے یہ فعل ایک عظیم مصیبت نظر آتی ہے تو وہ اس کام سے سخت نفرت کرتا ہے ایسے ہی کافر کو ایمان لانا سخت تر امر نظر آتا ہے اس وجہ سے اسے ایمان سے نفرت ہوتی ہے۔

(۲) کافر کا دل ایمان سے دور ہو چکا ہے بلکہ قبول اسلام سے اس کے دل کو زمین و آسمان کی نسبت ہے اس بنا پر اس بُعد کو زمین سے آسمان پر چڑھنے سے تشبیہ دی گئی۔ چنانچہ کاشفی صاحب اپنی فارسی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ گوئی بالا می رود در آسمان یعنی می گریزد از قبول حق میخواہد کہ بآسمان رود۔ گویا کہ وہ آسمان پہ جاتا ہے۔ یعنی قبول ایمان سے آسمان کی طرف بھاگنا چاہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ دل کئی قسم کے ہیں۔

(۱) بعض وہ ہیں کہ جن پر ایمان کا قبول کرنا نہایت ہی شاق ہے یہ کافروں کے دل ہیں

(۲) بعض وہ ہیں جنہیں ایمان شاق تو نہیں ہوتا لیکن ایمان کے ذوق سے ناآشنا ہوتے ہیں جیسے ناقص مومن۔

(۳) بعض ان میں وہ ہیں جو کلمات عرفانیہ سے محروم بلکہ عارفین کے احوال کے بھی منکر ہیں۔ یہ وہ ہیں جو صفات حیوانیہ میں زیادہ منہمک ہیں اور ان پر صفات سبعیہ (درندگی) سوار ہیں۔ اور وہ صفات شیطانیہ سے مغلوب ہیں۔ اس وجہ سے انہیں روحانی مشارب سے روحانیت کا قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اللہ والے اغیار سے اسرار مخفی رکھتے ہیں ؎

چرا صدف نکند چاک سینہ را صائب
دریں زمانہ کہ جوہر شناس نایاب است

ترجمہ: اے صائب صدف اپنا سینہ چاک کیوں نہیں کرتی اس لئے کہ اس زمانہ میں جوہر شناس نہیں رہے۔

كَذٰلِكَ جعل مذکور کی طرح۔ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ اللہ تعالیٰ بناتا ہے رجس کو رجس سے عذاب یا رسوائی یا لعنت یا شیطان مراد ہے یعنی ان میں کسی کو مسلط کرتا ہے

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ یہاں پر علیہم کہنا چاہیے تھا لیکن مظہر کے بجائے اسم مظہر لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسم مظہر کا صلہ ان پر لعنت وغیرہ کا سبب بنا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر شیطان وغیرہ کو اس لئے مسلط کیا کہ انہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور کفر و طغیان پر اصرار کیا۔ ۱۲۶ وَهٰذَا اور یہ بیان جسے قرآن مجید لایا ہے۔ صِرَاطُ رَبِّكَ تیرے رب کریم کا راستہ ہے یعنی یہ وہی راہ ہے جس سے وہ راضی ہے در آنحالیکہ وہ مُسْتَقِيْمًا ط سیدھا ہے اس کے لئے جو اس پر چلتا ہے تو اسے ٹیڑھا پن نظر نہیں آتا بلکہ یہاں تک کہ وہی راستہ اسے بہشت میں لے جاتا ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ، ہم نے آیات بیان کئے ہیں۔ یعنی انہیں واضح اور کھلے طور بیان کیا ہے کہ اس کا

ایک مضمون دوسرے سے مخلوط نہیں ہو جاتا۔ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پذیر ہوتے ہیں ان کی تخصیص اس لئے ہے کہ صرف وہی اُن سے فیض یاب ہوتے ہیں ۱۲۶ لَهُمْ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا کہ جو لوگ قرآنی آیات سے نفع پاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے کتنا انعام تیار کیا ہے اس کے جواب میں کہا گیا کہ اُن کے لئے دَارُ السَّلَامِ ۔ ایک ایسی سلامتی کی دار تیار کی گئی ہے جس سے ہر قسم کے دکھ اور درد اور تکالیف دور رکھے گئے ہیں۔ یعنی ان کے لئے بہشت ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ یہ دار السلام سے حال ہے یعنی اُن کے لئے بہشت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی مہمانیاں ہیں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نحن الیوم عند فلاں ہم آج فلاں کے ہاں ہوں گے یعنی اس کی مہمانی اور کرم نوازی سے سرشار ہوں گے۔ بعض کے نزدیک عندیہ سے اس کا وعدہ کریمہ مراد ہے کہ قیامت میں ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کفیل ہوگا۔ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ وہی ان کا مالک و محب اور ان کے دشمنوں پر وہی ان کو مدد دینے والا ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔

خلاصہ تفسیر

آیت مذکورہ میں مندرج ذیل امور کا بیان ہوا ہے

(۱) ایمان کا حسن

(۲) کفر کا قبح

(۳) سعادت مند اور بدبخت کا انجام

(۴) انبیاء و اولیاء کے طریقوں پر چلنے کی ترغیب

(۵) وہ عمل صالح جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دار السلام یعنی بہشت کے داخلے کا ٹکٹ ہے اور دار السلام وہ قرار و اطمینان کا گھر ہے کہ جو اس میں داخل ہوگا وہ ہر طرح کے عذاب سے مامون و محفوظ ہو جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

حکایت

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیار عجم کے ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ جس میں چار ہزار گھوڑ سوار تھے ان کا امیر لشکر اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اہل لشکر چلتے رہے یہاں تک کہ اس قلعہ کے قریب پہنچے وہ ایک بلند پہاڑی پر تھا۔ اہل لشکر فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا محاصرہ کر لیا لیکن وہاں تک ہتھیار پہنچانے کا کوئی سبب نہ تھا۔ اس قلعہ کے اندر کفار کا لشکر تھا اور امیر لشکر ایک عورت تھی جو نہایت حسینہ و جمیلہ اور شکیلہ تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس قلعہ کے محاصرے سے بہت تھک گئے کیونکہ کفار پر ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ایک دن کفار کی امیر لشکر نے حلے لشکر

طرف ایک دریچہ سے جھانک کر دیکھا تو اس کی نظر ایک نوجوان عربی پر پڑ گئی جو وہ بھی حسین وجمیل اور شکیل تھا۔ جنگی مہارت بھی اسے خوب حاصل تھی۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ کفار کی امیرشکر ہمارے نوجوان کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی اور روز بروز اس کے عشق میں پگھلنے لگی۔ اس کی محرم راز نوکرانی نے سبب پوچھا اور کہا کہ آپ ہماری ملکہ ہیں اور قلعہ کے اندر محصور ہیں۔ آپ پر فوجوں کا زبردست پہرہ ہے پھر بھی آپ آہیں بھرتی ہیں۔ اُس نے کہا میرا خیال آتا ہے کہ اس قلعہ کو فلاں نوجوان فتح کرے گا۔ نوکرانی نے کہا وہ کیسے۔ اُس نے کہا دیکھ لے اب چند منٹوں کی بات ہے کہہ کر ملکہ نے اپنا ایلچی اس نوجوان کے ہاں بھیجا اور کہا کہ کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ تیری میری ملاقات ہو جائے۔ اس کے بعد تم میرے اور میں تیری ہو جاؤں۔ نوجوان نے ایلچی کو جواب دیا کہ اسے جا کر کہہ دو دو شرطوں پر تیری میری ملاقات ممکن ہے۔

(۱) باہر والا قلعہ ہمیں دیدے

(۲) اندر والا اُس کو

ملکہ کو جواب پہنچا تو اس نے دوبارہ ایلچی بھیج کر وضاحت چاہی کہ باہر والا قلعہ تو میں سمجھ گئی ہوں کہ میں اپنی شاہی تمہارے سپرد کر دوں لیکن اندر والے قلعہ سے کیا مراد ہے اور وہ کس کو دینا ہے۔ اس نوجوان نے سمجھایا کہ اندر والے قلعے سے تمہارا دل مراد ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے ملکہ نے یہ سن کر جواب بھیجا کہ نوجوان سے کہو کہ اپنا لشکر اندر قلعہ میں لا لیے۔ میں یہ قلعہ تمہارے قبضہ میں دے چکی ہوں۔ جب اسلام کا لشکر اندر پہنچا تو اس نوجوان نے ملکہ کو اسلام پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ چونکہ میں ایک بڑی ملکہ ہوں اس لئے میں اسلام اس کے سامنے قبول کروں گی جو تمہارا امیر ہو اس نوجوان نے کہا کہ اس وقت تو ہمارا امیرشکر حضرت عبداللہؓ جو ہمارے خلیفہ کا بیٹا ہے۔ ملکہ حضرت عبداللہؓ کے ہاں حاضر ہوئی اور انہیں بھی یہی سوال کیا۔ اُس نے کہا اس وقت ہمارے بڑے میرے والد گرامی ہیں ملکہ نے کہا مجھے اُن کے ہاں بھیج دو۔ جب وہ ملکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئی تو وہاں بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم سب کے بڑے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اُن کی قبر انور ہے ملکہ نے کہا میں انہی کے حضور میں اسلام قبول کروں گی چنانچہ یہ کہہ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی طرف چلی اور آ کر سلام عرض کیا اور نہایت ہی باادب اور پرسکون ہو کر بیٹھ گئی اور پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ اور کہا کہ اب میں ظلمات سے نکل کر نور میں داخل ہو گئی۔

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خوف ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد گناہوں میں ملوث نہ ہو جاؤں لہٰذا میری درخواست ہے کہ آپ میرے لئے دُعا فرمائیے چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے آپ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے تاکہ مجھے گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی موت دیدے یہ کہہ کر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا اور وہیں پر وفات پا گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس کے حسن خاتمہ کو دیکھ کر رو پڑے اور

اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کر کے اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بروز واقعہ تابوت من ز سرو کشید۔

کہ میروم بہوا بلند و بالا

ترجمہ: موت کے دنوں میرا تابوت سرو کے بنانا تاکہ میں ہوا میں بہت اونچی پرواز کر سکوں

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے سیدھے راہ پر چل کر قلب سلیم کے ساتھ تیرے حضور میں پہنچ کر عذاب الیم سے نجات پاتے ہیں۔ (آمین یا کریم یا رحیم)

۱۲۸ وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا اور یاد کیجئے اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تفسیر عالمانہ اہل مکہ وغیرہ کو جس دن اللہ تعالیٰ ثقلین وغیرہ سب کو اٹھا کر قیامت کے میدان میں جمع کر کے انہیں تو بیخاً فرمائے گا۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ اے شیطانوں کی جماعت۔

فائدہ: المعشر اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو بیک جہت مخلوط ہوں اور ان کے ایک دوسرے سے مل کر گزاریں اور ان کا ایک ہی معاشرہ ہو۔ اس کی جمع معاشر آتی ہے۔ بعض کے نزدیک معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جو غایت کثرت کو پہنچ جائے۔

فائدہ: دس کامل عدد اور کثیر ہیں اس لئے کہ اس کے بعد اور کوئی عدد نہیں اگر ہیں تو اس سے مرکب ہو کر مثلاً احد، عشر اثنا عشر وغیرہ سب کہیں کہ معشر تو اس کا معنیٰ ہو گا۔ عشر یعنی کثرت کاملہ کا محل۔

فائدہ: لوگوں سے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے جنات کو جن کہا جاتا ہے۔ قَدِ اسْتَکْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ۔ بے شک بہ نسبت انسانوں کے اغواء و اضلال میں کثیر ہو۔ یعنی تم انسانوں کو بہت زیادہ گمراہ کرتے ہو۔

وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُھُمْ شیاطین کے دوستوں نے کہا یعنی جنہوں نے ان کا کہا مانا در انحالیکہ من الانس وہ انسانوں سے ہیں یہ اَوْلِیٰٓؤُھُمْ سے حال ہے۔ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ہمارے بعض نے بعض سے نفع پایا ہے یعنی انسانوں نے جنات سے اور جنات نے انسانوں سے۔ انسانوں کو جنوں سے یہ فائدہ پہنچا کہ جنات نے انسانوں کو شہوات کے قواعد و ضوابط بتلائے۔ انہیں شہوات کی باتیں جنات کے بتانے سے آسان ہوئیں اور جنات نے انسانوں سے یہ فائدہ پایا اور انسانوں پر سرداری نظام قائم کیا اور دستور ہے کہ ہر سردار اپنے چودھراپن سے اپنے تابعدار سے نفع پایا۔ وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا اور ہم اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی یعنی ہم مقرر کردہ میعاد یعنی قیامت کے دن کو پہنچ گئے ہیں۔

فائدہ: مجرمین اپنی غلطیوں کے اعتراف کے طور قیامت میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ واقعی ہماری غلطی ہے کہ

نے شیاطین اور شہوات کی اتباع اور قیامت کی تکذیب کی۔ اُن کا یہ اعتراف بطور اظہار ندامت ہوگا اور اپنے
حال پر حسرت کناں ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر تسلیم خم کرکے عرض کریں گے۔

کنوں باید ای خفتہ بیدار بود
چو مرگ اندر آرد ز خوابت چہ سود
چہ خوش گفت باکودک آموزگار
کہ کاری نکردیم و شد روزگار

ترجمہ: (۱) ابھی سے اے سونے والے جاگو جب موت نے تجھے خواب سے بیدار کیا تو کیا فائدہ
(۲) کیا خوب فرمایا استاد نے شاگرد کو کہ افسوس ہم نے کوئی کام نہ کیا اور وقت گزر گیا۔

سوال: حسرت بھری باتیں گمراہ شدگان تو کہہ رہے ہیں گمراہ شدگان گمراہ کنندگان سے ایسی باتیں کیوں نہیں بیان ہوئیں
جواب: گمراہ کنندگان کو جب ایک بار لاجواب کرکے خاموش کرا یا گیا اب انہیں بولنے کی ہمت نہیں ہوگی اور ان
کے لاجواب ہونے کا بیان دوسرے مقام پہ مذکور ہوا ہے۔

قال یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مجرموں نے بطور اعتراف مذکورہ بالا بیان دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے
انہیں کیا فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا۔ اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ جہنم تہارا ٹھکانہ ہے
المثوی بمعنی المقام خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت میں ہمیشہ بہشت و دوزخ میں رہنے والی مخلوق چار
قسم کی ہے۔

(۱) ہمیشہ بہشت میں رہنے والے ملائکہ کرام
(۲) ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے شیاطین
(۳) بعض وہ جن و انس بہشت میں جن کے اعمال اچھے۔
(۴) ان کے وہ بعض دوزخ میں جن کے اعمال برے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

(۱) تاویلات نجمیہ کی توجیہات میں ہے کہ اِلَّا ماشاء اللہ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی
اور خلوص سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اس معنی پر یہ استثناء لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے دنیا میں اپنی غلطیوں
سے سچے دل سے توبہ کی نہ کہ اہل خلود سے استثناء ہے اس لئے کہ اہل خلود قابل استثنا نہیں ہیں۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ماشاء اللہ کا مصدر یہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے جیسے ایک حقوق النجم
میں مضاف یعنی وقت محذوف ہے اور یہ استثناء سابقہ جملہ کے مضمون سے ہے یعنی النار مثواکم خالدین فیہا

سے ۔ اب معنی یوں ہوگا کہ وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۔ مگر ان اوقات میں دوزخ سے نکل جائیں گے ۔ جن وقتوں میں اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی اوقات ابد اسے استثنار ہے اور وہ مستثنیٰ شدہ اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں ۔ چنانچہ مروی ہے کہ دوزخیوں کو بعض اوقات جہنم سے نکال کر زمہریر د برف خانہ) میں ڈالا جائے گا ۔ وہ زمہریر اُن کے چیڑے ادھیڑ دے گا ۔ سخت سردی سے چیخ کر عرض کریں گے ہمیں جہنم میں رہنا منظور ہے اس سختی سے ہمیں نکال لیا جائے اس بنا پر یہ استثنار اُن کے لئے تہکم واستہزار کے طور ہوگا ۔

(۳) تفسیر جلالین میں ہے کہ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ کا استثنار وقت کے لئے ہے کہ انہیں بعض اوقات جہنم سے نکال کر کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا جائے گا ۔ اور چونکہ وہ دوزخ کے احاطہ سے باہر ہے اس لئے ان اوقات کو دوزخ کے دوام سے مستثنیٰ کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۔ پھر ان کا رجوع جحیم دگرم پانی کی طرف ہوگا ۔

(۴) بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ دوزخیوں کو دُور سے بہشت کا دروازہ کھول دیا جائے گا وہ طمع کرکے بہشت میں داخل ہونے کے لئے للچائیں گے تو بہشت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا ۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ یہ استثنار ان اوقات کے لئے ہے جنہیں دوزخ کے داخل ہونے سے پہلے انہیں حساب وکتاب تک مہلت ملی تھی ۔ گویا کہا گیا کہ تم دوزخ میں ہمیشہ رہوگے صرف ان اوقات میں تمہیں مہلت ہوگی جن میں تم ابھی دوزخ میں داخل نہیں ہوئے تھے پھر خلود کا قاعدہ ہے کہ جیسے اُس کے آخر میں استثنار کیا جا سکتا ہے اس کے اوّل میں بھی کیا جا سکتا ہے یہ توجیہات علمائے ظاہر نے بیان فرمائی ہیں ۔ اگرچہ مذکورہ بالا توجیہات بھی حضرت نجم الدین قدس سرہ نے بیان فرمائیں لیکن انہوں نے شریعت مطہرہ کی پاسداری فرمائی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

علمائے باطن یعنی صوفیار کرام نے اس استثنار یعنی اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ کی عجیب وغریب توجیہات بیان فرمائی ہیں ۔ جن سے عوام کے عقول واذہان اور علوم وافہام چکرا جاتے ہیں ۔ ہم چند ایک کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی وصیت کرتا ہوں کہ انہیں صرف اپنے تک محدود رکھنا ۔ یہ عوام میں بیان کرنے کی باتیں نہیں ہیں حضرت مولانا رمضان شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ دوزخ والے نجات سے ناامید نہیں ہوں گے یہاں تک کہ جب موت کو ذبح کرنے کے بعد اعلان ہوگا کہ اب دائمی طور بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہیں گے اُس کے بعد دوزخی جب دوزخ میں واپس لوٹیں گے تو اُن کو عذاب جہنم بجائے دکھ اور درد کے بجائے انہیں لذت پہنچائیگا ۔ ایسی لذت کہ اگر انہیں نسیم جنت عنایت ہو تو بھی انکار کر دیں گے بلکہ الٹا انہیں بھی نسیم جنت عذاب محسوس ہوگی جیسے سیاہ بھنور کو گوبر کی بدبو خوشبو سے زیادہ معطر محسوس ہوتی ہے اگر اسے گلاب سونگھایا جائے تو اُس سے اُلٹا اسے تکلیف ہوتی ہے یہی تقریر حضرت الشیخ الاکبر والسک الاذفر والکبریت الاحمر قدس سرہ سے بھی منقول ہے انہوں

نے فرمایا کہ جہنم دکھ اور درد سے خالی کر دی جائے گی اور اس کا عذاب عذب یعنی میٹھے پانی کی طرح ہوگا۔ اُن کے نزدیک عذاب کا مادہ (میٹھا پانی) ہے لیکن عوام کو اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ حضرت اکبر قدس سرہ اور دوسرے اکابر صوفیاء کرام اجماع اُمت کے خلاف ہو رہے ہیں۔ اسلئے کہ علماء ظاہر و باطن ہر دونوں متفق ہیں کہ جہنم کا عذاب دائمی ہے اور جہنم سے انقطاع ناممکن ہے۔

تطبیق از صاحب روح البیان صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ کامل قدس سرہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کمالات دینی اور شرافت توصف سے نوازا ہے نے فرمایا شیخ اکبر و دیگر اکابر صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں کسی قسم کا تضاد نہیں اس لئے کہ دار جمال بہشت کے مکینوں پر جمال الٰہی کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں بلکہ وہ صرف انہی اثرات جمال سے ہمیشہ تلذذ پاتے ہیں۔ اگرچہ اس جمال میں جلال اور اس کا اثر بھی ہے لیکن غلبہ جمال سے جلال کے اثر کو نہ محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی اسے دیکھتے ہیں اور نہ ہی نہ جلال کے اثرات کا انہیں درد محسوس ہوتا ہے اس طرح جو دار جلال (جہنم) میں سکونت پذیر ہے تو اسمیں عرصہ دراز گذرانے پر جلال کے جمال کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس کا وہ ہمیشہ ذوق چکھتا ہے۔ جلال کے جمال کے اثر کے ظہور کے بعد نار الجلال کے آثار چھپ جاتے ہیں کہ پھر اسے محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اُسے درد و الم پہنچتا ہے۔ لیکن جلال کے جمال کا اثر بڑے عرصہ دراز کے بعد نمودار ہوگا۔ یعنی اس وقت جب کہ نار جلال جہنمیوں کے بواطن و ظواہر کو جلا کر راکھ بنا دیگی اور اس کے لئے مدت مدید اور عرصہ بعید چاہیے جسے احقاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حقبہ کی مدت آخرت کے پچاس ہزار سال کا ہے یہ اُن کے دنیا میں ایک دن کے شرک کی سزا ہے اسی طرح اس کی زندگی کے ایک ایک دن کے شرک کی سزا ایک ایک حقبہ ہوگا۔ جب اس کی زندگی کے تمام حقبات ختم ہونگے تب کہیں اس پر جلال کے جمال کا ظہور ہوگا۔ پھر جس طرح اُن کا ازل میں حالت از کیفیت تھی ان حقبات کے انقطاع کے بعد وہی ازلی حالت و کیفیت نصیب ہوگی ازل و ابد درمیانی عرصہ اس کیلئے آزمائش کا دور ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آزمائشیں کے حادث ہیں اور حوادث منقطع ہوتے ہیں اور آزمائشوں کے حادث ہونے کی دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ونبلوکم بالشر والخیر فتنہ والینا ترجعون۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دار البوار سے بچائے۔ آمین۔ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ بے شک تیرا رب حکیم ہے وہ اپنے افعال کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے منجملہ ان کے یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ اولیاء نے شیطان کو دائمی طور جہنم میں ڈالے گا۔ عَلِيْمٌ وہ ثقلین یعنی انس و جن اور اُن کے اعمال اور پھر اُن کے اعمال جزاء و سزا کو خوب جانتا ہے ۱۲۹ وَكَذٰلِكَ اور جیسے ہم نے جن و انس کو رسوا کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ایک دوسرے سے نفع پایا۔ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا۔ ہم ظالمین کے بعض کو بعض پر مسلط کرتے ہیں یعنی ظالم کی ظالم سے پٹائی

کراتے ہیں۔ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ بسبب اس کے وہ اپنے اعمال کفر و معاصی پر مداومت کرتے ہیں۔

مسئلہ: مروی ہے کہ جو ظالم کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مدد کرنے والے پر بھی کسی ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔

ظالم حاکم شامتِ اعمال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کیلئے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُن پر اچھے حاکم مقرر فرماتا ہے اور جب کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان پر ظالم حاکم مسلط کرتا ہے۔

(۲) سابقہ کتب سماویہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے قلوب میرے قبضۂ قدرت میں ہیں جو قوم میری اطاعت کرتی ہے میں بادشاہوں کو اُن کے لئے رحمت بنا دیتا ہوں اور جو قوم میری بے فرمانی کرتی ہے میں اس پر اُن کے حاکموں کا عذاب بنا دیتا ہوں جو اُن کے اعمال کی انہیں سزا دیتے ہیں۔ فلہٰذا اے اللہ کے بندو! اپنے نفسوں کو بادشاہوں کا مشغلہ نہ بناؤ بلکہ توبہ کرو تاکہ میں تمہارے حال پر رحم فرماؤں۔

(۳) حدیث شریف میں ہے کہ ظالم انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ وہ لوگوں سے اُن کے گناہوں کا بدلہ لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے اُس کے ظلم کا بدلہ لے گا۔

(۴) مرفوع حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے مبغوض بندے سے مبغوض بندے کے ذریعے بدلہ لیتا ہوں پھر ہر دونوں کو جہنم میں بھیجوں گا۔

(۵) زبور میں ہے کہ میں منافقوں سے منافقین کے ذریعے بدلہ لیتا ہوں پھر ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ بدلہ لوں گا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کیوں حالانکہ اس سے عدل ہی عدل ہوتا ہے؟

جواب: یہاں پر عدل سے فضل کے بالمقابل مراد ہے اور عدل کا حقیقی معنی یہ ہے کہ ہر فاعل سے اس کے فعل کا معاملہ کیا جائے۔ اگر اس کا فعل اچھا ہے تو اُسے نیک جزا دی جائے۔ اگر اس کا فعل بُرا ہے تو اُسے سزا دی جائے اور فضل یہ ہے کہ بُرے کو معاف کر دیا جائے۔ یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ بُرے کو سزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے وہ اسے عدل کہتے ہیں۔ اس بنا پر وہ اپنا نام اہل عدل رکھتے ہیں۔ اہل سنت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ قال تعالیٰ، وقل رب احکم بالحق" یعنی ظالم کو مہلت نہ دی جائے اور نہ ہی اس سے تجاوز کیا جائے۔ بلکہ اس کی سزا میں جلدی کرنا چاہیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لئے مہلت دینا یا تجاوز کرنا چاہے تو وہ مالک ہے اور جسے جو چاہے عطا کرے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس سے کسی کو سوال کرنے کا حق نہیں۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ) مثنوی شریف میں ہے

۱ چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش
زانکہ تخمست و برویاند خداش

۲ چند گاہے او بپوشاند کہ تا
آیدت زاں بد پشیمان و حیا

۳ بارہا پوشد پئے اظہار فضل
باز گیرد از پئے اظہار عدل

۴ تاکہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود
آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ ۱۔ جب تجھ سے برائی سرزد ہوئی بے خوف نہ ہو اس لئے کہ یہ بیج ہے جو اسے اللہ تعالیٰ اُگائیگا
۲۔ بہت بار تیرے عیب ڈھانپتا ہے تاکہ تجھے پشیمانی اور حیا آئے۔
۳۔ فضل و کرم کے پیش نظر تیرے عیب چھپاتا ہے پھر گرفت کرتا ہے تو وہ اس کا عدل ہے
۴۔ تاکہ اسکی یہ دونوں صفتیں ظاہر ہوں ایک صفت مبشر ہے دوسری منذر ہے۔

تفسیر صوفیانہ ظالم مطلقاً اپنی روحانی فطری استعداد کو ضائع کرتا ہے جو فیض ربانی کے قابل تھی یہی وجہ ہے کہ ظالم پر کلام حق کا اثر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب ریاست کو قدرت و غلبہ زائد دیا جاتا ہے۔

حدیث شریف ۔ میں ہے کہ قیامت کے علامات میں سے ہے کہ لوگ نمازیں ضائع کردیں گے۔ اور شہوات کے تابع ہوجائیں گے۔ اس وقت کے امیر خائن ہوں گے اور وزیر فاسق۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ چونک پڑے اور عرض کی کیا ایسے لوگ پیدا ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں اے سلمان ضرور ایسے ہو گا اس وقت مومن ذلیل ترین انسان سمجھے جائیں گے وہ لوگوں کے سامنے چلے گا تو اسے خوف ہوگا کہ اگر کوئی بات کرے تو اُسے کچا کھا جائیں گے۔ اگر چپ رہتا ہے تو غصہ سے مرے گا (کذا فی روح الاخبار) حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ؎

۱۔ خبر داری از خسروان عجم
کہ کردند زیر دستاں ستم

۲۔ نہ آں شوکت و پادشاہی بماند
نہ آں ظلم بر روستائی بماند

(باقی صہ ۶۸۹ پر)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ
اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں کے
مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا
رسول نہ آئے تھے تم پر میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے کہیں گے
شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ
ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ
كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا
کافر تھے یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ
غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾
بے خبر ہوں اور ہر ایک کے لیے ان کے کاموں سے درجے ہیں اور تیرا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں
وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا
اور اے محبوب تمہارا رب بے پروا ہے رحمت والا اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور جسے چاہے تمہاری جگہ لائے
يَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ
جیسے تمہیں اوروں کی اولاد سے پیدا کیا بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے
اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ
ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہیں سکتے تم فرماؤ اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں تو اب جاننا
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا
چاہتے ہو کس کا رہتا ہے آخرت کا گھر بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے اور اللہ نے
لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا
جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ان میں اُسے ایک حصّہ دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں اور یہ
لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ
ہمارے شریکوں کا تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ ان
يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
کے شریکوں کو پہنچتا ہے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں اور یوں ہی بہت مشرکوں کی نگاہ میں ان کے شریکوں
قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
نے اولاد کا قتل بھلا کر دکھایا ہے کہ انہیں ہلاک کریں اور ان کا دین ان پر مشتبہ کر دیں اور اللہ چاہتا تو ایسا نہ

مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا

کرتے تو تم انہیں چھوڑ دو وہ ہیں اور ان کے افترا۔ اور بولے یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے اسے

يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ

نہ کھائے مگر جسے ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال سے اور کچھ مویشی ہیں جن پر چڑھنا حرام ٹھہرایا اور کچھ مویشی کے ذبح پر اللہ

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ

کا نام نہیں لیتے یہ سب اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے عنقریب وہ انہیں بدلہ دے گا ان کے افتراؤں کا اور بولے جو ان

بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً

مویشی کے پیٹ میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کا ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور مرا ہوا نکلے تو وہ

فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

سب اس میں شریک ہیں قریب ہے کہ اللہ انہیں ان کی باتوں کا بدلہ دے گا بیشک وہ حکمت و علم والا ہے بیشک تباہ ہوئے

قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ

وہ جو اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں احمقانہ جہالت سے اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو اللہ نے انہیں روزی دی اللہ پر جھوٹ باندھنے کو

قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

بیشک وہ بہکے اور راہ نہ پائی

بقیہ صفحہ

۳- مکن تا توانی دل خلق ریش
وگر میکنی میکنی بیخ خویش

ترجمہ: ۱. تمہیں معلوم ہے کہ شاہان عجم نے رعایا (عاجزوں) پر ظلم کیا۔

۲. پھر نہ شاہی رہی نہ شوکت نہ وہ عاجزوں پر ظلم

۳. حتی الامکان مخلوق کا دل زخمی نہ کر۔ اگر کرتا ہے تو اپنی جڑ اکھیڑتا ہے۔

اے اللہ ہمیں ظلم و فساد سے محفوظ فرما۔ اسلئے کہ تو حافظ العباد والبلاد ہے۔

تفسیر عالمانہ

۱۳۰ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ قیامت میں ثقلین یعنی جن اور انسانوں سے فرمائے گا کیا تمہارے ہر دونوں گروہوں کے ہاں سے معین رسول (علیہ السلام) مِنْکُمْ یہ رسل کی نہیں آیا۔ رُسُل اللہ تعالیٰ کی طرف صفت ہے یعنی جو تمہارے جنسوں سے تھے۔

مسئلہ: بالاتفاق انسان اور جن ہر دونوں احکام الٰہیہ کے مکلف ہیں۔ صرف اس میں احتمال یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جتنے رسول تشریف لائے اُن کے ہمجنس یا بجنس پرواز اور بجنس سے استفادہ اور فیض لینا موزوں تر ہوتا ہے نیز جنات کے لئے یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے لئے رسل ان کی غیر جنس سے تشریف لائے مثلاً جنات کے رسول بشر ہوں۔ اس میں کسی قسم کا اشکال بھی نہیں کہ جنات بشر سے استفادہ کریں کہ اُن کے خواص اُن سے استفادہ کریں کہ اُن کے خواص اُن سے استفادہ کر کے اپنے عوام تک پیغامات پہنچائیں۔ جیسے خواص بشر ملائکہ کرام سے استفادہ کرتے ہیں۔

مسئلہ: اس پر امت کا اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ثقلین یعنی جن و انسانوں کے رسول ہیں آپ نے ہر دونوں گروہوں کو ایمان باللہ و بالیوم الآخر کی دعوت دی۔

مسئلہ: سابقہ پیغمبران عظام علیٰ نبینا و علیہم السلام صرف انسانوں کے نبی تھے۔

سوال: سلیمان علیہ السلام کی جنات پر بھی حکومت تھی تو کیا وہ نبی نہیں تھے۔

جواب: وہ جنات پر حکومت کرتے تھے لیکن اُن کی اُن پر صرف سلطنت و حکومت و سیاست عامہ تھی

جنات کی نبوت کی تحقیق

رُسُلٌ مِّنْکُمْ کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول اور پیغمبر ہوں، یہی ضحاک اور اس کے تابعین کا مذہب ہے اُن کی دلیل یہ ہے کہ جب آیت میں عموم ہے تو پھر اس کے ظاہری معنی سے عدول نامناسب ہے جب کہ ظاہری معنی

پیلنے میں شرعاً قباحت بھی نہیں ۔

ضحاک نے اپنی دلیل کی تائید سید نا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل سے پیش کی ۔ انہوں نے ومن الارض مثلھن الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ

فی کل ارض نبی مثل نبیکم و آدم کادمکم و نوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ

(اس حدیث کو آکام المرجان میں صحیح بتایا ہے اور ابن عباس سے کیسے خلاف کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ سلطان المفسرین ہیں اور سخاوی کا قول غیر معتبر ہے جب کہ انہوں نے کہا کہ یہ حدیث ابن عباس منقولات اسرائیلیات سے ہے نیز ضحاک نے اپنی تائید اس قول سے بتائی ہے جو کہ مشہور ہے کہ ہر آسمان میں اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے جیسے اس آسمان کے مکین اس کا طواف وغیرہ کرتے ہیں ۔ اسی طرح ہر زمین میں اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے جسے اس کے مکین اس کا طواف وغیرہ کرتے ہیں ۔) بات وہی مناسب ہے جو حضرت الشیخ الشہیر بافنادہ آفندی قدس سرہ فرما گئے ۔ انہیں حضرت الہدائی کا خطاب بھی ملا اور عالم دنیا میں ہر ایک کے مجدد اور افنادہ کے نام سے مشہور ہیں وہ یہی کہ جنات میں کوئی نبی نہیں (ھذا ھو الحق) اس دوسرے معنی پر امت کا اجماع ہے ۔

مسئلہ : اس سے بشر کی جنوں پر فضیلت ثابت ہوئی اس لئے کہ انبیاء بشروں سے تشریف لائے اور چونکہ جنات بھی احکام میں بشروں کے شریک ہیں اس لئے انہیں ان کے ساتھ خطاب کیا گیا اور ایسا عرب میں عام ہے اسی کا نظیر قرآن مجید میں ہے قال تعالیٰ " یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان " ھما کی ضمیر سے ظاہر ہے کہ مرجان ملح اور ملیح ، دریا مراد ہوں ۔

ف : بعض مفسرین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ لفظ " رسل " عام ہے وہ حقیقی رسول پر مشتمل ہوتا ہے اور رسول کے رسول پر بھی اور

حدیث شریف میں ہے کہ جنات کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے قرآن سنا اور پھر واپس جا کر اپنی برادری کو احکام الٰہیہ کی تلقین کی ۔ یہ تحقیق فقیر نے پیش کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے ۔ (وھو یقول الحق ویھدی الی الصواب)

یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ پڑھتے تھے تمہارے سامنے میری کتابیں **وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا** اور میری ملاقات کے اس دن یعنی قیامت کے دن سے تمہیں ڈراتے تھے ۔

قَالُوْا وہ اس شدید توبیخ کو سن کر جواباً عرض کریں گے ۔ **شَھِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا** ۔ ہم اپنے نفسوں پر شاہد ہیں کہ ہمیں تیرے احکام پہنچے اب وہ اپنے کفر اور عذاب کے مستحق ہونے کا اعتراف کریں گے وشھدنا

یہ بُعِثَ وَ اُشْتُرِیَتْ کی طرح جملہ انشائیہ ہے۔ لفظ ماضی سے شہادت کا متقدم ہونا ضروری نہیں۔
وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیوٰۃ دنیا نے دھوکہ دیا اس لئے ایمان نہ لاسکے
وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ۔ اور آخرت میں اپنے نفسوں پر گواہی دیں گے۔ اَنَّهُمْ كَانُوْا بے شک
وہ دنیا میں تھے كٰفِرِيْنَ اللہ تعالیٰ کے احکامات و آیات جنہیں رسل کرام لائے تھے اُن سے کفر کرنے والے
تھے۔ یہ اُن کے غلط نظریات کی تردید ہے اور واضح کرنا ہے کہ اُن کی رائے سراسر غلط تھی۔ اس لئے کہ وہ
حیوٰۃ دنیویہ اور لذات نفسانیہ سے دھوکہ کھا بیٹھے اور آخرت سے روگردانی کر لی بالآخر انجام وہی نکلا کہ وہ
خود بخود معترف ہو گئے کہ کفر بھی کیا اب وہ دائمی عذاب کے مستحق بھی ہیں۔ اس میں سامعین کو اُن کا حال
سنا کر انہیں ڈرانا مقصود ہے ۱۳۱ ذٰلِكَ یہ رسل کرام کا بھیجنا۔ اَنْ یہاں لام مقدر اور اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے در اصل
لانہ تھا یعنی اس لئے کہ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ تیرا رب بستیوں کو ان کے ظلم کے سبب سے تباہ نہیں
کرتا۔ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ اور ان کے اہل بے خبر ہوں کہ اُن کے ہاں کوئی پیغمبر علیہ السلام نہ بھیجے کہ انہیں احکامات
الٰہیہ بیان کرے۔

فائدہ: بغوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ کسی کو غلطی کے بغیر سزا نہیں دیتا اور بندہ اس وقت غلط کار سمجھا
جاتا ہے جب اُسے کسی کام کا حکم دیا جائے اور وہ نہ کرے اور کسی فعل سے روکا جائے تو وہ اسی کا ارتکاب کرے
اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ پیغمبران عظام تشریف لائیں اور احکامات الٰہیہ سنائیں (تفسیر فارسی) میں ہے کہ
استیصال بیخ قوم نباشد الا بعد از تقدم وعید و اگر نہ ایشاں را بر حق حجت باشد کہ لولا ارسلت الینا رسولا
فنتبع آیاتک۔ کسی قوم کی بیخ کنی نہیں ہوتی جب تک اسے پہلے وعید نہ سنائی جائے ورنہ قیامت میں اللہ تعالیٰ
کے ہاں حجت پیش کریں گے کہ اگر ہمارے ہاں رسول تشریف لاتے تو ہم ضرور تیرے آیات کی تابعداری کرتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بچپن میں حظ حیوانی سے استعداد روحانی نہیں تھی۔ ہاں جب بالغ
ہوتا ہے تو اس وقت اس میں دونوں استعدادیں ہوتی ہیں (۱) فیض عقل (۲) فیض الہام حق۔
بلوغت کے بعد جو بندہ الہام حق کی مخالفت کر کے خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتا ہے تو اس کی فیض الٰہی کو قبول کرنے
کی حسن استعداد فنا ہو جاتی ہے۔ کما قال " وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور حدیث شریف میں ہے
کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک اُن میں رسول علیہ السلام نہ بھیجے اور جب لوگ اپنے رسول علیہ السلام
کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے جیسے شریعت نے یوں بیان فرمایا کہ انسان قبل بلوغ اوامر
و نواہی کا مکلف نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ وہ وقت ہے کہ اُن میں اگر مامورات کا پابند ہوگا تو اُس کی روحانیت
کو ترقی ہوگی۔ اگر منہیات پر عمل کرے گا تو تنزل ہوگا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ اپنے حال کی اصلاح کرنے اور قیامت کے قہری خطاب سے بچنے کی جد و جہد کرے۔

گر بمحشر خطاب قہر کند
انبیاء را چہ جائے معذرت ست

ترجمہ: اگر محشر میں قہر کا خطاب فرمائے تو انبیاء علیہم السلام معذرت کا کونسا موقعہ ہو گا۔

فائدہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس دنیا میں انسان پانچ قسم ہیں

(۱) علماء کرام۔ یہ ورثۃ الانبیاء ہیں

(۲) زہاد یہ۔ یہ نیکی کی خبر دلائل ہیں [illegible]

(۳) غازی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تلواریں ہیں [illegible]

(۴) تاجرین۔ یہ اللہ تعالیٰ کے امین ہیں [illegible]

(۵) بادشاہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے نگران ہیں۔ جب علماء دنیا کے طالب اور مال کے جمع کرنے لگیں تو پھر کس کی اقتدا کی جائے گی

شیخ چوں مائل بمال آید مرید از کہ باشد
عاشق دینار ہرگز مالک دیدار نیست

ترجمہ: پیر جب مال کی طرف مائل ہو تو اس کا مرید کیسے ہو، دینار و مال کا عاشق مالک کے دیدار کے لائق نہیں۔
اور جب زاہد کار خیر کے خود خلاف کرے تو پھر کون اس سے رہبری حاصل کرے گا۔

[illegible] زاہد [illegible] خراسانی [illegible]

[illegible] ضعیف [illegible]

ترجمہ: [illegible] دنیا تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور جب غازی فخر و نمائش اور ریا کاری کرے تو اس کا کوئی عمل صحیح نہیں ہوتا۔ پھر دشمنوں پر فتح کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔

عبادت با خلاص نیت نکو ست
وگرنہ چہ آید زبے مغز پوست

ترجمہ: عبادت اخلاص نیت سے اچھی ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہو گا
اور جب تاجر خیانت کرے تو پھر اس پر کون اعتبار کرے گا۔

دریں زمانہ مگر جبرئیل امین باشد

اس وقت شاید صرف جبریل علیہ السلام ہی امین ہوں۔

اور اگر بادشاہ خود بھیڑیا ہو جائے تو پھر بکریوں کی رکھوالی کون کرے گا

بادشاہے کہ طرح ظلم افگند
پائے دیوار ملک خویش بکند
نکند جور پیشہ سلطانی
کہ نیاید ز گرگ چوپانی

ترجمہ (۱) وہ بادشاہ جو ظلم کا طریقہ جاری کرے اپنے ملک کی جڑ خود کاٹتا ہے

(۲) کسی بادشاہ کو ظلم کا طریقہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ بھیڑیئے سے نگرانی نہیں ہوگی۔

فائدہ: مخفی نہ رہے کہ ملک و ملت کو تباہ کرنے والے علماء سُو اور زاہد دنیا پرست اور (غاز) ریاکار اور تاجر خائن اور بادشاہ ظالم ہیں۔ عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

فائدہ: بفضلہ تعالیٰ احکام الٰہیہ زمین کے چپہ چپہ پر پہنچے از آدم علیہ السلام تا ایندم ہر شاہد نے غائب کو پہنچائے اور ایک کیسے حق کی آواز پہنچی اسے برا بیرونی ریستے لے کر پرغریب۔ اچھے اور بُرے نے سُنا۔ کسی کے ہاں کوئی دور ایسا نہیں ہوا گیا کہ کل قیامت میں پیش کرسکے اور کوئی مجرم اپنی بچاؤ کی خاطر قہار جبار رب کے سامنے حضرت کرے ہر جاہل اور عاقل کو پہلے سے پہلے تنبیہ کی جاتی ہے ملکوں کی تباہی اور غلات کے اصول و فروع کا ظہور انسان کی غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سبق ان امور کے صدور کے وقت انسان اپنے آپ کو ملامت کرے اور یہ امور اس وقت صادر ہوتے ہیں جب اُسے ذاتِ حق سے دوری ہو جاتی ہے ورنہ اُس نے تو انسان کے لئے ہر طرح کا برہان اور حجت قائم فرمائی اور سالکین راہ کے لئے ہر قسم کے دلائل واضح فرمائے۔ چنانچہ فرمایا "فَلِلّٰہِ الحجۃ البالغۃ" اس سے سالک کو غور کرنا چاہیے کہ اس کا انجام کار کیا ہوگا۔ اُسے چاہیے کہ ہر غلطی سے دور رہ کر تکالیف سے بچے اور غضب الٰہی سے نجات پائے۔ سب سے پہلے اپنے نفس پر نگرانی رکھے ورنہ پھر نفس اُسے ایسے گڑھے میں پھنسائے گا کہ جس سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

۱۳۲ **وَلِکُلٍّ** اور ہر ایک مکلفین کے لئے یعنی وہ جنات ہوں یا انسان مومن ہوں یا کافر **دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا** مراتب ملیں گے۔ ان کے اعمالِ صالحہ یا سیئہ کی وجہ سے نیکوں کو بہشت کے درجات نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے بلند و بالا ہیں اور مشرکوں کو جہنم میں درکات نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے عذاب میں سخت تر ہیں

فائدہ: درجات کو مراتب سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ درجات کی اکثر استعمال خیر اور ثواب میں ہوتی ہے اور کفار کے لئے اس لئے خیر و ثواب نہیں اور آیت میں ہر دونوں مراد ہیں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ اور تیرا رب اُن کے اعمال سے غافل نہیں کہ اُس پہ اُن کے اعمال مخفی ہوں نیکی ہو یا برائی اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل پہ جزا و سزا دے گا ۱۳۳ **وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ** اور تیرا رب بندوں اور اُن کی عبادت سے بے نیاز ہے۔

فائدہ: غنی وہ ہے جس کے لئے کسی شے کا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ غیر غنی ہو سکتا ہی نہیں ہاں اُسے غنی کہنا جائز ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے ہاں ضرورت پیش نہ کرے۔ اس لئے کہ غیر اللہ کو اُلٹی خود ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ وہ وجود و عدم میں غنی حقیقی کا محتاج ہے **ذُو الرَّحْمَةِ** صاحب رحمت ہے اور انہیں احکام کا مکلف بنا کر اُن پہ رحم فرماتا ہے بندوں کو مکلف بنانے میں اُن کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور مجرموں کو گناہوں کی سزائیں مہلت دیتا ہے یہ بھی اس کا رحم ہے۔

تفسیر صوفیانہ یعنی اللہ تعالیٰ کو باوجود یکہ مخلوق کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی اُن پہ رحم فرماتا ہے اور انہیں اس لئے نہیں پیدا فرمایا کہ اُن سے کچھ نفع کمائے بلکہ اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ اس سے نفع پائیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ چوں خلقت الخلق کے یربح علیّ
لطف تو فرمود اے قیوم و حیّ

۲۔ لا لان اربح علیہم جود تست
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

۳۔ عفو کن ایں بندگانِ تن پرست
عفو اے دریلئے عفو اُو لٰے ست

۴۔ عفو خلقاں ہمچو جُو و ہمچو سیل
ہم بداں دریلئے خود تازند خیل

ترجمہ ۱۔ میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ مجھ سے نفع پائے ہی لطف کیا ہے اسے حیّ و قیوم

۲۔ یہ نہیں کہ میں ان سے نفع پاؤں اے اللہ تیرا جود و سخا ہے کہ اسی سے تمام ناقص درست ہونگے

۳۔ تن پرست بندوں کو معاف فرما۔ دریلئے عفو سے معافی ہی بہتر ہے۔

۴۔ مخلوق کو معاف کرنا نہر اور سیلاب کی طرح ہے تاکہ وہ اپنے دریا میں ہی لشکر لے جائے۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ اے عاصیو ! تم سب کو اگر چاہے تو لے جائے یعنی ہلاک و تباہ اور برباد کر ڈالے
وَیَسْتَخْلِفْ فارسی میں ہے خلیفہ و جانشین شما سازد۔ تمہارے خلیفے اور جانشین بنادے۔ مِنْ بَعْدِکُمْ
تمہارے چلے جانے اور تباہ و برباد کرنے کے بعد مَا یَشَآءُ وہ جو چاہے یعنی دوسری ایسی مخلوق پیدا کرے جو بہ نسبت
تمہارے اللہ تعالیٰ کی زیادہ مطیع ہو۔

سوال : یہاں پر مَا کے بجائے مَنْ یشاء ہونا زیادہ موزوں ہے۔

جواب : اللہ تعالیٰ کی کمال کبریائی کا اظہار یونہی موزوں تر ہے کہ ان باغیوں بے فرمانوں اور منکروں کو ذوالعقول
کے درجہ سے بھی ساقط کر کے اُن سے خطاب فرمایا ہے۔ کَمَآ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ ذُرِّیَّۃِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ؕ
جیسے تمہیں ایسی قوم سے پیدا فرمایا جو تمہاری طرح نہ تھی۔ اس سے نوح علیہ السلام کی کشتی والے مراد ہیں۔ اُن سے تمہارے
اُوپر رحم فرماتے ہوئے تمہیں بچالیا۔ تفسیر فارسی میں ہے۔ ہمچنانکہ شمارا پیدا کرد از ذریۃ قومے دیگر کہ پدراں شما بود۔
جیسے تمہیں دوسری قوم سے پیدا فرمایا جو تمہارے آباء و اجداد۔

۱۳۴ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ بے شک وہ جو تم وعدہ کئے جاتے ہو۔ یعنی قیامت میں اٹھنے اور اسمیں عذاب کے
متعلق لَاٰتٍ ضرور واقع ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں۔ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ اور تم عاجز کرنے
والے نہیں یعنی اس سے کسی صورت میں تم بچ نہیں سکتے اگرچہ کتنا ہی جدوجہد کرکے دور بھاگو۔

۱۳۵ قُلْ اے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے فرمائیے۔ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اے
میری قوم تم اپنی قوت پر قائم رہو۔ اَلْمَکَانَۃُ تمکن و قوت و اقتدار مراد ہے یعنی تم طاقت و قوت کو آزمالو
اور جتنی جدوجہد ہو سکتی ہے کرلو اور اپنے کفر و عداوت پر ڈٹے رہو۔ اِنِّیْ عَامِلٌ بے شک میں بھی عمل کرتا ہوں
یعنی صبر کرکے اور ثابت قدم رہتا ہوا۔ عمل صالح پر مداومت کرتا ہوں۔

فائدہ : یہ تہدیدی امر اور استعارہ کے قبیل سے ہے۔ تہدید علیہم یعنی کفار کے شر کو مامور بہ سے تشبیہ دی
ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ ہو کر رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ الخ اس کے مطابق عمل کرو جو تمہاری جبلی
عادت ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا، قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ۔ مَنْ یہ من استفہامیہ یا موصولہ ہے۔ یعنی عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کیلئے تکون لہ عاقبۃ الدار
عاقبت محمود ہوتی ہے یعنی دار جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے وہ کسے نصیب ہوتی ہے یا اس کا مطلب یہ ہے
کہ تم معلوم کرلو گے کہ کس کے لئے نیک انجام ہوتا ہے۔ اس تقریر پہ دار سے دنیا اور عاقبت سے عاقبت اصلیہ
مراد ہوگی جسے عاقبت بالخیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عاقبۃ السوء فجار کے انجام کا نام ہے۔ اِنَّہٗ بے شک شان

ہے کہ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ظالمین کو۔ اس سے کفار مراد ہیں۔ یعنی کفار اپنی مراد کے حصول میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہوگا۔ کہ پیروزی و رستگاری نیابند۔ ستمگاراں۔ یعنی کفار چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

فائدہ: صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت میں تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا کدھر گئی اور آج فلاح کسے نصیب ہوئی ہے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ضعیفوں کمزوروں درویشوں کو کرامت و شرافت نصیب ہوگی۔ انہیں بہشت کے بنگلوں میں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ لے جائیں گے اور دنیادار سرکشوں کو ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کو لے جائیں گے۔ پھر انہیں ندامت دیکھنی ہوگی۔

۱۔ باش تا کل بینی آنہا را کہ امروز ند جز و

باش تا گل یابی آنہا کہ امروز ند خار

۲۔ تا کہ از دار الغروری ساختن دار السرور

تا کہ دار الغروری ساختن دار القرار

ترجمہ: ۱۔ اچھا ہو تا کہ کل دیکھو گے جو آج لوگ جز ہیں۔ اچھا ہو تا کہ کل دیکھو گے انہیں جو آج خار ہیں۔

۲۔ دار الغروری میں دار السرور کیسی اور دار الغروری میں دار القرار کیسی۔

فائدہ: فلاح اور کامیابی صرف علم و عمل اور ترک دنیا اور عاجزی و انکساری میں ہے۔

حکایت: بعض بزرگوں سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک درویش تشریف لایا اور ہمارے گھر کو مال و متاع سے خالی پا کر کہا کہ تمہارے ہاں کوئی شے نہیں ہے۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے اس کا کیا ہوا کیا ہے۔ میں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو بنگلے عطا فرمائے ہیں۔ ایک کا نام دار الامن ہے دوسرے کا دار الخوف ہمیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کا حاصل ہوتا ہے اسے ہم دار الامن میں جمع کر دیتے ہیں۔ یعنی آخرت کے لئے اس درویش نے کہا اس دنیا کے ضروریات کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔ میں نے کہا گھر والا ہمیں اس میں کچھ رکھنے نہیں دیتا۔ چونکہ یہ گھر عاریت ہے اس لئے یہاں ہم کچھ رکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ عاریت کا مکان دوسرے کا ہوتا ہے۔ اب اس کی مرضی جب چاہے سنبھال لے۔ اس لئے ہم تو صرف دار الآخرۃ میں اپنا سب کچھ جمع کرا دیتے ہیں۔ اور بفضلہ تعالیٰ شب و روز اللہ تعالیٰ کے لئے نیکیوں میں مصروف اور ہر گھڑی اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

حکایت: ایک نوجوان رات دن عبادت میں لگا رہتا تھا۔ اس سے وجہ پوچھی گئی اس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے بہشت میں لایا گیا۔ اس میں میں نے ایک بنگلہ دیکھا جو سونے و چاندی سے تیار کیا گیا ہے اور اس کے بالاخانہ میں بھی سونے کے ہیں اور ہر بالاخانے پر ایک ایک حور بیٹھی ہیں اور ایسی حسین

وجیل ہیں کہ عالم دنیا میں ان جیسی کی نظیر ملنا مشکل ہے اور وہ اپنی زلفیں لٹکائے بیٹھی تھیں ان میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ اس تبسم سے تمام بہشت منور ہو گئی، اس نے مجھے کہا، اے نوجوان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جتنا ہو سکے جدوجہد فرمایئے تاکہ تیرے مرنے کے بعد میں تجھے ملوں اور تیری ہو جاؤں اور تو میرا۔ اس کے بعد میں جاگ اٹھا اور اس وقت سے لمحہ بھر بھی مجھے قرار نہیں۔

سبق جو ایک حور دیکھنے سے یہ کیفیت ہو گئی۔ اگر حور کے مالک خالق کی خاطر عبادت کرے تو اس کی کیا شان ہو گی ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: ہم نے دوست پر عمر و مال قربان نہ کیا افسوس ہے کہ عشق کے بارہ میں ہم سے یہ بھی نہ ہوا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جدوجہد سے انجام بخیر ہوتا ہے اور وہی صلہ و قربت کا سبب بنتی ہے جس کا اثر آخرت میں ظاہر ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ جن ظالموں نے گناہ کر کے اپنی استعداد کو ضائع کر دیا تو وہ اس جیسی سعادت سے نہیں نوازے جائیں گے بلکہ انہیں دارالبوار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا دنیا میں انہیں بہت خسارہ نصیب اگرچہ زندگی بہت شان و شوکت کے ساتھ بسر کرتے رہے لیکن کیا حاصل جب کہ باطل ابھرتا ہے تو فوراً مٹ جاتا ہے نیز میں دنیا والوں کے دنیا و دولت کا ہونا ان کے تنزل کی علامت ہے اور نجات ایمان کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے اور جو شخص ایمان و قوت یقین کے قلعہ میں آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے تو وہ بلند درجات کی طرف ترقی کرتا ہے اگرچہ قلعہ کے باہر کتا شیطان بھونکتا رہتا ہے تو اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حدیث شریف میں ہے جددوا ایمانکم ایمان کی تجدید کرو۔ اس سے ایک رتبہ سے دوسرے مرتبہ کی ترقی کرنا مراد ہے۔ ورنہ ایمان کی تکمیل کا کیا معنی وہ پہلی بار مکمل ہو گیا۔ لیکن مراتب کے لحاظ سے اس کے اشارہ مرتبے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جسے نصیب ہو جائیں۔

فائدہ: یاد رہے کہ ہر شخص کی توحید کا مرتبہ اس کے یقین کے مطابق ہوتا ہے اور وہ کبھی ملک وجود میں یقین کے مطابق ہوتی اور کبھی نہیں بھی ہوتی۔ جو لوگ اپنے دعویٰ کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی توحید صرف ملک وجود میں ہوتی اگر اس سے تجاوز کرتا ہے تو اس سے ندامت اٹھاتا ہے اور مراتب سے گر جاتا ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ دین کے امور میں تکاہل و تساہل سے کام نہ لے بلکہ حصول یقین کے لئے جدوجہد کرے اس لئے کہ جدوجہد اس کے حصول کا بہترین ذریعہ بلکہ اس کی تکمیل کے لئے نہایت اعلیٰ وسیلہ ہے اگر حقیقی طور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کی تکمیل کرنے والا ہے اور تمام امور میں اس کی تاثیر کو دخل

اے اللہ! ہم سب کو توحید حقانی عطا فرما اور بیان حیاتی کا شرف بخش اس لئے کہ تو غنی ہے اور ہم فقراء۔

تفسیر عالمانہ: ۱۳۶ وَجَعَلُوْا اور مشرکین عرب نے کیا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ اللہ تعالیٰ کے لئے اس میں سے جو اس نے پیدا کیا مِنَ الْحَرْثِ کھیتی سے۔ لِلّٰہِ بِزَعْمِہِمْ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یہ صرف ان کا اپنا دعویٰ تھا انہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی حکم نہیں۔ وَہٰذَا لِشُرَکَآئِنَا اور یہ ہمارے بتوں کے لئے ہے یعنی اُن کے معبود جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ رکھا تھا اپنے اموال اور تجارتی امور اور کھیتوں اور جانوروں میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرکت سے مشتق ہے نہ کہ شرک سے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ کھیتوں اور جانوروں کے بچوں سے کچھ اللہ تعالیٰ کے مخصوص کر کے مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ہیں اور اُن میں سے کچھ حصہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کر کے اُن کے خدام پر خرچ کرتے بلکہ وہ جانور ان کے تھانوں پر ذبح کرتے اور کبھی یوں بھی کر دیتے کہ جو شے اللہ تعالیٰ کیلئے نامزد ہوتی اور وہ بتوں کے لئے مقرر کردہ سے بہتر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی نامزد شئے کو بتوں کے لئے مقرر کر دیتے اور ردی شے اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ کی نامزد شئے ناقص ہوتی تو اس میں تبدیلی نہ کرتے اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی ضرورت نہیں اس لئے اس کے لئے ردی شے ہو یا اچھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ صرف اپنے بتوں کی محبت کی وجہ سے کرتے تھے۔ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ بُرا ہے ان کا وہ حکم جو فیصلہ کرتے ہیں کہ بتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے زائد محبت کرتے ہیں جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ۱۳۷ وَکَذٰلِکَ اور اسی طرح یہ زینت جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان تقسیم کر رکھی ہے۔

زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِہِمْ شُرَکَآؤُہُمْ ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کو قتل کرنے کی زینت دی ہے۔

فائدہ: شرکاء سے اُن کے وہ دوست مراد ہیں جو جنات میں سے تھے۔ بطور وسوسہ کے زینت دیتے تھے یا اُن کے بتوں کے خدام۔ قتل اولادہم زین کا مفعول ہے اور اس کا فاعل شرکاؤہم۔

شانِ نزول: جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے فقر کے خوف سے یا اس خیال سے کہ ہم کیوں داماد بنا کر اپنا ہمسر بنائیں۔ یا قید کے خطرہ سے۔ ان میں کسی کو اولاد نہ ہوتی وہ قسم کھاتے کہ اگر اُسے اتنے لڑکے پیدا ہوئے تو ایک کو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرے گا جیسے حضرت عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہما) کے لئے قسم کھائی تھی۔

حضرت عبداللہ کو ذبیح بنانے کا تفصیلی واقعہ حضرت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ وہ زمزم کا کنواں کھود رہے ہیں خواب میں اس کی نشاندہی بھی کرائی گئی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے چاہ زمزم کھودنا شروع کر دیا۔ اس وقت آپ کی سوائے حارث کے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے وہاں منت مانی کہ اگر مجھے دس بچے پیدا ہوئے تو ان میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں گا۔ چنانچہ جب دس بچے پیدا ہوئے تو آپ نے بچوں کو اپنی منت کا پتہ دیا۔ سب نے سن کر سر تسلیم خم کیا۔ لیکن آپ نے قرعہ اندازی کے طور پر مسئلہ سلجھانا چاہا۔ چنانچہ تمام بچوں کا نام لکھ کر قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ آپ نے ذبح کرنا چاہا لیکن قریش کے سرداروں نے کہا عجلت نہ کیجئے۔ ہمیں مشورہ کرنے دیں۔ یہ مسئلہ عرافہ مکہ کے ہاں پیش کیا گیا تو اس نے کہا ہر قرعہ اندازی پر دس اونٹ بدلہ کے طور پر مقرر رکھو جتنے بار اس لڑکے کے نام قرعہ آتا جائے دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔ جب تک اونٹوں کے نام قرعہ نہ نکلے اسی طرح دس اونٹ بڑھاؤ چنانچہ برابر حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ یہاں تک کہ سو اونٹوں تک نوبت پہنچی تو آپ نے ان کے بدلے سو اونٹ ذبح کئے جنہیں کسی انسان نے نہ اٹھایا اور نہ ہی ان کو درندہ کھا سکا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا صاحب زادہ ہوں۔ ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبداللہ مراد ہیں۔[1]

لِيُرْدُوْهُمْ تاکہ وہ انہیں گمراہ کر کے ہلاک کر دیں۔ **وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ** اور ملا دیں ان پر ان کا دین ملا دیں یعنی انہیں دین اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر نئے دین پر چلا دیں۔ پھر انہیں معلوم نہ ہو کہ وہ کس دین پر ہیں اور یہ لام تعلیل کی ہے۔ اگر زینت کی نسبت شیطان کی طرف ہو یا لام عاقبت کی ہے اگر زینت کی نسبت شیطان کی طرف ہو اس لئے کہ بتوں کے خدام کا نہ ان کے گمراہ کرنے کا ارادہ تھا اور نہ دین میں التباس مطلوب تھا۔ بلکہ یہ تو شیطان کے ارادے تھے۔ **وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ** اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا **مَا فَعَلُوْهُ** تو یہ کفار وہ کام نہ کرتے۔ یعنی شیطان کے وسوسے سے بچوں کا قتل نہ کرتے۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ یہ فاء فصیحہ ہے یعنی جب ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے تو پھر آپ انہیں چھوڑیے اور انہیں اللہ تعالیٰ پر افترا کرنے دیجئے جب کہ کہتے ہیں کہ کھیتوں کو نذر بنانے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ یہ ان کا جھوٹ تھا اور اللہ تعالیٰ باوجودیکہ انہیں تباہ و برباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن انہیں کچھ نہیں کہتا۔ آپ بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑیئے اس لئے کہ ان کے لئے حساب کا ایک وقت

---

[1] ہمارے نزدیک حضرت عبداللہ یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد گرامی مومن موحد تھے تفصیل کے لئے فقیر اویسی غفرلہ کی تصنیف "ابوین مصطفیٰ" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲

مقرر کیا گیا ہے ان کی آپ ہی سے پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے وہ اپنے
ارادے میں بے پرواہ ہے جیسا کہ ۔۔۔ ۱۳۸ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اور انہوں نے کہا یہ اشارہ اس کی طرف ہے جو انہوں نے
اپنے بتوں کے لئے مقرر کیا۔ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ جانور اور کھیتی حرام ہے لَّا يَطْعَمُهَآ اس کا ترجمہ
فارسی میں بعض نے یوں کیا ہے ۔۔۔ نہ کوئی چکھے گا اور نہ کوئی کھائے گا۔ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ مگر جسے
ہم چاہیں اس سے بتوں کے خادم اور مجاور مراد ہیں نہ اور کوئی عورتیں کیونکہ ایسی چیزیں یا تو صرف مرد کھاتے یا وہ
بتوں کے خادم کھاتے تھے۔ بِزَعْمِهِمْ ان کا گمان تھا یعنی وہ اپنے گمان باطل پر ملتبس تھے ان کے پاس کوئی دلیل
نہیں تھی۔

وَاَنْعَامٌ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی اور اس جملہ کا عطف ہذا انعام پر ہے اور ان دوسرے جانوروں کی
طرف اشارہ کرتے تھے کہ یہ وہ جانور ہیں کہ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا ان کی پیٹھیں حرام ہیں۔ اس لئے بحائر و سوائب
اور حوامی مراد ہیں۔ (اور ان سب کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) وَاَنْعَامٌ اس سے وہی جانور مراد ہیں جن کی تفصیل
پہلے گزر چکی ہے۔ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا یہ انعام کی صفت ہے لیکن یہ ان کا کلام نہیں بلکہ اللہ
تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے تاکہ موصوف معین ہو کر دوسرے جانوروں سے متمیز ہو جائیں۔ اس کی نظیر یہ ہے
جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسا کہ بعض تفاسیر میں تصریح کی گئی ہے اب عبارت یوں ہوگی۔ انعام ذبحت علی الاصنام الخ
یعنی یہ وہ جانور ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں اس لئے کہ ان کی عادت تھی کہ انہیں ذبح کرتے وقت اللہ
تعالیٰ کے نام کی بجائے بتوں کا نام لیتے تھے۔

افْتِرَآءً عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے یعنی اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشتے تھے کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ اسی طرح
ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ سَيَجْزِيْهِمْ فارسی میں اس کا معنی یوں ہوگا۔ زود باشد کہ جزا دہد ایشاں را
یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جلد تر سزا دے گا۔ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ان کے افتراء کرنے کے سبب ۱۳۹ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ
هٰذِهِ الْاَنْعَامِ اور کہتے کہ ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے ان جانوروں سے بحائر و سوائب کے پیٹ
کے بچے مراد ہیں خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وہ ہمارے مردوں کیلئے خاص ہے اور ہماری عورتوں
پر ان کا کھانا حرام ہے یعنی ان کے گوشت صرف ہمارے مردوں کیلئے حلال ہیں اور ہماری عورتوں کیلئے حرام اور خالصة
کا مؤنث ہونا لفظ ما کے معنی اور محرم کا مذکر ہونا اس کے لفظ کی وجہ سے ہے یہ انہوں نے اپنی طرف سے بنا رکھا تھا
اور کہتے کہ بحائر و سوائب کے بچے زندہ پیدا ہوئے تو مرد کھائیں گے اور عورتوں پر ان کا کھانا حرام ہے۔ وَاِنْ
يَّكُنْ مَّيْتَةً اور کہتے اگر ان سے مردہ بچے پیدا ہوئے فَهُمْ فِيْهِ تو وہ ان بحائر و سوائب کے بچوں میں
شُرَكَآءُ عورتوں کے شریک ہوں گے یعنی ان مردہ بچوں کو مرد بھی کھائیں گے اور عورتیں بھی سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ

عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں ان کے وصف یعنی افتراء کی سزا دے گا جو کہتے ہیں کہ اس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر صریح جھوٹ تھا اس لئے کہ یہ حلال و حرام کا حکم وہ گھڑتے تھے اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ اس سے جزا کے وعدے کی علت بتانا مطلوب ہے۔ یعنی اُن سے جو برائیاں سرزد ہو رہی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور انہیں ضرور سزا دے گا۔ انہیں اس کی معافی ہرگز نہیں ملے گی۔ اس لئے اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ مجرموں کو سزا ملنی چاہیئے۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ ۔ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔

شانِ نزول یہ ربیعہ و مضر اور عرب کے دوسرے اُن قبائل کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ہم ان بچیوں کی وجہ سے تنگدست نہ ہو جائیں اور اُن کی وجہ سے ہمیں مقید نہ ہونا پڑے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ نقصان میں پڑے جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا۔ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ یہ قَتَلُوْٓا کے متعلق یعنی اس کی علت ہے اور بغیر علم سفہاً کی صفت ہے یعنی اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے بچیوں کو قتل کیا ورنہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو رزق عطا فرمائے گا۔

وَّحَرَّمُوْا اور انہوں نے اپنے نفسوں پر حرام کیا۔ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وہ جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سے بحائر و دیگر جانور مراد ہیں۔ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر افترا کر کے کہا کہ اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا قَدْ ضَلُّوْا۔ وہ سیدھے راہ سے بھٹک گئے۔ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ اور سیدھے راہ کی طرف ہدایت نہیں پا سکیں گے۔ اگرچہ انہیں ہدایت کے مختلف طریقے پیش کئے جائیں۔

حکایت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی ہمیشہ نہایت محزون و مغموم رہتا تھا۔ آپ نے ایک دن اس سے سبب پوچھا تو اس نے عرض کی۔ میں ان لوگوں سے ہوں: جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو قتل کیا بلکہ میرا جرم ان سے کئی گنا زیادہ ہے آپ نے فرمایا۔ اُس کی تفصیل سنائیے اس نے عرض کی میری ایک لڑکی پیدا ہوئی میری عورت نے مجھ سے بار بار کہا کہ اس بچی کو نہ ماریئے۔ میں نے اس کے کہنے پر بچی کو نہ مارا۔ جب وہ بڑی ہو گئی اور سن بلوغ کو پہنچی اور وہ بہت حسین و جمیل اور شکیل تھی۔ لوگوں نے مجھ سے نکاح کا کہا۔ مجھے غیرت جاہلی نے ابھارا کہ اسے بجائے نکاح کر دینے کے قتل کر دوں اور نکاح کے بغیر اسے گھر چھوڑے رکھنا بھی ناموزوں سمجھا۔ ایک دن میں نے عورت سے کہا کہ میں بچی کو فلاں قبیلہ کے دوستوں کے ملانے کیلئے لے جانا چاہتا ہوں۔ فلہٰذا اسے میرے ساتھ بھیج دے وہ خوش ہو گئی اور اسے خوب سنگارا اور بہترین لباس اور اعلیٰ زیور پہنا کر میرے ساتھ بھیج دیا اور ساتھ ہی قسمیں دیں کہ اسے قتل نہ کرنا۔ میں اپنی نوجوان بچی کو جنگل کے ایک کنویں پر لے گیا اور چاہا کہ اسے کنویں میں پھینک دوں۔ میری بچی میرے ارادہ کو بھانپ گئی اور بھاگ کر میرا دامن پکڑ کر کہنے لگی۔ ابا جی میرے ساتھ اتنا ظلم نہ کیجئے میں نے اس پر رحم کھایا۔ لیکن پھر مجھے غیرت جاہلی نے ابھارا۔ میں نے اُسے پکڑا اور وہ

روتی چلاتی ہوئی میرے دامن کو پکڑ کر کہتی اباجی میری ماں کی قسموں کو یاد کیجئے اور میرے حال پر رحم فرمائیے۔ میری ایک نظر کنویں پر تھی اور ایک نظر اس کی جوانی پر بھی آتا اور غیرت جاہلی بھی مدنظر تھی۔ بالآخر شیطان نے مجھے اکسایا اور میں نے اُسے جبراً پچھاڑ کر کنویں میں لٹکا دیا اور وہ دعائیں مارتی اور چیختی رہی۔ میں دل کو تھام کر اس کی چیخیں سنتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی آواز ختم ہو گئی اور سمجھا کہ اب وہ مرگئی۔ حضور علیہ السلام اُس کی داستان سُن کر رو پڑے اور فرمایا کہ اگر کسی کو جاہلیت کے جُرم کی سزا دینا جائز ہوتی تو میں اسے جرم کی بہت سزا دیتا۔

تفسیر صوفیانہ جاہلیت کے لوگوں کا جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ختم ہو گیا تو انہیں فقر و تنگدستی کے خطرے نے اولاد کو قتل کرنے پر اکسایا۔ اس لئے اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ یقین اور اس کے حقائق کی ایک علامت کثرت عیال ہے جس میں توکل کا دامن تھاما جائے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے فرمایا کہ جو شادی شدہ تصوف اپنائے تو اُسے اپنی عورت کو طلاق نہ دینی چاہیے اور جو غیر شادی شدہ ہو اُسے شادی نہ کرنی چاہیے یہاں تک تکمیل کو پہنچے جب اس کی تکمیل ہو جائے پھر جس طرح الہام ربانی ہو اس پر عمل کرے۔

فائدہ: اکثر کاملین نے تو طریق تصوف میں قدم رکھ کر اپنی اولاد کا سوال کر دیا۔ منجملہ ان کے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس لئے کہ اولاد اس طریق میں فتنہ ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کا صاحبزادہ انہیں مکہ میں ملا۔ تو اُن کے دل میں بچے کی محبت کا خیال گزرا۔ اس پر دعا مانگی یا اللہ یہ تیری محبت کی راہ میں حاصل ہو رہا ہے۔ اُن کے اس اشارہ پر اُن کا صاحبزادہ وہیں فوت ہو گیا۔

مسئلہ: اگر کسی سالک کو اولاد کی محبت حب الٰہی کے مابین حائل ہو تو توحید کے غلبہ سے اُسے دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی موت کا سوال نہ کرنا چاہیے اس لئے کہ دعا ایک تصرف ہے سلوک میں تصرف صرف ذاتِ حق کو لائق ہے پھر بندے پر غیر کی محبت کا حملہ ہو تو اُسے خود بخود دفع کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دے۔ پھر انتظار کرے کہ وہ کریم اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

فائدہ: قلت مال اور کثرت عیال اور پھر اس پر صبر کرنا بھی مجاہدہ نفس ہے۔ یہی مجاہدہ سلوک میں مفید ہوتا ہے

حکایت حضرت الشیخ افتادہ آفندی نے حضرت ہدائی سے خطاب کر کے فرمایا کہ جب تیرے عیال میں بھوک کا حملہ ہو یہاں تک کہ وہ موت کے گھاٹ اُتر جائیں تو بھی توکل نہ چھوڑنا بلکہ اس وقت بھی اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنا۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ خلوص قلب سے کہنا کہ الٰہی میں تیرا کمزور بندہ ہوں۔ یہ بھی تیرے بندے ہیں۔ میرا اور ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ تیرے اور اُن کے معاملہ میں میں حائل نہیں ہونا چاہتا۔ تو جان تیرے بندے جانیں۔ جب تم اسطرح عجز و نیاز پیش کرو گے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ اور مشکل آسان ہو جائے گی۔ اور

باقی صت ۷۰۵ پر

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ

اور وہی ہے جس نے پیدا کیئے باغ کچھ زمین پر چھپے ہوئے اور کچھ بے چھپے

مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور اور کھیتی جس میں رنگ رنگ کے کھانے اور زیتون اور انار کسی بات میں

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۮ وَلَا

ملتے اور کسی میں الگ کھاؤ اس کا پھل جب پھل لائے اور اس کا حق دو جس دن کٹے اور

تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا

بے جا نہ خرچو بے شک بے جا خرچنے والے اسے پسند نہیں اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ

آٹھ نر و مادہ ایک جوڑ بھیڑ کا اور ایک جوڑ بکری کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ

حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہیں کسی علم سے بتاؤ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ

اگر تم سچے ہو اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا تم فرماؤ

ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ

کیا اس نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہیں کیا تم موجود

شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ

تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے

كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

کہ لوگوں کو اپنی جہالت سے گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا

تفسیر عالمانہ ۱۴۱ وَهُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَ۔ نشا بمعنی خلق۔ کہا جاتا ہے نشا الشی نشاۃ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے ظاہر اور بلند ہو جائے اور کہتے ہیں انشار اللہ تعالیٰ بمعنی اظہرہ ورفعہ (رجبات) یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمائے انگوروں کے باغات " معروشات " بلند۔ اس سے وہ شے مراد ہے جو بلند تر ہو وَغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ غیر بر تھے یعنی زمین پر پڑے ہوئے۔ اس لئے کہ بعض انگور کے درخت بلند قامت ہیں اور بعض زمین پر پڑے رہتے ہیں یا معروشات سے وہ انگور کے درخت کہ جن کے لئے عریش بنائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ابتداء کدو اور تربوز کی طرح زمین پر پھیل کر اگتے ہیں۔ دیکھئے یلین۔ یا معروشات سے انگور کے وہ درخت مراد ہیں جن کے لئے عریش بنایا جاتا ہے کہ وہی اسے اٹھا کر مضبوط کئے ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو وہ زمین پر گر جائے جیسے کرم یعنی انگور کے خوشے دار اور بعض وہ ہیں کہ انہیں عریش کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے پاؤں پر خود بخود کھڑے رہتے ہیں جیسے کھجور اور دیگر کھیتیاں اور دوسرے اشجار اور سبزیاں یا معروشات سے وہ انگور کے درخت مراد ہیں جنہیں باغات اور کھیتوں میں بوتے اور اُن کی خصوصیت سے نگرانی کرتے ہیں۔

اور غیر معروشات سے وہ انگور کے درخت مراد ہیں جو جنگلوں اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و تخلیق سے پیدا ہو جاتے ہیں اور اُن پر نہ کوئی نگرانی ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی پرواہ کرتا ہے۔

وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ اور کھجوریں اور کھیتیاں پیدا فرمائیں۔

سوال: جب ان کا ذکر جنات میں آچکا ہے تو پھر انہیں ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب: باغات کی تمام اشیاء سے اُن سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بنابریں انہیں علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ الزرع سے وہ تمام دانے مراد ہیں کہ جن سے انسانی قوت کو تعلق ہے۔

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ۔ یہ حال مقدرہ ہے اس لئے کہ باغات کی تخلیق کے وقت ان کی یہی حالت نہیں تھی بلکہ

بقیہ صفحہ ۷۰۳

اللہ تعالیٰ تیرے تمام مقاصد پورے فرما دے گا۔ منجملہ توکل میں یہ بھی ہے کہ کسی کی اولاد بھوک سے مر رہی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرے یا اللہ میں کیا عرض کروں یہ تیرے بندے ہیں، تو ان سے جس طرح چاہے کر۔ میں نے اپنے جلا سو تیرے سپرد کر دیئے ہیں تو ہی اپنے بندوں کے حال خوب جانتا ہے۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

فکر آب ودانہ در کنج قفس بے حاصلست

زیر چرخ اندیشہ روزی چرا باشد مراد

ترجمہ: پنجرے کے کونے میں روزی کا فکر بے فائدہ ہے۔ آسمان کے نیچے روزی کا اندیشہ کیوں۔

بعد کو ہوئی یعنی کھجور اور کھیتی ہر دونوں کو جس ہیئۃ کیفیت سے کھایا جاتا ہے اُن کے اس وقت مختلف ثمرے پیدا فرمائے۔

فائدہ: بغوی نے فرمایا اختلاف سے اُن کے ثمرات اور ذائقے میں کہ بعض ان میں میٹھے ہیں، بعض کھٹے، بعض اچھے ہیں اور بعض ردی **وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ** اور زیتون اور انار پیدا فرمائے۔

مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اس کی نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی درانحالیکہ اُن کے بعض رنگ اور ہیئت اور ذائقہ میں ایک دوسرے کے ہمشکل اور بعض ہمشکل نہیں جیسے دو انار کہ رنگ دونوں کا ایک سا ہوتا ہے لیکن ان میں ایک میٹھا ہوتا ہے اور دوسرا کھٹا۔ **كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ** ان ہر دونوں کے ثمرات کھاؤ **اِذَا اَثْمَرَ** جب وہ پھل دینا شروع کریں۔ اگرچہ ابھی کچے ہوں اور اثمر کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پکنے سے پہلے یعنی کچے بھی کھانا جائز ہیں۔ **وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ** زمیلے اور اُن کے کاٹنے کے وقت ان کے حقوق ادا کرو۔ اس میں مشہور قول یہی ہے کہ انہیں کاٹتے وقت مسکینوں پر صدقہ دینا چاہیے

فائدہ: ابتدائے اسلام میں کھجوروں انگوروں وغیرہ میوہ جات پختہ ہو جانے کے بعد جس وقت انہیں کاٹا جاتا تو غیر متعین مقدار میں کچھ نہ کچھ مسکینوں کو دینا واجب تھا۔ پھر جب عشر کی فرضیت نازل ہوئی اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ: جس کھیتی اور باغ وغیرہ کی آسمان کے پانی سے آبپاشی وغیرہ کی جائے تو اس کا عشر (دسواں حصہ) ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر ان کا پانی کھینچ کر یا جانوروں کے ذریعے یا پانی کی قیمت ادا کرکے آبپاشی کی جائے تو اس میں نصف عشر (بیسواں) ادا کرنا واجب ہے۔ **وَلَا تُسْرِفُوْا** اور صدقہ دینے میں اسراف نہ کرو۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پانچسو کھجوریں تھیں جب پک گئیں تو سب کو ایک دن میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا اور اپنے بال بچوں اور اہل و اعیال کیلئے کچھ بھی نہ بچایا

حدیث شریف میں ہے کہ خرچ کرنے میں پہلے اپنے اہل و عیال کا خیال رکھو۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ خطاب بادشاہوں کو ہے کہ اے بادشاہو (حاکمو) رعایا سے اپنے حقوق سے زائد مال نہ لو۔ **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ** بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کے کردار سے راضی نہیں۔ **وَمِنَ الْاَنْعَامِ** اور بعض جانوروں کو پیدا فرمایا۔ **حَمُوْلَةً** بوجھ اٹھانے والے **وَفَرْشًا** اس سے وہ جانور مراد ہیں جو ذبح کیلئے بچھائے جاتے ہیں یا جن کے بالوں اور اُن سے بچھونے تیار

ہوتے ہیں انہیں بھی فرش کہتے ہیں شاید یہ مصدر سے لے کر موسوم کرنے کے قبیل سے ہے۔
كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ یہ من تبعیضیہ ہے اور ما سے حمولۃ اور فرش مراد ہیں یعنی ان جانوروں
۔۔۔ وہ حصہ کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمایا ہے یعنی حلال اشیاء اس میں تصریح ہے کہ ان جانوروں
۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بندوں کی خاطر اور اُن کی ضروریات کے لئے پیدا فرمایا ہے۔
سوال: جانوروں سے اور بھی منافع حاصل کئے جاتے ہیں مثلاً سوار ہونا، بوجھ لادنا وغیرہ کفار نے ان چیزوں
۔۔۔ بھی انہوں نے سوائب وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ تو پھر آیت میں صرف کھانے کی تخصیص کیوں؟
جواب: چونکہ جانوروں سے انتفاع کی اشیاء میں سے گوشت کو اہمیت وعظمت حاصل ہے اس لئے
۔۔۔ سے خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں جانور کے لئے حلال وحرام کے مسائل اسی سے متعلق ہوتے ہیں۔
وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یعنی شیطان کے اس راستہ کو چھوڑ
۔۔۔ جس نے تمہیں اپنی طرف جانوروں کے حلال وحرام بنانے پر اُکسایا ہے اس لئے کہ وہ تمہیں گمراہی کی طرف بلاتا
ہے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ بے شک وہ تمہارے ساتھ کھلی دشمنی رکھتا ہے جس کا تمہیں بھی علم ہے
کہ اس نے تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام سے کیا کھیل کھیلا تھا۔
۱۴۳ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ یہ حمولۃ وفرشا سے بدل ہے زوج ہر اس جوڑے کو کہتے ہیں جو دونوں ہم جنس
ہوں اور اُن کے آپس میں جمع ہونے سے نسل بڑھے اور دیگر دو ہم جنسوں کو زوجان کہیں گے نہ کہ صرف زوج مثلاً
کہا جاتا۔ مقراضان۔ مقصان۔ نہ کہ مقراض ومقص اس لئے کہ وہ دو ہیں اور یہاں پر ثمانیہ ازواج سے چار جوڑے مراد
ہیں جو آپس میں مل کر آٹھ ہو جائیں گے "مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ" ثمانیہ ازواج سے بدل ہے یعنی بھیڑ سے جوڑا
پیدا فرمایا۔ ایک نر دوسری مادہ اور ضان مشہور جانور ہے یعنی وہ جو صوف (اون) والا ہو۔
وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ اور بکری کے جوڑے سے یعنی اس کا نر و مادہ اور معز ہر وہ جانور جو بالوں والا ہو
قُلْ (اے پیارے حبیب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں فرمائیے ءَ الذَّكَرَيْنِ کیا ان دونوں مذکورہ دو جنسوں
بھیڑ اور بکری نروں کو حرام۔ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا۔ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ ان کے حرام ہونے کا انہیں اللہ تعالیٰ
نے حکم دیا ہے۔ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ یا دو مادینوں (بھیڑ بکری) کو حرام کیا۔ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ
یا انہیں کہ جن پر ان دونوں کے رحموں نے اٹھایا۔ یعنی دونوں مذکورہ مادینوں کے حمل کو حرام کیا وہ مذکر ہوں یا مونث
نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ مجھے کسی علم سے خبر دو۔ یعنی مجھے بتاؤ وہ امر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی آسمانی کتاب میں یا
انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے نازل ہوا ہو۔ اسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کے متعلق حرمت
بھی نازل ہوئی تھی۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔ اس دعویٰ پر کہ ان اشیاء کی حرمت کا حکم من

جانب اللہ تعالیٰ ہے ۱۴۳ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ اور ایک جوڑا اونٹ کا۔ اس کا عطف من الضان
اثنین پر یعنی اللہ تعالیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ابل میں دو پیدا فرمائے اونٹ اور اونٹنی ومن البقر اثنین
اور ایک جوڑا گائے کا نر اور مادہ۔ قُلْ آپ انہیں دلیل دے کر خاموش کر دیجئے۔ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ اس نے
ان میں سے دونوں نر حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ حرام کئے یا
دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں۔ ان دونوں قسموں میں سے۔ یہ تمام انکار ہے۔ جس کا خلاصہ
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چار چیزوں میں سے کوئی شے بھی اُن پر حرام نہیں کی۔ نر ہو یا مادہ یا وہ جو ان کی مادیاں
لئے ہوئے ہیں اس سے ان کا رد کرنا مطلوب ہے اس لئے کہ کبھی وہ جانوروں کے نر حرام کر دیتے جیسے حامی (اونٹ)
جب نر اونٹ سے دس گیا بھر حاصل ہو جاتے تو اسے چھوڑ دیتے نہ تو اس پر سواری کرتے نہ اس سے کوئی کام لیتے
اور نہ اس کو پانی چارہ سے روکتے۔ اسے حامی کہتے اور کہتے کہ اب اس کی پیٹھ مضبوط ہو گئی ہے۔ اسی طرح وصیلہ
بکری جب مادہ جنتی تو کہتے مرد کھائیں گے اور اگر نر جنتی تو وہ بتوں کے لئے دے دیتے۔ اگر دونوں نر مادہ پیدا ہوتے تو کہتے
یہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے اور کبھی ان جانوروں کی مادہ حرام کر دیتے۔ جیسے سائبہ اور بحیرہ۔ زمانہ جاہلیت کے کفار کا یہ دستور
تھا کہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخر مرتبہ اس کے نر ہوتا اس کا کان چیر دیتے۔ پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو
ذبح کرتے۔ نہ پانی اور چارے پر سے ہانکتے اس کو بحیرہ کہتے اور جب سفر پیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے کہ
میں سفر سے بخیریت واپس آجاؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائبہ (بحار) ہے اور اس سے نفع اٹھانا بحیرہ کی
طرح حرام جانتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے اور یہ بھی ان کی عادت تھی کہ بحیرہ اور سائبہ سے جو بچہ دودھ چھڑانے تک زندہ
رہتا تو اسے ذبح کرنے پر اس کا گوشت مردوں کیلئے اور عورتوں کے لئے حرام کہتے اور اگر پہلے مر جائے تو اس کے
گوشت میں مرد عورتیں سب برابر ہوتے۔ ایسی صورت میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہ رہتا۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ
کیا تم موجود تھے۔ یہ ام منقطعہ بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے اور ہمزہ میں انکار و توبیخ مطلوب ہوتی ہے اور بل
امر میں ایک توبیخ سے اعراض کر کے بطریق دیگر دوسری توبیخ کی جاتی ہے۔ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا جب
اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا کہ ان چیزوں کو حرام کرو۔

جب تم نبی علیہ السلام کو مانتے بھی نہیں تو پھر ایک صورت باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ تمہارے مذہب کا دارومدار
اس پر ہو کہ تم مشاہدہ و معائنہ کے طور پر یا اللہ تعالیٰ سے براہ راست سننے کا دعویٰ کرو۔ فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ
کذبا" تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی طرف ایسی تحریم کی نسبت کرے جو اس
نے حرام نہیں کی۔ لیضل الناس تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ یہ افتریٰ کے متعلق ہے۔ حضرت سعدی چلپی مفتی
نے فرمایا کہ لام عاقبت کی ہے بغیر علم اپنی جہالت سے یہ لیضل کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم وہ جاہل

(باقی ص ۷۱۲ پر)

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ
تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام مگر یہ کہ مُردار ہو یا رگوں
دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ
کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے یا وہ بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو نا
اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ عَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا
چار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا
كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ
ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کی مگر جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو
اَوِ الْحَوَایَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ٘ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾
یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو ہم نے یہ ان کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں
فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾
پھر اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو تم فرماؤ کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرموں پر سے نہیں ٹالا جاتا
سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ
اب کہیں گے مشرک کہ اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کچھ حرام ٹھہراتے
شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ
ایسا ہی ان سے اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا تم فرماؤ کیا تمہارے پاس
مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾
کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے لیے نکالو تم تو نرے گمان کے پیچھے ہو اور تم یونہی تخمینے کرتے ہو
قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ
تم فرماؤ تو اللہ ہی کی حجت پوری ہے تو وہ چاہتا تو سب کو ہدایت فرماتا تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو
الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَ لَا
گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا پھر اگر وہ گواہی دے بیٹھیں تو تو اے سننے والے ان کے
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ هُمْ بِرَبِّهِمْ
ساتھ گواہی نہ دینا اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے

يَعْدِلُوْنَ ۝
رب کا برابر والا ٹھہراتے ہیں

تفسیر عالمانہ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ فرمایئے کہ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی۔ ایسا طعام مُحَرَّمًا حرام" عَلٰی طَاعِمٍ اور پر کسی کھانے والے کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس میں اُن کے اس عقیدہ کا رد ہے جو کہا کرتے کہ وہ طعام ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یَّطْعَمُهٗۤ جو اسے کھاتا ہے یہ طاعم کی تقریب کے لئے ہے اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مگر یہ کہ ہو وہ طعام مَیْتَةً مردار یعنی جسے شرعی طور ذبح نہ کیا جائے جیسے وہ جانور کہ جس کی گلا گھونٹ کر جان نکالی جائے۔ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا یا رگوں کا بہتا ہوا خون۔

فائدہ: ہم نے رگوں کی قید لگائی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ رگوں کے ماسوا دوسرے بہتا ہوا خون حرام نہیں جیسے جگر اور طحال کا خون۔ اس لئے کہ یہ خون جامد ہوتا ہے اور شرع نے انہیں مباح کیا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے۔ دو مرداروں سے مچھلی اور ٹڈی اور دو خونوں سے جگر اور طحال مراد ہیں۔

مسئلہ: وہ خون جو گوشت میں ہے کہ اس کا علیحدہ کرنا ناممکن ہے تو وہ بھی مباح ہے اس لئے کہ وہ بہتا ہوا خون نہیں۔ اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ اور خنزیر کا گوشت اس لئے کہ وہ رجس نجاست ہے کیونکہ خنزیر کو نجاست کھانے کی عادت ہے۔

فائدہ: حضرت حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شے سے طبیعت کو طبعی نفرت ہو وہی رجس ہے اور یہ بھی

بقیہ صفحہ ۷۰۵

ہے لاعلمی سے اور وہ اس علمی سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا یعنی اُن کی کسی حالت میں بھی اصلاح نہیں ہو سکتی نہ ہی جلدی اور نہ بدیر۔ جب ظالم سے ہدایت کی نفی ہے تو اظلم کو بطریق اُولیٰ ہدایت نصیب نہ ہو۔

جائز ہے کہ فانہ کی ضمیر خنزیر کے گوشت کی طرف لوٹے اور وہ اس لئے کہ گوشت کو اہمیت حاصل ہے اگرچہ خنزیر نجس العین ہے کہ اس کا گوشت، پوست اور اس کی چربی اور ہڈیاں اور بال سب حرام ہیں اور چونکہ ہر حیوان سے مطلوب گوشت ہوتا ہے اور اصالۃً حلت و حرمت اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے اس لئے اس کے ذکر کی تخصیص مناسب ہوتی ہے اور باقی اشیاء گوشت کے تابع ہوتی ہیں۔

قاعدۂ نحویہ حضرت سعدی چلپی مفتی مرحوم لکھتے ہیں کہ ضمیر کا لوٹنا مضاف کی طرف ہوتا ہے اور کلیہ قاعدہ ہے اس لئے مقصود بالذات تو وہی ہے اور مضاف الیہ اسے معرف یا خاص کرنے کیلئے ہوتا ہے۔

اَوْ فِسْقًا اس کا عطف لحم الخنزیر پر ہے یا ہے کسی جانور جو کہ **اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ یہ فسقًا کی صفت موضحہ ہے اور اسے فسق سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ ایسا جانور نرا فسق ہی فسق ہے۔ **فَمَنِ اضْطُرَّ** پس جسے ایسی ضرورت گھیر لے کہ اسے کھانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو۔ **غَيْرَ بَاغٍ** مجبوری پر نہ بغاوت کرنے والا ہو۔ **وَلَا عَادٍ** اور نہ ضرورت سے بڑھنے والا۔ **فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** بے شک تیرا رب غفور رحیم ہے یعنی بہت بڑی مغفرت و رحمت والا ہے کہ اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا۔

فائدہ: یہ آیت محکمہ ہے اس لئے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے انہی احکام کے خلاف اور کوئی حکم نہیں پایا اور نہ ہی ان کے بعد کوئی اور وحی تحریم کے متعلق اتری۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں میتۃ سے دنیا مردار مراد ہے اس لئے کہ وہ ایک خوشنما جیفہ ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا۔

وما هی الا جيفة مستحيلة
عليها كلاب همهن اجتذابها
فان تجتنبها كنت سلما لاهلها
وان تجتذبها نازعتك كلابها

دنیا ایک خوشنما جیفہ ہے اسے بہت سے کتے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ اگر تم اس سے کنارہ کشی کرو گے تو دنیاداروں کے دکھ تکالیف سے محفوظ رہو گے اور اگر اسے تم اپنی طرف کھینچو گے تو تیرے ساتھ دنیا کے کتے خوب لڑیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے داؤد (علیہ السلام) یہ دنیا ایک جیفہ ہے جسے بہت سے کتے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں کیا تم بھی اسے اپنی طرف کھینچو گے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ہمائے چوں تو عالی قدر حرص استخوانی حیفیست
دریغا سایہ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ: تُو تو عالی ہمت ہما ہے تجھے ہڈی کا حرص ہے افسوس ہے افسوس ہے کہ تو نے سایہ ہمت نا اہل پہ ڈالا ہے۔

اور الدم المسفوح سے وہ شہوات لذات مراد ہیں کہ جن پر دین کا خون بہایا جاتا ہے اور لحم الخنزیر وہ مجلسیں جو شیطان کے عمل سے ہو کما قال تعالیٰ انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ اور حقیقت میں رجس طریق حق سے ہٹ جانے اور اُس سے دوری کا نام ہے۔

ولادت مبارکہ سے محل کسریٰ کو زلزلہ آ گیا مروی ہے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو کسریٰ کے محل کو زلزلہ آ گیا یعنی اسے ایسے زلزلہ آیا کہ اس سے اس سے حرکت کی آواز سنائی دیتی تھی۔

: رجس وہی ہے جو سالک کو حق سے دُور رکھے۔

او فسقا اهل لغير الله به اس سے غیر حق کی طلب میں حق کی طلب سے نکل جانا مُراد ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف طریقت بود کاولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء خدا تعالیٰ سے غیر خدا کی تمنا کریں۔

امور مذکورہ بالا کا ارتکاب حرام ہے اس لئے کہ ان کے ارتکاب سے بندہ حق کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے ہاں بقدر ضرورت حلال ہے اس لئے کہ مقولہ مشہور ہے کہ "الضرورت تبیح المحذورات" ضرورت ممنوع اشیاء کو مباح کر دیتی ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا "تمعددوا واخشوشنوا" یعنی سعد بن عدنان کی اقتداء کرکے موٹا لباس پہنو اور ننگے پاؤں رہو۔ اس لئے کہ اس طرح سے تواضع حاصل اور تکبر ترفع سے نجات ملتی ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ دنیاداری سے بچو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دنیاداری کو پسند نہیں کرتے ؎

نباز و نعمت دنیا منہ دل
کہ دل برداشتن کاریست مشکل

ترجمہ: دنیا کے ناز و نعمتوں پر دل نہ لگا۔ اس لئے کہ اس سے پھر دل اٹھانا مشکل ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی بے رغبتی اختیار کرے۔ بلکہ اسباب دنیا سے کنارہ کش رہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔

حکایت: بعض بزرگوں سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ جنگل میں ایک کنویں سے پانی لینے آیا۔ جب کنویں میں ڈول ڈالا تو رسی ٹوٹ گئی اور ڈول کنویں میں گر گیا۔ اس درویش نے وہاں تھوڑی دیر ... کہا کہ اے رب العالمین مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ میں ڈول لے کر جاؤں گا یا پھر کوئی اور حکم صادر فرمائیے تاکہ میں چلا جاؤں ... درویش ابھی وہیں پر کھڑا تھا کہ ایک پیاسی ہرنی کنویں پر آگئی اور کنویں کے اندر جھانکا تو کنویں کے پانی نے جوش مارا ... کنویں کے لبوں سے باہر اُبلنے لگا اور درویش کا ڈول بھی تیرتا ہوا باہر آ گیا۔ درویش یہ حال دیکھ کر رو دیا اور کہا یا رب العالمین میں اس ہرنی سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اسے اتنا بڑا مرتبہ عنایت فرمایا اور مجھے اتنا پریشان فرمایا۔ اس پر ہاتف غیبی نے جواب دیا کہ تم ڈول اور رسی لے کر آئے اور ہرنی تمام اسباب توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کے سہارے حاضر ہوئی اس لئے وہ تجھ سے بازی لے گئی۔

سبق: اس حکایت سے معلوم ہوا کہ سالک پر لازم ہے کہ غیر اللہ سے کلی طور منقطع ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ: ۱۴۶ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں لینی یہ حکم صرف یہودیوں کیلئے ہے یہ پہلے لوگوں کے لئے اور نہ بعد والوں کے لئے۔ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کیا۔

فائدہ: ہر انگلی والا جانور ذی ظفر کہلاتا ہے اس سے انگلیوں کے درمیان میں کشادگی ہو جیسے درندوں اور کتوں اور بلیوں کے تمام اقسام یا نہ ہو جیسے اونٹ اور شتر مرغ اور مرغابی اور بطخ۔

فائدہ: ان پر بعض ناخن والے جانور حلال تھے پھر جب انہوں نے نافرمانی کی سزا کے طور تمام ذی ظفر حرام ہو گئے۔ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ یہ حرمنا علیہم شحومھما کے متعلق ہے اور گائے بکریوں کی چربی ہم نے اُن پر حرام کی نہ کہ گوشت ان پر حرام تھا۔ بلکہ ان پر اُن کی حلت باقی رہی۔ شحوم بمعنی شحم ب یعنی چربی وغیرہ۔ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا یہ حرام سے مستثنیٰ ہے یعنی مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھوں اور کمروں پر ہے یعنی دونوں مونڈھوں سے لیکر دونوں رانوں کے اندر اور باہر والی چربی اُن کے لئے حلال ہے۔

أَوِ الْحَوَايَا اس کا عطف ظہورھما پر ہے یعنی ان کی آنتوں وغیرہ پر جو چربی ہے وہ بھی اُن کیلئے حلال ہے الحوایا الحویہ کی جمع ہے کذا فی الصحاح بمعنی آنتیاں وغیرہ أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ اس کا عطف عطف ما حملت پر ہے یا وہ چربی جو ہڈیوں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اس سے رانیں مراد ہیں اور اختلاط بمعنی اتصال ہے اور

ہڈی سے عصص مراد ہے یعنی دم کی ہڈی جو پیٹھ کی انتہا سے شروع ہوتی ہے

فائدہ: بعض روایات میں ہے کہ سب سے اسے پہلے پیدا کیا جاتا ہے اور مرنے کے بعد تمام ہڈیوں سے سب سے آخر میں یہی گلتی ہے۔ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُم ہم نے ان یہودیوں کو جزا دی بِبَغْيِهِمْ ان کی بغاوت یعنی ظلم کے سبب سے۔ ان کے ظلم یہ تھے (۱) انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا۔ (۲) سود لینا۔ (۳) لوگوں کا باطل ذریعہ سے مال کھانا۔

قاعدہ ان کے لئے ضابطہ بن چکا تھا کہ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو اُن پر حرام کر دیا جاتا تھا چونکہ اب اُن کے منکر ہو گئے اور کہتے کہ یہ اشیاء جیسے ہم پر حرام ہیں گذشتہ امتوں پر بھی حرام تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حلال کرکے اسے پھر مؤکد فرمایا کہ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور بے شک ہم سچے ہیں یعنی ان کی ہر بات کی خبر دینے میں۔

۱۴۷ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ پس اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس سے یہود اور مشرکین مراد ہیں اور وہ ان کی تکذیب یہ تھی کہ حلال و حرام کی تفصیل جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اس کا انکار کر دیا۔

فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ج پس فرمائیے تمہارا رب تعالیٰ بہت بڑی رحمت والا ہے کہ وہ تمہاری تکذیب کے باوجود تمہاری سزا میں عجلت نہیں کرتا لیکن تمہیں اس سے دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے اس لئے کہ وہ تمہیں مہلت دے رہا ہے کہ کہیں سمجھ جاؤ۔ لہٰذا اس تصور میں نہ رہو کہ وہ تمہیں سزا بھی نہیں دے گا۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ اور اس کا عذاب روکا نہیں جا سکتا۔ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ مجرم قوم سے جب کہ نازل ہوگا ۱۴۸ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں شرک میں مبتلا کرنا نہ چاہتا مَآ اَشْرَكْنَا تو نہ ہم شرک کرتے وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ط اور نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ ہم کسی شے کو حرام کرتے اس سے ان کا منشا یہی تھا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس پر اللہ راضی ہے (معاذ اللہ) كَذٰلِكَ اسی تکذیب کی طرح یعنی جیسے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شرک کیا یا جن اشیاء کو حرام بتایا یہ سب مشروع اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مرغوب ہیں اور کہتے کہ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم ان باتوں میں معاذ اللہ جھوٹے ہو جب کہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک سے روکا ہے اور جن اشیاء کو تم حرام کہتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا۔ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اُن کے متقدمین نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی حَتّٰى ذَاقُوْا یہاں تک کہ انہوں نے چکھا یہ حتیٰ امتداد التکذیب کی غایۃ کے لئے ہے بَاْسَنَا۔ ہمارا عذاب جو کہ ان کی تکذیب پر ہم نے اُن پر نازل کیا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ یہ مِنْ زائدہ ہے عِلْمٍ یعنی فرمائیے اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا تمہیں

ع: فقرہ یوں ہو تو بہتر ہوگا۔ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو الی اخرہ۔

کوئی ایسا امر معلوم بھی ہے کہ جس سے تم اپنے دعویٰ پر حجت کے طور پیش کر سکو۔ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اگر ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ تم صرف گمان کی اتباع کرتے ہو یعنی جن امور کے تم مرتکب ہو رہے یعنی شرک اور حلال چیزوں کو حرام کہتے ہیں تم اپنے گمان کی تابعداری کر رہے ہو۔ حالانکہ وہ سراسر باطل اور جہالت پر مبنی ہے۔ وزہ بھر بھی اس میں یقین کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۔ اور تم اللہ تعالیٰ پر افتراء کر رہے ہو ۱۴۹ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ یہ فاء محذوف شرط کی جزاء ہے اصل عبارت یوں تھی۔ واذا قد ظہر ان لا حجۃ لکم فللّٰہ الحجۃ البالغۃ ۔ یعنی اور جب ظاہر ہو گیا کہ تمہارے ہاں کوئی دلیل نہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں حجۃ بالغہ ہے۔

فائدہ: حجت بالغہ اس دلیل کو کہتے ہیں کہ متانت اور ثبات کے انتہا کو پہنچے یا ایسی دلیل کہ جس سے مدعی اپنے دعویٰ پر صحیح اترے۔ اس سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور ان کا بیان مراد ہے۔ فَلَوْ شَآءَ پس اگر اللہ تعالیٰ تم سب کو ہدایت دینا چاہے لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ تو تم سب کو ہدایت دیدے یعنی تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشے اور ہدایت کے اسباب تیار فرمائے لیکن وہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اسے طریق حق کی طرف پھیر دیتا ہے اور اگر کسی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے ارادے اسلام کے خلاف کر دیتا ہے۔

۱۵۰ قُلْ هَلُمَّ یہ اسم فعل ہے بمعنی احضرو یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ حاضر کرو۔ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا اپنے لیڈروں کو جو ثابت کر دکھلائیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے۔ شہداء سے ان کے وہ لیڈر مراد ہیں جن کے اقوال و اعمال کو وہ اپنا مذہب سمجھتے تھے۔ اس سے وہ شہداء مراد نہیں کہ الٹی سیدھی مار کر ان کا دعویٰ صحیح کر دکھائیں۔ اس لئے شہداء کے لفظ کو ان کی طرف مضاف فرمایا یہ حکم اس لئے سنایا تاکہ ان پر حجت قائم ہو کر انہیں معلوم ہو جائے کہ واقعی وہ گمراہی پر ہیں ورنہ ان کے دعویٰ کی دلیل نہ ان کے پاس تھی اور نہ ہی ان کے لیڈروں کے پاس۔

فَاِنْ شَهِدُوْا بفرض محال اگر ان کے لیڈر کچھ کہہ بھی دیں اور ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ تو آپ ان کی تصدیق نہ فرمائیں اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ خالص جھوٹ ہے اور واضح طور اس کا فساد بیان کیا جا چکا ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۔ اور آپ ہماری آیات کی تکذیب کرنے والوں اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کی اتباع نہ کریں۔ اس سے بتوں کے پجاری مراد ہیں موصول ثانی کے موصوف اول پر عطف ہے یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ مع اتحاد الموصوف کے قبیل سے ہے اس لیے کہ جو آیات کی تکذیب کرتا ہے وہی آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اسی طرح بالعکس وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ

اور وہ اپنے رب کے ساتھ اس کا ہمسر مانتے ہیں اس کا عطف " لایومنون" پر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی اتباع نہ کیجئے جو مذکورہ بالا اوصاف قبیحہ کے جامع ہیں۔

(۱) وہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرتے (۲) آخرت کا انکار کرتے (۳) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اس معنی پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے بلکہ انہیں یوں فرمایا ہے کہ وہ ایسے بدبخت ہیں کہ ان جملہ امور بالا مذکورہ کے جامع اور ان صفات قبیحہ سے موصوف ہیں۔

فائدہ جامعہ اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال فرما کر کافروں کے ان توہمات کا رد فرمایا جو اپنی طرف سے بعض اشیاء کو حرام کر دیا۔ اس لئے کہ دین کی بنا وحی پر ہے نہ کہ خواہش نفسانی پر اور خبیث ترین چیزوں کو بھی حرام کیا۔ جیسے شراب اور مردار اور بہتا ہوا رگوں کا خون اور خنزیر وغیرہ وغیرہ یعنی ان کا جیسے کھانا پینا حرام ہے ایسے ہی بیچنا بھی حرام ہے۔ ایسے ہی اُن کے بیچنے سے جو قیمت حاصل ہو گی وہ بھی حرام ہے۔ اُن کے ماسوا ان اشیاء سے انتفاع جائز ہے۔ جیسے مردار کی چربی کو کشتیوں کے سوراخ پر لگایا جاتا ہے اور چمڑوں پر تیل کے طور پر لگاتے ہیں اور اُسے بعض لوگ روشنی کے لئے جلاتے ہیں یہ تمام امور حرام نہیں۔

فائدہ: جتنے امور اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہیں وہ بطور سزا کے ہُوئے یا اُلٹا ان سے انعام دینا مطلوب تھا جیسے یہود پر ان اشیاء کی حرمت بطور سزا کے تھا اور اہل ایمان سے بعض چیزوں کی حرمت محض اس کا فضل وکرم ہے۔ اس لئے کہ اُسے معلوم ہے کہ ان اشیاء کا ضرر نفسانی یا روحانی و نفسانی ہے جیسے زہر کا ضرر اور دیگر وہ اشیاء کہ جن کے استعمال سے ہلاکت جان ہوتی ہے۔ دوسرا ضرر روحانی ہوتا ہے جیسے درندوں اور موذی جانوروں کا گوشت وغیرہ اس لئے کہ اُن کے گوشت سے ان کی عادات کا اثر کھانے والے کے رُوحانی اخلاق پر پڑتا ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا " دُودھ بھی عادات پر اثر انداز ہے۔

حکایت: حضرت الشیخ ابو محمد الجوینی اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ اُن کے صاحبزادے امام اَبُو المعالی کو غیر عورت دودھ پلا رہی ہے۔ آپ نے بچے کو اٹھایا اُلٹا دیا اور پیٹ کو ملنا شروع کر دیا اور منہ کے اندر انگلی دبا دی۔ اسی طرح بار بار کیا۔ یہاں تک کہ بچے نے پیا ہوا دودھ قے کر دیا حضرت شیخ نے فرمایا کہ میرا بچہ مر جائے تو مجھے اتنا رنج نہیں ہو گا۔ جتنا اس کا غیر عورت کے دودھ پینے سے غم والم ہو گا۔ پھر جب امام ابو المعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ جوان ہوئے تو مناظرہ کے وقت ان کی طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا۔ فرماتے یہ اس غیر عورت کے دُودھ کا اثر ہے۔

فائدہ: ماں کے دودھ سے بچے کے عادات پر اثر پڑتا ہے اگر عورت نیک ہو تو بچے کو نیکی کی عادت ہو گی اگر عورت

بڑی تو بچہ کے عادات بھی بُرے ہونگے۔

فائدہ: حیوانات کے گوشت میں بھی بہت بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے بھینس کا دودھ اور گھی لازم پکڑلو اور ان کے گوشت سے بچو اس لئے کہ ان کے دودھ اور گھی میں شفا اور ان کے گوشت میں بیماری ہے۔

سوال: اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے نزدیک گائے بھینس کا گوشت ناجائز ہے حالانکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کی قربانی کے لئے گائے ذبح فرمائی۔

جواب ۱: امام حلبی نے گائے وغیرہ کے گوشت کو بیماری فرمایا۔ وہ بھی صرف اہل حجاز کی یبوست کے پیش نظر کہ انہیں بھی یبوست اور گوشت میں بھی یبوست۔ اس سے اہل عرب کی بیماری لازمی امر ہے اور ان کی خشکی کا گائے کے دودھ اور گھی سے دور ہونا ضروری۔ جس سے اُن کی شفا ضروری۔ بنا بریں کہ آپ نے عرب کی طبع کے پیش نظر یہ نہی فرمایا اور یہی جواب موزوں تر بھی ہے ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کی قربانی کے لئے بُری شے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش نہ کرتے اور اسے بیماری اس یبوست اور اہل عرب کی یبوست کی وجہ سے تعبیر فرمایا۔

جواب ۲: گائے کو قربانی میں ذبح کرنا بیان جواز کے لئے ہے۔

جواب ۳: اس وقت آپ کو قربانی کے لئے صرف وہی گائے میسر آئی (کذا فی المقاصد الحسنہ) جواب اول موزوں تر ہے۔

جنون سے حفاظت کا علاج گائے بھینس کے منجملہ فوائد کے ایک فائدہ یہ ہے کہ جو منہ نہار اس کا دودھ پچاس درہم کی مقدار پیئے تو اسے جنون سے حفاظت ہو گی اگر اسے ہوگا بھی اس کے دودھ کی برکت سے دفع ہو جائے گا۔

مسئلہ: حضرت فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ بقدر ضرورت طب کا پڑھنا مستحب ہے بالخصوص جس بیماری میں مبتلا ہو اُس کے مضرات و مفیدات کے ضروری معلومات یاد کر لئے جائیں۔ اس لئے کہ علم دو ہیں (۱) علم الابدان (۲) علم الادیان (العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان) علم الابدان کو مقدم فرمانے میں اشارہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ انسان بلکہ دیگر حیوانات کے لئے شفا حاصل ہوتی اور جب کہ انسان کا جسم ہی بیمار ہو تو عبادت خداوندی نیز حقوق العباد میں کمی آئے گی اور اسی طرح دیگر حیوانات کا حال ہے بالخصوص وہ حیوانات جو کہ انسان سے متعلق ہیں۔ مثلاً اونٹ گائے بھینس گھوڑا بکری وغیرہ جو انسان کیلئے کارآمد ہیں۔

(باقی ص۹ پر)

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

تم فرماؤ آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا یہ کہ اس کا کوئی شریک نہ کرو اور

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ

ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب

وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا

کو رزق دیں گے اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور جس جان کی

النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾

اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا

اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقہ سے جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور ناپ

الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ

اور تول انصاف کے ساتھ پوری کرو ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کے مقدور بھر اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو

فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ

اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو یہ تمہیں تاکید فرمائی کہ کہیں تم

تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

نصیحت مانو اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اور راہیں نہ چلو

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ آتَيْنَا

کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے پھر ہم نے موسیٰ کو

مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَ

کتاب عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو اس پر جو نکوکار ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت

رَحْمَةً لَعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٤﴾

اور رحمت کہ کہیں وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں

تفسیر عالمانہ ۱۵۱ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمائیے تَعَالَوْ یہ تعالیٰ کا امر ہے
دراصل اس لفظ سے اپنے مکان پر چڑھ کر نیچے والے کو بلانے کیلئے وضع کیا گیا ہے گویا جسے
بلا رہے ہیں یا اپنی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تو اس کلمہ سے مخاطب کو بلایا جاتا ہے بلانے والا خواہ اوپر ہو یا نیچے

نکتہ : جیسے انگریزی دان کہا کرتے ہیں come up یا come on اس سے اُن کی مراد دوسرے کو مخاطب
کرنا قدرے زور دار لہجے میں ہوتا ہے۔

بقیہ صفحہ

مسئلہ : بوقت ضرورت علماء نے حرام اشیاء سے علاج کی اجازت بخشی ہے

مسئلہ : اشیاء میں سے کہ طعام ہیں جب تغیر آ جائے (یعنی عفونت) تو وہ پلید ہو جاتا ہے[۵]

مسئلہ : دودھ، زیتون، گھی میں جب بدبو پیدا ہو جائے تو ان کا کھانا حرام نہیں۔

مسئلہ : مرغی ذبح کر کے اس کا پیٹ چاک کئے بغیر ہانڈی پر چڑھا دی جائے تو وہ پانی بھی پلید اور
گوشت ہوا بھی (خواہ پانی کے بغیر بھونی ہی جائے) ہاں بلی اُسے اٹھا کرے جائے لیکن خود اس کے آگے
نہیں رکھیں گے۔ (یہ احتیاطی حکم ہے)

سبق دانا پر لازم ہے کہ بدن کو ضرر پہنچانے والی اشیاء سے احتراز کرے بدن کے مضرات میں
پیٹ بھر کر کھانا بھی شمار ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا: بیماریوں کا اصل پیٹ بھر کر کھانا اور اس کا علاج
بھوکا رہنا ہے ؎

آں حکیمے کہ دُر حکمت سفت
کُلُوْ قلیلا تعش کثیرا گفت

ترجمہ: اس حکیم نے حکمت کے موتی پروئے ہیں فرمایا کہ تھوڑا کھا بڑی عمر تک زندگی بسر کرے گا۔
شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ندارند تن پروراں آگہی
کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ: نہیں رکھتے تن پرور خبر اس لئے کہ معدہ کو پُر کرنے والے حکمت سے خالی ہوتے ہیں۔

اوپر نیچے کے الفاظ محض محاورہ کیلئے ہیں ورنہ واقعۃً ایسا ہونا ضروری نہیں) قُلْ ۔ یہ تَعَالَوْا امر کا جواب ہے اس لئے مجزوم ہے بمعنی اقرار یعنی آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام فرمائی ہیں یعنی وہ آیات پڑھ کر سناؤں جن میں اشیاء کی حرمت کا بیان ہے۔ عَلَيْكُمْ ۔ یہ حَرَّمَ سے متعلق ہے ان مفسرہ اور لَا ناہیہ ہے۔ تُشْرِكُوا بِهِ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ شَيْئًا اس کی تنوین تنکیر کی ہے۔

قاعدہ تفسیریہ ان تین آیات میں یعنی لَا تُشْرِكُوا بِهِ الخ سے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تک دس خصلتوں جو تمام بھلائی کی جامع ہیں کا بیان ہے اور تمام آسمانی کتب تا قرآن مجید میں منسوخ ہو کر مندرج ہو رہی ہیں یہ تمام خصلتیں تمام بنی آدم پر حرام ہیں اور تمام زمانوں اور تمام امتوں میں بحال رہی ہیں کبھی ان میں تغیر و تبدل اور اختلاف نہیں ہوا۔ وہ دس خصلتیں یہ ہیں

(۱) لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا شرک کے بیان میں تقدیم اس لئے ہے کہ یہ راس المحرمات ہے مشرک کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔ شرک دو قسم ہے (۱) جلی یعنی بتوں کی پرستش شرک جلی ہے (۲) خفی یعنی اللہ تعالیٰ واحد قہار کے ساتھ اغیار کا خیال (صوفیا کے نزدیک) شرک خفی ہے ؎

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال
خامہ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ: توحید کا دم بھرتا ہے تو اے حافظ شوریدہ حال تو تجھے چاہیے کہ توحید کا قلم این و آن کے ورق پر

(۲) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا اور ماں باپ سے احسان کرو یعنی ان کی نافرمانی نہ کرو۔ اس لئے کہ ان کی نافرمانی حرام ہے

(قاعدہ) شے کا امر اس کی ضد کی نہی کو مستلزم ہے جیسے احسان کے امر سے بدزبانی کی نہیں ثابت ہوئی اسی طرح فرمایا هُوَ اَوْفُوا اس میں کم تولنے کی نہیں ہے۔

سوال: اگر نہی مطلوب ہے تو پھر اسے امر سے کیوں تعبیر کیا ہے؟

جواب: تاکہ حقوق کی رعایت میں مبالغہ ہو اس لئے کہ محض ان کے حقوق کی ادائیگی میں ترک اساءت ناکافی ہے ان دس خصلتوں میں یہ دوسری خصلت ہے۔

سوال: تحریم شرک کے بعد تحریم عقوق کے ذکر میں کیا راز ہے۔؟

جواب: والدین بیٹے کے لئے قریبی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کا موجد ہے تو والدین کو پرورش کے لحاظ سے درجہ ثانویہ حاصل ہے لہٰذا ان کے حقوق کی ادائیگی میں سستی کرنے کا نام عقوق ہے اور یہی شرک کے بعد کبیرہ گناہ ہے

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جنگل میں جا رہا تھا۔ دیکھا کہ اچانک میرے ساتھ ایک بزرگ چل رہے ہیں۔ مجھے ان سے تعجب ہوا اور خیال گزرا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کو خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں سچ فرمائیے آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا میں تیرا بھائی خضر ہوں۔ میں نے عرض

کیا آپ میرے ساتھ کیوں چل رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا چونکہ تم اپنی والدہ کے فرمانبردار ہو اس لئے میں تمہارے ساتھ چلنے پر مامور ہوں۔

جنت کہ سرائے مادر انست
زیر قدمہائے مادر انست

ترجمہ: وہ جنت جسیں ہماری سرائے ہے وہ ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

(۳) وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو یعنی اپنی بچیوں کو زندہ درگور نہ کرو۔ مِنْ اِمْلَاقٍ تنگ دستی کی وجہ سے اتفاق یعنی زاد و نفقہ کو جاری کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے املق الرجل جب اس وقت بولتے ہیں جب کوئی زاد و نفقہ کا اظہار کرے ملق سے ماخوذ ہے یعنی طلب مراد میں اپنی جد و جہد خرچ کرنا نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ہم تمہیں اور انہیں روزی دیں گے لہذا فقر و افلاس سے نہ ڈرو اس خطرہ سے کہ تم رزق کیسے حاصل کرسکو گے۔

یہ تیسرا حکم ہے ان دس خصلتوں میں جن کے متعلق پہلے بیان کیا گیا ہے

نکتہ: بچوں کو قتل کرنے کی رکاوٹ اس لئے ہے کہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد کو ڈھانا ہے اور ملعون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد کو ڈھاتا ہے اور اس طرح سے اس کے درخت کا ثمرہ توڑنا اور اس کی کھیتی کو اجاڑنا اور نسل کو قطع کرنا اور امر رزق میں توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ان اُمور سے تکذیب الٰہی لازم آتی ہے اس لئے کہ اس کا وعدہ ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با پادشاہ بگوئے کہ روزی مقدراست

ترجمہ: ہم نے فقر و قناعت کی قدر نہ کی۔ بادشاہ کو کہو کہ روزی مقدر ہے۔

(۴) وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (اور زنا کے قریب نہ جاؤ) نکتہ فواحش جمع کے صیغہ میں لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ زنا کے جمیع انواع حرام ہیں۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ "سے الفواحش سے بدل الاشتمال ہے۔ مَا ظَهَرَ سے وہ زنا مراد ہے جو گھروں میں عام زنا کیا جائے۔ جیسے کہ رذیل لوگوں کی عادت ہے۔ وَمَا بَطَنَ سے وہ زنا مراد ہے جو چوری چھپے کیا جائے۔ جیسے شرافت کے مدعیوں سے اس طرح کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

یہ ان دس خصلتوں سے چوتھا حکم ہے

نکتہ: زنا سے قریب جانے کی نہی سے مبالغہ مقصود ہے یعنی یہ ایسی گندی خصلت ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جانا چاہئے۔

مسئلہ: اس میں وہ اعمال بھی داخل ہوں گے جو بہشت سے دوری اور دوزخ میں داخلے کا سبب بنتے ہیں مَا ظَہَرَ کا یہی مطلب ہے اور بعض امور وہ ہیں جن سے اگرچہ بہشت سے دوری اور دوزخ کے داخلہ کا سبب تو نہیں لیکن حق سے دور اور محجوب بنا دیتے ہیں یہ مَا بَطَنَ سے یہی مراد ہے۔

فائدہ: مَا ظہر سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا ارتکاب ہو جائے اور مَا بَطَنَ سے وہ جو ابھی ارادہ میں ہیں اور آنکھ کا زنا بھی اس میں داخل ہے ؎

این نظر از دور چوں تیر است و سم
عشقت افزوں میشود صبر تو کم

ترجمہ: یہ نگاہ دور سے تیز و زہر کی طرح ہے اس سے عشق بڑھے گا اور صبر کم۔

اعجوبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مرد میں شیطان کے تین گھر ہیں۔ (۱) دونوں آنکھیں (۲) قلب (۳) اور ذکر اور عورت میں بھی اس کے تین گھر ہیں۔ (۱) دونوں آنکھیں (۲) قلب (۳) دامن۔

(۵) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اور اس نفس کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے یعنی احکام اسلام کی رو سے یا اس سے معاہدہ ہوا ہے۔ اس سے حربی خارج ہوا کہ اس کے قتل کرنے میں حرج نہیں اس لئے کہ اس کے قتل سے نہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور نہ ہی اس سے معاہدہ ہوا ہے۔

اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یہ استثناء مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال مقدر ہے یعنی اسے کسی حال میں بھی قتل نہ کرو۔ مگر بوقت حق سے ملابس ہونے کے اور وہ شرع کا حق ہے یعنی جس کے قتل میں شرع نے اجازت بخشی ہے اور وہ یہ ہیں (۱) مرتد ہونے کے بعد (۲) شادی شدہ کا زنا کرنا (۳) نفس معصوم کو قتل کرنے کے بدلے میں۔ یہ ان دس خصلتوں میں سے پانچواں حکم ہے۔

نکتہ: کسی کو ناحق قتل کرنے میں امر حق کی تعظیم اور شفقت علی الخلق کا ترک لازم آتا ہے اور یہ دونوں امور دین کی بنیاد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دراصل قتل حق یہ ہے کہ بندہ طلب حق میں مر جائے اور جو راہ حق میں مر جائے حقیقۃً وہ زندہ ہے۔

حکایت: حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک دن میرا بنو شیبہ کے ایک گھر سے گزر ہوا۔ میں نے ایک نوجوان کو مردہ پایا۔ میں نے اسے جھانک کر دیکھا تو اس نے میرے دیکھنے پر آنکھ کھولی اور ہنس پڑا اور فرمایا اللہ والے مرتے نہیں۔ بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں۔ وہ ایک دار سے منتقل ہو کر دوسری دار میں چلے جاتے ہیں ؎

مشو بزرگ ز امداد اھل دل نا اُمید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ترجمہ: اللہ والوں کی ہمت کے بعد ان کی امداد سے ناامید نہ ہو، کیونکہ کرم اللہ مردان خدا کی نیند میں بیداری ہے۔
ذٰلِکُمْ: یہ مذکورہ بالا امور خمسہ کی طرف اشارہ ہے وَصّٰکُمْ بِہٖ ان امور کی اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی ہے یعنی ان کی حفاظت کا تاکیدی حکم فرمایا ہے لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ تاکہ تم سمجھ جاؤ یعنی اگر عقل سے کام لو تو ان امورِ قبیحہ کے ارتکاب سے تمہیں خود بخود رُکنا پڑے گا۔

(۱۵۲) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ مال یتیم کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی ان کے مال کا کسی حال میں بھی تعرض نہ کرو۔
فائدہ: یتیم انسانوں میں اسے کہا جاتا ہے کہ جس کا باپ بلوغت سے پہلے باپ فوت ہو جائے اور حیوانوں میں اُسے کہتے ہیں جس کی ماں مر جائے اور یہ خطاب یتیموں کے متولیوں اور وصیوں کو ہے اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ مگر اس خصلت سے کہ یہ اچھی ہے یعنی اس کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے بقدر ضرورت کچھ کھا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ یعنی یتیم کے مال کی اس وقت تک حفاظت کرو جب کہ وہ بالغ اور سمجھدار ہو جائے۔ اس کے بعد اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔
مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ عمری پچیس سال تک ہو جاتی ہے جب لڑکا اس عمر کو پہنچے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ پاگل نہ ہو۔ صرفی تحقیقات/ فائدہ۔ جوہری نے لکھا کہ اَشُدّ بمعنی قوت اور یہ پندرہ سے اٹھارہ تیس سال کے درمیانی عمر کا نام ہے، یہ آنک کی طرح واحد ہے اور جمع کے وزن پر آیا ہے۔ ان کے سوا باقی اور کوئی صیغہ واحد ہو کر جمع کے وزن پر نہیں آتا۔ سیبویہ نے کہا کہ یہ جمع ہے اس کا واحد شدہ ہے۔

فائدہ: یہ ان خصلتوں میں سے چھٹا حکم ہے۔
نکتہ: یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یتیم عاجز ہوتا ہے اس کے عجز کے پیش نظر اللہ تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر تلطف شفقت فرما کر اس کے حقوق کی نگرانی کریں۔

الا تا نگرید کہ عرشِ عظیم
بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم

ترجمہ: خبردار یتیم نہ روئے کیوں کہ عرشِ عظیم کانپ جاتا ہے جب یتیم روتا ہے۔
(۷) وَاَوْفُوا الْکَیْلَ مکیلات کو پورا بھر دو یعنی انہیں مکمل کر کے کسی شے کو نہ گھٹاؤ۔ وَالْمِیْزَانَ اور وزن والی چیزوں کو ترازو سے پورا تولو۔ بِالْقِسْطِ: اَوْفُوْا کے فاعل سے حال ہے یعنی ان دونوں کو پورا کرو۔ درآنحالیکہ تم عدل کرنے والے ہو۔ قسط بمعنی عدل،

سوال : ایفاء الکیل والمیزان قسط (عدل) کا دوسرا نام ہے پھر تکرار کا کیا فائدہ ؟

جواب : اس میں اشارہ ہے کہ دینے والے کو چاہیے کہ حق والے کو پورا پورا حق ادا کرے۔ اسی طرح لینے والے پر بھی لازم ہے کہ وہ صرف اپنا حق کا مطالبہ کرے۔ لالچ کرکے زائد کا طالب نہ ہو۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتے یعنی جتنا اس سے آسانی سے ہو سکے وہ اس پر گراں نہیں ہوتا۔

سوال : اوامر کے بعد ہی اسے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا کیا فائدہ۔

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ بندے سے جملہ امور کی حقیقی طور پابندی مشکل ہے اس لئے کہیں گھبرا کر اُن پر عمل کرنا چھوڑ نہ دے اس سے اُسے تسلی ہو کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ میں نجات ہے جتنا اس سے ہو سکے بجالائے اور جو اس سے نہیں ہو سکتا اس پر مالک مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

مسئلہ : جو شخص بھر تول میں اپنے خیال سے کمی بیشی نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خیال سے اُسے صحیح بھر تول سمجھتا ہے تو اس سے اگرچہ معمولی کمی بیشی ہو جائے تو وہ اسے معاف ہے۔ اُس سے کسی قسم کی گرفت نہیں ہوگی۔

مسئلہ : جو بھر تول میں کمی بیشی کرتا ہے تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

سبق : انسان کو چاہیے حتی الامکان کوتاہی نہ کرے۔ اگر بے خبری میں غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک شخص بھر تول میں عمداً کمی بیشی کرتا تھا جب اس پر نزع طاری ہوئی تو اُسے لا الٰہ الا اللہ (کلمہ توحید) کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا کیا کروں میری بھر تول کا ترازو میری زبان پر چڑھا ہوا ہے اس لئے کلمہ توحید پڑھا نہیں جا سکتا۔ اس سے پوچھا گیا کیا تم بھر تول میں عمداً کمی بیشی کیا کرتے تھے اُس نے کہا نہیں صرف اتنی غلطی ہوئی ہے کہ کبھی ترازو کے پلڑے میں گرد و غبار کو صاف کئے بغیر سودا دے دیتا تھا چونکہ اس گرد و غبار کی مقدار گاہک کو نقصان ہوتا تھا۔ بنابریں حقوق غیر میں میری گرفت ہو رہی ہے۔

سبق : غور کیجئے جب معمولی گرد و غبار سے اتنی سخت سزا تو جو لوگ منوں کے من ہڑپ کر جاتے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک ہمسایہ تھا۔ اس پر نزع طاری تھی۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور حال پوچھا تو اس نے کہا آگ کے دو پہاڑ میرے سامنے ہیں اور مجھے حکم ہوتا ہے کہ ان پر چڑھ جاؤں۔ لیکن مجھ سے چڑھا نہیں جاتا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُس کے گھر والوں سے پوچھا کہ اس کا عمل کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے دو طرح کے ترازو تھے دینے کا اور لینے کا اور میں کہا دونوں کو میرے ہاں لے آؤ۔ جب ترازو آپ کے ہاں لایا گیا تو آپ نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر پوچھا تو اس نے کہا کہ اُلٹا اُس سے اور زیادہ مصیبت بڑھتی ہے۔

فائدہ: یہ ان دس خصلتوں سے ساتواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ ہر چیز کا پیمانہ وزن رکھو اور میزان شرع سے حقوق کا ہو تقسیم ہوئے کرو اور اپنے استعداد کے مطابق حظوظ کو تکمیل کرو۔

ہر کسی بقدر بال و پر خویش می پرد

ترجمہ: ہر شئے اپنے بال و پر کی طاقت کے مطابق اُڑتی ہے۔

(۸) وَإِذَا قُلْتُمْ اور جب تم بات کسی حکومت کے متعلق یا گواہی میں اور اسی طرح جملہ امور میں فَاعْدِلُوا تو عدل و انصاف سے کام لو۔ وَلَوْ كَانَ اور اگرچہ مقول لہ ہو یا مقول علیہ ذَا قُرْبَىٰ تمہارا رشتہ دار ہو۔ تو رشتہ داری کی وجہ سے اس کی رعایت نہ کرو کیونکہ کاموں کا دار و مدار حق شرع کی اتباع اور طلب رضائے الٰہی میں ہے نہ کہ رشتہ داری اور غیر رشتہ داری پر۔

فائدہ: یہ دس خصلتوں میں سے آٹھواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: عدل کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں غیریت کا شائبہ نہ ہو اور ہر کلام اللہ تعالیٰ کے لئے اور اسی کی تبلیل و قال ہو اور یہ بات صرف اہلِ تحقیق کو نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ دوسروں کے کلام میں کوئی غرض مضمر ہوتی ہے۔

بانگ ہد ہد گر بیا موز د فتی

راز ہد ہد کو و پیغام سبا

ترجمہ: ہد ہد کی اگر آواز کسی نے سیکھ لی تو اسے چاہیے کہ ہد ہد اور سبا کا راز سمجھائے۔

(۹) وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا اور اللہ تعالیٰ کا وہ معاہدہ پورا کرو جو اس سے ہوا۔ وہ جس طرح کا بھی ہو مثلاً عدل و انصاف سے کام لینا۔ احکام شرع ادا کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

فائدہ: عہد اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو اس سے یا وہ معاہدہ مراد ہوتا ہے جو ہم ایمان و نذور کے ذریعہ معاملات کرتے ہیں یا اس سے وہ ایفائے عہد مراد ہوتا ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں۔ یا اس سے وہ ایفائے عہد مراد ہوتا ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے مضاف ہے کہ اُس نے اس کے ایفاء و حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔

وفاء عہد نکو باشد ار بیاموزی

وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ: وعدہ وفائی اگر تم سیکھو تو اچھا ہے ورنہ جسے بھی دیکھو وہ ظلم کرنا جانتا ہے۔

یہ ان دس خصلتوں سے نواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ حقیقی عہد یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور صرف اُسی کی محبت میں مستغرق ہو۔ سوائے اس کے اور کسی کو نہ دیکھے ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بریک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ۔ صبح ازل سے لے کر ابد کی شام تک دوستی و مہر و محبت ایک عہد و میثاق پر ہے۔

ذٰلِکُمْ۔ یہ چاروں امور بالا کی طرف اشارہ ہے جو ابھی مذکور ہوئے وَصّٰکُمْ بِہٖ اُس کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی یعنی تاکیدی امر فرمایا ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو یعنی اُن کی تاکید کو سمجھ کر ان کے مقتضیٰ پر عمل کرو۔

۱۵۳ وَاَنَّ یہاں لام مقدر ہے اور یہ پچھلے امر کی علت ہے یعنی اس لئے کہ ھٰذَا یہ اس سورۃ کے مضمون یعنی اثبات توحید و نبوت اور بیان شریعت کی طرف اشارہ ہے صِرَاطِیْ میرا مسلک اور میری شریعت ہے۔ شریعت کو طریقہ الٰہی اس لئے کہا گیا کہ اس کی وجہ جنت کے ثواب کو حاصل کیا جاتا ہے اور یاء متکلم سے حضور علیہ السلام مُراد ہیں اور وہ اس لئے کہ آپ اس راستہ پر چلتے ہیں اور اس نسبت سے صراط کو حضور علیہ السلام کی طرف مضاف کیا گیا نہ اس وجہ سے کہ آپ ہی اس کے واضع ہیں اس لئے کہ اس کا واضع اللہ تعالیٰ ہے اس اعتبار سے اسے صراط اللہ کہا جاتا ہے۔ مُسْتَقِیْمًا سیدھی راہ اور نہایت مضبوط یہ حال موکدہ ہے۔ فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ۔ پس اس کی تابعداری کرو اور دوسرے راستوں کی اتباع نہ کرو۔

فائدہ: دوسرے راستوں سے وہ راستے مُراد ہیں جو صراط مستقیم کے خلاف ہیں جیسے یہودیت و نصرانیت اور دیگر گمراہی ملتیں۔ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ یہ مضارع منصوب ہے اس لئے کہ فاء کے بعد ان مقدر ہے اس لئے کہ نہی کے جواب میں جب فاء مضارع پر ہوتی ہے وہاں ان مقدر ہوتا ہے اور مضارع کی دوسری تاء بھی محذوف ہے۔ دراصل فَتَتَفَرَّقَ تھا۔ اور یہ باء تعدیہ کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہی مختلف راستے تمہیں متفرق کر کے ہٹا دیں گے۔ عَنْ سَبِیْلِہٖ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی اس کے اِس دین سے جسے وہ پسند کرتا ہے اور جس کی اس نے تمہیں وصیت فرمائی ہے اس سے دین اسلام مُراد ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا راستہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔

فائدہ: یہ اُن دس خصلتوں میں سے دسواں حکم ہے ؎

۱۔ خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۲۔ پندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ :۱. بغیر پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے راہ اختیار کیا وہ منزلِ مقصود کو ہرگز نہ پہنچے گا۔

۲. اے سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ گمان نہ کر کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے بغیر راہ مدیٰ پائے گا۔

ذٰلِكُمْ یہ اتباعِ سبیلِ الٰہی اور ترکِ اتباعِ سبیلِ ضلالۃ کا وہ امر ہے وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی وصیت فرمائی ہے تاکہ تم سبیلِ کفر کی اتباع اور گمراہی سے بچ جاؤ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے ایک لکیر کھینچ کر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس راستے کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں (جس کا نقشہ یہ ہے ( ) اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں کہ جس پر ہر ایک پر شیطان بیٹھ کر اپنی طرف بلاتا ہے

فائدہ : شریعتِ پاک کا دوسرا نام صراطِ مستقیم ہے وہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے اس لئے ہم نماز کی ہر ہر رکعت میں بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" جو دنیا میں اس راستہ سے بھٹک گیا وہ آخرت کے سیدھے راہ سے محروم ہو گیا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا، دنیا میں اس راستہ سے بھٹکنے والے بہت ہیں اُن میں سب سے زیادہ عورتیں ہیں۔

فائدہ : دورِ حاضرہ میں شہوات رانی اور اپنی من مانی پر عمل کرنے میں مرد عورتوں سے کم نہیں۔ دین غریب ہو کر شروع ہوا اور غریب ہو کر لوٹے گا۔ بہت تھوڑے لوگ اس سے مانوس ہوتے اور اس سے پیار کرنیوالے ہوں گے۔

فائدہ : تفسیر مظہری میں ہے محققین فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم بدایت و نہایت حد کے سوا متعین نہیں ہو سکتا اور عارف کو معلوم ہے کہ سب کی ابتدا کس سے ہے اور سب کی انتہا ایک ہے اور حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہ نے اعجاز البیان میں فرمایا کہ اطلاقِ حق لا ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر محیط ہے اس سے احاطہ وجودی مراد ہے یا علمی یہ اختلافِ اقوال اس کا منتہائے سیر صراط ہے اور سیر کی غائت سالک ہے۔ چنانچہ فرمایا "وہ اللہ کہ زمین و آسمان وما فیہما جس کے قبضہ میں ہے اس کا راستہ وہ ہے جو صرف اسی کی طرف راجع ہے۔ ؎

۱: ہر جا قدمے زدیم در کوئے تو بود
ہر گوشہ کہ رفتیم سوئے تو بود

۲: گفتیم مگر سوئے دگر راہے ہست
ہر راہ کہ دیدیم ہمہ سوئے تو بود

ترجمہ :۱. جہاں بھی ہم نے قدم رکھا وہی تیری گلی ہی تھی جس کونے میں ہم پہنچے ان کا رُخ تیری طرف ہی تھا۔

۲. ہم نے سمجھا کہ کوئی اور راہ ہوگا لیکن جو راہ دیکھا وہ تمہاری طرف ہی تھا۔

(باقی صفحہ ۷۳۰ پر)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ

اور یہ برکت والی کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور

اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَیْنِ مِنْ

پرہیزگاری کرو کہ تم پر رحم ہو کبھی کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی

قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا

اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی کچھ خبر نہ تھی یا کہو کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان

الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ

سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہوتے تو تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ

آئی تو اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے منہ پھیرے عنقریب وہ جو ہماری آیتوں سے

یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ

منہ پھیرتے ہیں ہم انہیں بڑے عذاب کی سزا دیں گے بدلا ان کے منہ پھیرنے کا کاہے کے انتظار میں ہیں

اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ

مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا تمہارے رب کا عذاب یا تمہارے رب کی ایک نشانی آئے جس دن تمہارے رب

بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ

کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لائی تھی یا اپنے

فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ

ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی تم فرماؤ رستہ دیکھو ہم بھی دیکھتے ہیں وہ جنہوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں

وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا

اور کئی گروہ ہوگئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالہ ہے پھر وہ انہیں بتادے گا جو کچھ

یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ

وہ کرتے تھے جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ

فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ

نہ ملے گا مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا تم فرماؤ بے شک مجھے میرے رب نے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬

سیدھی راہ دکھائی

مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ

ملت ابراہیم کی جو ہر باطل سے جدا تھے اور

الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ

مشرک نہ تھے تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے

الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ

جو رب سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں تم فرماؤ

اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ

کیا اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی کچھ کمائے وہ

نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی پھر تمہیں اپنے رب

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ

کی طرف پھرنا ہے وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے اور وہی ہے جس

جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ

نے زمین میں تمہیں نائب کیا اور تم میں ایک کو دوسرے پر درجوں بلندی دی کہ

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۗ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ

تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی بے شک تمہارے رب کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی اور

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بے شک وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے

۱۵۴ وَهٰذَا اور یہ قرآن كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا۔
فائدہ : منکرین کا گمان غلط ہے جب کہ کہتے ہیں کہ اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔
مُبٰرَكٌ بابرکت ہے یعنی دینی و دنیوی منافع سے پُر ہے۔

بقیہ ص ۷۲۷

۱۵۵ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اس کی اصل عبارت یوں ہے فعلنا تلك التوصية باتباع صراط الله ثم اٰتينا الخ یعنی ہم نے تمہیں حکم فرمایا کہ صراط اللہ کی اتباع کرو۔ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی یہاں کتاب سے تورات مراد ہے اور لفظ ثم اخبار میں تراخی کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ بلغني ما صنعت اليوم ثم ما صنعت امس اعجب (تمامًا) بحذف الزوائد تم کا مصدر ہے یعنی تمہارے اوپر کرامت و نعمت کو مکمل کیے عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ۔ اوپر اس کے جس نے نعمت کے حقوق پورے ادا کئے۔
فائدہ : اس سے انبیاء علیہ السلام اور خواص مومنین مراد ہیں۔ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور دین کے امور میں جن باتوں کی ضرورت پڑتی ہے اسمیں اس کا تفصیلی بیان ہے۔
سوال : شریعت میں اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کہ جب قرآن مجید میں ہر شے کی تفصیل ہے تو پھر اجتہاد کی کیا ضرورت ہے۔
جواب : قرآن مجید میں مسائل شرع کے اصول کی تفصیل ہے اور اجتہاد فروع میں ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اصول کی تفصیل کا ذکر سورۃ یوسف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى اور وہ گمراہی سے بچا کر ہدایت دینے والا ہے" ورحمۃ" مومن اور نیک عمل کرنے والے کو عذاب سے نجات دلا کر رحمت عطا فرماتا ہے لَعَلَّهُمْ اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔
فائدہ : یہ ضمیر بنی اسرائیل کی طرف اس لئے لوٹائی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر خیر پہلے آ گیا ہے اس قرینہ سے یہاں پہ بنی اسرائیل مراد لینا زیادہ موزوں ہے۔ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ۔ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں یہ مار یومنون کے متعلق ہے تاکہ مر اٹھنے پر ایمان لا کر ثواب و عقاب کی تصدیق کریں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس کی برکتیں آپ پر اس لئے ہیں کہ آپ کے قلب اطہر پر اس کا ورود ہوا پھر آپ کی عادات سراپا قرآن ہو گئیں اور آپ کی امت پر برکت اس لئے ہے کہ قرآن ایک ایسی رسی ہے جو بندے کو اپنے مولا سے ملاتی ہے جو اسے مضبوط پکڑ لیتا ہے وہ اپنے مولائے کریم سے ضرور مشرف ہوتا ہے۔ فَاتَّبِعُوْهُ پس اس کی اتباع کرو۔ یعنی اس کے تمام احکام پر عمل کرو وَاتَّقُوْا اور قرآن مجید کی مخالفت سے بچو۔ لَعَلَّكُمْ اس کی اتباع اور اس پر عمل کی وجہ سے امید ہے کہ تم پر رحم ہوگا۔

۱۵۶ اَنْ تَقُوْلُوْٓا الخ یہاں پر بصریوں کے نزدیک مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے اَنْزَلْنٰهُ کراہۃ اَنْ تَقُوْلُوْٓا الخ ہم نے اسے نازل کیا تاکہ قیامت میں تم اے اہل مکہ عذر کر کے کہو کہ ہمارے ہاں تو کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی تھیں۔ اِنَّمَآ اُنْزِلَ بے شک کتاب تورات و انجیل نازل کی گئیں۔ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ پر دو گروہوں کے مِنْ قَبْلِنَا۔ جو ہم سے پہلے تھے یعنی یہود و نصاریٰ۔

سوال: ان دو کتابوں کی تخصیص کیوں۔ حالانکہ زبور اور دوسرے صحف بھی نازل ہوئے۔

جواب: چونکہ سماوی کتب میں اہل مکہ انہی کو زیادہ جانتے تھے اور شہرت بھی زیادہ انہی کی تھی۔ اور مکہ والے صرف یہود و نصاریٰ سے متعارف تھے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی گئی۔ وَاِنْ یہ مخففہ من المثقلہ ہے دراصل اِنَّا تھا۔ یعنی بے شک شان یہ ہے کہ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ۔ ہم ان کی قرأت سے

سوال: دراستہما کیوں نہ فرمایا؟

جواب: اس لئے کہ ان دونوں یعنی اہل تورات و انجیل میں ہر ایک علیحدہ اور مستقل گروہ تھا۔

لَغٰفِلِيْنَ۔ ہم غافل تھے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اس لئے کہ وہ کتابیں ہماری لغت میں نہیں تھیں۔ ہم انہیں پڑھ نہیں سکتے تھے اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ۔ یا کہو کہ ان کی طرح اگر ہمارے اوپر بھی کوئی کتاب نازل کی جاتی لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ البتہ ہم اُن سے زیادہ ہدایت والے ہوتے میں یعنی حق جو کہ وہی انسان کا مقصود اعظم ہے کی طرف ہم زیادہ پہنچنے والے ہوتے یا بڑے بڑے احکام اور شرائع اور دقائق کو ہم اُن سے زیادہ سمجھتے اس لئے کہ ہم اُن سے ذہنی طور تیز اور ہمارے فہم ان سے زیادہ عمیق تر ہیں اور علاوہ ازیں علمی فنون سے ہم زیادہ واقفیت رکھتے ہیں ہم قصص و اشعار و خطابتوں کے زیادہ ماہر ہیں۔ اگرچہ ہم ان پڑھ ہیں۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے جو کہ وہی معلل بہ ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی لَا تَعْتَذِرُوْا بِذٰلِكَ الْقَوْلِ یعنی یہی باتیں بنا کر عذر مت کرو۔ اس لئے کہ بے شک تمہارے پاس آچکے ہیں۔ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ دلائل تمہارے رب کی طرف سے یہاں پر حجۃ واضح مراد ہے۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ اور ہدایت و رحمت ہے۔ قرآن کو بینۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہیں معلوم

ہو جائے کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے پر انہیں پوری قوت و طاقت حاصل ہے اس لئے کہ قرآن مجید اُن کی لغت پر نازل ہوا۔ جب پڑھ سمجھ لیں گے لامحالہ وہ ان کے لئے ہدایت و رحمت کا سبب ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے آیات یعنی قرآن کو جھٹلاتا ہے وَصَدَفَ عَنْهَا اور ان آیات سے لوگوں کو پھیرتا ہے وہ خود گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ قاموس میں ہے صدف عنہ یصدف یہ فلانا صرفہ سے معروف تر ہے۔ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ بہت جلدی ہم انہیں جزا دیں گے اس لئے کہ يَصْدِفُوْنَ وہ لوگوں کو روکتے تھے عَنْ اٰيٰتِنَا ہماری آیات سے۔ یہ اُن کے لئے وعید ہے اور ان کے گمراہ کرنے کی جزا بتا کر ان کی اپنی گمراہی کی بھی ساتھ ظاہر کی گئی ہے سُوْٓءَ الْعَذَابِ برے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ۔ بسبب اس کے کہ وہ حق سے روکتے تھے۔

فائدہ: انہیں ہمیشہ نت نئے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لئے کہ وہ کفر پر مداومت رکھتے اور نت نئے طریقے سے کفر کے مرتکب ہوتے تھے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ بقدر امکان قرآن پر عمل کرے اور اس کے غیر سے دور رہے اس لئے کہ ثواب کے درجات و مراتب اللہ تعالیٰ سے ہر اُس شخص کو نصیب ہوں گے جو قرآن پاک کا عامل ہے اور قرآن جو کہ روحانی غذا ہے اس سے اعراض کرنے سے رُوحانی نقصان ہے۔ جیسے جسم کی ضروریات سے روگردانی کرنے سے جسمانی نقصان ہوتا ہے۔ یہی ظاہری تفسیر ہے جسے ظاہری علوم کے علماء نے فرمائی ہے۔

قراتِ سبعہ اہل تحقیق کے اقوال باطن قرآن کی تفسیر ہے اور ہر ایک کو اپنے مسلک و مشرب کا علم ہوتا ہے

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن مجید سات قراتوں یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے اور وہ عرب میں فصیح ترین سمجھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ قریش و ہذیل و ھوازن و یمن اور طے اور ثقیف وغیرہ صرف امت کی سہولت کے لئے سات قراتوں پر نازل کیا گیا تاکہ ہر قبیلہ اپنی لغت کے مطابق قرآن مجید پڑھ سکے بشرطیکہ اس طرح اُس نے حضور علیہ السلام سے سُنا بھی ہو۔ اس لئے کہ اگر انہیں صرف ایک لغت پر قرآن پڑھنے کا مکلف بنایا جاتا تو انہیں شاق ہوتا اس لئے کہ مانوس و مالوف الفاظ کے بجائے دوسرے الفاظ کا استعمال گراں گزرتا ہے یا سبعہ احرف سے سات قرأتیں مراد ہیں جن کا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے استفاضہ کیا گیا انہیں آپ کی اُمت نے جمع کیا۔ پھر ہر قرأت ان کی طرف منسوب ہونے لگی جسے صحابہ کرام کی اکثریت نے اپنایا اور پھر قاریوں میں جس قاری نے جس قرأت کو اختیار کیا تو وہ قرأت اس کی طرف منسوب ہوئی وہ قراء یہ ہیں۔

۱۔ نافع ۲۔ ابن کثیر ۳۔ ابو عمرو ۴۔ ابن عامر ۵۔ عاصم ۶۔ حمزہ ۷۔ کسائی۔

مسئلہ: سات قراتوں کا منکر کافر ان کے سوا باقی قراتوں کا منکر آثم و مبتدع ہے۔

تفسیر صوفیانہ جب قرآن عظیم عالم حقیقت سے نازل ہوتا تو اسے تمام الواح محفوظہ پہ لکھ لیا جاتا۔ پھر اس تعلق کی تختی پر بھی اسے لکھا گیا یہاں تک کہ انسانی وجود کی لوح میں بھی اسے لکھ لیا گیا اور ہر ایک میں اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت رکھی گئی۔ لیکن اس نے اصلی مقصد اس پر عمل اور اس کے مطابق زندگی ڈھالنا تھا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ اسے صرف ظاہری الفاظ کو اچھا کر کے پڑھنا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

۱۔ نقد عمرش ز شکست دہن معوج
خرج شد در رعایت معوج

۲۔ صرف کرد ش همه حیات سرہ
در قرآت سبعہ و عشرہ

ترجمہ ۱۔ تیرے لکنت سے اس کا نقد عمر ٹیڑھا ہو گیا اس ٹیڑھے پن کی رعایت میں اس کی عمر خرچ ہو گئی۔
۲۔ تمام عمر اس نے خرچ کر دی قرأۃ سبعہ و عشرات میں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ
قرآن ز بر بخوانی در چار دہ روایت

ترجمہ۔ حافظ کی طرح فریاد گر کو تیرا عشق پہنچے گا قرآن ظاہری طور اگرچہ چودہ روایت سے پڑھ لو تو کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کا دل پر اثر نہ ہو۔

حافظ قرآن کے فضائل۔ حدیث شریف ۱ میں ہے کہ اگر قرآن مجید ایک چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں لگے گی۔ اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی بیضاوی نے کہا کہ اگر قرآن مجید لکھ کر کسی چمڑے میں رکھا جائے اور پھر اسے آگ میں ڈالا جائے تو قرآن مجید کی برکت سے اُسے آگ نہیں لگے گی۔

فائدہ: اس سے اس کا شان خود معلوم کر لیجیے جو قرآن مجید کا حافظ ہو بشرطیکہ وہ اسکی تلاوت پر مداومت کرتا ہو۔

حدیث شریف ۲ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو قرآن مجید رات کے نوافل میں کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے بدلے میں سو نیکی نصیب ہو گی جو اسے بلا وضو پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔

حکایت ایک شخص قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتا تھا۔ اُسے جب نزع طاری ہوئی تو کسی نے اُسے کہا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ سورۃ طٰہٰ کو مع تسمیہ شروع کر کے الا ھُوَ الا

سَمَّاءُ الحُسنیٰ تک پڑھ جاتا۔ اسے بار بار کہا گیا تو وہ بار بار اسی طرح کرتا رہا یہانتک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

سبق : اس سے ثابت ہوا کہ موت سے پہلے انسان کو جس کام کی عادت ہوتی ہے اسی پر روح پرواز کرتی ہے۔

حکایت : ایک شخص گھاس فروش تھا جب نزع طاری ہوئی تو اسے کہا گیا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ اس کے جواب میں کہتا کہ یہ گٹھڑی۔ اتنا پیسوں میں ہی کہتے ہوئے اس کی موت واقع ہوئی ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارا خاتمہ اسلام پر ہو۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ : هَلْ يَنظُرُونَ یہ هَلْ استفہامیہ بمعنی نفی ہے اور يَنظُرُونَ بمعنی ينتظرون اس لئے کہ نظر بمعنی انتظار عام مستعمل ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ باوجودیکہ میں نے اہل مکہ پر حجت قائم کی اور ان پر کتاب نازل فرمائی لیکن وہ بجائے ایمان لانے کے اب اس انتظار میں ہیں۔ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کہ ان پر ملائکہ نازل ہوں یعنی ان کی ارواح قبض کرنے کے لئے ملک الموت اور ان کے خدام تشریف لائیں۔ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ یا تمہارا رب یعنی اس کے عذاب و انتقام کا حکم صادر ہو۔

: بغوی نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا کیف میدان قیامت میں جلوہ گری فرما کر ہمارا فیصلہ فرمائے یا اللہ تعالیٰ کے تشریف لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا زور لگا کر ہمارے ہاں جملہ آیات بھیج دے یعنی قیامت قائم کر کے ہماری تباہی کے جملہ اسباب استعمال کرے۔

اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ سے معلوم ہوتا ہے یعنی یا تمہارے رب کے بعض آیات آئیں۔ اس سے علامات قیامت مراد ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) دھواں (۲) دابۃ الارض (۳) مشرق و مغرب میں خسف یعنی زمین میں دھنس جانا (۴) جزیرۂ عرب میں خسف کا ہونا (۵) دجال کا آنا (۶) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا (۷) یاجوج و ماجوج (۸) عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (۹) علاقہ عدن سے آگ کا نکلنا وغیرہ وغیرہ۔

سوال : انہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں یا اللہ تعالیٰ کے آنے یا آیاتِ قاہرہ کے ہونے کا انتظار ہی کیا تھا وہ تو ایسے امور کے منکر تھے پھر انہیں ان کا منتظر کیوں کہا گیا۔

جواب : ان کی روش ہی ایسی تھی کہ گویا وہ ان کے منتظر ہیں۔ منتظرین سے مشابہ ہونے کی وجہ سے انہیں منتظرین کہا گیا۔

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ یہ ظرف ہے لَا يَنفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا کے لئے۔ یعنی جس دن تمہارے رب کی ایک نشانی آئے گی تو کسی کو ایمان لانا کام نہ دے گا۔ جیسے نزع روح کے وقت ایمان لانا بے سود ہے ایسے ہی اس وقت اس لئے کہ قیامت کے علامات دیکھ لینا روح کی نزع کے مشابہ ہیں جیسے وہ ایمان غیر قابل قبول ہے ایسے ہی یہ کیونکہ دیکھ کر ایمان لانے سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اس لئے کہ ایمان بالغیب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و منظور ہے۔

لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ جو جان پہلے ایمان نہ لائی تھی یہ صفت نفسًا کی اور من قبل سے بعض ایات

بعض الآیات مراد ہے۔ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِہَا خَیْرًا۔ یا اپنے ایمان سے کوئی نیکی نہ کمائی تھی۔

سوال: اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان عمل صالح کے بغیر بھی غیر قابلِ قبول ہے حالانکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ عمل صالح نہ ہو تب بھی ایمان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی گویا آیت سے اہلسنت کے مذہب کی تردید ہوگئی

جواب: حضرت الشیخ الشہیر بالبداقی الاسکداری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

۱۔ او کسبت کا عطف آمنت مقدر پر ہے نہ کہ آمنت مذکور پر۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ایمان غیر قابل قبول ہے جب کہ اس سے قبل نہ ایمان لایا یا ایمان بھی نہ لایا اور نیک عمل بھی نہ کئے۔

۲۔ اس کا عطف اسی آمنت مذکور پر ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ لَفّ میں بھی ایک مقدر ہے اور تشریح یہاں اس کی اصل عبارت یوں مانی جائے۔ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُہَا وَلَا کَسْبُہَا خَیْرًا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِہَا خَیْرًا یعنی اب ایمان نفع نہ دے گا نہ نیکی جب کہ اس سے قبل نہ ایمان لایا نہ کوئی نیکی کی۔ قُلِ انْتَظِرُوْٓا۔ فرمایئے تم جن باتوں کا انتظار کرنا چاہتے ہو جب کہ کہتے کہ ان امور ثلٰثہ میں سے کوئی ایک آجائے تو دیکھیں کیا ہوتا ہے، تو کرلو انتظار۔ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ہم بھی ان کا انتظار کرتے ہیں کیوں کہ ان کے آنے سے تو ہمیں کامیابی ہے اور تم پر چونکہ عذاب نازل ہوگا اس لئے تمہارے لئے وبال ہوگا۔

فائدہ: بغوی نے فرمایا کہ مذکورہ آیت میں بعض آیات سے طلوع الشمس من المغرب مراد ہے۔ یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے۔

حدیث شریف (سورج کا مغرب سے طلوع کرنا اور اس کی تفصیل)

حداوی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روزانہ جب سورج ڈوبتا ہے تو ساتویں آسمان کی طرف ایک سیکنڈ میں ملائکہ کرام کی طرح اڑتا ہے اور زیر عرش جاکر ٹھہر جاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مغرب سے طلوع کروں یا مشرق سے۔ اسی طرح چاند کا طریقہ ہے وہ دونوں روزانہ ایسے ہی طلوع غروب کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ وہ وقت لائے گا جو بندوں کی توبہ کے دروازے کی بندش کا ہے۔ اس وقت زمین پر گناہوں کی کثرت ہوگی اور نیکی کا نام تک نہیں رہے گا اور نہ ہی کوئی امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرے گا۔ اور برائی عام پھیل جائے گی۔ کوئی کسی کو برائی سے روکنے والا نہ ہوگا جب یہ بات عام ہو جائے گی تو پھر سورج عرش کے نیچے ایک رات کی مقدار ٹھہرا رہے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرکے عرض کریگا۔ اب مجھے طلوع کے متعلق کیا حکم ہے کہاں سے طلوع کروں۔ اسے کوئی جواب نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ چاند بھی حاضر ہو جائے گا۔ دونوں بارگاہِ حق میں اکٹھے سجدہ ریز ہو کر عرض کریں گے کہ سورج کہاں سے طلوع کرے پھر بھی کوئی جواب نہ ملے گا۔ اس طرح سے انہیں تین راتیں گذر جائیں گی۔ اس مقدار کو زمین پر صرف تہجد گزار لوگ سمجھیں گے اس وقت تہجد گزار تمام روئے زمین پہ صرف چند

ایک گنتی کے ہوں گے اس لیئے کہ اس وقت لوگوں کو نماز سے سستی بہت زیادہ ہوگی۔ حسب دستور رات کو لوگ سو جائیں گے اور تہجد گزار لوگ اپنے وقت پر اٹھ کر تہجد پڑھیں گے اُن کے اوراد و وظائف کی مصروفیت کے بعد کافی وقت گزر جائے گا۔ تب بھی صبح نہیں ہوگی۔ باہر نکل کر آسمان کو دیکھیں گے تو بدستور رات نظر آئے گی اور ستارے گھوم رہے ہونگے اس سے وہ اپنی کوتاہی سمجھ کر دل میں کہیں گے کہ ہم نے نماز میں جلدی کی ہے یا تھوڑی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یا وقت سے پہلے اٹھ بیٹھے ہیں۔ پھر لوٹ کر دوبارہ مصلّیٰ پر کھڑے ہو نماز پڑھیں گے۔ اسی طرح اُن دوسری رات کا پروگرام بھی ایسے ہی گزرے گا۔ لیکن اس رات بھی صبح کا نشان کہیں نہیں اس لئے خوف بڑھے گا۔ اس رات ہر علاقے کے تہجد گزار اپنی اپنی مساجد میں جاکر روئیں گے اور آہ وزاری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو سورج اور چاند کے ذریعے پیغام بھیج کر فرمائے گا کہ تم مغرب کی طرف سے طلوع کرو۔ لیکن اب تم سے روشنی چھین لی گئی ہے وہ سُن کر روئیں گے جسے ساتوں آسمان بلکہ عرش کے نیچے والے سب سُنیں گے بلکہ وہ سب خوف کے مارے رو پڑیں گے اور سمجھیں گے کہ اب قیامت آگئی۔ اس وقت جب کہ تہجد گزار رو رہے ہوں گے اور غافل لوگ اپنی غفلت کے نشے میں ہوں گے تو سورج اور چاند مغرب سے طلوع کریں گے جن کا رنگ کالا سیاہ ہوگا نہ سورج میں روشنی ہوگی نہ چاند میں چمک جس طرح ان کی خسوف و کسوف کے وقت کیفیت ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وجمع الشمس والقمر مغرب سے اوپر کو اٹھیں گے جیسے دو اونٹ اٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے اس کیفیت کو دیکھ کر زمین والے دہشت کے مارے روئیں گے۔ نیک لوگوں کا رونا فائدہ دیگا کہ [illegible] نا اُن کے اعمالنامہ میں عبادت لکھی جائے گی لیکن منافق کو اس وقت کا رونا کوئی فائدہ نہیں دیگا بلکہ وہ رونا [illegible] حسرت اور ندامت ہوگی۔ جب سورج اور چاند مردونوں آسمان کے درمیان میں پہنچیں گے تو جبریل علیہ السلام دونوں کو پکڑ کر واپس مغرب کی طرف لے جائیں گے اور وہ ہر دونوں باب التوبہ میں گم ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایئے کہ باب التوبہ کیا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے عمر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ پیدا فرمایا جس کی دونوں چوکھٹیں سونے کی ہیں ہر دونوں چوکھٹوں کے درمیان چالیس سال کی راہ ہے جو ایک سوار سواری پر سفر کرے جب سے اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا [illegible] وقت سے وہ کھلا ہے۔ اسوقت بند ہوگا جب سورج مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا۔ جب وہ دونوں سورج اور چاند غروب کریں گے۔ اس کے بعد اس کے دونوں دروازے آپس میں مل جائیں گے اور ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا وہ تھے ہی نہیں۔ جب توبہ کا دروازہ بند ہوگا تو اس کے بعد بھی نیکیاں فائدہ دیں گی۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا

ترجمہ: اس دن کہ تیرے رب کی بعض آیات آئیں گی تو جو ان سے پہلے ایمان نہیں لایا اب لائے ایمان نفع نہ دیگا نہ ہی اس ایمان لانے کے بعد کوئی نیکی فائدہ دیگی۔ سوال: اس وقت ایمان کیوں قابل قبول نہیں ہوگا۔

جواب: اس وقت کا ایمان اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہوگا۔ یعنی ہلاکت کے خوف سے ایمان لائیں گے اور خوفِ ہلاکت کا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا۔
ترجمہ: تو انہیں ایمان لانا نفع نہ دیگا جو ہمارا عذاب دیکھ لیں گے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ چہ سود از دزد آنگہ توبہ کردن
کہ نتواں کند اندا خت بر کاخ

۲۔ بلند از میوہ گو کوتاہ کن دست
کہ ایں کوتہ ندارد دست بر شاخ

ترجمہ: ۱۔ اس چور کو توبہ کرنے کا کیا فائدہ محل (مکان) پر کمند ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا۔
۲۔ بلند قد والے کو کہو کہ درخت کے میوے سے ہاتھ ہٹا لے ورنہ چھوٹے قد والا تو خود بھی ہاتھ درخت تک نہیں لے جا سکتا۔

مسئلہ: توبہ و ایمان کی عدم قبولیت مخصوص ہے صرف ان لوگوں سے جو طلوعِ شمس کا مشاہدہ کریں گے۔ یہی صحیح تر اور اقویٰ ہے اس لئے کہ جو شخص طلوعِ شمس کے بعد پیدا ہوا یا اس وقت موجود تو تھا لیکن اُسے کفر و ایمان کی تمیز نہیں تھی اگر یہ طلوعِ شمس کے بعد بھی ایمان لائیں تو قابلِ قبول ہے۔ اسی کو شرح المصابیح میں صحیح تر کہا۔

حدیث شریف: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب قیامت کی علامات میں سے پہلی علامت ظاہر ہو گی تو اس پر قضاء قدر کی قلمیں پھینک دی جائیں گی اور کراماً کاتبین فارغ ہو جائیں گے اور اجسام اپنے اعمال کی خود گواہی دیں گے۔

امام مہدی کا ظہور: حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام مہدی دجال سے سات سال پہلے ظاہر ہوں گے اور دجال طلوعِ شمس سے دس سال پہلے آئے گا۔ امام مہدی علیٰ نبینا و علیہ السلام کا ظہور بارہویں یا چودہویں صدی کے بعد ہوگا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

فائدہ: حضرت ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا بیسویں صدی ہجری سے پہلے ظہور ہوگا۔ (کذا قال شاہ احمد رضا فی ملفوظاتہ)

تفسیر صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس اور قلب کو ایمان کے بیج اور اس کے انبات و تربیت کی بہترین زمین بنائی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ انسان کے دل میں ایمان کو ایسے اُگاتا ہے جیسے سبزی کو پانی اُگاتا ہے۔ ایمان بیج کلمہ شہادت کا بیج ہے جب کہ اسے قلب کی تصدیق اور زبان کے اقرار سے ادا کرے یہ عالم دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ

دنیا آخرت کی کھیتی ہے) جس نے عالم دنیا میں کھیتی نہ بوئی اسے آخرت میں کوئی شے کام نہیں دے گی یا جس نے دنیا میں وہ اعمال صالحہ نہ کئے جو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو ادا کرنے والے ہیں اور یہی وہ درخت ہے جس سے ثمرے نصیب ہوتے ہیں اور یہ ثمرات ہر وقت آخرت میں بہشت میں دو ہرے ہونے دیں گے۔ معرفت و محبت و کشف و مشاہدہ وصول و وصال اور نیل الکمال سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے تحقیق توحید کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۱۰۵ اِنَّ الَّذِیْنَ بے شک وہ یعنی یہود و نصاریٰ نے فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا یعنی علیحدہ علیحدہ اجزاء بنا دیئے۔ جس کے ہر جزو کو ہر فرقہ نے اپنا علیحدہ دین بنالیا وَکَانُوْا شِیَعًا شیعۃ کی جمع ہے مثلاً کہا جاتا ہے شایعہ علی الامر یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس امر میں وہ اس کی تابعداری کرے یعنی اُن میں ہر فرقہ نے اپنا علیحدہ امام بنا لیا تھا۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود کے اکہتر فرقے ہو گئے جو سب کے سب جہنم میں اور اُن میں سے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے وہ سب جہنم میں۔ اُن میں سے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور میری امت تہتر فرقے ہو گی وہ بھی سب جہنم میں صرف ایک فرقہ بہشت میں جائے گا۔

فائدہ: یہود و نصاریٰ میں ایک فرقے کا استثناء کا جواز اس وقت تک سمجھا جائے گا جب تک اُن کی شریعت منسوخ نہ ہوئی اور جب منسوخ ہوئی تو بھی اپنے مذہب پر رہے اور نسخ کا کوئی اعتبار نہ کیا تو وہ بھی جہنم میں جائیں گے لَسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ آپ ان کی کسی شے میں نہ ہوں۔ آپ ان کے متفرق ہونے پر کسی بحث میں نہ پڑیں اور نہ ہی اپنے ہمعصر اہل کتاب سے اُن کے متعلق جھگڑا اور مواخذہ کریں۔

اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ۔ بے شک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ نفی مذکور کی تعلیل ہے یعنی صرف وہی ایک اُن کے اُمور کا متولی و متصرف ہے اُن کے پہلے اور پچھلے سب اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔ اپنی حکمت کے تقاضا پر اُن کے اُمور کی تدبیر جس طرح چاہتا ہے ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ پھر انہیں خبر دے گا یعنی قیامت میں بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ اُن کے اعمال کی جس کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اظہار کو تنبیہہ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کو آپس میں گہری مناسبت ہے اس لئے کہ یہ ہر دونوں علم کے سبب ہیں۔ نیز اس سے انہیں تنبیہہ ہو گی کہ وہ اپنے جملہ اُمور کے انجام سے بے خبر تھے اس سے انہیں معلوم کرانا مقصود ہے کہ ان امور کے ارتکاب سے تمہارا انجام برباد ہو گا اور اللہ تعالیٰ انہیں برسر میدان ظاہر کرکے دکھلائے اور بتلائے گا کہ جن امور کا تم ارتکاب کرتے تھے وہ سب بہت بُرے تھے لہٰذا اتنی ہی سخت اور بُری سزا ملے گی۔

فائدہ: جتنے امور کا عالم دنیا میں ارتکاب کیا جاتا ہے اُن کی آخرت میں نہایت قبیح صورت نظر آئے گی اگرچہ اب

دنیا میں بھی ان کی گندی اور نہایت قبیح صورت ہوتی ہے لیکن بوجہ امتحان و آزمائش کے وہی صورت انسان کو اچھی اور بہتر محسوس ہوتی ہے اس کی مثال ایسا ہے کہ شہد میں زہر ملائی جائے تو پینے والا شہد کی لالچ میں اسے پی کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے (ہم اللہ تعالیٰ سے بُرے اعمال کے ارتکاب سے پناہ مانگتے ہیں)

فائدہ: بہشت کو تکالیف کا اور دوزخ کو شہوات کا احاطہ دیا گیا۔ یعنی بہشت کے گرد مکروہ اشیاء کا احاطہ ہے اور دوزخ کے گرد ان اشیاء کا احاطہ ہے جو نفس کو محبوب و مرغوب ہیں۔

فائدہ صوفیانہ روح اپنے مولیٰ اور دین کی طرف توجہ رکھتی ہے اور چاہتی ہے کہ دین کی وہ باتیں نصیب ہوں۔ جنہیں اس کا کمال مضمر ہے لیکن یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب انسان ظاہری باطنی طور اعمال صالحہ سے آراستہ و پیراستہ ہو۔ لیکن انسان قلبی طور ان سے دوری حاصل کرتا ہے اور باطنی طور یا وسمۃ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ گمراہ فرقوں میں شمار ہوتا ہے یعنی ان لوگوں میں ہوجاتا ہے جو حقیقت کے مدعی ہوتے ہیں لیکن ان کا معاملہ حقیقت کے برعکس ہوتا ہے۔

فائدہ: حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی نے حضرت ہدائی قدس سرہما کو مخاطب کرکے فرمایا کہ شکر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ملحدوں کی صحبت سے بچایا۔ اس لئے کہ الحاد جذام کی طرح لاعلاج بیماری ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کا دوزخ میں خروج ناممکن ہے اس لئے کہ وہ کفار کے غازی تو ہیں لیکن کردار سے عاری ہیں

بعض گمراہ پیر فقیروں کا رد ان ملحدوں میں ایک قلندریہ فرقہ بھی ہے۔ ان کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے سر کے بال اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں ؎

۱۔ قلندری نہ بریشست و موی و یا ابرو
حساب راہ قلندر بدانکہ موی بوست

۲۔ گذشتن از سر مو در قلندری سہلست
چو حافظ آنکہ سر بگذرد قلندر اوست

ترجمہ: ۱۔ قلندری داڑھی اور مونچھ اور ابرو صاف کرنے کا نام نہیں قلندر کا حساب ذرہ ذرہ معلوم کر
۲۔ سر کے بال چھوڑنا تو آسان ہے ہاں حافظ کی طرح سر سے خالی ہو جائے تو وہ قلندر ہے۔

بعض گمراہ فقیروں کا دوسرا گروہ ایک مبتدعہ فرقہ جوالقیہ بھی ہے جو داڑھی منڈاتے اور ٹاٹ پیٹتے اور گاڑھے کپڑے پہنتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شہرت کے لباس سے روکا ہے خواہ وہ نرم و نازک ہو یا موٹا کھدر وغیرہ کا۔ اس لئے کہ وہ ایسے لباس سے لوگوں سے نمایاں ہو کر عوام میں مشہور ہوتے ہیں۔

ف اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث شریف[۲]: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں عمومی شکل و صورت سے بچا کرو۔

فائدہ: جب بندہ ریاکاری میں مبتلا ہو تو اسے ٹاٹ پہننا فائدہ دیتا ہے نہ درویشانہ لباس۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱۔ بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

۲۔ گر آوازہ خواہی در اقلیم فاش
بروں حلہ کن کو درون حشو باش

۳۔ در غزا کند مرد باید مرد
بر مخنث سلاح جنگ چہ سود

ترجمہ ۱۔ روو ریا سے گدڑی سینا آسان ہے اگر تو اسے اللہ تعالیٰ کے بیچنا (قبول کرانے) کا ارادہ رکھنا چاہتا ہے

۲۔ اگر تو اپنا دنیا میں آوازہ (شہرہ) ظاہر (مشہور) چاہتا ہے۔ حلہ باہر کر اس لئے کہ اندر صحیح ہو۔

۳۔ جنگ کے میدان میں مرد چاہیے، ہیجڑہ پر جنگ کے ہتھیار کا کیا فائدہ۔

کرامت مجذوب

حضرت الشیخ قطب الدین حیدر مجذوب بہت بڑے صاحب حال تھے اُن کی کرامت مشہور ہے کہ انہوں نے لوہار کی بھڑکتی ہوئی آگ کی بھٹی سے گرم لوہا ہاتھ سے باہر نکال لیا۔ جیسے کوئی چھوٹے سے انگارے کو اٹھائے پھر اس گرم لوہے کو اپنی گردن پر رکھ دیا۔ اور گھنٹہ بھر وہ گرم لوہا اُن کی گردن پر رکھا رہا۔ اور انہیں بال برابر بھی نقصان نہ ہوا۔ انہیں مجذوب کی وجہ سے بعض لوگ اپنے آپ کو حیدریہ سے منسوب کرتے اور گلے میں لوہے کے زنجیر لٹکائے پھرتے ہیں۔

مسئلہ: لوہا پہننا سونے کے پہننے سے زیادہ گناہ ہے

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ بدعت سیئہ اور اہل بدعت (سیئہ) سے پرہیز کریں۔

---

[۱] سابقہ صفحہ سے: یہ فرقہ اپنے کو حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر قدس سرہ سے منسوب کرتا ہے حالانکہ یہ آپ کے قول و فعل سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ لوگ شریعت مطاہرہ کے علانیہ منکر ہوتے ہیں اور ہر وقت بھنگ چرس کے نشے میں مخمور اور حقوق اللہ و حقوق العباد کے سراسر تارک رہتے ہیں اور بعض تو یہ کہہ کر کہ دم مست قلندر دھر رگڑا۔ نہ رہے شرع کا کوئی جھگڑا (معاذ اللہ) شرع محمدی کے منکر ہی ہو جاتے ہیں بو علی قدس سرہ تو پورے درجے کے متشرع اور متقی پرہیزگار تھے اور وہ تو فقر کے تمام اسرار و رموز کے واقف اور پورے پورے سلوک قلندری کے کاربند اور بلند پرواز تھے۔ مگر یہ نقلی قلندر علم و عمل سے کورے سر منڈا لینے کو ہی قلندری سمجھ کر گمراہ شدہ ہیں انہیں کے متعلق فرمایا گیا ہے

ہزار نکتہ باریک بر زمو ایں جاست ... نہ ہر کو سر بتراشد قلندری داند

حکایت : حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ فرمایا مجھے سزا کے طور تیس سال تک کھڑے ہونے کی سزا ملی صرف اس لئے کہ میں نے ایک دن مبتدع (گمراہ بدمذہبی) کو نظر شفقت سے دیکھا اور فرمایا گیا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو ایک دین کے مخالف کو نظر عنایت سے کیوں دیکھا۔

سبق : یہ اس محدث اور بزرگ کی کہانی ہے جس پر محدثین کو ناز ہے پھر ایک معمولی کم فہم انسان پر کیا گزرے گی جو گمراہوں کی مجلسوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔

مسئلہ : بدمذہبی صرف انسانوں سے مخصوص نہیں بلکہ جنات وغیرہ میں بھی بدمذہب ہوتے ہیں۔

حکایت شیعہ کش حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ ہماری کسی مجلس میں ایک جن شریک ہوا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں کونسی غذا مرغوب ہے کہا چاول۔ میں نے چاول کی ایک پلیٹ اس کے آگے رکھ دی۔ دیکھا گیا کہ لقمے اُٹھ رہے ہیں لیکن اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تم میں بدمذہب بھی ہوتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا تمہارے ہاں شیعہ رافضی کیسے ہیں۔ اس نے کہا ہم میں بدترین سمجھے جاتے ہیں۔

علامت رافضی شیعہ رافضی شیعہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ چھوڑا۔ جب کہ ان لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہم آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے برأت کا اظہار کریں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے تعلقات توڑ سکتا ہوں لیکن ان حضرات سے کسی طرح سے دور نہیں ہو سکتا۔ اسی روز سے یہ لوگ اُن سے علیحدہ ہو گئے اور ان کا یہی لقب (رافضی) اسی روز سے پڑا۔ اب بھی اُن میں یہی بری عادت ہے کہ شیخین کی مذمت میں غلو کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام کو لعنت کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔

حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کا دعویٰ خلافت

حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو کوفہ کے بعض لوگ آپ کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوئے لیکن اس شرط پر کہ آپ شیخین سے اظہار برأت کریں۔ آپ نے انکار کیا تو انہوں نے کہا (نرفضک) ہم آپ کو چھوڑتے ہیں۔ اس دن سے شیعوں کا نام رافضی پڑ گیا۔

اور کوفہ کی ایک دوسری جماعت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہولی اور کہا ہم شیخین کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور جو اُن سے بری ہے ہم اس سے بری ہیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیعت ہوئے اس لئے ان کا نام "زیدیہ" ہو گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شیعہ کے بغض کا ایک سبب شیعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس لئے بغض رکھتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ جب غزوہ اُحد میں

شیطان نے پکار کر کہا قَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا اس پر برسوں تک جھگڑا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ نزاع طول پکڑ گئی۔ آپ نے سب کو بلا کر فرمایا کہ اگر اس کے خلاف ثبوت مل جائے یعنی ثابت ہو جائے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس وقت یہی عقیدہ تھا جو میرا تو پھر میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو ان لوگوں کا خیال غلط نکلا باوجودیکہ قتل ہو جانے کے مستحق تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی محبت میں اضافہ ہوا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حق میں بدستور بغض و عداوت میں رہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ فاش کرتا ہے تو اس کا میلان طبیعت اللہ والوں پر طعنہ زنی کا ہو جاتا ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اللہ والوں سے بہت زیادہ محبت رکھے تاکہ قیامت میں ان کی شفاعت سے نوازا جائے۔ اس کے لئے اور کونسی بدبختی ہو گی کہ جو حضرات شفاعت کریں وہ اُلٹا کل قیامت میں اس کے دشمن ہو کر اسے جہنم میں لے جائیں (اے اللہ تعالیٰ ہمیں بچا اور ہمارے قلوب ٹیڑھے نہ ہوں اور ہمیں سیدھے راہ پر چلا اور طریق تحقیق کی توفیق عطا فرما (آمین)

۱۵۹ **مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ** جو مومن قیامت میں صرف ایک نیکی لائے گا۔ ہم نے ایمان کی قید اس لئے لگائی ہے کہ قیامت میں نیکی صرف اہل ایمان لائیں گے۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ کفار کو قیامت میں کوئی نیکی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور نہ ہی انہیں کسی نیکی کا ثواب ملے گا اور نہ ہی ان کے عذاب کی تخفیف ہو گی۔ البتہ کسی کو سخت تر عذاب ہو گا اور کسی کو کم۔

مسئلہ: اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی حالت کی خیرات کا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حَسَنَاتُ الْكُفَّارِ مقبولة بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ۔ کفار اسلام قبول کریں تو کفر کی حالت میں ہوئی نیکیاں بھی قبول ہو جائینگی۔ یعنی اسلام کے بعد ان کا ثواب اب لکھا جائے گا۔

تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جو شخص دنیا میں ایک نیکی کر کے آئے گا فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا تو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک کے عوض دس نیکیاں نصیب ہونگی۔

فائدہ: لفظ امثالہا عشر کی تمیز نہیں بلکہ اس کی تمیز حسنات ہے اور امثال اس حسنات کی صفت ہے اس لئے

کہ عشر پر حرف تاء نہیں داخل کیا گیا۔

فائدہ: بعض نحویوں نے فرمایا کہ یہ عشر مونث ہے اس لئے کہ اس کا قاعدہ ہے کہ جب وہ ایسے اسم جمع کی طرف مضاف ہو جس کا واحد مذکر ہو (چنانچہ امثالہا کی ضمیر مونث بتاتی ہے کہ یہ عشر مونث ہے اس پر صرف تا تانیث داخل نہیں ہوتا۔ اس قاعدہ کی بنا پر جیسے یلتقطہ بعض السیارۃ میں لفظ بعض کو مونث کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ مونث ہے یا دیہ کہ امثالہا کی ضمیر مونث حسنۃ کی طرف راجع ہے۔ "وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ" اور جو ایک برائی لائے گا۔ "فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا" تو اسے صرف ایک برائی کی سزا ملے گی جیسا کہ وعدہ کریمہ ہے کہ "اَلْوَاحِدَةُ بِالْوَاحِدَةِ"

سوال: کفر صرف ایک لمحہ کے لئے سرزد ہوتا ہے لیکن سزا بہت بڑی سخت کہ وہ دائمی طور جہنم میں پڑا رہے گا اس سے "الواحدۃ بالواحدۃ" کا اصول کہاں گیا۔

جواب: کافر اپنے کفر پر عزم بالجزم دائمی طور رکھتا ہے بنا بریں اسے عذاب بھی دائمی ملے گا۔ بخلاف مومن گنہگار کے کہ وہ اپنے گناہ سے ہٹنے کا عزم رکھتا ہے اگرچہ گناہ میں مبتلا ہے لیکن اسے گناہ سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس سے بچ جائے لیکن نفس کی شرارت باز نہیں ہونے دیتی۔ بنا بریں اس پر عذاب منقطع ہوگا۔

مسئلہ: وعدہ کریمہ میں ایک نیکی کے عوض سات سو ستر کی تعداد بھی بتائی گئی ہے اور بغیر حساب کا ارشاد بھی وارد ہے۔ "وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ" اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے کہ ثواب کم ہے اور عذاب زیادہ ہو۔

فائدہ: امام حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نعمتوں میں اضافہ کرنا جائز ہے اور عذاب کی ابتدا ناجائز ہے۔

فائدہ: دوہرا ثواب کرنا اس کی کم از کم مقدار دس گنا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اس سے بڑھ کر ہو تو اس کی کوئی حد نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: نکو کاری از مردم نیک رائے
یکے را بدہ می نویسد خدا

۲: تو نیز اے پسر ہر کرا یک ہنر
بہ بینی زدہ عیبش اندر گزر

ترجمہ ۱: نیک مرد سے ایک نیکی ہو تو اس کی ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھتے ہیں

۲: تو بھی اے عزیز کسی کا ایک ہنر دیکھتا ہے تو اس کے دس عیوب سے درگزر کر۔

نکتہ: لفظ عشر کا ذکر حصر کے لئے نہیں بلکہ کثرت کے لئے ہے جیسے کوئی کسی کو کہتا ہے کہ اگر تو مجھے کچھ دیگا تو میں تجھے اس کے عوض دس گنا دوں گا۔ اس سے بھی کثرت مراد ہے۔

نکتہ: ایک عوض انگنت نیکی اس لئے کہ کل قیامت میں اگر خصمار نیکیاں اپنے حق کے عوض میں لے جائیں تو بندے کیلئے کچھ تو بچ جائے۔ مثلاً اس کے خصم کو ایک نیکی عوض کے طور دی جائے تو نیکیاں اسے اپنے لئے بچ جائیں

مسئلہ: یاد رہے کہ حقداروں کا حق ان زائد نیکیوں سے ادا کیا جائے گا۔ اصل نیکی بندے کے ہاں باقی رکھی جائے گی اس لئے کہ زوائد اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ جو اپنے بندے کو عنایت فرمایا ورنہ اصل نیکی بندے کی طرف ایک ہے اور وہ کسی کو دینے کی نہیں کیوں کہ ایک کا بدلہ ایک دنیا میں اس کا عدل ہے اور اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا

حدیث: میں ہے کہ بدبخت وہ ہے کہ جس کے احاد اعشار پہ غالب ہو جائیں یعنی برائیاں نیکیوں پہ بڑھ جائیں۔

حدیث شریف[۲]: اعمال چھ قسم ہیں، ۱۔ موجبتیاں

۳۔ مثل بمثل

۴۔ حسنۃ بحسنۃ

۵۔ حسنۃ بعشر امثالہا

۶۔ حسنۃ بسبعمأۃ

موجبتیاں یعنی واجب کرنے والا۔ انہیں پہلی یہ ہے کہ جو شخص مومن ہو کر مرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اس کے لئے بہشت واجب ہوگئی (۲) دوسری یہ کہ جو شخص مشرک ہو کر مرے تو جہنم میں جائے گا مثل بمثل کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی کا ارتکاب کرے تو اس کے لئے ایک برائی لکھی جائے گی (۳) حسنہ بحسنہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف نیکی کا ارادہ کرے اگرچہ عمل کرنے کا موقع بھی نہ ملے تب بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی (۴) حسنۃ بعشر امثالہا کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے (۵) ایک کے عوض سات سو کا ثواب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا نصیب ہوتا ہے ؎

کنوں بر کف دست نہ ہر چہ ہست
کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

ترجمہ: آج جو تیرے ہاتھ میں راہ خدا میں دے ورنہ کل (مرنے کے بعد) تو افسوس کے ہاتھ مسلیگا۔

نکتہ: شریعت مطہرہ جس عمل کی ترغیب میں ثواب کا اظہار فرمائے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جن اعمال کے ثواب کا بیان نہیں ہوا وہ اس عمل سے درجہ میں کم ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے ثواب کا بیان تو نہیں ہوتا البتہ تاکید شدید ہوتی ہے اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ بندہ کو ان کا ثواب بتاتے ہوئے اعمال میں رغبت ہو۔ مثلاً حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص ضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں سونے کا محل بنائے گا۔ حالاں کہ سب کا اتفاق ہے کہ نماز ظہر کی

سنتیں موکدہ اور عشا کے نوافل سے افضل ہیں باوجودیکہ اینہمہ ان ظہر کی سنتوں کے متعلق اس قسم کا ثواب بیان نہیں کیا گیا۔ اسی طرح مغرب وعشاء کے مابین چھ رکعت (اوابین) کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو انہیں پڑھتا ہے تو اسے بارہ سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ مغرب کی سنتیں ان سے موکدہ ہیں۔ لیکن ان کے متعلق اتنا بڑا ثواب نہیں ہوا۔

نکتہ: رغبت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ اوقات انسان کے غفلت کے ہیں لہٰذا دلائی گئی تاکہ بندہ غفلت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر جھکائے اور اس طرح کے نظائر بے شمار ہیں جس کا نتیجہ نکلا کہ سنن موکدہ کی افضلیت اپنے مقام پر حق ہے اگرچہ ان کے متعلق ثواب اور فضائل کا اظہار نہیں۔

قاعدہ: اہل علم کا اتفاق ہے کہ فرائض کے درجہ کو واجبات نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی واجبات کے درجہ کو سنن پہنچ سکتی ہیں۔ درجے سے اجر اور فضیلت یا حکم مراد ہے اسی طرح نوافل سنن موکدہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اگرچہ سنن کے متعلق اتنے بڑے فضائل بیان نہیں ہوئے جتنا چند ایک نوافل کے لئے بیان کئے گئے ہیں اس لئے کہ فرائض کے اندر کمی واقع ہونے کے احتمال پر سنن موکدہ کو اس کمی کی تکمیل کے لئے اور سنن میں کمی کی تکمیل کے لئے سنن غیر موکدہ مشروع ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل فرائض کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ فرائض کی قضا ہے ایسے بھی نہیں ہو سکتا کہ نوافل سے قضا ساقط ہو جائے۔

فائدہ: بعض جہال کی عادت ہے کہ نوافل بکثرت پڑھتے ہیں لیکن فرائض قضا کر دیتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ نوافل پڑھنے سے فرائض کے درجات خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب کہ نوافل کا اتنا ثواب ہے تو پھر فرائض کی ان سے کمی پوری ہو جائے گی۔ مثلاً مغرب کے فرائض کسی نے نہ پڑھے ہوں وہ اوابین کے نوافل سے ادا ہو جائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ نوافل فرائض کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ اعمال واذکار کے اجر کی ترتیب وحی والہام ربانی پر موقوف ہے۔ اس میں اپنے خیالات اور تخمینے نہیں چل سکتے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے بندے سے اپنے فضل وکرم سے فرمایا کہ ابھی تو نے نیکی نہیں کی تو تیرے لئے دس نیکیاں پہلے لکھ دی گئیں۔ کما قال مَن جَآءَ بِالحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا۔ یعنی ابھی نیکی عمل طور سادر نہیں ہوئی تو اسے دس حسنات عطا فرما دیں۔ یہاں تک کہ اُسے قدرت نصیب ہو جائے کہ ان دسوں نیکیوں کو حاصل کرنے کے بعد اور نیکی عمل میں لائے۔ وہ دس حسنات یہ ہیں۔

۱: حسنۃ الایجاد بعد العدم

۲: حسنۃ الاستعداد بانیطور کہ اسے احسن تقویم میں پیدا فرمایا تاکہ احسان کے لئے مستعد ہو سکے۔

۳ ،	حسنۃ التربیۃ	۴ ،	حسنۃ الرزق
۵ ،	حسنۃ بعثۃ الرسل	۶ ،	حسنۃ انزال الکتب
۷ ،	حسنۃ تعین الحسنات والسیات	۸ ،	حسنۃ التوفیق
۹ ،	حسنۃ الاخلاص فی الاحسان	۱۰ ،	حسنۃ قبول الحسنات

" مَن جاء بالسیئۃ الا یجزیٰ الا مثلھا اس میں یہ راز ہے کہ برائی ایک بیج ہے جو نفس میں بویا گیا اور نفس خبیث ہے اس لئے کہ وہ برائی کا حکم دیتاہے اور نیکی بھی ایک بیج ہے جو قلب میں بویا جاتا ہے اور قلب پاک ہے اس لئے کہ ذکر اللہ قلوب مطمئن ہوجاتے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَالبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذنِ رَبِّہٖ وَالَّذِی خَبُثَ لَا یَخرُجُ اِلَّا نَکِدًا

نکتہ عجیبہ : قرآن مجید یا حدیث شریف میں جن نیکیوں کے مختلف درجات کا وعدہ ہے اس میں بھی ایک راز ہے کہ گنتی کے اعداد کے مراتب چار ہیں (۱) احاد (۲) اعشار (۳) مآت (سینکڑے) (۴) الوف (جمع الف) ہزار احاد میں واحد اعشار میں عشر (دس) مآت میں یکصد اور الوف ایک ہزار اور اسی طرح انسان میں بھی چار مراتب ہیں (۱) نفس (۲) قلب، (۳) رُوح (۴) ستر ۔ پس واحد کا مرتبہ نفس کو دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ اس لئے کہ نفس سے ہی برائی ہوتی ہے اور عشار میں سے عشر (دس) کا مرتبہ قلب کو دیا گیا، فلہٗ عشر امثالھا۔ اس لئے کہ قلب اعشار کے مرتبہ میں ہے اور مرتبہ روح سے عبادت ہو تو اُسے مآت کا درجہ دیا جاتا ہے اس لئے کہ روح مرتبہ مآت سے ہے اور مرتبہ سر میں عبادت ہو تو اس میں ہزاروں بلکہ مالا نہایۃ مراتب عطا ہوتے ہیں۔ جس قدر صفائی قلب اور خلوص نیت ہوتی ہے اسی قدر اجر و ثواب نصیب ہوتاہے اور اس کا کوئی انتہا نہیں اور یہی مرتبہ الوف کا ہے۔ وَھُم لَا یُظلَمُونَ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے احسان فرمایا کہ ابھی انہوں نے نیکی نہیں کی تو دس ایسی حسنات عطا فرمائیں جو بے شمار حسنات پر مشتمل ہیں پھر جب انہوں نے نیکی تو ان میں کسی قسم کی کمی نہ فرمائی بلکہ دوہرے اجر و ثواب سے نوازا۔ چنانچہ آیت

وَ یَظلِمُ مِثقَالَ ذَرَّۃٍ وَاِن تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفھَا وَیُؤتِ مِن لَّدُنہُ اَجرًا عَظِیمًا۔ دلالت کرتی

ترجمہ :۔ اللہ ذرہ برابر بھی ظلم کریگا اگر اسکی نیکی ہے تو اسے دوگنا کریگا اور اپنی جانب سے بہت بڑا اجر عطا فرمائیگا

تفسیر عالمانہ ۱۶۰ قُل ، اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمایئے جو مدعی ہیں کہ وہی دین حق پر ہیں اور صرف وہی دین حق کے عامل ہیں ۔ اِنَّنِی ھَدٰنِی رَبِّی بے شک میرے رب تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ صحیح راستہ بتایا ہے اور آفاق وانفس میں آیات تکوینیہ کے ایسے دلائل

فرمائے ہیں کہ اُن سے راہِ حق نصیب ہوتا ہے اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وہ صراطِ مستقیم جو موصل الی الحق ہے دِيْنًا الی صراط کے محل سے بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ ھَدٰنِیْ اِلٰی صِرَاطٍ قِيَمًا ایسا دین جو مضبوط ہے یہ مصدر ہے بمعنی القیام بطور مبالغہ کے۔ یہ دین کی صفت ہے دراصل عوض کی طرح قوّم ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ اس کے فعل پر قانون صرفی جاری ہوا اس لیے اس پر بھی جاری کیا گیا ہے۔ جیسے قیام دراصل قوام تھا۔ اس پر اسی فعل کی وجہ سے قانون جاری ہوا۔ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا کا عطف بیان ہے۔ مِلَّۃ، ملت الکتب سے ماخوذ ہے بمعنی الملیّۃ وہ امور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں انہیں ملت سے تعبیر کیا جاتا ہے چونکہ ان امور مشروعہ کو مدون کیا اور وہ لکھے گئے اور مومنین اس کی اتباع کی وجہ سے آپس میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں اس لئے انہیں ملت کہا گیا اور چونکہ جن لوگوں کے لئے یہ امور مشروع ہوئے اور وہ اس طریقہ کی طاعت کے لئے بنا بریں اسے دین سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے ان کا طریقہ اور حق پر چلنے کا راستہ بنایا۔

حَنِيْفًا یہ ابراہیم سے حال ہے یعنی وہ ادیان باطلہ سے ایسے روگرداں تھے کہ ان کا اُن کی طرف میلان کا امکان تک نہیں۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ وہ مشرکین کے امور میں سے کسی امر کسی امر پر نہیں تھے نہ اصول میں نہ فروع میں۔

نکتہ ملت کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے میں یہ راز ہے کہ اہلِ عرب انہیں معظم جانتے اور ان کے دلوں پر اُن کی عظمت راسخ تھی۔ بلکہ ہر صاحبِ دین اپنے دین کو انہی کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکین سے نہیں تھے۔ اس لئے کہ نہ ان کا عقیدہ مشرکانہ تھا اور نہ اعمال رسوم کے مطابق تھے اور وہ یہودی بھی نہ تھے۔ اس لئے کہ یہودیوں کا عقیدہ تھا۔ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس عقیدہ کا تصور تک نہیں ہو سکتا اور وہ نصرانی بھی نہ تھے اس لئے کہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایسا عقیدہ تصور کرنا حماقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ حقیقت میں مشرک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کی طلب کو جگہ دے اور اس کے سوا کسی دوسرے سے طلب کرے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

خلاف طریقت بود کاولیاء
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ خدا کے سوا غیرِ خدا کو چاہیں۔

سوال: قُلْ جب مضمون ایک ہے تو پھر قُل کا اعادہ کیوں ؟

جواب : پہلے قل میں اصول عقائد کا بیان تھا۔ اب دین کے فروع کا بیان کرنے کیلئے قل کا اعادہ کیا گیا۔ اِنَّ صَلَاتِیْ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری پانچ فرض نمازیں وَنُسُکِیْ اور تمام عبادتیں۔ نسک دراصل میں اس عمل کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مطلوب ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے کو ناسک کہتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ صلاتی سے نماز عید اور نسکی سے قربانی مراد ہے

حدیث شریف: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سینگ والے ملیح مینڈھا قربانی کے لئے لاکر فرمایا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ان صلاتی ونسکی الی قولہ وانا اول المسلمین۔ اس کے بعد آپ نے اسے ذبح فرمایا اور فرمایا کہ اس کے بال اور اُون میرے بالوں کے لئے اور اس کا چمڑہ میرے چمڑے کے لئے اور اس کا خون میرے خون کے لئے اس کا گوشت میرے گوشت کے لئے اور اس کی ہڈیاں میری ہڈیوں کے لئے اور اس کی رگیں میری رگوں کے لئے آتشِ جہنم کے لئے فدیہ ہیں صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مینڈھا بہت خوب ہے یہ صرف آپ کے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام امت کے لئے جو قیامت تک پیدا ہوں گے اسی طرح جبرائیل علیہ السلام نے میرے رب تعالیٰ سے مجھے خبر دی ہے وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ اور جن اعمال پر زندگی گزار رہا ہوں اور جس پر میری موت واقع ہوگی یعنی ایمان وطاعت وغیرہ اصل عبادت ذاحیاتی و ذاماتی یعنی جو اعمال وغیرہ حیات وممات میں واقع ہوں گے جیسے کہا ہے در ذا اَتاتک" یعنی میرے برتن والی شئے۔ اس سے طعام مراد ہے۔ یہاں بھی ذاحیات وذاممات سے اعمال وایمان مراد ہیں۔ ادنیٰ ملابست کی وجہ سے اُس کی طرف اضافت ہوئی ہے۔ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۱۶۲ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے اور اس کا کوئی شریک نہیں یعنی میرے جملہ امور مذکورہ بالا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

وَبِذٰلِکَ اور اسی اخلاص کے لئے اُمِرْتُ مجھے حکم ہے اس کے غیر کا میں مامور نہیں۔ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ اس لئے کہ ہر نبی کا اسلام اپنی امت کے اسلام سے مقدم ہوا کرتا ہے۔ اس میں تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں سبقت فرماتے اور جملہ مامورات کی فرمانبرداری صرف حضور علیہ السلام سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو حکم ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی اقتدا میں جملہ مامورات کی تعمیل کریں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اِنَّ صَلَاتِیْ یعنی منہاج الصلوٰۃ کی طرف میری سیر۔ اس سے معراج الی اللہ مراد ہے اور نسکی سے اپنے نفس کو ذبح کرنا مطلب ہے و محیایٖ۔ قلب اور روح
حیات و مماتی۔ اس سے نفس کی موت مراد ہے۔ للّٰہ رب العٰلمین، یعنی طلب حق و وصول الی اللہ کیلئے لاشریک لہٗ
طلب میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے کہ اس کے سوا ہمارا اور کوئی مطلب نہیں۔ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ، یعنی میری
طلب اور قصد الی اللہ یعنی میرا اپنا نظریہ یا اپنی عقل اور طبیعت سے نہیں۔ بلکہ میں مامور من اللہ ہوں۔ جو کچھ کرتا
ہوں اس کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی کی ہدایت سے کرتا ہوں۔ یہ اس کی عنایت ہے کہ مجھ میں یہ طلب اور
اشتیاق پیدا فرمایا میرے ہاں اس کی وحی آتی ہے اور میں وحی کا عامل ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا —
وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا اور فرمایا ثُمَّ ذَرْھُمْ" وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اور میں وہی ہوں
جس نے امر کُن کے سامنے سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کیا۔ جب فیضِ محبت نے جوش مارا تو میں نے سب سے پہلے
قبول کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا " یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ بلکہ محبت حق کے لئے سب سے پہلے میں نے سر جھکا لیا جس کے لئے
اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اس محبت کا افتتاح میں نے فرمایا۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی
ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا " اَنَا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مسئلہ صوفیانہ ۔ آیت میں توحید کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اخلاص کا سبق دیا گیا ہے ان دونوں
کی علامت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے ظاہراً و باطناً بری ہو جائے یہاں تک کہ وہ اپنے نفس سے بھی
بیزار ہو اور حقائق ذاتیہ کی محبت میں مستغرق ہو جائے۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے لئے نکلا۔ راستہ میں مجھے
ایک نوجوان ملا جس کے پاس نہ زادِ راہ تھا اور نہ سواری۔ میں نے اس سے پوچھا کہاں سے آئے ہو
اس نے کہا اللہ تعالیٰ سے، میں نے پوچھا کہاں جاؤ گے۔ کہا اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ میں نے پوچھا سامان بھی ساتھ ہے اس
نے کہا اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے میں نے کہا آخر اتنا بڑا لمبا سفر ہے اس میں زادِ راہ کی ضرورت ہے اور پانی
ساتھ رکھنا لازمی ہوتا ہے اس نے کہا یہ اشیاء میرے پاس ہیں۔ میں نے کہا وہ کہاں۔ اُس نے کہا جب میں گھر
سے نکلا تو پانچ حرف ساتھ لائے۔ میں نے پوچھا وہ کونسے کہا " کٓھٰیٰعٓصٓ "۔ میں نے کہا ان کا کیا مطلب
ہے اس نے کہا کاف " الکافی " ھا سے (الہادی) یا سے الھوی، عین سے العالم ص سے الصادق مراد ہے
اس نے کہا جس کے ساتھ " الکافی " الہادی، الھوی، العالم۔ الصادق ہوں وہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔
اور نہ ہی کسی سے ڈرتا ہے اور نہ ہی اسے زادِ راہ کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی رزق کی کمی ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن
دینار فرماتے ہیں جب میں نے اس سے یہ کلام سنا تو میں نے اپنا قمیص اتار کر اسے پہنانا چاہا۔ اُس نے کہا حضرت جی!

اس دارِ فنا کی قمیص سے ننگا رہنا بہتر ہے اس لئے کہ حلال مال سے پہنو تو حساب ہوگا حرام سے حاصل کروں تو سزا ملے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ نہ پہنوں۔ پھر جب رات ہوئی تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اے اللہ تعالیٰ تو طاعات سے خوش ہوتا ہے اور برائیاں تجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتیں جو امور تجھے خوش کرتے ہیں اُن کی مجھے توفیق عطا فرما۔ اور جن سے تجھے کوئی نقصان نہیں ان سے مجھے محفوظ رکھ اور کئے گناہ معاف فرما۔ جب لوگوں نے احرام باندھ کر لبیک پکارا تو میں نے اسے کہا کہ آپ بھی لبیک پکارئیے۔ جواب دیا کہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں پکاروں تو اس سے جواب ملے لَا لَبَّیْکَ وَلَاسعدیک اور فرمائے کہ نہ میں تیری بات سنتا ہوں اور نہ تیری طرف دیکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر کہیں چلا گیا۔ پھر میں نے اسے منیٰ میں دیکھا۔ دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے یا اللہ تمام لوگوں نے تیری راہ میں قربانیاں پیش کی ہیں اور ہدایا بھی۔ میرے ہاں کوئی ایسی شے نہیں کہ میں تیرے حضور پیش کر سکتا ہاں صرف یہی نفس ہے اسے قبول فرمالے۔ یہ کہہ کر چیخ ماری اور اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔ اچانک کوئی قائل کہتا تھا۔ هٰذا حبیب اللّٰه هٰذا قتیلُ اللّٰه قُتِلَ بِسَیفِ اللّٰه۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محبوب و مقتول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محبت کی تلوار سے قتل فرمایا ہے۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اسے دفن کر دیا رات کو میں اُس کے متعلق متفکر ہو کر سو گیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تیرے ساتھ کیا ہوا۔ اُس نے کہا وہی نوازشیں ہوئیں جو شہدائے بدر سے ہوئیں۔ اس لئے کہ وہ کفار کی تلوار سے اور میں سَیفِ جبّار سے مارا گیا ؎

۱۔ جان کہ نہ قربانیٔ جاناں بُود
جیفہ تن بہتر از آناں بود

۲۔ ہر کہ نشد کشتۂ شمشیر دوست
لاشۂ مردار بہ از جان اوست

ترجمہ ۱: وہ جان جو محبوب پر قربان نہ ہو اس سے مردار بہتر ہے۔

۲: جو دوست کی تلوار سے ذبح نہ ہوا مردار بیکار اس جان سے بہتر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر چلنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۱۶۴ قُلْ: اے میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے ان کافروں سے جو آپ کو کہتے ہیں کہ آپ ہمارے دین میں آجائیے اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی طلب کروں۔ درانحالیکہ رَبًّا۔ وہ دوسرا رب ہو اور میں اسے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراؤں وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ حالاں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا رب ہے اور میری طرح باقی اس کے تمام مربوب یعنی پالے ہوئے ہیں۔ پھر مربوب کو کیسے رب کی عبادت میں شریک بنایا جائے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا اور جو کچھ کوئی کمائے وہ اسی کے ذمہ ہے۔

شانِ نزول کفار مسلمانوں سے کہتے تھے تم ہمارے دین کی طرف آجاؤ۔ اگر اس کا کوئی گناہ ہے تو وہ ہم اٹھا لیں گے اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس سے اگر کوئی گناہ لکھے جاتے ہیں تو ہم اپنے اعمالنامہ میں لکھوا لیں گے یا اس کا یہ مطلب ہو تا کہ قیامت میں اگر اس کا کوئی گناہ ہوگا تو ہم اپنے سر پر رکھ لیں گے۔ آیت میں ان کے اس قول باطل کا رد ہے کہ ہر ایک اپنے گناہوں کا خود ذمہ دار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عمل کے خلاف اور بالکل محال ہے کہ کرنے کوئی تو بھرے کوئی۔ جب یہ غلط ہے تو تمہاری دعوت خود بخود غلط ہو گئی۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی یہ ان کے دوسرے قول کا رد ہے۔ یعنی قیامت میں کوئی کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور بمعنی الثقل یعنی بوجھ۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ پھر تمہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف پھرنا ہے یعنی وہ تمہارے جملہ امور کا مالک ہے اور قیامت میں اسی کی طرف تم نے پھرنا ہے۔ فَيُنَبِّئُكُمْ بس اس دن وہ تمہیں بتادے گا۔ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ یعنی ہدایت گمراہی سے کھل جائے گی اور اہل حق اہل باطل سے نمایاں ہو جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر آیت ہذا سے چند امور ثابت ہوئے۔ غایت مقصود اور منتہائے مراد صرف ذات حق ہے جسے خدا تعالیٰ ملا اسے خدائی مل گئی۔ جو اس نے گیا وہ گم گشتہ راہ ہوا۔ پھر اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا۔ عاقل عاشق تو صرف اس کو چاہتا ہے کیونکہ حقیقی محبوب وہی ہے اور محب کو محبوب کے بغیر چین نہیں آتا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

درد مرا طبیب نداند دوا کہ من
بے دوست خستہ خاطرم و درد خوشترم

ترجمہ: میرے درد کا دوا طبیب نہیں جانتا میں تو دوست کے بغیر دل کا زخمی اور درد سے ہوں اور اسی میں بہت خوش ہوں

جو کوئی کچھ کماتا ہے بھلائی یا برائی تو اس کا نفع و نقصان اپنا ہے شر سے گرفتار ہو کر سزا پائے گا اور خیر سے کامیابی لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو اور ریار و عجب اور فخر سے پاک۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ قدر آورد بندۂ بد دریس
کہ زیر قبا دارد اندام پیس

ترجمہ: کیا قدر لائے گا بندہ بدطریقہ والا جو قبا کے نیچے گندا جسم رکھتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نفس برائیوں کا امر دینے والا ہے اور یہ سوائے برائی کے اور کچھ نہیں چاہتا اس لئے

برائی کی اسے سزا ملے گی نہ کہ اس سے نفع اور نفس کا کام نقصان پہنچانا ہے جو بھی اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتا ہے تو وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے ہاں جسے اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے بچالے۔ اس سے ہم ہمیشہ یہ دعا عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ آنکھ جھپکنے کی دیر یا اس سے کم بھی مجھے اپنے نفس کے سپرد نہ فرما۔ حالانکہ نفس کو بھی میرا اللہ کے لئے حکم تھا کہ وہ عبدیت کا اظہار کرکے طاعت الٰہی سے لگا رہے اور اعمالِ صالحہ پر مداومت کرے۔

نسخہ روحانی حضرت الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن الفضل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے تعجب ہے اس سالک سے جو بڑی پُرخار وادیوں اور ویرانے جنگلوں اور سنگستان مقامات کو طے کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی کعبہ معظمہ میں پہنچتا ہے اس لئے کہ یہیں پر انبیاء علیہم السلام کو زیارت کا موقعہ نصیب ہوتا ہے باوجود اس کے وہ اپنے نفس کو نہیں چھوڑتا اور خواہشات کے پورے کرنے میں لگا رہتا ہے پھر وہ کیسے اپنے مالک سے ملاقات کر سکتا ہے جب کہ ان کو مٹانے کے بعد ہی قلب میں مولیٰ کریم جاگزین ہوگا کیونکہ وہ صرف پاک قلب والوں کو ہی ملتا ہے ہر شخص صرف اپنے گناہوں کی وجہ سے گرفتار ہوگا کسی دوسرے کے گناہوں کی وجہ گرفتار نہ ہوگا اور نہ کسی دوسرے کے گناہوں سے متعلق اس سے باز پُرس ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی حق اگر کسی کا دینا ہے تو آج دیدو۔ مثلاً کسی کو رنجایا ہے تو معافی مانگ لو اور کسی کے حق میں کوئی کمی بیشی کی ہے تو ابھی سے ختم کر لو۔ اس دن سے پہلے جب کہ اس وقت نہ دینار ہوگا نہ درہم۔ اُس دن صرف اعمال صالحہ ہوں گے جس کا حق دینا ہے تو حکم ہوگا کہ اس کی نیکیاں اس کے حق خواہ کو دیدو۔ اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو حکم ہوگا کہ حق والے کی برائیاں اس کے سر پر رکھدی جائیں۔

سوال ، حدیث شریف مذکورہ بالا آیت کے مضمون کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے کہ ایک شخص کی برائیاں دوسرے شخص کے عملنامے میں ڈال یا کسی کے عمل چھین کر ایسے کو دیدے جس نے اعمال نہیں کئے۔

جواب : امام قرطبی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی منجملہ حکمتوں و مصلحتوں میں سے ایک ہے جن پر بندوں کو مطلع ہونا ضروری نہیں اور نہ اس کی حکمتوں و مصلحتوں کو کوئی پا سکتا ہے اگر ہر وہ امر جو بندوں کے عقول کے مطابق نہ ہو تو اسے چھوڑ دینے و لوازمات ہے تو پھر شریعت کے اکثر احکام سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اس لئے کہ بہت سے امور شرعیہ ایسے ہیں کہ جن کا معقول و افہام کو ادراک ناممکن ہے۔

قواعد شرعیہ بندہ راقم الحروف کہتا ہے گناہ دو قسم میں (۱) لازم (۲) متعدی۔ لازم جیسے شرب الخمر مثلاً اس سے وہی گرفتار ہوگا جس نے شراب پی ہے دوسرے اس کا مواخذہ نہ ہوگا ایسے گناہ صرف ایک جہت رکھتے ہیں۔ متعدی جیسے قتل النفس مثلاً اگرچہ اسمیں بھی صرف اس سے مواخذہ ہوگا جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے لیکن اس کی دو جہتیں ہیں۔

(۱) قاتل کا حد شرع سے تجاوز (۲) وقوع الجنایۃ علی العبدای اشامل ایسے مجرم کی نیکیاں لیکر مقتول کو دی جائیں اور مقتول کی برائیاں قاتل کے سر ڈالی جائیں تو یہ درحقیقت اس کے اپنے کئے کی اسے سزا مل رہی ہے اس میں نیکیوں کے چھینے جانے کا شبہ ہے اور نہ ہی ظلم کا واہمہ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت وحدیث نتیجہ کے لحاظ سے متحد ہیں اگرچہ بظاہر متناقض معلوم ہوتی ہیں۔ (واللہ اعلم الحقیقۃ الحال)

(۴) جیسے اہل کفر و اہل ایمان کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے ایسے ہی اہل اخلاص و اہل ریا میں بھی ہوتا ہے پھر حق و باطل والوں کے مابین امتیاز شرع بتاتی ہے لیکن حقیقت حال کا انکشاف اور اقوال و افعال کے پہلوؤں کا علم اس دن ہو گا جب کہ اندرونی راز کھلیں گے اور دل کی باتیں ظاہر ہوں گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱۔ چون کند و جان باژگونہ پوستین
چند واویلا برآید ز اہل دین

۲۔ بر دکان ہر زر نما خنداں شدہ است
زانکہ سنگ امتحان پنہاں شدہ است

۳۔ قلب پہلوی زند باز ر بشب
انتظار روزمی دارد ذھب

۴۔ باز زبان حال زر گوید کہ باش
اے مزور تا برآید روز فاش

ترجمہ ۱۔ جب کرتا ہے کوئی جان کو پوستین (ظاہر) کو اچھا چند اہل دین سے شور اٹھے گا۔

۲۔ ہر زرگر کے دکان پر ہنسی نظر آتی ہے اس لئے کہ اس کے امتحان والا پتھر پوشیدہ ہے۔

۳۔ کھوٹا سونا رات کو تو سونے کے ساتھ برابری کا دم بھر سکتا ہے سونے خالص کو دن ہونے کا انتظار ہوتا ہے۔

۴۔ پھر زر خالص زبان حال سے کہتی ہے اے کھوٹا سونا ذرا دیر کر ابھی دن آنے والا ہے پھر پتہ چل جائے گا تو کون ہے اور میں کون۔

حدیث شریف سے تبلیغی جماعت کی علامت

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے قرب میں ایسا دور آئے گا کہ جس میں لوگ دنیا کو دین کے ذریعے حاصل کریں گے۔ ان کا طریقہ یہ ہو گا کہ اللہ والوں کا بھیس بدل لیں گے اور ان کا کلام کھانڈ سے زیادہ میٹھا لیکن ان کے دل بھیڑیے کی طرح ہوں گے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کیا میری وجہ سے یہ کام

ف۔ جیسے آجکل تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔

کرتے تھے یا میرے اوپر جرأت کرکے دین کے عوض دنیا لوٹتے تھے۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں انہیں سے فتنہ کھڑا کروں گا یعنی وہ ہی بڑے فتنوں کے اصل سبب ہوں گے کہ ان فتنوں کو دیکھ کر ہر ذی فہم حیران ہو جائے گا۔

سبق مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو صاف رکھے اور ہر اختلاف سے دُور رہے اس لئے کہ حق صرف ایک ہے اور حق کے بعد باطل ہی باطل ہے۔

مسئلہ: فروعی مسائل میں امت کا اختلاف عوام کے لئے رحمت ہے اسے لفظاً تو اختلاف کہا جا سکتا ہے لیکن درحقیقت یہ اختلاف یونہی نہیں اس لئے اختلاف میں میں تو لڑائی جھگڑا وغیرہ ہوتا ہے بلکہ وہ جھگڑے اشخاص اور اُن کے احوال پر مبنی ہوتے ہیں اور آئمہ کی شخصیات مبارکہ اور اُن کے احوال طیبہ کو دنیا جانتی ہے کہ اُن کے معاملات مبنی بر قتل و جدال نہیں تھے۔ بنا بریں وہ حق پر تھے اور جن کی اتباع لازمی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اختلاف سے بچائے جو دین کے فساد کا سبب بنے اور جھگڑوں سے محفوظ فرمائے کہ جن سے دائرہ یقین ختم ہو اور ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو صواب کے توفیق یافتہ ہیں اس لئے کہ وہ کریم اور فیض سخا اور جود و عطا کا مالک ہے۔

تفسیر عالمانہ ۱۶۴ وَهُوَ اور وہ اللہ تعالیٰ اَلَّذِیْ جَعَلَكُمْ وہ ہے جس نے تمہیں بنایا۔ اے لوگو خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ۔ زمین میں نائب یعنی جنات کے بعد یا نوع بنی آدم سے سابقہ امتوں سے یا تم اللہ تعالیٰ کی زمین میں نائب ہو۔ تو تم اس میں تصرف کرتے ہو۔

فائدہ: خلائف خلیفہ جیسے وصائف وصیف کی جمع ہے ایسے ہی خلائف خلیفہ کی جمع ہے ہر وہ جو کسی جانے والے کا مقام سنبھالے اس کا اُسے خلیفہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس کا جانشین ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر آدم کا بچہ اپنے وقت کا آدم (علیہ السلام) اور میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلافت کا راز بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے کہ وہ حیاً قیوماً سمیعاً بصیراً علماً قادراً متکلماً مریداً کا مظہر ہے

۱۔ آدمی چیست برزخ جامع
بصورت خلق وحق در واقع

۲۔ متصل با دقائق جبروت
مشتمل بر حقائق ملکوت

ترجمہ ۱۔ آدمی کیا ہے برزخ جامع ہے ظاہر خلق درحقیقت (جلوہ) حق ہے۔

۲۔ دقائق جبروت کے متصل اور حقائق کے ملکوت پر مشتمل ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ اور شرف و غنا میں تمہارے بعض کو فَوْقَ بَعْضٍ بعض پر بلند مرتبہ بنایا۔ دَرَجٰتٍ درجات میں کہ اُن کے ایک دوسرے کے مراتب و درجات میں بہت بڑا فرق ہے لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ تاکہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی۔ مال و جاہ سے۔ یعنی تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جیسے کسی سے امتحان لیا جاتا ہے اور اس کی آزمائش کی جاتی ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تم شکر کرتے ہو یا ناشکری۔

حکایت حضرت جنید رضی اللہ عنہ بچپن میں بچوں سے کھیل رہے تھے تو حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کا اُن سے گزر ہوا۔ حضرت سری سقطی نے حضرت جنید سے پوچھا بیٹا بتلایئے شکر کسے کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کی نعمتوں کو گناہوں کی اعانت میں صرف نہ کیا جائے۔ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ بے شک اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے احکام کی پاسداری اور نہ ہی شکر گزاری کرتا ہے تو اس کے عذاب دینے میں دیر نہیں لگاتا۔

سوال: وہ حلیم صبور ہے اور پھر مہلت بھی دیتا ہے پھر سریع العقاب کیسے؟

جواب: جس کے لئے عذاب دینے کا وقت آ جاتا ہے اُس کے لئے عذاب میں دیر نہیں ہوتی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

مہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مبرد
ترا کہ گفت ایں زال ترک دستاں کرد

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے آسمان نے دی۔ سیدھے راہ سے نہ ہٹ، تجھے کس نے کہا کہ بوڑھی (دنیا) تو مکر و فریب سے پر ہے۔

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور بے شک وہ غفور رحیم ہے اس کے لئے جو اس کے حقوق و احکام میں حتی الامکان پاسداری کرتا ہے۔

حدیث شریف قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا۔ جس نے حرام مال جمع کر کے حرام پر خرچ کیا ہو گا اس کے لئے حکم ہو گا اسے جہنم میں لے جاؤ اور ایک کو لایا جائے گا جس نے حلال کمائی کر کے حلال پر خرچ کیا ہو گا لیکن اسے کہا جائے گا کہ تو نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی کی ہو گی۔ مثلاً نماز نہیں پڑھی ہو گی یا پڑھی تو اس کے ارکان رکوع سجود قیام وغیرہ میں غلطیاں کھائی ہوں گی کہ بلا ضرورت سواری خریدی یا کپڑے۔ جنہیں فخر و ریا کا شائبہ ہو گا۔ عرض کریگا نہیں یا اللہ اس طرح میں نے نہیں کیا تھا۔ پھر حکم ہو گا کہ تو نے اس مال کے خرچ کرنے میں کوتاہیاں کی ہوں گی کہ کسی کے حقوق ادا نہ کئے ہوں مثلاً عورت کے حقوق اسی طرح دیگر رشتہ داروں اور یتامیٰ و مساکین اور مسافروں کے حقوق میں کمی کی ہو گی۔ عرض کرے گا نہیں یا اللہ۔ ان کے حقوق میں بھی

یں نے کوتاہی نہیں کی تھی۔ میں نے مال حلال کمائی سے کمایا اور فرائض میں کسی قسم کی کمی نہیں کی اور نہ ہی حقوق العباد میں کوئی کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے حق داروں کو بلاؤ۔ وہ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جب انہیں بلایا جائے گا تو وہ گواہی دیں گے یا اللہ تونے اسے مال دیا اور یہ ہمارا کفیل تھا اسے تیرا حکم تھا کہ وہ ہمارے حقوق ادا کرے اُس نے ہمارے پورے پورے حقوق ادا کئے اور تیرے فرائض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کرتا تھا پھر اُسے حکم ہوگا ٹھہر جا مجھے میری عطا کی ہوئی نعمتوں کی ادائیگی شکر کا حساب دے اور ایک ایک لقمہ اور ایک ایک گھونٹ پانی اور ایک ایک لذت کا شکرانہ تونے کیا یا نہ۔ اسی طرح اس سے کئی طرح کے سوالات ہوں گے۔ تب کہیں اسکی نجات ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ جس طرح اللہ تعالیٰ جاہ و مال دیکھ کر دیکھتا ہے۔ کہ ان میں کون شکر گزار ہے اور کون ناشکرا۔ اسی طرح حال یعنی خلافت کی استعداد عنایت فرما کر دیکھتا ہے کہ متخلق باخلاق اللہ اور اوامر و نواہی کا پابند اور حقوق العباد و البلاد وغیرہ پر قائم رہتا ہے اور کون رجعت قہقری کر کے صفات بہائم و انعام کی طرف لوٹتا ہے۔

قاعدہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے صفات کو صفات بہیمیہ میں تبدیل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب اور سمع و بصر پر مہر لگا دیتا ہے پھر وہ اس غیبی مکان کی طرف نہیں لوٹ سکتا کہ جس سے وہ ہجرت ہو کر یہاں دنیا میں پھنسا بلکہ اسفل سافلین کے ملک طبیعہ میں گرفتار رہتا ہے ہاں جو خواہشات اور اتباع نفس اور مخالفت حق سے تائب ہو کر کورا مومن ہو جاتا ہے اور خلافت کے لئے عمل صالح کرتا ہے تو اسے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور نہ ہی وہ رجعت قہقری میں پھنستا ہے۔

حکایت سیدنا ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حج کیلئے تشریف لے گئے حرم شریف میں طواف کر رہے تھے اچانک ان کی نظر ایک نوجوان حسین و جمیل پر پڑ گئی اور اس نوجوان کے حسن و جمال نے لوگوں کو فریفتہ کر رکھا تھا۔ حضرت ابراہیم بھی اسے اسے دیکھنے لگ گئے اسے دیکھتے بھی جلتے اور روتے بھی جلتے۔ آپ کے بعض مریدوں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا " اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ " ان کا خیال تھا کہ شیخ بھی اس نوجوان پر عاشق ہو گئے ہیں اور آپ غفلت کا شکار ہو گئے ایک مرید نے عرض کی حضرت اس نوجوان کو دیکھ کر کیوں روتے تھے۔ آپ نے فرمایا " اے عزیز میں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا کہ اس کا توڑنا ناممکن ہے ورنہ تو مجھے اس کے بالکل قریب دیکھتا۔ بلکہ اس کے پاس جا کر اس سے علیک سلیک کرتا۔ یہ تو میرا لخت جگر اور آنکھوں کی ٹھنڈک پیارا بیٹا ہے اسے میں دودھ پیتا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نکلا تھا۔ اب بفضلہ تعالیٰ جوان ہو کر یہاں میری تلاش میں نکلا ہے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں اسے جا کر گلے لگاؤں لیکن مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ اپنے وعدہ کے خلاف کروں اب اے عزیز تم چلے جاؤ۔ اسے سلام جا کر کہو کچھ تو مجھے تسلی مل جائے گی اور اس کی جدائی سے جو آگ بھڑک رہی ہے کچھ تو ٹھنڈی

ہو جائے گی۔ مرید جاکر نوجوان سے کہنے لگا اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کو خوش رکھے وہ نوجوان۔ سن کر چونکا اور کہا میرا باپ کہاں انہیں تو کئی برس گزرے جو اپنے تخت کو چھوڑ کر راہِ حق میں نکلے تھے۔ کاش اب مجھے ان کی زیارت کے بعد مجھے موت بھی آ جائے یہ کہہ کر باپ کی یاد میں جب آنسو بہائے پھر کہا کاش مجھے ان کا دیکھنا نصیب ہوتا۔ پھر اگرچہ وہیں پر میں مرجاؤں مرید صاحب فرماتے ہیں میں واپس حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ہاں لوٹا تو انہیں دیکھا کہ وہ مقام ابراہیم میں سربسجود ہو کر خوب رو رہے تھے۔ آپ کے آنسوؤں سے وہاں کے پتھر تر ہو گئے۔ آہ و زاری کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے

هجرت الخلق طرا في هواكا

وايتمت العيال لكي اراكا

فلو قطعتني في الحب اربا

لما سكن الفؤاد الى سواكا

ترجمہ: میں نے صرف تیری محبت سے تمام مخلوق سے قطع تعلق کر لیا اور صرف تمہارے دیدار کے لئے میں نے بچوں کو یتیم بنایا اگرچہ تو مجھ سے لاکھ بار دور ہو لیکن میرا دل تو تیرے سوا قرار نہیں پائے گا۔

میں نے کہا اگر بچے سے ملنا منظور نہیں تو اس کے لئے دعائے خیر فرمایئے۔ آپ نے بچے کیلئے کہا اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے بچائے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے اس کی مدد فرمائے۔

سبق: یہ اس کا حال ہے جس نے حق کی تلاش میں تخت و سلطنت کو لات ماری اور فقر و فقیری میں زندگی بسر فرمائی۔ ایک ہم ہیں کہ دولت کے پیچھے سرگردان اور فقر و فقیری کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اتنی فرما کہ جس سے فقط سانس باقی رہ سکے۔

فائدہ: قوت کفایۃ بلا اسراف کو کہتے ہیں۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ کفایت شعاری دنیا داری سے افضل ہے اس لئے کہ اگر یہ افضل نہ ہوتی تو اس کے لئے حضور علیہ السلام آرزو نہ کرتے اور آپ نے اپنے لئے افضل الاحوال کی تمنا فرمائی حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریں بازار گر سود یست با درویش خورسند است

الٰہی منعم گرداں بدرویشی و خرسندی

ترجمہ: یہ بازار پر منافع والے کی یا کسی درویش خوشحال کی۔ مجھے تو یا رب درویشی اور خورسندی عطا فرما۔

بقیہ صفحہ ۷۵۹

سُورَۃُ الاَعرَافِ

یہ سورۃ مکیۃ ہے۔ اس سورۃ کی کل دو سو پانچ (۲۰۵) آیات ہیں۔ صرف آٹھ آیات جو فاسئلھم سے شروع ہو کر واذ نتقنا الجبل الآیۃ تک ختم ہوتی ہیں مدنیہ ہیں۔ تمام آیات محکمہ ہیں۔ بعض نے کہا واعرض عن المشرکین تک مدنیہ ہیں۔

سُورَۃُ الاَعرَافِ مَکِّیَّۃٌ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — اٰیَاتُھَا ۲۰۶ رُکُوعُھَا ۲۴

سورۂ اعراف مکی ہے اور اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے — دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

الٓمّٓصٓ ۝۱ کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ لِتُنۡذِرَ

اے محبوب ایک کتاب تمہاری طرف اتاری گئی تو تمہارا جی اس سے نہ رکے اس لیے کہ تم اس

بِہٖ وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۲ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا

سے ڈر سناؤ اور مسلمانوں کو نصیحت اے لوگو اس پر چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا

مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ۝۳ وَ کَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا

اور اسے چھوڑ کر اور حاکموں کے پیچھے نہ جاؤ بہت ہی کم سمجھتے ہو اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کیں تو ان پر ہمارا عذاب

فَجَآءَہَا بَاۡسُنَا بَیَاتًا اَوۡ ہُمۡ قَآئِلُوۡنَ ۝۴ فَمَا کَانَ دَعۡوٰىہُمۡ اِذۡ جَآءَہُمۡ

رات میں آیا یا جب وہ دوپہر کو سوتے تھے تو ان کے منہ سے کچھ نہ نکلا جب ہمارا عذاب

بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ۝۵ فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡہِمۡ

ان پر آیا مگر یہی بولے کہ ہم ظالم تھے تو بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول گئے

وَ لَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیۡہِمۡ بِعِلۡمٍ وَّ مَا کُنَّا غَآئِبِیۡنَ ۝۷

اور بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے رسولوں سے تو ضرور ہم ان کو بتا دیں گے اپنے علم سے اور ہم کچھ غائب نہ تھے

وَ الۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۸

اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلے بھاری ہوئے وہی مراد کو پہنچے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
اور جن کے پلے ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی ان زیادتیوں کا بدلہ جو
يَظْلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا
ہماری آیتوں پر کرتے تھے اور بیشک ہم نے تمہیں زمین میں جماؤ دیا اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے اسباب بنائے بہت ہی
مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝
کم شکر کرتے ہو

بقیہ صفحہ نمبر ۷۵۷

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں سے بنائے جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ پر چلنے والے ہیں اور ہماری تمنائیں وصول الی مقام التوکل والیقین کی طرف لگائے اور وہ اپنے مسائل کو ناامید نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے دعا مانگنے والے کی دعا کو رد کرتا ہے اور نہ ہی کسی کی کوشش کو ضائع فرماتا ہے۔

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ سورۃ انعام بفضلہ تعالیٰ جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخ ۱۱۰۰ھ میں ختم ہوئی۔

وقد تمت هذه السورة من قلم الفقير القادرى ابى الصالح محمد فيض احمد الاويسى الرضوى غفرله ربه يوم ولادة حبيب رب العلمين فى السادس والعشرين من الشهر صفر المظفر المنتظم فى سلك شهور سنة الف وثلاثمائة وخمس وتسبعين ۱۳۹۵ھ من هجرة امام الانبياء والمرسلين صلى الله عليه وعلى آله واصحابه اجمعين فى دار التصنيف والتاليف التى من دار العلوم لاهل السنة والجماعة المعروفة بالجامعة الاويسية الرضويه الواقعة فى البلدة دار السرور الشهيرة ببهاولپور من بلاد الباكستان۔

صوفیانہ نکات الٓمٓصٓ: (الف) ذاتِ احدیہ کی طرف (ل) مع ذات صفۃ العلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں (م) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی یعنی آپ کی ذات اور حقیقت پہ دلالت کرتا ہے اور (ص) صُورۃ محمدیہ یعنی آپ کے جسد اطہر اور ظاہری صورت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ص) مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جب رات تھی نہ دن تھا اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش اس پہ تھا۔ اس بنا پہ اس پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے حضور علیہ السلام کے جسدِ مبارک اور عرشِ رحمٰن سے آپ کا قلب شریف مُراد لیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے "قلب المومن عرش اللہ" مومن کا دِل عرش الٰہی ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اس وقت رات تھی نہ دن تھا یعنی وحدت ہی وحدت تھی اس لئے کہ قلب جب نفس کی زمین کے سایہ میں ہو کر صفات نفس سے محجوب ہو جاتی ہے تو اس کے لئے وہی کیفیت بمنزلہ رات کے ہوتی ہے پھر جب اس پہ روح کے سورج کی کرن پڑتی اور وہ اس سے نُور حاصل کرتی ہیں تو وہ حالت اس کے لئے بمنزلہ دن کے ہوتی ہے پھر جب معرفت الٰہی اور شہود ذاتی سے وحدۃ میں پہنچتی ہے تو اس میں نور و ظلمت مساوی ہو کر فانی ہو جاتے ہیں تو اس کے لئے یہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے نہ رات ہے نہ دن اس وقت پہ عرشِ الٰہی مستقر ہوتا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ وجود الکل من اعلٰہ الی الآخرۃ ایک کتاب ہے جس کا علم ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا (کذا فی التاویلات النعاشانیہ)

دوسری صوفیانہ تقریر حضرت الشیخ نجم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذات وصفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے بیان فرمائے تو اپنا ذاتی تعارف المصٓ سے کرایا۔ یعنی وہ اپنے لطف سے معبود ہے اور بندہ محبت و معرفت سے فرد ہے اس نے آپ پر نازل کردہ کتاب کے واسطہ سے معرفت و محبت کے کمال کو قبول کرنے سے صبر و صدق سے نوازا گیا۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ "المصٓ" قرآن پاک کا نام ہے یا اس سورۃ کا نام ہے یا اس کا ہر حرف اسمائے الٰہی کے کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے الف سے اللہ لام سے لطیف میم سے ملک، صاد سے صبور یا ہر حرف اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت پہ دلالت کرتا ہے۔ مثلاً الف اکرام پہ لام لطف پر اور میم مجد پر صاد صدق پہ یا اسم "المصور" سے کنایہ ہے یا بعض حروف اسماء پہ دلالت کرتے ہیں اور بعض افعال و تقدیر پہ۔ اب اس کا معنی ہوا "انا اللہ اعلم وافصل" میں اللہ ہوں۔ جانتا اور بیان کرتا ہوں یا یہ کہ میں تمام سے زیادہ عالم اور حقائق میں حق و باطل کا فرق بتاتا ہوں۔

فائدہ: حضرت سلمی فرماتے ہیں کہ الف کا اشارہ ازل کی طرف اور لام ابد کی طرف اور میم ازل و ابد

کے مابین کی طرف اور صاد کا اشارہ ہر متصل کے اتصال اور ہر منفصل کے انفصال کی طرف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسمیں اتصال کی گنجائش ہے نہ انفصال کو سہ

۱۔ این چہ راہست این بروں از فصل و وصل
کا ندرشی فرع می گنجد نہ اصل

۲۔ نے معانی نے عبارت نے عیاں
نے حقائق نے اشارت نے بیان

۳۔ برتر است از مدرکات عقل و وہم
لاجرم گم گشت درو ے فکر و فہم

۴۔ چوں بکلی رسے گفت و گوئی نیست
ہیچکس را جز خموشی روئے نیست

ترجمہ ۱۔ یہ کیا راہ ہے فصل و وصل سے خارج اسمیں نہ اصول سما سکتے ہیں نہ فروع

۲۔ نہ معانی نہ عبارت نہ ظاہر نہ حقائق نہ اشارہ نہ بیان

۳۔ مدرکات عقل و وہم سے برتر ہے۔ بہرحال اس میں وہم و فکر گم ہے۔

۴۔ جب مکمل طور اس میں گفتگو نہیں ہو سکتی تو پھر کسی کو خاموشی کے سوا چارہ نہیں۔

صاحب روح البیان کا فیصلہ فقیر کہتا ہے کہ یہ حروف مقطعات متشابہات سے ہیں ان میں عقول کو کسی قسم کا ورک نہیں البتہ اسے اہل اللہ ضرور جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے وہ ان سے خوب واقف نہیں۔ انہیں مفسرین نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے معانی و لوازم و حقائق سے اشارہ سمجھ کر کہا ہے۔ بنابریں ہم بھی اس کے متعلق کچھ کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ ان حروف میں ترکیب صفاتی و فعلی واحدی ابدی ہے۔ یہ مرتبہ وحدۃ ذاتیہ میں ایک علیحدہ علیحدہ افراد تھے پھر تجلی الٰہی سے وہ فرد مرکب ہوگیا اور جمع سے متفرق ہوگیا۔ وہ قوت سے فعل ہوگیا اور جمع سے متفرق ہوگیا۔ اس سے نسب و اضافات کا صدور ہوا جیسے کلام ترکیبی کا اصل حروف مفردہ ہیں یعنی حروف تہجی پھر ترکیب سے آب و ہوا پھر ابجد ہوا بعد ازاں الحمد للہ ہوا یوں سمجھئے کہ انسان اصل تعین جسم کے لحاظ سے ایک نطفہ ہے پھر اس کی ایک تصویر کھینچی گئی اس سے ترکیب جسمانی ہوئی۔ واللہ اعلم"

کِتٰبٌ یہ کتاب ہے اُنْزِلَ اِلَیْكَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے آپ کے ہاں نازل کیا گیا فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ پس آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو یعنی اس کے حق ہونے میں شک نہ ہو یہ ایسے ہے

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسے حرج صدر سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ شک کو لازم ہے اس لئے کہ شک کو ہی دلتنگی ہوتی ہے جیسے یقین کرنے والے کو انشراح صدر ہوتا ہے ۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اُمت مراد ہے ۔ یعنی اسے اُمتیوا شک نہ کرو اور منہ حَرَجٌ کے متعلق ہے مثلاً کہا جاتا ہے " حرج منہ " ای ضاق بہ صدرہ ۔ اور جائز ہے کہ حرج اپنے حقیقی معنی پر ہو یعنی آپ کفار کے خوف سے تبلیغ کرتے ہوئے ملال نہ فرمائیں ۔ اس خیال سے کہ کفار تکذیب کریں گے جیسا کہ ابتداء اسلام میں آپ کو اپنی قوم کی تکذیب اور ان کے اعراض سے خوف رہتا تھا اس لئے کہ تبلیغ کے وقت آپ کو ملال ہوتی اور کھل کر آپ تبلیغ نہیں کر سکتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امن وسلامتی عطا فرمائی اور فرمایا کہ آپ بے پرواہ ہو کر انہیں تبلیغ فرمائیں ۔

لِتُنْذِرَ بِهٖ یہ اُنزِل کے متعلق ہے تاکہ اس کتاب منزل من اللہ سے ڈرائیں وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ تاکہ مومنین کو خوب نصیحت فرمائیں ۞ اِتَّبِعُوْا اتباع کرو اسے حکم بردارو ۔ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اس کی جو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے اُترا ہے ۔ یعنی قرآن مجید کی اتباع کرو ۔ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اور اس کی تابعداری مت کرو جو تمہارے رب تعالیٰ سے نہیں اُترا ۔ اس لئے کہ وہ تمہیں حق کی طرف نہیں لے جائے گا ۔ من دونہ ولا تتبعوا ۔ کے فاعل سے حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ تابعداری نہ کرو درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرنے والے ہو ۔ اولیاء یعنی وہ من دونہ اولیاء الجن والانس سے ہیں تم ان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی میں پڑو گے ۔ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تذکرون دراصل تتذکرون تھا اس کی ایک تاء حذف کر دی گئی اور قلیلاً ما میں لفظ ما زائدہ ہے اسے علت کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے یعنی تم تھوڑی یا تھوڑی دیر نصیحت پا سکو گے یعنی اس کا زیادہ دیر اثر نہیں رہے گا ۔ پھر بہت جلدی تم اس سے متنفر ہو جاؤ گے قرآن کے موجب پر عمل نہیں کرو گے بلکہ سرے سے اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر غیر دین کی پیروی کرنے لگ جاؤ گے ۔

ربط ، اب گذشتہ امتوں میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہ کی بلکہ اپنے دوستوں کی باتوں کی اتباع کرتے اور اس پر اصرار کرنے لگے ، ان کی سزاؤں اور انجاموں کا بیان فرمایا کہ ۞ وَكَمْ ۔ یہ کم خبریہ اور مبتدا ہے آنے والا جملہ اس کی خبر ہے مِّنْ قَرْیَةٍ یہ کم تکثیریہ کی تمیز ہے ۔ اَهْلَكْنٰهَا ھا کی ضمیر کم کے معنی کثرت کی طرف راجع ہے یعنی بہت سے علاقوں کو ہم نے تباہ کرنے کا ارادہ کیا یا ان علاقوں کے بہت سے لوگوں کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ۔ اس تقریر ثانی پر کم اھلکنا سے محلاً منصوب ہے جیسے بقدر اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ میں محلاً منصوب ہے ۔ فَجَآءَهَا پس اُن کے اہل کے ہاں آیا ۔ بَاْسُنَا بَیَاتًا ہمارا عذاب

مصدر ہے بمعنی فاعل اور وہ حال کے قائم مقام ہے۔ بیاتا ای بائتین درانحالیکہ وہ رات میں سونے والے تھے جیسے لوط علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ رات کو بیات سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں شب باشی ہوتی ہے اور ظلول کی ضد کو کہا جاتا ہے بیتوتہ رات کے آنے کو کہتے ہیں اس میں نیند کی جائے یا نہ جیسے فارسی میں رات گذاشتن رات گزرنا کہتے ہیں۔ اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ۔ اس کا عطف بیاتا پر ہے اور قیلولہ سے مشتق ہے دوپہر کے آرام کرنے کو کہتے ہیں یعنی انہیں دوپہر میں اللہ تعالیٰ کے عذاب پہنچے۔ جیسے شعیب علیہ السلام کی قوم سے ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تباہ و برباد کیا۔

نکتہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ عذاب کو ان دونوں وقتوں سے اس لئے مخصوص کیا گیا کہ یہ دونوں استراحت و آرام کے اوقات ہیں۔ ان دونوں وقتوں میں عذاب کا وقوع غیر متوقع ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ عدم توقع میں عذاب سخت تر محسوس ہوتا ہے جیسے نعمت غیر مترقبہ کا حصول لذیذ اور خوب تر ہوتا ہے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ پس اس وقت ان کو کوئی دعویٰ نہ تھا انہوں نے نہ کوئی دعا کی اور نہ ہی عجز و زاری اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ جب ان پر ہمارا دیا ہوا عذاب آیا۔ (یعنی اس کے علامات معلوم کئے) اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا مگر یہ کہ کہا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ بے شک ہم ظالم ہیں یعنی اپنی غلطیوں کا اب اعتراف کیا کہ واقعی جن امور کا ارتکاب کرتے تھے وہ غلط تھے۔ اس وقت ان کی اپنی غلطی کی خود گواہی دینا حسرت و ندامت اور جان نکلنے کے طمع پر تھا۔ لیکن اب وقت نکل گیا اس لئے کہ نزول عذاب کے وقت توبہ بھی ناقابل قبول ہے پھر صرف ندامت وغیرہ انہیں کیا فائدہ دیتی۔ اس لئے کہ توبہ اور مکلف ہونا ہر دونوں اسوقت اکٹھے مرتفع ہوجاتی ہیں۔ لیکن یونس علیہ السلام کی قوم اس سے مستثنیٰ ہے اس کا مفصل بیان آئے گا (ان شاء اللہ) مثنوی میں ہے۔

۱. ہمچوں آن مرد مفلسف روز مرگ
عقل را می دید بس بے مال و برگ

۲. بے غرض می کرد آندم اعتراف
کز ذکاوت راندہ ایم اسپ از گزاف

۳. از غروری کہ کشیدیم از رجال
آشنا کردیم در بحر خیال

۴. آشنا ہیچست اندر بحر روح
نیست آنجا چارہ جز کشتی نوح

۵۔ اینچنیں فرمودہ آں شاہِ رُسل
کہ منم کشتی دریں دریائے کُل

۶۔ باکسے کو در بصیر تہائے مَن
شُد خلیفہ راستی برجائے مَن

۷۔ کشتیٔ نُوحیم در دریا کہ تا
رو نہ گردانی زکشتی اے فتیٰ

ترجمہ ۱: اس فلسفی کی طرح جو موت کے وقت عقل کو بے سروسامان دیکھ کر
۲: بلا تاخیر اعتراف کرتا ہوا کہتا ہے کہ تیزیٔ عقل سے ہم بلا فائدہ گھوڑے دوڑاتے رہے
۳: غرور سے لوگوں سے ہم علیحدہ رہے ہم صرف بحر خیال میں غرق رہے۔
۴: بحر روح میں کون آشنا ہے وہاں کشتیٔ نوح کے سوا کوئی چارہ نہیں۔
۵: ایسے شاہ رسولاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دریائے کل کا میں ہی کشتی
۶: جو بھی میری بصیرتوں پر میرا خلیفہ تابعداری ہوا۔
۷: ہم کشتی نوح ہیں اس دریا میں اے نوجوان اس کشتی سے منہ نہ پھیرنا۔

۶ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ ۔ یہ فاء ترتیب کے لئے ہے کہ احوالہ اُخرویہ کو احوال مرتب کرتا ہے یعنی قیامت میں ہم تمام اُمتوں سے سوال کریں گے درانحالیکہ ہم انبیاء علیہم السلام سے پو کہ جن کے ہاں تم بھیجے گئے انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ اور ہم پیغمبرا علیہم السلام سے بھی پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے کیا کہا۔ اس سے کافروں کو توبیخ اور انہیں تہد مطلوب ہے۔

سوال: دوسری آیت میں امت سے سوال کی نفی ہے "قال و لا یسأل عن ذنوبهم المجرمون"
جواب ۱: استعلام کے سوال کی نفی ہے یعنی اُن سے صرف حالات کے اظہار کا سوال نہیں ہوگا۔ اگر ہو کے طور۔

جواب ۲: سوال ہوگا موقف حساب میں لیکن ان سے موقف عقاب میں سوال نہ ہوگا بلکہ حساب کے بعد بغیر جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

جواب ۳: (فخرالدین رازی) تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اُن سے ان کے اعمال کے متعلق سوال ہوگا بلکہ کے اسباب کے متعلق ہوگا کہ یہ اعمال تم نے کیوں کئے اور ان کے ارتکاب پر کس چیز نے تمہیں ابھارا

صَقَّ عَلَيْهِمْ - جب انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے۔ "لا علم لنا انک انت علام الغیوب"
ہیں بیان کریں گے (تعلیم) علم سے اس لئے کہ ہم ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتے ہیں وَمَا كُنَّا
ین اور ہم اُن سے کسی وقت بھی غائب نہیں اس لئے ہمارے سے ان کے اعمال و احوال مخفی نہیں
ا و قیامت میں رسل کرام علیہم السلام کہیں گے "سَلِّمْ سَلِّمْ - انہیں اپنی امت کا بہت بڑا خوف ہوگا
وہ عذابِ الٰہی سے مامون و محفوظ ہوں گے۔ لیکن قربِ الٰہی کی وجہ سے خائف ہوں گے۔ وہ طاہر و مطہر
ں کے بواطن ضلالت و گمراہی کی ہر طرح کی گرد و غبار سے محفوظ رہے اور اُن کے ظواہر کے لئے
مخالفت کا پہلو بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ ہر طرح کے اَمن و سکون میں ہوں گے کہ انبیاء علیہم السلام
ں مراتب سے بوجہ خوشی رشک کریں گے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی اُمتوں کا خوف ہوگا
ہیں کسی قسم کا خطرہ ہی نہیں ہو گا۔

ت میں کون لوگ محفوظ ہوں گے

جس کی موت اس حالت میں واقع ہوئی کہ

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

(۲) نبی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا۔

(۳) ہر عمل صالح اخلاص سے کرتا تھا۔

(۴) سحر اور جادو سے پاک تھا۔

(۵) مسلمانوں کے ناحق خون نہیں بہاتا تھا

(۶) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا خیر خواہ تھا۔

(۷) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے فرمانبردار بندوں سے محبت کرتا تھا۔

(۸) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے باغیوں سے بغض رکھتا تھا۔

کو عرشِ الٰہی کے نیچے جگہ ملے گی اور قیامت کے ہر غم اور الم سے محفوظ ہو جائے گا اور جو ان امور میں کسی ایک
ب کرتا ہوا مرا یا دینی باتوں میں سے اس کا دل بگڑا یا شک کیا تو وہ قیامت میں ایک ہزار سال سخت
غم و الم اور عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی جس طرح چاہے فیصلہ فرمائے۔

ت کندہ کا بادشاہ بہت بڑا عیاش تھا ہر گھڑی عیش و عشرت میں گزارتا۔ ایک دن شکار یا کسی کام
کے لئے گھر سے نکلا۔ دُور جا کر لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک شخص نے مُردوں کی
ڈیاں جمع کی ہوئی ہیں اور انہیں لے کر بچوں کی طرح الٹ پلٹ کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا اے
یہ کیا کر رہے ہو اور تجھے کیا ہے کہ رنگ فق ہے اور حالت تبدیل ہے اور اکیلا جنگل میں بیٹھا ہوا ہے۔ اُس نے

کہا بھائی کیا پوچھتے ہو۔ میں دور کا مسافر ہوں اور مجھے دو سپاہی ایسے گھر کی طرف دھکیلے جا رہے ہیں جس گھر میں نہ
ساتھی اور نہ کوئی آرام کے اسباب نہایت ہی ویرانہ اور سخت تاریک ماحول میں اور گہرائی کا کیا کہنا اور جہاں سے
طبیعت کو سخت کراہت و نفرت۔ وہاں مجھے سوائے گلنے اور سڑنے اور تباہی و ہلاکت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ایسی
تک مجھے بھیجا جا رہا ہے وہ زمین کے اوپر نہیں بلکہ زمین کے اندر ہے۔ مجھے پھر اس میں ایک حال پہ نہیں
جائے گا بلکہ وہاں تنگی اور وحشت اور جسم کو کیڑے مکوڑے کھا جائیں گے اور میرے جسم کی بوٹی بوٹی نوچ لیں
اور ہڈیاں چورہ چورہ ہو جائیں گی تو پھر جسم کو پہلے کی طرح کیا جائے گا باوجودیکہ اینہمہ یہ نہیں پتہ کہ پھر
انجام کیا ہوگا۔ نامعلوم مجھے سعیدوں میں رکھا جائے گا یا بدبختوں میں۔ مجھے پھر اس گھر سے نکال کر میدان حشر
لے جائیں گے۔ اس میں مجھ سے زندگی بھر کے جرائم و معاصی و دیگر اعمال کے متعلق بہت بڑی دیر تک حساب ہوگا
گا۔ پھر معلوم نہیں مجھے کونسی دار میں رہنا نصیب ہو۔ اب سوچ کر بتلایئے جس کا یہ حال ہو وہ کس طرح عیش و عشرت
سے گزارے۔ بادشاہ اس کی یہ بات سن کر خوفزدہ ہو کر گھوڑے سے اترا اور اس مرد کے قریب بیٹھ گیا اور کہا
باتوں سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے دل پر ان کا گہرا اثر ہوا ہے مہربانی کر کے کچھ اور سنایئے
مرد سے کہا تمہیں معلوم ہے یہ ہڈیاں کیسی ہیں۔ بادشاہ نے کہا فرمایئے۔ اس مرد نے کہا یہ ان بادشاہوں کی ہڈیاں
جنہیں دنیا نے دھوکہ دیا اور اس کی رونقوں کے فریب میں آگئے اور ان کے دلوں کو دنیا کی رنگینیوں میں پھنسا
اور موت کے جھٹکوں کو بالکل فراموش کر بیٹھے یہاں تک کہ ان پر موت نے حملہ کیا۔ جس سے ان کی تمام تمنائیں
مل گئیں اور ان کی تمام شان و شوکت ملیا میٹ ہو گئی یہی ان کی ہڈیاں ہیں جنہیں چند دنوں کے بعد جسم دیکر
جائیں گے۔ اُن سے دنیا کی نعمتوں کا حساب ہوگا۔ پھر یا انہیں دار القرار (بہشت) میں جانا نصیب ہوگا یا
دار البوار (جہنم) میں۔ یہ کہہ کر وہ نوجوان بادشاہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ اپنے ساتھیوں
جا ملا لیکن اس کا حال متغیر تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب رات ہوئی تو شاہی لباس اتار کر پھٹے پرانے
پہنے اور راتوں رات وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور مرتے دم تک اسی حال پر رہا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

افی القرون التی کانت منعمۃ
کر اللیلات اقبالا و ادبارا

یا راقد اللیل مسرورا باوله
ان الحوادث قد یطرقن اسحارا

لا تامنن بلیل طاب اوله
ضرب آخر لیل اجج النار

ترجمہ: بہت سے خوشگوار زمانہ کے لوگوں کو راتوں کی آمد و رفت نے فنا کیا۔ اے پہلی رات کو خوش ہو کر سونے والو! (خوف کرو) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آخری رات کو حوادث گھیر لیتے ہیں پہلی رات کے بہلنے سے خوش ہو کر نہ سو (ممکن ہے کسی غلطی سے) تم رات کے آخر میں جہنم کا ایندھن بن جاؤ۔

حضرت امام زین العابدین کی نصیحتیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس اترانے والے متکبر سے تعجب ہوتا ہے کہ وہ نہیں سمجھتا کہ کل نطفہ تھا چند روز کے بعد اسے جیفہ بنا کر مٹی میں دبا دیا جائے گا اور اس شخص پر بھی بڑا تعجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق شک کرتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ تمام مخلوق اس کی پیدا کردہ ہے اور اس بندے پر بھی تعجب ہے جو قیامت کا انکار کرتا ہے حالانکہ اسے یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اس انسان پر بھی تعجب ہے جو دارِ فنا کے لئے تو کمائی کرتا ہے لیکن دارِ بقا کے لئے کچھ نہیں کماتا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ اپنی گذشتہ زندگی سے عبرت پکڑے۔ اس وقت افسوس کے ہاتھ ملے گا جبکہ قضاء و قدر کا پیغام پہنچیگا۔ طریق حق کے لئے جدوجہد کرے اور ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بسر کرے۔ موت کے نزول سے پہلے ہی تیار رہے۔ وقت ہوا کی طرح گزر جائے گا۔ غور کیجیے اب وہ بدبخت کہاں ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے۔ انہیں بھی دارِ جزاء کی طرف دھکیلا گیا ہے ایک دن یہ دنیا فنا ہو جائے گی۔ پھر اس عالم دنیا پر کوئی نہ ہوگا فرشتے۔ جن بنو آدم سب کو فنا ہے اس وقت تمام اعمالنامے لپیٹ لئے جائیں گے اور سوال و جواب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور سب حاضر ہوں گے پھر ہر چھوٹا بڑا عمل سامنے آ جائے گا۔ بدبختوں کو بدبختی اور نیک بختوں کو سعادت نصیب ہوگی۔ اے اللہ ہم موت کی یاد کا سوال کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں ہر وقت اطاعت کی توفیق نصیب ہو اور ظاہری یا باطنی طور سیدھے راہ پہ چلنے کی طاقت حاصل ہو اے قادر قوت رب کریم ہم ضعیفوں کی مدد فرما۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ ۵ وَالْوَزْنُ یعنی وزن اعمال یعنی واضح کرنا کہ راجح عمل کونسا ہے اور کمزور کون اور انہیں کھرا کون ہے اور کھوٹا کون۔ فارسی میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا کہ "سنجیدن اعمال ہریک کے اعمال کی تول الحق ہے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہے "راست دلودنی" سچ اور ہونے والی بات ہے۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ پس جس کے اعمال بھاری ہوں گے یعنی وہ نیکیاں جو تولی جائیں گی اگر بوجھل ہونگی موازین موزون کی جمع ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ میزان کی جمع ہو۔ بوجہ مختلف ہونے موزونات اور متعدد ہونے وزن کے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موازین کو جمع لانے میں راز یہ ہے کہ ہر ایک بندے کے مناسب حال پر علیحدہ علیحدہ ترازو کھڑے کئے جائیں گے۔ مثلاً بدن کے لئے ایک ترازو ہوگا کہ اس سے

بدن کے اوصاف تولے جائیں گے۔ اسی طرح سر کا ترازو ہو گا۔ اس سے اس کے احوال تولے جائیں گے خفی کا ایک اور ترازو ہو گا اس سے اس کے اخلاق تولے جائیں گے۔

فائدہ : خفی لطیفہ روحانیہ کا نام ہے یہی اخلاق ربانیہ کے فیض کے قابل ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خلق حسن کا بوجھ تمام اعمال سے زیادہ وزنی ہو گا اس لئے کہ خلق حسن بندوں کے اوصاف سے نہیں بلکہ رب العالمین کی صفت ہے اس لئے بندوں کو حکم ہے کہ وہ اخلاق الٰہیہ کی عادت پیدا کریں۔

فَاُولٰٓئِكَ لفظ من کے معنی میں جمع کے معنی کا اعتبار کر کے اشارہ جمع کا لایا گیا۔ هُمْ یہ ضمیر فصل کی ہے جو مسند الیہ و مسند کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ وہی لوگ کامیاب ہیں یعنی نجات و ثواب پانے والے ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ " فارسی میں اس کا ترجمہ یوں ہے " عملہائے وزن کردہ او کہ سبکی معصیت خواہد بود" یعنی جس کے عمل ہلکے ہوں گے یعنی دوسرا پلڑا گناہوں کی نحوست سے ہلکا ہلکا فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی فطرت سلیمہ کہ جس پیمان کی تخلیق ہوئی کو ضائع کر دیا اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جو عذاب کے سبب بنے تو انہوں نے اپنے نفوس کو خسارے میں ڈالا۔

فائدہ : حدادی نے فرمایا کہ " خسران بمعنی راس اعمال ضائع کر دیا اور انسان کا راس اعمال اپنا نفس ہے پھر جب وہ برے اعمال سے ہلاک و تباہ ہوا تو گویا اس نے نفس کو ضائع کر دیا۔ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۝ بوجہ اس کے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ یعنی ان کی تصدیق کے بجائے تکذیب کی اور بِمَا خَسِرُوْا کے متعلق ہے اور ما مصدریہ اور بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ کے متعلق ہو کر تکذیب کے معنیٰ کو متضمن ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ترازو صرف اہل حق اور ارباب صدق اور نیک عمل والوں کے لئے ہو گا اہل باطل کے لئے کوئی ترازو نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا۔

حدیث شریف : قیامت کے دن ایک ایسے مرد کو لایا جائے گا کہ دنیا میں بہت بڑا عظیم المرتبہ بڑا قد آور اور کھاتا پیتا تھا اسے تو لاجائے گا تو مکھی کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہو گا اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ وزن صرف اشخاص کا ہو گا نہ کہ اعمال کا جیسا کہ بعض علماء کا مذہب ہے لیکن جمہور کا مذہب ہے کہ اعمال کا وزن ہو گا ان اعمال کے صحیفے ہوں گے وہی صحیفے ترازو میں رکھے جائیں گے اس ترازو کے دو پلڑے ہوں گے اسے تمام لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تاکہ حق تعالیٰ کے عدل و انصاف کا ظہور ہو اور مجرموں کا عذر ختم ہو جب کہ اللہ تعالیٰ ان سے سوال فرمائے گا تو وہ اپنے گناہوں کا انکار کریں گے لیکن ان کی زبان اور دوسرے اعضاء گناہوں کی گواہی دیں گے اس کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام اور دوسرے گواہ بھی گواہی دیں گے اور ان کے اعمال اعمال ناموں میں

لکھے ہوں گے جنہیں مجرموں کے سامنے کر کے اللہ کی طرف سے پڑھایا جائے گا۔ یہ یوم حساب کے وقت ہو گا۔

حدیث شریف: قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کے ننانوے اعمال نامے کھولے جائیں گے جنہیں وہ بندہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہو گا لیکن ایک ایسا پرچہ نکالا جائے گا جس پر کلمہ شہادت لکھا ہو گا اس کے تمام اعمال ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں وہی کلمہ شہادت کا پرچہ رکھا جائے گا باوجود یکہ وہ پرچہ نہایت ہی چھوٹا ہو گا لیکن دوسرے تمام اعمال سے بوجھل ہو جائے گا۔

فائدہ: حدیث مذکور میں لفظ بطاقہ واقع ہوا ہے کاغذ کے اس چھوٹے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے کہ جو کپڑے کی پیٹ میں رکھ دیا جاتا ہے اس پر کپڑے کی قیمت لکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایت

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہ العالمین مجھے ترازو کی اصل صورت دکھلیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سامنے ترازو کی اصل صورت ظاہر فرمائی۔ دیکھا تو اس کا ایک کونہ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ یہ دیکھ کر داؤد علیہ السلام پر غشی طاری ہوئی جب افاقہ ہوا تو عرض کی یا اللہ کس سے اس کے پلڑے کے لئے نیکیاں جمع ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے داؤد علیہ السلام میں جس بندے سے راضی ہو جاؤں تو صرف ایک کھجور کے صدقے سے اس پلڑے کو پُر فرما دونگا

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ترازو کا ایک ستون پچاس ہزار سال کی مسافت کے برابر ہے اس کا ایک پلڑا نوری ہے دوسرا ظلماتی۔ نیکیاں نوری پلڑے میں اور برائیاں ظلماتی پلڑے میں رکھی جائیں گی۔

حکایت: ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اُن سے پوچھا آپ کے ساتھ کیا ہوا انہوں نے فرمایا کہ میری نیکیاں اور برائیاں تولی گئیں میری برائیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا پھر اچانک ایک تھیلی آسمان سے اتری اور میری نیکی کے پلڑے میں رکھ دی گئی۔ اس سے میری نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ میں نے اس تھیلی کو دیکھا تو اس میں وہ مٹی کا ڈھیلا تھا جو میں نے ایک مسلمان کی قبر پہ رکھا تھا۔

حکایت: ایک دوسرے شخص کا واقعہ ہے کہ اس کے عمل نامے لائے جائیں گے تو اس کی برائیاں بھاری ہو جائیں گی اس کے بعد ایک بادل سا آسمان سے اُترے گا جو اس کی نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ جائے گا اس سے اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا پھر اسے کہا جائے گا تجھے معلوم ہے یہ کیا ہے کہا واللہ اعلم۔ اُسے کہا گیا یہ تیرا علم ہے اسی کی برکت سے تیرا کام بن گیا۔ یعنی وہ علم کہ تو لوگوں کو پڑھاتا تھا۔

حکایت: ایک اور شخص کا واقعہ ہے کہ اس کے دونوں پلڑے برابر ہو جائیں گے یعنی نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جائیں گی عرض کرے گا یا اللہ اب میرا کیا ہو گا کہ نہ میں بہشتی اور نہ دوزخی۔ اس کے بعد ایک پرچہ اس کی

برسوں میں اچانک آکر پڑے گا زار ان کی برائیاں بوجھل ہو جائیں گی دیکھا جائے گا تو اس میں وہ جھڑکی ہوگی جو اس نے اپنے ماں باپ کو کی ہوگی اور یہ گناہ اتنا بوجھل ہے کہ پہاڑ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس کے بعد حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ بندہ عرض کرے گا مجھے جہنم سے تو انکار نہیں لیکن ایک دفعہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاؤ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے میرے ہاں لے آؤ۔ جب وہ حاضر ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے باپ کے بے فرمان تو مجھے کیا کہتا ہے عرض کرے گا یا اللہ مجھے معلوم تھا کہ میرے باپ نے جہنم میں جانا ہے۔ جیسا کہ اس کے اعمال تھے۔ میں نیکیوں پر بھروسہ کرتا تھا کہ میں بہشت میں جاؤں گا لیکن مجھے وہ بہشت دوہرا عذاب محسوس ہوتی جب کہ والد دوزخ میں ہو اس سے میرا ارادہ تھا کہ جہنم میں جاکر اسے چھڑا لوں گا اور جہنم میں جانے کا یہی واحد سبب تھا۔ جو میں نے کیا اللہ تعالیٰ اس کی اس بات سے خوش ہو کر فرمائے گا کہ دنیا میں تو باپ کا بے فرمان رہا اب آخرت میں اس کی فرمانبرداری کا دم بھرتا ہے۔ جا میں نے تجھے بخش دیا اور تیرے والد کو بھی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

طمع ز فیض کرامت مبر کہ خلق کریم
کہ بخشد و بر عاشقاں بخشاید

ترجمہ: فیض کرامت سے امید منقطع نہ کر۔ وہ بخشتا ہے اور بخشتا بھی عشاق کو ہے

بے حساب و بے کتاب ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب بہشت میں داخل ہوں گے اُن کے لئے کوئی ترازو نہیں لایا جائے گا۔ اس طرح اہل مصیبت کیلئے بھی کوئی ترازو نہیں رکھا جائے گا ان پر اجر و ثواب موسلا دھار بارش کی طرح برسے گا اس وقت دنیا میں تندرست رہنے والے لوگ آرزو کریں گے کاش ہمارے اجسام کو مقراضوں سے کاٹا جاتا جب کہ وہ بیماری و تکلیف والوں کے اجر و ثواب ملاحظہ کریں گے اس لئے کہ وہ لوگ بہشت کے ایک درخت کے سایہ تلے ہوں گے۔ شجرۃ البلوی نام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

تفسیر صوفیانہ اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ توحید رسمی کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی ضد پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث سجلات سے معلوم ہوا توحید حقیقی کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کا مدمقابل کوئی نہیں اس لئے کہ ایمان و کفر کا اجتماع محال ہے۔ البتہ ایمان اور سیئات کا اجتماع ہوا کرتا ہے اس لئے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ افضل الاذکار ہے اور صرف اللہ اللہ سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر افضل ہے۔ یہی عارفین کا مذہب ہے کیوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جامع ذکر ہے اس لئے کہ اس میں نفی بھی ہے اور اثبات بھی اور علم و عرفان پر مشتمل ہے جس سے خلق کے عین کی نفی صرف حکماً

کی اور علاً نہیں تو اس نے حق کا اثبات کیا حکماً بھی علاً بھی اور اللہ جامع جمیع الاسماء ہے اور وہ صرف ایک ہے کسی دوسرے پر اس کے اطلاق کا شائبہ ممکن نہیں ۔ یہی ذات حق کا مستحق ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں سے اونچا کرنا۔

فائدہ : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ میزان صرف سات اعضاء کے اعمال کے لئے ہے اور وہ اعضا سات یہ ہیں (۱) سمع (۲) بصر، (۳) زبان (۴) ہاتھ (۵) پیٹ (۶) فرج (۷) پاؤں ۔

فائدہ : اعمال معنویہ کے لئے یہی میزان ظاہری نہیں بلکہ ان کے لئے عمل کا ترازو ہوگا وہ بھی معنوی ترازو ہے اس سے واضح ہوا کہ ظاہری اعمال کے لئے ظاہری ترازو ہوگا اور معنوی اعمال کے لئے معنوی ترازو ہوگا ۔ اس لئے کہ ہر شے اپنی جنس کے بالمقابل ہوتی ہے ۔

فائدہ : علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حساب کے اختتام کے بعد ہی ترازو رکھا جائے گا اس لئے کہ اعمال کا وزن جزاء کے لئے ہوگا اور وہ محاسبہ کے بعد ہی موزوں ہے کیوں کہ محاسبہ تقریر اعمال کے لئے ہوتا ہے اور وزن مقادیر کے اظہار کے لئے تاکہ جزاء اسی کے مطابق دی جائے ۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للفناری)

سبق : روحانی پر لازم ہے کہ وہ خیرات و حسنات و طاعات میں سبقت کرے بالخصوص وہ حسنات جو سب سے افضل و اعلیٰ ہوا اور وہ کلمۂ شہادت ہے اس لئے کہ اعمال میں یہی سب سے زیادہ وزنی ہے تاکہ اسے کامیاب لوگوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہو ۔

تفسیر عالمانہ : وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ ۔ اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر قدرت بخشی یعنی تمہارے لئے زمین پر مکان و قرار بنایا اور تمہیں اسمیں تصرف کرنے کی قدرت دی کہ جیسے چاہو اسمیں تصرف کرو ۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ اور تمہاری اس میں وجہ معاش بنائی یعنی اسمیں تمہاری ضروریات و مصلحتوں کے لئے اسباب پیدا کئے تاکہ تم اس میں زندگی بسر کرسکو معاش معیشۃ کی جمع ہے وہ شے جس سے زندگی بسر کی جائے ۔ مثلاً کھانے پینے و دیگر ضروریات کی اشیاء یہ قریش کو خطاب ہے اس لئے کہ انہیں جملہ عرب پر فضیلت تھی پھر وہ گرمیوں میں ملک شام میں اور سردیوں میں ملک یمن میں تجارت کے لئے جاتے انہیں ایسے سفروں میں کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا جیسے اور جب چاہتے چلے جاتے ۔ انہیں کسی سے کوئی خوف نہ تھا اور لوگ عزت و احترام سے پیش آتے اس لئے کہ حرم شریف سے نسبت رکھتے اور اس کے مجاور تھے ۔ لوگ ان کے گرد جمع ہوتے اور وہ تجارت کے کام میں سے اپنے کھانے پینے و دیگر ضروریات پہ کامیاب تھے ۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ تم میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو میری دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ : آیت میں اشارہ ہے کہ "تمکین" لفظ عام اور جامع ہے اس سے ہر قسم کے اسباب خیر کی تحصیل کی تملیک و تسلیط و قدرت مراد ہو سکتی ہے وہ دینی ہو یا دنیوی یا آخری

اسی طرح کمال استعداد المعرفۃ والمحبۃ اور طلب اور سیر الی اللہ ونیل الوصول والوصال وغیرہ اور یاد رہے کہ اس تمکین کا شرف صرف حضرت انسان کو نصیب ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ اس وجہ سے وہ مسجود ملائکہ ٹھہرا اور اسی سے اس کی خلافت کا امر پایہ تکمیل کو پہنچا ہے اور وہ نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام سے مخصوص ہے بلکہ اس کی اولاد کو بھی یہ دولت عطا ہوئی چنانچہ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ کے عموم سے معلوم ہوا ہے
یعنی اے بنو آدم علیہ السلام ہم نے تمہیں زمین کی خلافت بخشی جو کہ اور کسی دوسرے
زمین کے مکینوں کو نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی آسمان والوں کو اور صرف تمہیں اس کی معاش
سے ہر قسم کی اشیاء بخشیں کہ تمہارے اندر ملکیت حیوانیت شیطانیت کے جواہر رکھ دیئے گئے کہ تم ان سے دنیا میں زندگی بسر کرو۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے لئے انہیں میں وجہ معاش بنائی ہے کہ تم ان چہار عناصر یعنی ملکیت شیطانیہ حیوانیہ وانسانیہ کا مجموعہ ہو۔ اس بنا پر ملکی معیشہ انسان کے روح کو نصیب ہوئی اور حیوانی اس کے بدن اور شیطانی اس کے نفس امارہ کو جب کسی کو یہ تینوں معیشتیں نصیب ہوتی ہیں تو وہ اس ترکیب سے مرتبہ انسانیت کو پاتا ہے۔ اسی طرح کا مجموعہ نہ ملک کو نصیب ہے نہ کسی دیگر حیوان کو اور نہ شیطان کو اور انسانی مراتب یہ ہیں (۱) قلب (۲) سر (۳) خفی قلب کی معیشت شہود اور سر کی معیشت کشوف اور خفی کی معیشت وصال وصول، قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ بہت تھوڑے ہیں جو ان نعمتوں کا شکر کرتے ہیں۔ وہ نعمتیں یہ ہیں (۱) نعمۃ التمکین (۲) نعمۃ الانس، ان نعمتوں کو سامنے رکھ کر انہیں بیان کرو اس لئے کہ نعمتوں کو ماننا شکر ہے تو انہیں بیان کرنا بھی شکر ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ) ؎

نعمت بے وشکر گذار نده اند کیست
گوینده سپاس الٰہی زصد کیست

ترجمہ، نعمتیں بہت لیکن شکر کرنے والے کتنے ہیں۔ اللہ کا شکر کرنے والا سو میں ایک ہے

قاعدہ جو نعمت کا شکر نہیں کرتا کبھی اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور اس سے بھی نعمت چھن جاتی ہے جو اس کی قدر نہیں کرتا۔

حکایت مروی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ بلعم باعورا کو اتنی بڑی نعمتیں اور کراماتیں دیکر اس سے کیوں چھینی گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے جب سے یہ نعمتیں اور کراماتیں عطا کیں اس نے کبھی کسی ایک دن بھی اس کا شکر ادا نہ کیا۔ اگر وہ ایک دفعہ بھی ان کا شکر ادا کرتا تو کبھی اس سے یہ نعمتیں وکراماتیں نہ چھینتا۔

سبق اے بندۂ خدا ضرور شکر کر اللہ تعالیٰ ہر نعمت پر شکر کرنے کی جدوجہد کر بلکہ اُس کی حمد بجا لا کہ اُس نے اپنی کرم نوازی سے تجھے اسلام جیسی نعمت سے نوازا۔ مثلاً اپنی تسبیح و تہلیل کی توفیق بخشی اور اپنی غذا کو استعمال کرنے سے بچایا جو اس کی ناراضگی کا موجب بنتی ہے۔ یہی اس کا لطف ہے کہ ہم اس کا شکر ادا کریں تو پھر مزید نعمتوں سے نوازتا اور ایسی دولت سے بچاتا ہے کہ اسے بڑے عہدے سے نہیں ہٹاتا ورنہ سب عہدے شاہی ذلت و خواری اس کے لئے بن جاتی ہیں جو بہت بڑے عہدے پر پہنچ کر نیچے گرا دیا جائے بلکہ اس سے وہ عہدہ و مرتبہ چھین لیا جائے اسے کہتے ہیں الاہانۃ بعد الاکرام عزت دے کر ذلیل کرنا۔ الطرد بعد التقریب قربت سے دور کر کے دور ہٹا دینا۔ "الفراق بعد الوصل" وصال دیکر جدا کر دینا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱ ۔ نداند کسے قدر روز خوشی
گر روزے افتد بسختی کشی

۲ ۔ مکن تکیہ بر دستگاہے کہ ہست
کہ باشد کہ نعمت نماند بدست

۳ ۔ بسا اہل دولت بہ بازی نشست
کہ دولت برفتش ببازی ز دست

۴ ۔ فضیحت بود خویشتن را ندوختن
پس از خرمن خویشتن سوختن

۵ ۔ تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

۶ ۔ اگر بندہ کوشش کند بندہ وار
عزیزش بدارد خداوند گار

۷ ۔ وگر کند ایست در بندگی
ز جانداری افتد بجز بندگی

ترجمہ ۱: "خوشی کے ایام کی قدر کوئی نہیں جانتا تو ایک دن وہ سختی کھینچنے میں مبتلا ہوگا۔
۲ : اس طاقت پر جو تجھے ملی ہے تکیہ نہ کر ہوسکتا ہے تیرے ہاتھ میں یہ نعمت نہ رہے۔
۳ ۔ بہت سے دولتمند کھیل کود میں بیٹھے ہی تھے کہ ان کے ہاتھ سے دولت چھین لی گئی۔

باقی صفحہ پر

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

اور بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہارے نقشے بنائے پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ

تو وہ سب سجدے میں گرے مگر ابلیس یہ سجدہ والوں میں نہ ہوا فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب

اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

میں نے تجھے حکم دیا تھا بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ

فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر غرور کرے نکل تو ہے ذلت

الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ

والوں میں بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے مہلت

الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾

ہے بولا تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان

شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ

کے بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندہ ہوا

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

ضرور جو ان میں سے تیرے کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا اور اے آدم تو اور تیرا

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

جوڑا جنت میں رہو تو اس سے جہاں چاہو کھاؤ اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا

بڑھنے والوں میں ہو گے پھر شیطان نے ان کے جی میں خطرہ ڈالا کہ ان پر کھول دے ان کی شرم کی چیزیں جو

مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا

ان سے چھپی تھیں اور بولا تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اسی لیے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم

مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

تو اتار لایا انہیں فریب سے پھر جب انہوں نے وہ پیڑ چکھا ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں اور اپنے بدن پر

عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

جنت کے پتے چپٹانے لگے اور انہیں ان کے رب نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا

وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا

اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے ہم نے اپنا

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا

آپ برا کیا تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔ فرمایا اترو تم میں

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا

ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے فرمایا اسی میں

تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے اٹھاؤ گے

بقیہ ص

۴۔ رسوائی ہے خوشے جمع کرنا اپنی خرمن جلانے کے بعد۔

۵۔ سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکا۔ ڈنڈہ برستے وقت فریاد بے سود ہے۔

۶۔ اگر بندہ بندوں کی طرح کوشش کرے تو اس سے مالک پیار کرتا ہے۔

۷۔ اگر خدمت میں سستی کرے تو عزت سے ذلت میں گریگا!

اے اللہ ہمیں ناشکری سے بچا اور ہر گھڑی اور ہر آن ہمیں شکر گزاری کی توفیق عطا فرما۔

اس پیڑ سے منع نہ کیا اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے[۲۲] دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے[۲۳] فرمایا اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے[۲۴] فرمایا اسی میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں اٹھائے جاؤ گے[۲۵]

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ۔ اور ہم نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری تصویر بنائی یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے مٹی سے بلا صورۃ مخصوصہ بنایا۔ اس کے بعد اس کا نقشہ تیار کرکے اس کی صورت بنائی یعنی اس سے آدم علیہ السلام کی مکمل تخلیق مراد ہے گویا یوں کہا گیا کہ پہلے ان کی تخلیق کا ارادہ ہوا پھر اس کی مکمل تخلیق فرمائی یا یہ مراد ہے کہ ان کی اولاد کو زمین پر آباد کیا۔ اگر صرف آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ان کی اولاد ان کے ضمن میں مطلوب ہے تو ضمیر کا جمع لانا مجازی ہے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ پھر ہم نے تمام ملائکہ سے فرمایا اس سے تمام ملائکہ مراد ہیں کہ لفظ عام ہے اور اس کا مخصص بھی کوئی نہیں۔ اِسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو تحیۃ تکریم کا سجدہ کرو۔ اس لئے شرعی سجدہ یعنی عبادت کی نیت پر سر زمین پر ٹیکنا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے فَسَجَدُوْا حکم سنتے ہی بلا جھجک تمام فرشتے سجدے میں گر گئے۔ اِلَّآ اِبْلِیْسَ لیکن شیطان ابلیس لَمْ یَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ان حضرات سے نہ ہوا جنہوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو سجدہ کرتا تھا۔ قَالَ یہ نیا جملہ ہے اور سوال کا جواب ہے گویا پوچھا گیا کہ جب شیطان نے سجدہ نہ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو اس کے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَا" کونسی شے نے مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ لفظ لا لئلا یعلم اھل الکتاب کی طرح صلہ کا ہے۔ وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اہل کتاب کا علم محقق ہو جائے جیسے یہی مطلب ہے کہ ابلیس کا سجدے سے انکار محقق ہو جائے۔ اِذْ اَمَرْتُكَ جب کہ میں نے تجھے حکم فرمایا۔ قَالَ ابلیس نے کہا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ مجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اس بات نے روکا ہے کہ میں اس سے افضل ہوں۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ تو نے مجھے آگ سے اور اُسے مٹی سے پیدا کیا۔ نار ایک نورانی لطیف جوہر ہے اور طین ظلمانی اور کثیف جسم ہے لہٰذا نار طین سے افضل ہوئی۔ وہ لعین فضیلت کا دارو مدار مادیہ عنصریہ کو سمجھ بیٹھا۔ تب ہی تو دھوکا کھا گیا۔

۱: ز آدمی ابلیس صورت دید و بس
غافل از معنی شد آں مردود خس

۲: نیست صورت چشم را نیکو بمال
تا ببینی شمع نور جمال

ترجمہ: ۱ ۔ ابلیس نے آدم کا صرف ظاہر دیکھا وہ کینہ معنی سے غافل تھا۔

۲ ۔ بال کی طرح آنکھ لگانے رکھنا چاہتے ہیں اس سے ہٹ کر نور جلالی کی شعاعیں دیکھ۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؂

۱ ۔ صورتِ خاک ار چہ دارد تیرگی در تیرگی
نیک بنگر کز معنی صفا از صفاست

۲ ۔ ایں جائزِ خاک کاندر وصفِ او صاحبدلی
نکتہ گفتش کز انست دیدۂ جاں را جلاست

۳ ۔ جستن گوگرد احمر عمر ضائع کردنست
رُو نے برخاک سیاہ آور یکسر کیمیاست

ترجمہ ۱ ۔ صورت خاک اگرچہ تاریکی در تاریکی ہے (اندھیرا ہی اندھیرا ہے) اچھی طرح دیکھ اس لئے کہ معنی کا دیکھنا صفائی میں ہی ہے۔

۲ ۔ اس مبارک خاک کے متعلق کسی صاحب دل نے نکتہ کہا ہے کہ اس سے دیدۂ ہی دیدۂ جاں کو روشنی نصیب ہوتی ہے۔

۳ ۔ گندھک سرخ کی تلاش سراسر عمر ضائع کرنا ہے اسی خاک سیاہ کی طرف توجہ کر یہ کہ سراسر کیمیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؂

۱ ۔ گفت نار از خاک بے شک بہتر است
من ز نار او ز خاک اکدر است

۲ ۔ پس قیاس فرع بر اصلش کنیم
او ز ظلمت من ز نور روشنیم

۳ ۔ گفت حق نے بلکہ لا انساب شد
زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

۴ ۔ ایں نہ میراثِ جہان فانیست
کہ با نسابش بیان جانیست

۵ ۔ بلکہ ایں میراثِ انبیاء است
وارث ایں جانہا اتقیا ست

۶۔ پور آن بوجہل شد مؤمن عیاں
پور آن نوح نبی از گمرہاں

۷۔ زادۂ خاکی منور شد چو ماہ
زادۂ آتش توئے اے روسیاہ

۸۔ ایں قیاسات و تحری روز ابر
یا بشب مر قبلہ را کردست خبر

۹۔ لیک با خورشید و کعبہ پیش رو
ایں قیاس و ایں تحری را مجو

۱۰۔ کعبہ نادیدہ مکن رو رو متاب
از قیاس واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ ۱: کہا کہ نار خاک سے بہتر ہے میں نار سے ہوں اور وہ میلی کچیلی مٹی سے ہے۔
۲۔ تو فرع کا اصل پر قیاس کریں گے وہ اندھیرے سے میں روشن نور سے ہوں
۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا قانون لا انساب (نسب کی کوئی بات نہیں) زہد و تقویٰ فضیلت کی محراب (اصل) ہے۔
۴۔ یہ میراث جہان فانی کی نہیں اسکی انساب تو روحانی میراث ہے۔
۵۔ بلکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے ایسی جانوں کے وارث متقی ہیں۔
۶۔ بوجہل کا بیٹا مومن (کامل) ہوا۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا گمراہوں میں مل گیا۔
۷۔ مٹی کا پیدائشی روشن چاند کی طرح ہو گیا۔ آتش کا پیدائشی تو ہے اے سیاہ چہرے والا (لعنتی)
۸۔ یہ قیاسات اور سوچیں ابر کے دن میں ہوتی ہیں یا رات میں کہ اسے قبلہ مجبوراً بنایا گیا۔
۹۔ لیکن جب سورج سامنے اور کعبہ آگے ہو تو یہ قیاس اور سوچ کی تلاش کیوں۔
۱۰۔ کعبہ دیکھے بغیر کسی طرف منہ کر ہاں نظر نہ آئے تو قیاس سے منہ نہ پھیر (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر صوفیانہ

حضرت آدم علیہ السلام کی مسجودیت اور سجدہ کرنے والوں پر فضیلت اسی مٹی سے خمیر ہونے کی وجہ سے نہیں تھی۔ اگرچہ ان کا یہ شرف بھی کچھ معمولی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ خود اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ کما قال مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اور حدیث شریف میں ہے "خمّر اللہ طینۃ آدم بیدہ اربعین صباحاً" آدم علیہ السلام کے گارے کو چالیس روز تک

اپنے دستِ اقدس سے گوندھا۔ بلکہ اُن کی یہ خصوصیت و فضیلت نفخِ رُوح سے تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلا واسطہ کما قال تعالیٰ ونفخت فیہ من روحی۔ اور اس خصوصی تجلی کی وجہ سے تھی جو نفخ روح کے وقت انہیں نصیب ہوئی۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے "ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر انہیں اپنی خصوصی تجلی سے نوازا یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کا حکم تخلیق کے بعد نہیں بلکہ نفخ رُوح کے بعد ہوا چنانچہ فرمایا " انی خالق بشرا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین"

نکتہ: آدم علیہ السلام نفخ رُوح کے بعد تجلی حق کے مستعد ہوگئے کیونکہ رُوح میں بوجہ لطافت و نورانیت تجلی حق کا استحقاق حاصل تھا۔ پھر وہ مٹی کا ڈھانچہ جس نے فیضِ الٰہی کو قبول کیا اور تجلی کے وقت اسے اپنے اندر محفوظ رکھا وہ مسجود ملائکہ حق وار ٹھہرا۔ اس وجہ سے وہ حقیقی کعبہ کہلانے کا مستحق ہے اور حقیقی کعبہ ہونے کی وجہ سے ملائکہ نے سجدہ کیا۔

تفسیر عالمانہ قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فاھبط اے ابلیس اُتر جا منھا بہشت سے۔

سوال: ابھی بہشت کا ذکر نہیں ہوا۔ اور ضمیر اس کے لئے پہلے لائی گئی۔ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آگیا اور وہ ناجائز ہے۔

جواب: اس کے ساکنین کی وجہ سے وہ بہشت مشہور تھی اور کسی کی شہرت پر اسجدوا فی الذین کی بناء پر ضمیر لائی جاتی ہے۔

فائدہ: وہ اس وقت جنتِ عدن میں تھے نہ کہ جنت خلد میں اور اسی جنت عدن میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور ابلیس کو یہ امر سزا کے طور پر ہے جب کہ اس نے حکم الٰہی سے انکار کر کے معصیت کا ارتکاب کیا۔

فما یکون لک تیرے لئے ناروا ہے یا نامناسب یا تیرے شان کے لائق نہیں کہ ان تتکبر فیھا یہ کہ تو بہشت میں تکبر کرے۔

مسئلہ: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ باہر تکبر جائز ہے بلکہ وہ ہر جگہ ناجائز ہے۔ فاخرج پس نکل جا۔ فاھبط کی تاکید کے طور واقع ہوا ہے۔ انک من الصٰغرین بے شک تو ذلیلوں سے ہے یعنی تو اُن ذلت بھروں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے نزدیک ذلیل و خوار ہیں صرف تیرے تکبر کی وجہ سے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس لئے اپنی درگاہ سے ہٹا کر بہشت سے نکالا کہ اس نے تکبر کیا نہ کسی دوسری غلطی کی وجہ سے۔

حدیث شریف: جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کی اسے اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ دے گا اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و خوار کرے گا۔ مثنوی شریف میں ہے

۱۔ علتی بد تر ز پندارِ کمال
نیست اندر جانت اے مغرورِ ضال

۲۔ از دل و دیدہ ات بس خوں رود
ناز تو عجب بیروں رود

۳۔ علت ابلیس اناخیر بدست
دین مرض در نفس ہر مخلوق ہست

۴۔ گرچہ خود را بس شکستہ بیند او
آب صافی دان و سرگیں زیر جو

۵۔ چوں بشوراند ترا در امتحان
آب سرگیں زنگ گردد در زمان

۶۔ در تنگ جو ہست سرگیں اے فتی
گرچہ جو صافی نماید مر ترا

ترجمہ ۱۔ کوئی بیماری پندار (خیالی قیاس سے خود کو اچھا سمجھنا) سے بد۔ اے مغرور اے گمراہ تیرہ جان میں کوئی بیماری۔

۲۔ تیری دل اور آنکھ سے بہت خون جاری ہوگا یہ تیرا ناز و فخر اور عجب خارج ہوجائیگا

۳۔ انا خیر (میں بہتر ہوں) کی بیماری ابلیس کو ہوئی اور یہ بیماری مخلوق کے ہر نفس میں ہے۔

۴۔ اگرچہ وہ بظاہر خود کو نہایت عاجز ظاہر کرے اور صاف پانی کی طرح صاف ہو لیکن سرگین (گندگی) تو نیچے چھپی ہوئی ہے۔

۵۔ امتحان کے وقت تجھ سے ظاہر ہو جائے گی اسی وقت میں وہ سرگین کے پانی سے صاف پانی گدلا ہو جائے گا۔

۶۔ نہر کے تہہ میں اے نوجوان سرگین (گندگی) ہے اگرچہ وہ تجھے صاف نظر آتا ہے۔

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفس کی شرارتوں سے خون کے آنسو بہاتے تھے۔

حکایت منقول ہے کہ شہر کا قاضی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا تمہاری طرح ہم بھی تو پڑھے ہیں لیکن جتنی تمہارے اندر کشش اور تاثیر ہے ہمارے میں نہیں اس کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا کہ سیر بھر اخروٹ لے کر ایک برتن میں ڈال کر اپنے گلے میں ڈال دے اور بر سر بازار اعلان

کرتا جا کر جب تجھے ایک طمانچہ لگے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔ یہاں تک کہ تمام اخروٹ ختم ہو جائیں اسی طرح طمانچے کھاتے جاؤ اور اخروٹ دیتے جاؤ۔ جب تم اس طرح کرو گے تو تمہارے اندر بھی ہماری جیسی کشش اور تاثیر پیدا ہو جائے گی۔ قاضی نے کہا "استغفر اللہ" حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا یہ تم نے دوسرے گناہ کا ارتکاب کیا اس لئے کہ تجھے تکبر سے بچنے اور خلوص پیدا کرنے کا نسخہ بتاتا ہوں اور تو اس پہ استغفار پڑھتا ہے یہی تو تکبر ہے جو تمہیں ہماری جیسی تاثیر اور کشش پیدا نہیں کرنے دیتا۔

روحانی نسخے: حضرت ابو جعفر بغدادی نے فرمایا چھ خصلتیں چھ آدمیوں سے اچھی نہیں۔

(۱) طمع علماء سے (۲) عجلت امراء سے (۳) بخل اغنیاء سے (۴) تکبر فقراء سے (۵) کینہ پن مشائخ سے (۶) خطرہ ملامت محاسبین سے۔

سبق: سالک کو تو حید کا پابند ہونا لازمی ہے اس لئے کہ وہ سیف یزداں ہے کہ وہ گندی خصلت کو نفس سے کاٹ کر باہر پھینک دیتی ہے۔ قَالَ شیطان نے کہا جب کہ وہ بارگاہِ حق سے دھتکارا گیا۔ انظرنی مجھے مہلت دیجئے یعنی موت واقع نہ ہو۔ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ اس وقت تک جب کہ لوگ اٹھائے جائیں یعنی آدم علیہ السلام اور انکی اولاد جزا کے دن اٹھائے جائیں۔ فنا ہونے کے بعد۔ اس سے نفخ صور ثانی مراد ہے اس سے اس ملعون کا یہ ارادہ ہوا کہ آدم اور آدم زادوں کو گمراہ کرنے اور ان سے ایمان کی پونجی چھیننے کا مقصد تھا اور ارادہ کیا کہ وہ موت سے بچ جائے گا۔ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انکَ من المنظرین ○ بے شک تجھے مہلت دی گئی یعنی تو منجملہ ان لوگوں کے ہے جن کی عمریں نفخہ اولیٰ تک باقی رکھی جائیں گی۔

سوال: شیطان نے مہلت مانگی نفخہ ثانیہ تک۔ تم نے آیت میں نفخہ اولیٰ کی قید کیوں لگائی۔

جواب: ہم نے اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ المنظرین کو دوسرے مقام پہ الی یوم الوقت المعلوم سے تعبیر فرمایا ہے اور بالاتفاق الوقت المعلوم سے نفخہ اولیٰ مراد ہے اس لئے کہ اس دن تمام مخلوق مرے گی۔ اس میں ان کے ساتھ ابلیس بھی مرے گا۔

فائدہ: نفخہ اولیٰ و ثانیہ کے درمیان کا فاصلہ چالیس سال کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض دعا مستجاب ہوئی نہ کہ کل۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استدراج کے طور کافر کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اس پر علماء کا فتویٰ ہے

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ فرمایا حالانکہ اس وقت سوائے ابلیس کے اور کوئی نہ تھا۔ گویا آنے والوں کو مدنظر رکھ کر کہا گیا۔

فائدہ عجیبہ ابلیس زمانہ کی رفتار کے مطابق بوڑھا ہوکر پھر اسے تیس سالہ بنایا جاتا ہے اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ؎

غافلاں از مرگ مہلت خواستند

عاشقاں گفتند نے زود باد

ترجمہ : غافلوں نے موت سے مہلت چاہی لیکن عشاق نے کہا بہت جلد ہو۔

نکات : ابلیس کو مہلت دینے کے چند وجوہ ہیں (۱) وہ گمراہ کرنے پر زور لگائے اس سے واضح ہو کہ بندوں میں فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون۔ گویا بندوں کی آزمائش کے لئے اسے مہلت دیدی

(۲) اسے مہلت دیکر مخلصین کے ثواب میں اضافہ فرمایا تاکہ وہ اس کی شرارت سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کے مستحق بنیں اور مجرموں کی سزا کا معیار قائم ہو جائے کہ نافرمانی سے یوں سزا ملتی ہے

(۳) اسے اس لئے مہلت ملی کہ اس نے لاکھوں سال آسمان وزمین پر عبادت کی اس کی عبادت کا ثمرہ اسے ابھی مل جائے تاکہ قیامت میں اس کا مطالبہ نہ کرسکے اور معلوم ہو کہ وہ کریم کسی کے عمل ضائع نہیں کرتا ۔

(۴) استدراجاً اسے طویل عمر عطا ہوئی کہ اسے معلوم ہو بھی نہیں کہ اس سے اس کا بیڑا غرق ہو رہا ہے کہ قیامت میں تمام اشرار وکفار سے اس کے جرائم کا انبار بڑھا ہوا ہوگا لیے

طویل عمر ہلنے سے عقل والوں کو عبرت دلانے کے لئے ہے کہ طویل عمر ہونا کچھ اچھا معاملہ نہیں۔ اگر یہ معاملہ اچھا ہوتا تو شرارتیوں کے سردار کو لمبی عمر نصیب نہ ہوتی ۔

فائدہ : اسمیں اختلاف ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بلا واسطہ کلام فرمایا یا ملکہ فرشتہ کا درمیان میں واسطہ تھا ۔ اصح یہی ہے کہ اس وقت اس سے فرشتے کے واسطے سے کلام کیا گیا۔ اس لئے کہ بلا واسطہ کلام کرنا ایک شرافت اور بزرگی اور عزت واحترام پر دلالت کرتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام ان کی عزت واحترام کی وجہ سے تھا اور یہ مرتبہ صرف حضرت موسیٰ اور حضرت خلیل اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور بس ۔

سوال : بذریعہ پیغام اس سے ہمکلام ہونا بھی ایک شرافت ہے حالاں کہ یہ ابلیس کے لئے ثابت ہے جیسے تم نے بتایا۔ پھر جیسے پیغام ابلیس وغیرہ کے لئے ثابت ہے اور اس سے شرافت اور بزرگی کا پہلو نہیں نکلتا کلام میں بھی ایسے ہی ہو۔

جواب کسی کی طرف پیغام بھیجنا ہمیشہ شرافت اور بزرگی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام حجت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون اور ہامان کو میرا فلاں پیغام پہنچا دو تو اس سے

ان کی شرافت کا کیا معنیٰ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تھے ۔ بہرحال بلاواسطہ کسی سے ہمکلام ہونا ایک شرافت ہے جو ابلیس کو نصیب نہ ہوئی ۔

سوال : قرآن مجید میں ہے "یوم ینادیھم" یہ ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے قیامت میں کفار سے ہمکلام ہونا ثابت ہوا ۔

جواب : وہاں بھی بالاتفاق یہ ندا ملائکہ کرام کے واسطہ سے ہوگی ۔ قَالَ کہا ابلیس نے فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ پس قسم کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا ۔ یہ بارقسم محذوف فعل سے متعلق ہے اور اغواء بمعنی اضلال (گمراہ کرنا) یعنی سیدھے راستے سے ہٹا دیا اور اس کی وجہ سے مجھے اپنی رحمت سے محروم کر دیا تو میں تیری عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تاک میں بیٹھا رہوں گا جیسے راہگیروں کے لئے ڈاکو ڈاکہ مارنے کے لئے راستوں پر تاک میں بیٹھتے ہیں ۔ صِرَاطَكَ تیرے سیدھے راستہ پر اَلْمُسْتَقِيْمَ وہ راستہ جو بہشت کی طرف لے جائے ۔ اس سے دین اسلام مراد ہے اور قعود سے بنو آدم کو گمراہ کرنے میں جدوجہد کرنا مراد ہے اس لئے کہ جو شخص شیطان کی جدوجہد کی وجہ سے گمراہی کے گھاٹ اُترا تو گویا وہ اپنی منزل مقصود سے محروم رہ کر فارغ البال ہو کر بیٹھ گیا ۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ پھر میں ان کے ہاں آؤں گا ۔ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ یوم آخرت سے پہلے اور انہیں آخرت کے متعلق شک میں ڈال دوں گا یا ان کے دلوں میں حسد ڈالوں گا اور اس طریقہ سے بہتر بنا کر اُن کے دلوں میں حسد پیش کروں گا کہ وہ اپنے ہم زمان علماء مشائخ پر حسد کر کے اُن کے احوال و اعمال و اقوال پر طعن زنی کریں گے [1] وَمِنْ خَلْفِهِمْ اور ان کے پیچھے یعنی از جہت دنیا کہ انہیں دنیوی امور کی رغبت دلاؤں گا یا از جہت تعصب کہ وہ صحابہ تابعین اور سابقہ مشائخ و اولیاء کرام پر طعن و تشنیع کریں گے اور اُن کے بغض میں مبتلا ہوں گے ۔ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ اور ان کی دائیں جانب یعنی از جہت حسنات کہ انہیں عجب و ریاء میں مبتلا کروں گا یا از جہت انبساط کہ مریدین کو باوجود یکہ مشائخ و علماء و اولیاء کی صحبت میں گزاریں گے لیکن آداب مجلس سے محروم ہوں گے کہ ان کی عظمت و ہیبت اُن کے دلوں میں اٹھا لوں گا اور ایسا بے باک بنا دوں گا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر بلاتکلف کلام کریں گے اور مذاق اور ہنسی اور ٹھٹھہ مخول کرنے سے نہیں رکیں گے ۔ اس بنا پر وہ صحبت کے فیوض و برکات سے محروم ہو جائیں گے ۔ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ اور ان کی بائیں جانب سے یعنی از جہت مخالفت کے اپنے مشائخ

---

[1] جیسے عموماً وہابیہ ، دیوبندیہ اور اُن کے جملہ فرقوں ، شیعہ ، خارجی ، تبلیغی ، احراری ، مودودی وغیرہ کا حال اور عادت ہے یا پھر آج کل کے نیچری و طلوع اسلامی و مغرب زدہ ۔

۱۲ اُویسی غفرلہٗ ۔

وعلماء کے اوامر نواہی کی صریح مخالفت کریں گے۔ اور انہیں ان کی مخالفت پر سخت اکساؤنگا۔ پھر غیرت ولایت کے حملوں سے انہیں تباہ و برباد کر ڈالوں گا۔ اگرچہ وہ اُن کے ارشادات کے قبول کرنے کے مدعی ہونگے لیکن ہونگے پکے مخالف۔

فائدہ :۔ ان چہار جہتوں کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ دشمن کا حملہ ہمیشہ انہیں جہات سے ہوتا ہے اس سے شیطان کی سخت جدوجہد کا بیان ہے کہ وہ انسان کو بہکانے اور سیدھے راہ سے ہٹانے میں پوری جدوجہد کرتا ہے۔ جس طرح سے اس سے بن پڑتا ہے وہ انسان کو راہ حق سے ہٹا کر جہنم کی طرف لے جانا چاہتا ہے

نکتہ :۔ اس وجہ سے تحت و فوق کا ذکر نہیں کیا گیا کہ دشمن کا حملہ ان دو جہتوں سے ہوتا نہیں اور اگر ہوتا ہے تو بہت کم۔

نکتہ :۔ چار جہتوں میں پہلی دو جہتوں کو مِنْ سے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دو جہتوں سے شیطان انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور دوسری دو جہتوں کو لفظ عن سے اس لئے کہ ان دونوں جہتوں سے مجاوزت مطلوب ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ "جَلَسْتُ عَنْ یَمِیْنِہٖ" ۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ میں اس کی جانب یمین سے متجاوز ہو کر بیٹھا گویا اس سے منحرف ہو کر بیٹھا ہوا۔ اس سے شیطان کے شدید حملہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ ۝ اور تم اُن کے اکثر کو ناشکرا پاؤ گے۔ یعنی اُن کے اکثر مطیع نہیں ہونگے۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ کافر ہے وہ جو اپنے منعم کو پہچانتا۔

- **فائدہ** :۔ شیطان نے یہ بات بطور ظن و تخمینہ کے کی نہ کہ اسے اس کا علم یقینی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد صدق علیہم ابلیس ظنہ اس لئے کہ اولاد آدم کے جب اوصاف سُنے تو ان میں متعدد ادصاف مبداء شرور و فساد تھے۔ مثلاً شہوت، غضب اور دیکھا کہ اسمیں مبداء خیر و فساد ایک ہے یعنی عقل اور اسے خیال گزرا کہ متعدد کو اکیلے پر غلبہ ہو سکتا ہے بنا بریں وہی کہا جو مذکور ہوا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

سہ ۱۔ نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد
کہ نیاں نیاید بجز کارِ بد

۲۔ فغان از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

۳۔ چوں ملعون پسند آمدش قہر ما
خدا ایش برانداخت از بہر ما

۴۔ کجا سر بر آریم ازیں عار و ننگ
کہ با او بصلیم و با حق بجنگ

ترجمہ ا۔ کیا ابلیس نے ہمارے حق میں طعنہ نہیں مارا تھا کہ ان سے سوائے برے کاموں کچھ نہیں آئے گا۔
۲۔ نفسوں کی برائیوں سے فریاد ہے کہ کہیں ابلیس کا گمان سچا نہ ہو جائے۔
۳۔ چونکہ ملعون کو ہاسے لیئے قہر پسند ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے ہماری خاطر رتبہ سے گرایا۔
۴۔ اس عار و ننگ سے ہم کب سر اونچا کر سکتے ہیں کہ اس دشمن ابلیس کے ساتھ ہمیشہ صلح اور حق تعالیٰ کے ساتھ جنگ۔

۵۔ قال اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا " اُخْرُجْ مِنْهَا بہشت سے نکل جا درانحالیکہ مَذْءُومًا تو مذموم ہے ذام سے ماخوذ ہے بمعنی ذمہ ذام۔ مہموز الفاء اور مضاعف کا ایک معنیٰ ہے دراصل کسی کو سخت عیب دار کہنے کو کہا جاتا ہے۔ مَدْحُورًا دھتکارا گیا جب کہ اس نے عیب کیا اور اپنے آپ کو اعلیٰ افضل سمجھا۔

فائدہ: اس سے آنے والی تمام مخلوق کو عبرت حاصل کرنی چاہیے لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ ۔ یہ لام قسم کے لئے اور من شرطیہ ہے اس کا فارسی میں معنی ہوا کہ بخدا کہ ہر کہ درپے تو آید " خدا کی قسم جو بھی تیری تابعداری کریگا۔ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ۔ میں تمہیں جہنم سے بھر دونگا۔ یہ قسم کے جواب اور شرط کی جزا کے جواب کے قائم مقام ہے۔ یعنی اے ابلیس میں تجھے اور تیری اولاد سے آدم علیہ السلام کی کافر اولاد سے جہنم کو بھروں گا۔

حدیث شریف جہنم اور جنت نے آپس میں جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا میرے اندر سرکش اور متکبر ہوں گے۔ بہشت نے کہا میرے اندر ضعیف و مسکین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جسے چاہوں عذاب دوں گا اور بہشت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے اندر انہیں داخل کروں گا۔ جن پر میرا رحم و کرم ہو گا اور میرا وعدہ ہے کہ میں تم دونوں کو پُر کرونگا۔

فائدہ: شیطان کے تابع وہی لوگ ہوں گے جنہیں چار جہتوں سے شیطان گمراہ کرنے کی قسم کھا چکا ہے اور وہ اس کے حکم کو مانیں گے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ شیطان کی اتباع سے بچے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں زندگی بسر کرے تاکہ جہنمیوں کے ساتھ اسے جہنم میں داخل نہ ہونا پڑے۔

حدیث شریف جب قیامت کا دن ہو گا تو ہر مومن کو ہر دین باطل کا ایک فرد دکھایا جائے گا کہ اسے تجھ پر فدا کر کے جہنم میں داخل کیا گیا ہے۔

فائدہ : اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اہلِ ایمان سے بہت بڑا لطف وکرم ہے کہ اُن پر اپنے دشمنوں کو فدا کرے گا۔

فائدہ : فدیہ بننے کا کچھ معنی اور ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے وعدہ کیا کہ تمہیں جنوں اور انسانوں سے پُر کیا جائے گا تو اب جب کہ اسے کافروں مجرموں سے بھر دیا تو گویا یہی لوگ اہلِ ایمان کا فدیہ بن گئے۔

فائدہ : اہلِ اسلام جب پُل صراط سے گزریں گے تو جہنم سے بچنے کے لئے کفار کو شعلوں میں جھونکا جائے گا اس معنی پر انہیں اہلِ اسلام کا فدیہ کہا گیا۔

حکایت : ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو بکر بن الحسین المقری کو اس رات خواب میں دیکھا جس شب کو ان کا انتقال ہوا میں نے اُن سے پوچھا۔ استاد کیا معاملہ ہوا انہوں نے کہا کہ جس رات میں فوت ہوا اسی رات ابُوالحسن عامری فوت ہوا تو اسے میرا فدیہ بنا یا گیا (ابوالحسن عامری مشہور فلسفی تھا اور مجھے کہا گیا کہ اسے تیرا فدیہ بنایا گیا ہے۔

حدیث شریف : قیامت میں اہلِ اسلام پہاڑوں کی طرح گناہ لائیں اور اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان کے گناہ یہود و نصاریٰ کے سر پہ رکھ دے گا۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اہلِ اسلام پر اہلِ کفر کو فدا فرما دے اور یہ بھی اہلِ معصیت کے ساتھ اس کا عدل اور اہلِ اسلام سے فضل ہے۔ اسمیں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ وہ اس مسئلہ میں کہتے ہیں کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر نہیں رکھا جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی" اگرچہ اس آیت کا اہلِ سنت کے نزدیک کچھ اور معنی ہے لیکن یاد رہے کہ معتزلہ اس مسئلہ میں قرآن وسنت کے خلاف چلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ۔ یہ آیت مذکورہ بالا مسئلہ کی تائید کرتی ہے اس کا پہلی آیت سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ جن گناہوں کا بوجھ کفار پر رکھا جائے گا اگرچہ لفظاً غیروں کے ہیں لیکن درحقیقت یہ اُنہیں کے ہیں۔ "وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ وَاِلَیْهِ الْمَاٰلُ"

۱۹ وَیٰٓاٰدَمُ اور ہم نے کہا اے آدم علیہ السلام۔ یہ ارشاد آدم علیہ السلام کو ابلیس کو بہشت سے نکالنے کے بعد ہوا اُسْکُنْ اَنْتَ، تم ٹھہرے رہو۔ یہ امر اباحت کا ہے۔ آدم کی عزت و تکریم کے لئے فرمایا وَزَوْجُكَ اور اپنی زوجہ سمیت (یعنی بی بی حوا) زوج کا لفظ اہلِ عرب کے نزدیک اس عددی فرد کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ دوسرا ساتھی ہو اور وہ ان دونوں پہ زوجان مستعمل ہوتا ہے۔ (اَلْجَنَّةَ) بہشت میں۔

فائدہ : اس سے یا تو دار الخلد مراد ہے، دار الجزا ہے۔ اسی کو اکثر اہلِ علم نے لیا ہے اسپر چند دلائل بھی قائم

کئے ہیں ۔ بعض کے نزدیک اس سے وہ جنت مراد ہے جو آسمان میں ہے ۔ جس سے یہ حضرات نیچے اُترے تھے اور بہشت جیسے سلسلہ اور نعمتیں اور رونق و سرور وغیرہ وغیرہ ایسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے امتحان کے لئے یہاں زمین پر تیار فرمائی ۔ بعض محققین اسی کو ترجیح دیتے ہیں ۔ ان میں چند اہل ظاہر ہیں اور کچھ اہل باطن اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی میں ٹھہرا کر حکم فرمایا کہ فلاں درخت سے نہ کھانا ۔ یہ حکم تکلیفیہ ہے اور بہشت میں احکام تکلیفیہ کہاں ۔ وہاں تو احکام کی خبر ملے گی ۔ علاوہ ازیں وہ اس میں نیند کرتے رہے اور پھر نکالے گئے اور اس کے اندر ابلیس بھی چلا گیا ۔ حالانکہ بہشت میں نیند کیسی اور آدم علیہ السلام کا خروج بعد الدخول کیا اور پھر ابلیس کو جب بہشت سے نکالا گیا تو پھر اس کا داخلہ کیسا ۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قابیل مدعی تھا کہ میں بہشت کا بچہ ہوں ۔ (یعنی میری ولادت بہشت میں ہوئی ۔)

حکایت مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو وصال کے وقت بہشت کے انگور کی خواہش ہوئی آپ کی اولاد میں سے چند لوگ اس کی تلاش کے لئے نکلے ۔ راستہ میں انہیں ملائکہ کرام ملے اور پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا جاتے والد ماجد کو بہشت کے انگور کی خواہش ہوئی ۔ فرشتوں نے کہا اب تم واپس جاؤ ۔ تمہارا کام بن گیا جب وہ واپس لوٹے تو ملائکہ کرام نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی ۔ انہیں غسل دیا گیا ۔ ان کے کفن کو خوشبو لگائی گئی آپ کی نماز جنازہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پڑھائی ۔ آپ کی اولاد نے اُن کے پیچھے پڑھی پھر انہیں دفنایا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا قیامت تک تمہارے مُردوں کے لئے یہی طریقہ رہے گا ۔

فائدہ : اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر جنت زمین پر نہیں اور اس کا ملنا ناممکن ہے تو پھر اس کی تلاش کیسی ۔ معلوم ہوا کہ بہشت زمین پہ ہے نہ کہ آسمان پہ ۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ دریائے نیل بہشت سے نکلتا ہے اگر وہ زمین پر نہیں تو دریائے نیل کے نکلنے کا کیا مطلب ۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ وہ بہشت زمین کے باغ سے ہے ۔ (واللہ اعلم) **فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا** پس کھاؤ جہاں سے چاہو اور بہشت کی جن نعمتوں اور اور اس کے ثمرات سے جس طرح کھاؤ ۔ تمہارے لئے عام اجازت ہے اور وہ بہت بڑی وسعت ہے ۔ **فَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ** ۔ اور اس درخت کے قریب مت جانا ۔

فائدہ : اس درخت کے متعلق بھی اختلاف ہے جس کا تفصیلی ذکر سورہ بقرہ میں گزرا ہے اور اُسے مبہم رکھنے اور ذکر نہ کرنے میں مصلحت ہے اگر اسے ذکر کیا جاتا تو آدم علیہ السلام کو جس مصلحت کے لئے روکا گیا ہمیں بھی اس کے کھانے سے روکا گیا ۔ ہمیں بھی اس کے کھانے سے روکا جاتا جیسے کہ دوسرے امور کا معاملہ ہے اس طرح سے ہمارے لئے تکلیف ہوتی اور اللہ تعالیٰ بندوں کی تکلیف نہیں چاہتا ۔ (کذا فی احکام الرحمان) **فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝** پس تم دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے ۔ یعنی تم بھی منجملہ ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو اپنے نفسوں

؎ : ان اقوال کی تردید فقیر کی تفسیر اُویسی میں ہے (۱۲)

پر ظلم کیا کرتے ہیں۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ ای یریدالیهما۔ اہلِ عرب مجوعہ فعل کو کسی کی طرف پہنچانے کا اسے وسیلہ بناتے ہیں۔ دراصل اس خفی کلام کو کہا جاتا ہے جو بار بار شیطان کسی انسان کے دل میں ڈالے تاکہ جو چیز شرعاً بُری ہے وہ اسے اچھی محسوس ہو۔

فائدہ: شیطان نے جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالنے کی تدبیر بتائی تو پہلے بی بی حوا اور اُن کے سامنے بہت رویا۔ ایسا کہ اُس کے رونے سے دونوں میاں بیوی غمگین و حزیں ہوئے انہوں نے اس سے پوچھا۔ ارے بیچارے تو کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا مجھے تمہارا غم لاحق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ تم مر جاؤ گے تو ایسے اعزاز و اکرام سے محروم ہو جاؤ گے۔ شیطان کی بات اُن کے دل پر اثر کر گئی۔ اس کے بعد اُن کے پاس آیا اور وسوسہ ڈالا اور کہا "تا آپ کا" اس کا بیان ابھی آتا ہے۔ لِیُبْدِیَ لَهُمَا تاکہ انہیں ظاہر کردے یہ لام عاقبت کی ہے اس لئے کہ اس لعین نے اُن کے دل میں اس لئے ڈالا تاکہ اس کا انجام یہ ہو کہ وہ دونوں معصیت میں مبتلا نہ ہوں۔ اس کا ارادہ نہیں تھا کہ اُن کے عورات ظاہر ہوں۔

سوال: جب اس کا ارادہ معصیت میں ڈالنے کا نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ظہورِ عورات کا نام کیوں لیا۔

جواب: چونکہ معصیت کے بعد انجام یہی ہونا تھا اس لئے بطور تشبیہ اسے بیان فرمایا گیا۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام غرض کی ہو اس لئے کہ شرمساری میں مبتلا ہوں وہ اسی طرح ہو سکتا تھا کہ ملائکہ کے سامنے اُن کے ستر کھل جائیں اس لئے کہ ابلیس نے ملائکہ کی کتابیں پڑھی تھیں کہ آدم علیہ السلام کا بھی ستر ہے لیکن خود آدم علیہ السلام کو اپنے ستر سے (بوجہ استغراق وغیرہ) بے خبری تھی۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ ستر کا کھولنا خلوت میں بھی ناجائز ہے کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

مسئلہ: اپنی زوجہ کے سامنے بھی بلاضرورت کشفِ عورت قبیح اور ناموزوں ہے۔

حکایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے زندگی بھر اپنا فرج نہیں دیکھا۔ اس نیت پر کہ جن آنکھوں نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھا پھر نہایت قبیح امر ہے کہ اُن آنکھوں سے فرج کو دیکھوں[1]

سبق: جب اپنے فرج کو دیکھنے کے متعلق علماء کرام کا یہ خیال ہے تو پھر غیر کے فرج کو دیکھنے کے متعلق وہ کیا فرمائیں گے۔

مسئلہ: ستر کھولنا سب سے قبیح ترین فعل ہے۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زندگی بھر نہ میں نے حضور علیہ السلام کا ستر دیکھا اور نہ آپ نے میرا۔ مَاوٗرِیَ عَنْهُمَا وہ جو ان دونوں سے چھپایا گیا

---

[1] بعض روایتوں میں یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے منقول ہے ۱۲۔ اُویسی رضوی غفرلہ۔

دوری واری کا ماضی مجہول ہے مِنْ سَوْاٰتِهِمَا ان دونوں کے ستر سے وہ نہ ملے۔ اپنا ستر دیکھتے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کا۔ اس لئے کہ انہوں نے کچھ اس طرح کا لباس پہنا ہوا تھا کہ انہیں اندر کے حصے نظر نہیں آتے تھے۔

فائدہ: سَوْاٰت سُوْءَۃ کی جمع ہے اور اسے سوءہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے انسان شرمساری اور سوائی پاتا ہے۔

سوال: ان دونوں کے لئے جمع صیغہ کیوں۔

جواب ۱: نحوی قاعدہ ہے کہ تثنیہ کا صیغہ تثنیہ کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور ایسی اضافت مکروہ ہے بوقت ضرورت مضاف کو جمع کر دیا جاتا ہے۔

جواب ۲: اسے جمع لانا ہی موزوں تھا۔ اس لئے کہ ان دونوں کے دو دو علیحدہ ستر شمار ہوئے مثلاً دُبر و قبل اس طرح سے چار ہوئے اور اس کے لئے صیغہ جمع کا لانا مناسب ہے۔

سوال: انہیں سَوْءَۃ سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے۔

جواب: اُن سے کھلنے سے انسان کو شرمساری اور خجالت ہوتی ہے بنا بریں انہیں سوءۃ سے تعبیر کیا گیا۔ وَقَالَ اُس کا عطف اور ہوس پر ہے اور اس کی وضاحت کے لئے شیطان نے کہا۔ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے کھانے سے نہیں روکا۔ اِلَّآ مگر اس لئے کہ اسے نامنظور ہے۔ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ۔ یہ کہ تم دونوں ملائکہ کی طرح ہو جاؤ جسمانیت کے لحاظ سے یا غذا کھانے پینے سے مستغنی ہو جانے سے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: ملائکہ کا بعض باتوں میں (مثلاً نہ کھانا نہ پینا) انبیاء کرام پر مطلقاً افضلیت ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ نوع بشر میں بعض دوسرے وجوہ موجود ہیں جو ان کی ملائکہ پر افضلیت کو ترجیح دیتے ہیں اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ سے یہ بھی مراد نہیں کہ اس کی حقیقت بشریہ حقیقت ملکیہ سے تبدیل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ایسا انقلاب محال ہے

فائدہ: سعدی مفتی نے فرمایا کہ اشاعرہ کے نزدیک انقلاب حقیقت جائز ہے۔ اس لئے کہ اجسام ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں۔

فائدہ: انسان، ملک، جن کی صورت اور شکل میں ایک دوسرے کے مباین ہیں۔ اگر انسان اس صورت اور شکل پہ باقی رہے تو انسان ہے۔ اگر اس شکل وصورت سے اسے تبدیل کیا جائے تو وہ انسان نہیں رہتا فرشتے اور جن تشکلات ظاہرہ کے بدلنے سے اپنی حقیقت سے مختلف نہیں ہو جاتے اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۔ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ یعنی تمہیں موت نہ آئے اور ہمیشہ بہشت میں رہو ۵ وَقَاسَمَهُمَآ اور اُن کے سامنے

قسمیں کھائیں۔

سوال : قسم تو صرف ابلیس نے کھائی پھر تثنیہ کیوں جب کہ یہ جانبین کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس نے قسم کھانے کی ایسی جد و جہد کی گویا اس کی ایک قسم دو کے برابر تھی۔ اِنِّی لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں سے ہوں یعنی جو کچھ کہتا ہوں اس میں تمہاری خیر خواہی مطلب ہے النصح بعنی بذل المجهود فی طلب الخیر فی حق الغیر۔ دوسرے کی طلب خیر میں جد و جہد کرنا۔ فَدَلّٰھُمَا پس درخت سے کچھ کھانے کیلئے انہیں اوپر سے نیچے اتارا۔ یا بلند مرتبہ سے گرا دیا۔ یعنی اطاعت کے مرتبہ سے گرا کر معصیت کے مرتبہ میں پہنچا دیا اور یہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا راستہ ہے۔

فائدہ : التدلیہ بعنی ارسال الشیٔ من الاعلیٰ الی الاسفل کارسل الدلو فی البر یعنی شئے کو اوپر سے نیچے لٹکانا جیسے ڈول (ڈولکہ) کو کنویں لٹکایا جاتا ہے۔ بِغُرُوْرٍ بوجہ اس کی جھوٹی قسم کھا کر دھوکہ میں ڈالنے کے وہ اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ قسم کھا کر دھوکہ میں ڈالنے کے وہ اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ قسم کھا کر بات کر رہا ہے تو سمجھے کہ جھوٹی قسم کون کھاتا ہے اس لئے دھوکہ کھا گئے اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ قسم کا اعتبار کرے خواہ جھوٹی ہو۔ اس لئے کہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام عظمت ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض علماء کرام کا فرمان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں مومن اچھا اور کریم ہے اور فاجر کم بخت لئیم ہے۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا۔ پس جس وقت انہوں نے درخت کو چکھنے کا ارادہ کیا تو انہیں سزا نے گھیرا اور معصیت کی شامت سامنے آگئی تو ان سے لباس اترنے لگا اور ان کے ستر کھل گئے اس سے دونوں حضرات حیاء میں ڈوب گئے۔

حدیث شریف اخبار میں ہے کہ ان کے ستر کو ان کے سوا اور کسی نے نہ دیکھا (آدم علیہ السلام کا لباس جنت میں ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا جو نہایت لطیف اور نرم اور بہت سفید تھا۔ جس سے اصلی بدن پر کسی کی نظر نہ پڑ سکتی تھی۔ جب انہوں نے گندم دانہ کھایا تو وہ تمام لباس اتر گیا صرف ان کے انگلیوں کے سروں پر باقی رہا تاکہ چھنی ہوئی نعمت کی یاد دہانی ہو سکے اور انہیں دیکھ کر ہر وقت نادم ہوتے رہیں۔ بعض کہتے ہیں ان کا لباس نورانی تھا جو ان کے بدن کے اندرونی حصہ کے نظر سے حاجب تھا۔ بعض کے نزدیک بہشت کے لباسوں سے ایک لباس تھا۔ وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ اور وہ دونوں ڈھانپتے اور چپکاتے تھے ایک پتے کو دوسرے پتے پر عَلَیْهِمَا اپنے بدن پر یا اپنے ستر پر۔ اگر سوآتہما یعنی سر مراد ہو تو صفت قلوبکما کے قبیل سے ہوگا۔ یعنی جمع کے صیغے کی طرف تثنیہ کا ارجاع اور وہ جائز ہے جبکہ اس جمع سے تثنیہ کا معنیٰ مراد ہو۔ جس کا قاعدہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں[1] اور قاعدہ مذکورہ کے علاوہ جب مقصد

---

[1] اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "نغم الالهی" میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہ

ومراد میں التباس نہ ہو تو بھی جمع کی طرف تثنیہ کی ضمیر لوٹانا جائز ہے۔ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ بہشت کے پتوں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ انجیر کے پتے تھے۔

انجیر کی کہانی

بہشت میں آدم و حوا علیہما السلام کو انجیر کے سوا کسی اور درخت نے پتے نہ دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ جیسے تم نے آدم و حوا علیہما السلام کو پتے دیئے ہیں ایسے ہی تجھ سے تیرا پھل پہلے نکالوں گا اور دوسرے درختوں کے پھل بعد کو ہوتے ہیں[1]۔ یہی وجہ ہے کہ انجیر کے سوا باقی تمام درختوں کے ثمر پہلے ایک غلاف میں ہوتے ہیں اور جب پکتے ہیں تو ظاہر ہوتے ہیں بخلاف انجیر کے کہ اس کا پھل غلاف کے بغیر ابتداءً ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ستر کھولنا آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہی قبیح ہے کسی شریعت نے اسے جائز نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آدم و حوا علیہم السلام ستر کھلتے ہی فوراً پتوں سے ستر ڈھانپنے کے درپے ہوئے کیونکہ ان کے عقلوں میں یہ مسئلہ راسخ تھا کہ کشف عورت قبیح ہے وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اُن کے رب نے فرمایا یعنی اُن کے مالک کے امر سے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں زجر و توبیخ د محبت کرتے ہوئے) فرمایا۔ ممکن ہے کہ یہ حکم انہیں بذریعہ وحی پہنچا ہو اگرچہ فرشتے کے ذریعے یا اُن کے دل میں الہام کے طور کہا گیا ہو۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس دفعہ کی خجالت اُن کے لئے تمام دُکھ اور تکالیف سے سخت تر تھی۔

اَلَمْ اَنْهَكُمَا۔ کیا میں نے تمہیں منع نہ کیا تھا۔ یہ نادٰهُمَا کی تفسیر ہے اور اس کا علیحدہ کوئی اعراب نہیں۔ عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ۔ کیا میں نے تمہیں نہیں فرمایا تھا۔ وَاَقُلْ لَّكُمَا کا اَلَمْ اَنْهَكُمَا پر عطف ہے اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ قول باری تعالیٰ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى کی طرف اشارہ ہے اور لکما فیہ کے معنیٰ سے متعلق ہے۔

آدم علیہ السلام کا زمین پر اُترنا

مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام کیا بہشت کے دوسرے درخت اس درخت سے بہتر نہیں تھے۔ عرض کی یا اللہ بہتر تھے لیکن مجھے یہ خیال گزرا کہ یہاں کون جھوٹی قسم کھا سکتا ہے۔ جب ابلیس نے قسم کھا کر کہا تو مجھے اعتبار آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا عیش تا قیامت نہیں ملے گا۔ اب زمین پر جاؤ اور کما کر کھاؤ۔ دکھ اور تکلیف سے رزق ملے گا۔ آدم علیہ السلام زمین پر اُترے اور لوہے کے کاروبار اور کھیتی باڑی کے لئے مامور ہوئے۔ آپ نے کھیتی کی اُسے پانی دیا۔ بڑی ہوئی تو اسے کاٹا اور کاٹ کر گاہا اور صاف کر کے پیسا اور چھانا اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی د پھر کھائی) قَالَا غلطی کا اعتراف اور اظہار توبہ کر کے دونوں نے کہا۔

---

[1] یعنی عام درختوں کو پہلے پھول لگتے ہیں پھر پھل، مگر انجیر کو پہلے پھل پھر پھول۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۔ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا یعنی خطا کرکے اپنے آپ کو ضرر پہنچایا اور بہشت سے نکالے جانے کا سبب ہم نے خود تیار کیا ۔ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے یعنی ستر پوشی نہ فرمائے ۔ وَتَرْحَمْنَا اور ہماری توبہ قبول کرکے ہم سے اوپر رحم نہ فرمائے ۔ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ تو ضرور ہم ہلاکت والوں سے ہوں گے ۔ جنہوں نے گھڑی بھر کی لذت کے بدلے آخرت کا بہت بڑا حصہ ضائع کیا ۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صغائر پر بھی سزا ہوتی ہے اگر انہیں معاف نہ کیا جائے ۔ ان میں مغفرت مشکوک ہے یقینی نہیں ۔

تنبیہہ: آدم علیہ السلام کا یہ فعل بھی صغائر سے ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی ۔ قصداً گندم دانہ نہیں بلکہ شیطان لعین کی جھوٹی قسم پر اعتماد کرکے کھایا تھا کہ اس ملعون نے قسم کھا کر جھانسا دیا ۔ جس سے اُن کی طبیعت کا میلان ہو گیا ۔ جیسے فطرۃ انسانی کا تقاضا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیشِ نظر پھر بھی آپ رُک گئے ۔ چند لمحات کے بعد انہیں حکم ربانی یاد نہ رہا اور جو حکم اس درخت کے کھانے سے مانع تھا وہ زائل ہوا تو میلانِ طبع کے تحت اسے تناول فرما لیا اور یہ کوئی قابلِ گرفت بات نہیں جب کہ نسیان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود ہی دی ہے ۔ کما قال فنسی آدم اور اُن کے قصداً کھانے کی نفی فرمائی ہے ۔ کما قال " ولم نجد لہ عزماً " اور جو فعل نسیان سے کیا جائے وہ عام انسانوں کے لئے بھی گناہ نہیں چہ جائیکہ ایک پیغمبر علیہ السلام ۔

دوسری تقریر: آدم علیہ السلام نے اجتہاد کے طور گندم دانہ کھایا اور انبیاء علیہم السلام کو اجتہاد روا ہے جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد مشہور ہے اور وہ اجتہاد یہ تھا کہ " نہی ربانی " مبنی بر تنزیہ ہے ۔ اگرچہ ان کا یہ اجتہاد مبنی بر صواب نہیں تھا اور وہ قابلِ گرفت نہیں جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد[1]

مسئلہ: کھیتی میں مبنی بر صواب نہیں تھا اور انہیں کوئی گرفت نہ ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بھی (سلیمان علیہ السلام) کی تعریف فرمائی ۔

تیسری تقریر: آدم علیہ السلام نے ایک خاص درخت کی طرف اشارہ سمجھا ۔ اگرچہ اشارہ خاص درخت کی طرف تھا ۔ لیکن اس سے اس کے جمیع انواع مُراد تھے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ریشم اور سونا ہاتھ میں لے کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں میری اُمت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لئے حلال (جائز) ہیں ۔ اس کے اجتہادات قابلِ گرفت نہیں ہوتے[24] قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا " اعدلوا "

---

[1] ایسے ہی امیر معاویہ کا اجتہاد جو انہوں نے حضرت علی سے جنگ لڑی ۔ رضی اللہ عنہما ۔ ۱۲ ۔ اویسی غفرلہ ۔

اُترجاؤ یہ خطاب آدم وحوا علیہما السلام اور ان کی اولاد کو یا انہیں اور ابلیس کو ہے بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ تم میں ایک دوسرے کے ہو ۔ یہ اهبطوا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی در انحالیکہ تم ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے ہوگے۔ ابلیس کی عداوت کی عادت ایسے ہے جیسے بچھو کو ڈسنے کی اور بھیڑیے کو بکری وغیرہ پر جھپٹنے کی عادت ہے کہ اسے اس لئے عداوت ہوئی کہ اس کی شان و شوکت آدم علیہ السلام نے چھینی ہیں اسی لئے ابلیس سے عداوت کرنے کا حکم ہے کہ بیٹے پر لازم ہے کہ وہ باپ کے دشمن سے دشمنی رکھے۔ وَلَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ اور تمہیں زمین پر ایک وقت ٹھہرنا (مستقر) یعنی قرار گاہ اور آرام کی جگہ ۔ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ۔ ایک وقت تک یعنی جب تمہاری عمریں ختم ہوں گی۔

(ربط) یہ سن کر آدم علیہ السلام مغموم و محزون ہوئے کہ شاید ان کی بہشت کی طرف واپسی نہ ہو۔ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ فِیۡہَا تَحۡیَوۡنَ ۔ اسی زمین میں زندہ رہوگے یعنی زندگی بسر کروگے۔ وَفِیۡہَا تَمُوۡتُوۡنَ ۔ اور اسی میں تمہاری قبریں ہوں گی۔ یعنی اس میں تم مدفون ہوگے۔ وَمِنۡہَا اور اسی سے جزا کے لئے نکالے جاؤگے

فائدہ :۔ آیت کے مضمون سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام بہشت میں واپس تشریف لائیں گے اور اس میں تسلی بھی دی گئی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نوازے گا اور ان کے ساتھ بہشت کا وعدہ کریمہ بھی ہے۔

فائدہ عجیبہ : امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حجابات سے نوازا کہ وہ ملائکہ کے مسجود ہوئے تو انہیں ان کا مسجود بنایا گیا۔ ان کے سر پر موصل وصال کا تاج شاہانہ رکھا گیا اور ان کے جسم اطہر کو کرامت کا لباس پہنایا گیا اور ان کی کمر میں قربت کا کمربند باندھا گیا اور ان کے گلے میں قرب الٰہی کا ہار پہنایا گیا۔ اپنی مخلوق میں اس سے اور کسی کو افضل نہ بنایا اور نہ ہی کوئی ہم پلہ پیدا ہوا نہ ہوگا۔ ہر لحظہ انہیں اللہ تعالیٰ سے تسلی کے لئے ندا آتی۔ یا آدم یا آدم۔ لیکن جب لباس اُتارا گیا تو اس سے وہ اُنس اٹھا گیا اور وہ مراتب (وقتی طور) چلے گئے اور زمانہ کا رنگ بدل گیا۔

سبق سالک کو غور کرنا چاہیے کہ جب ایسے ذی شان بزرگ سے صرف ایک سہو (خطا) کے ساتھ کی وجہ سے ایسے ہوا تو اس کا کیا حشر ہوگا جو معمولی انسان ہو کر سر سے پاؤں تک جرائم و معاصی میں گھرا ہوا ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ گونہ دعوی وصلت کنم بجاں کہ شدست
م وکیل قضائر دلم ضمان فراق

ترجمہ :۔ کیسے وصال کا دعویٰ کروں اس جان سے جس کی قضا کا وکیل اور دل فراق کی ضمانت میں ہے۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر ہر ایک پر جاری ہوتی ہے نبی علیہ السلام ہو یا ولی کامل ہ

نہ از پردہ تقویٰ پدر اُفتادم و بس

پدرم نیز بہشت ابداز دست بہشت

ترجمہ: پردہ تقویٰ سے ہمارا دادا علیحدہ ہوا میرے باپ نے بھی دائمی بہشت ہاتھ سے گنوا دی تھی۔

تفسیر صوفیانہ درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام نے محبت کے درخت کا پھل کھایا جس سے محنت کے جال میں گرفتار ہوئے تو انہیں ہجر وفراق کی تلقین کی گئی اور فرمایا کہ چند دنوں کے بعد تمہیں اس دیدار سے نوازا جائے گا پھر سب نے دیکھا کہ تنزلات صوریہ سے انہیں کتنی ترقیات معنویہ نصیب ہوئیں

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج

بلیٰ بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ: عیش کا مقام بلا تکلیف حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں بحکم قالوا بلیٰ الست کے حکم کے ہم پابند ہیں۔

فائدہ صوفیانہ شجرۂ علم مجرد مکاشفہ ومشاہدہ ومعائنہ کے بغیر قریب جانے سے منع کیا گیا اس لئے کہ صاحب شجرہ لذات ثمرات الحقیقۃ سے محروم ومحجوب کردیا جاتا ہے اسے چاہیے کہ ابتدا میں مشاہدہ کے لئے ہمت سے کام لے تاکہ موت سے پہلے ایسے کمال تک پہنچ سکے۔ اگر اچانک موت نے گھیر لیا اور وہ ابھی راستہ میں ہوا۔ جب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُسے منزل تک پہنچا دے گا۔ اگرچہ دنیا میں نہ سہی برزخ میں ہی۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ شجر تدبیر کے قریب بھی نہ بھٹکے اس لئے کہ تقدیر نہ غنی کو چھوڑتی ہے اور نہ فقیر کو۔ یہی راز ہے صوفی کی نماز میں۔

صوفی نماز: قیام صلوٰۃ میں تقدیر ازلی کی طرف اشارہ ہے یعنی اپنے جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور رکوع میں تقدیر ابدی یعنی تسلیم ورضا کی طرف اشارہ ہے اور سجدہ میں فنا کلی کی طرف اس لئے کہ جیسے سالک پر لازم ہے کہ وہ جیسے ان صفات کی عادت ڈالے ایسے ہی پورے طور فنائیت بھی حاصل کرے۔

دوسری آیت کی تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فِيهَا تَحْيَوْنَ" یعنی محبت و وصل طلب صبر کرکے کشادگی کا دروازہ کھلنے اور جمعیت پر ثابت قدم رہنے کی زندگی بسر کرو گے۔ وَفِيهَا تَمُوتُونَ طلب حق میں اقدام طریقت سے شریعت پر مرو گے۔ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ اور اس سے عالم حقیقت کی طرف رجوع کرو گے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام

نے فرمایا" جیسے زندگی بسر کروگے اسی حال پہ مروگے اور جس حال پہ مروگے اسی پہ اٹھوگے۔

۱۔ بکوش خواجہ و از عشق بے نصیب مباش
کہ بندہ را نخرد کس بعیب بے ہنری

۲۔ مرا دریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
دعائے نیم شبے بود و گریہ سحری

ترجمہ ۱: اے خواجہ کوشش کر عشق سے بے نصیب نہ ہو۔ کوئی بھی اس بندے کو نہیں خریدتا جس میں عیب کے ساتھ بے ہنری ہو۔

۲: میری اس ظلمات میں کس نے رہبری کی وہ دعائے نیم شب اور سحر کے وقت کی گریہ وزاری۔

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ

اے آدم کی اولاد بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پرہیزگاری

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ

کا لباس وہ سب سے بھلا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا

اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ

تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا اتروا دیئے ان کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بیشک

يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ

وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے بیشک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ

ہے جو ایمان نہیں لاتے اور جب کوئی بے حیائی کریں تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا اور اللہ

اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا

نے ہمیں اس کا حکم دیا تو فرماؤ بیشک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کی تمہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّىْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

خبر نہیں تم فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَ

اور اس کی عبادت کرو نرے اس کے بندے ہوکر جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے ایک فرقے کو راہ دکھائی

فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور ایک فرقے کی گمراہی ثابت ہوئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا اور سمجھتے یہ

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

ہیں کہ وہ راہ پر ہیں اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں

تفسیر عالمؒ ۲۶ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ یہ تمام لوگوں کو خطاب ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا ننگے ہوکر طواف کرتے تھے اور کہتے کہ ہم وہ کپڑے پہن کر طواف نہیں کرتے۔ جن سے ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ چنانچہ یہی آیت اُن جواب کے رد میں نازل ہوئیں۔ قَدْ اَنْزَلْنَا لِبَاسًا۔ اے

آدم ہم نے تمہارے لئے لباس اُتارا۔ یعنی آسمان سے ایسی بارش نازل فرمائی جو تمہارے لباس کی پیدائش کا سبب بنے۔ جو کچھ بھی زمین سے نکلتا ہے مثلاً کپاس روئی وغیرہ یہ سب آسمان کے پانی سے پیدا ہیں۔ ایسے ہی جانوروں کے بال اور اُون وغیرہ بھی آسمان کے پانی سے ہیں۔ کیونکہ جانور جب تک گھاس وغیرہ نہ کھائیں پیئیں تو اُون وغیرہ کہاں سے آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کا قوام بھی آسمان کے پانی پر ہے۔

فائدہ: آسمان کے پانی میں قوت فاعلہ ہے اور زمین میں قوت قابلہ اور تمام حوادث ارضیہ آسمان کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ تمام وہ اشیاء جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں تمام کی تمام آسمانی تدبرات سے ہوتی ہیں۔ **يُوَارِي سَوْاٰتِكُمْ** جو تمہارے ستروں کو ڈھانپے۔

فائدہ: باوجودیکہ ستر ڈھانپنے کا کپڑا بھی موجود ہو تب بھی کوئی اس سے ستر نہ کرے تو قبیح ترین عمل ہے

فائدہ: جیسے شیطان گمراہ کرتا ہے تو اس کی یہی حالت ہوتی ہے جیسے آدم و حوا علیہما السلام سے گیا جیسے ان کا

وَرِيْشًا یہ اس قبیل سے ہے کہ جس کا موصوف محذوف کر کے اس کی صفت اس کے قائم مقام کھڑی کر دی جائے یعنی دراصل لباس ریشاً تھا ای ذات ریش و زینۃ تجملون بہ" یعنی ایسا لباس جو پروں و زینت والا ہے جس سے تم سنگتے ہو۔ زینت کو ریش سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جیسے پرندے کے لئے پر زینت ہیں ایسے ہی لباس انسان کے لئے بناؤ سنگار ہے۔ ہم نے تمہارے اوپر دو لباس نازل کئے ہیں ایک وہ جو تمہارے لئے ستر عورت کرے دوسرا وہ جو تمہاری زینت بنے۔ اس لئے کہ لباس سے اصلی غرض زینت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لتركبوها و زینۃ۔

فائدہ: حسین کاشفی نے فرمایا کہ " زاہد کی یہی تعبیر ہے کہ وہ لباس روئی وغیرہ کا پہنے۔ اور ریش ابریشم و کتان و پشم وغیرہ سے ہوتا ہے۔ **وَلِبَاسُ التَّقْوٰى** اور اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیہ کا لباس۔ یہ مبتدا ہے اور ذٰلك خير خبر ہے وہ اچھا ہے۔ تقویٰ کو لباس سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے لباس انسان کو چھپاتا ہے اور حفاظت کرتا ہے۔ ایسے ہی تقویٰ انسان کو ضرر رساں چیزوں سے بچاتا ہے۔

فوائد۔ فائدہ: قتادہ و سدی تقویٰ سے عمل صالح مراد ہے اس لئے کہ عمل صالح ہی بندے کو عذاب سے بچاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ تقویٰ کا لباس اس ظاہری لباس سے بہتر ہے اس لئے کہ فاسق کتنا ہی اچھا لباس پہنے تو صرف ظاہری ستر ڈھانپنے کا ہے ؎

انی کانی اری من لاحیاء لہ
ولا امانۃ وسط القوم عریانا

ترجمہ: میں حیاء و امانت کے عاری کو قوم کے اندر ننگا دیکھتا ہوں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

قلندراں حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ،

فائدہ، تفسیر فارسی میں ہے وہ لباس جو تقویٰ کے طور متواضعانہ منکسرانہ لباس پہنتے ہیں جیسے اُونی اور موٹا کپڑا وغیرہ ایسا لباس عبادت کے وقت اللہ والے پہن کر یادِ خدا میں گزارتے ہیں۔ وہ زرق برق اور نرم و نازک لباس متکبرانہ طور نہیں پہنتے۔

حدیث شریف، جس کا نرم و نازک لباس ہو تو اس کا دین بھی ضعیف ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ اُون کا لباس سب سے پہلے حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے پہنا۔ جب کہ بہشت سے نکالے گئے۔ عزت واحترام کا لباس اُتر گیا اس سے اُتار لیا گیا۔ (ہم شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں)

فائدہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُون کا لباس پہنتے اور درخت کے پتے کھاتے تھے جہاں شام ہوتی وہیں قیام پذیر ہو جاتے۔

فائدہ: اون اور بالوں کے کپڑے پہننا تواضع کی علامت نہیں البتہ مسکینوں درویشوں سے شباہت منظور ہے۔

سبق: دانا وہ ہے جو نیک بخت لوگوں کی سیرت کو اپنانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ صائب نے فرمایا ؎

جمعے کہ پشتِ گرم بعشق نیند
ناز سمور و منت سنجاب میکشند

ترجمہ، وہ لوگ جن کی پشت عشق سے گرم نہیں وہی سمور کا ناز اور سنجاب کی منت اٹھاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

انسان کا ہر جزء ایک لباس ہے اور ہر جزء اپنے ظاہری باطنی ستر کو ڈھانپتا ہے پس شریعت کا لباس احکام شریعت ظاہرہ سے افعال قبیحہ کو ڈھانپتا ہے اور باطن میں آداب طریقت سے صفات ذمیمہ نفسانیہ حیوانیہ کا ستر ڈھانپا جاتا ہے تقویٰ قلب کا لباس ہے اسی طرح رُوح اور سر اور خفی کا لباس بھی، یہی تقویٰ ہے لیکن ان چاروں کے لباس تقویٰ سے مختلف اطوار میں قلب کے لئے تقویٰ کا لباس یہ ہے کہ بندہ طلب میں صداقت کر کے طمع دنیا و مافیہا کے ستر کو ڈھانپے اور روح کا لباس یہ ہے کہ محبت حق سے بغیر مولا کے تعلق کے ستر کو ڈھانپے اور سر کا لباس یہ ہے کہ شہود انوار لقاء سے مولیٰ کے دیدار کے ستر کو ڈھانپے اور خفی کا لباس ہویت حق کی بقاء سے ہویت خلق کے ستر کو ڈھانپے یعنی تعینات مضمحل اور لاشے ہو جائیں۔ موجودات سے پندار

حجابات ہٹا کر سالک الملک کے ساتھ وحدت واحد کے دریچے کو جالگے ہ

۱۔ ملک ملک اوست او خود مالکست
غیر ذاتش کل شے ہالکست

۲۔ کل شئ ما خلا اللہ باطل
ان فضل اللہ غیم ھاطل

۳۔ ھالک آمد پیش وجہش ہست نیست
ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست

ترجمہ ۱: تمام ملک اسی کی ملک ہے وہی سب کا مالک ہے اس کی ذات کے سوا باقی سب فانی ہیں۔
۲: ہر شے اللہ کے سوا باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل برسنے والا بادل ہے۔
۳: یہ سب فانی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی حقیقت نیست ہے عجیب بات ہے کہ نیستی ہستی کے رنگ میں کیونکر آئی۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ لباس کو نازل کرنا مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے آیات سے ہے جو اس کے فضل اور رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ہ تاکہ نصیحت حاصل کریں اس کی نعتوں کو پہچانیں کہ پتوں کے پیٹنے کے بجائے لباس سے نوازا یا معنیٰ یہ ہے کہ نصیحت حاصل کرکے قبائح کشف عورة کی طرح جمیع قبائح سے بچیں۔

تفسیر صوفیانہ اسرار محمدیہ میں ہے کہ تمام جہان ارواح سے پُر ہے۔ گھر کی کوئی جگہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں روح نہ ہو اسے خدا جانتا ہے کیوں کہ وہ اپنے لشکروں کو آپ جانتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی)

فائدہ: حجۃ الاسلام نے اپنی کتاب معراج السالکین میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تنہائی میں ننگے ہونے سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ننگے ہو کر زن و شوہر جماع نہ کریں۔

فائدہ: حضرت حسن و حسین اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانی میں داخل ہوتے تب بھی سلوار پہن کر تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ پانی کے اندر مکینوں سے بھی حیاء آتا ہے۔

حکایت حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک جماعت کو غسل خانے میں ننگے نہاتے دیکھا تو میں نے حدیث پاک کو مدنظر رکھ کر غسل خانے میں ننگے نہانے سے احتراز کیا۔ وہ حدیث پاک یہ ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں چادر پہنے بغیر داخل نہ ہو۔ اس ارشاد پر میں نے ننگے ہو کر غسل نہ کیا تو اسی رات میں نے کسی کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے فرما رہا ہے تمہیں مبارک ہو اے احمد بن حنبل۔

تجھے اللہ تعالیٰ نے سُنت پر عمل کرنے کی وجہ سے بخش دیا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے انہوں نے فرمایا۔ میں جبریل علیہ السلام ہوں اور تمہیں خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کا امام بنائے گا۔ تمام مخلوق آپ کی اقتدا کرے گی

مسئلہ: لباس پہننے میں ستر عورت کی نیت کرے اور اُن سے عیوب کو چھپانے کے لئے کہ جن کا ڈھانپنا ضروری ہے اور اہل اسلام کی نظروں میں محبت رکھنے کے لئے اور نہ حظ نفس کے لئے۔ اس لئے کہ ایسا لباس تصفیہ قلب اور عقل کو جلا بخشتا ہے اور عقل کی تمام کدورتیں دُھل جاتی ہیں۔ ایسی نیت کرنے سے نفس کی تمام اُمنگیں مٹ جاتی ہیں اور وہ اپنے حظ کو ملیا میٹ سمجھتا ہے پھر ایسی نیت سے ثواب بھی ملتا ہے یہی فرق ہے انسان اور حیوان میں کہ انسان کا ہر عمل نیک نیتی سے ہوتا ہے اور حیوان کی سرے سے نیت ہی نہیں۔ اور جس انسان کی حالت حیوان سی ہو اُسے صُورتاً انسان کہا جاتا ہے لیکن حقیقی انسان کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے عزم کو اتنا بلند کرے کہ اس کے دل میں سوائے حق کے کسی کا گذر تک نہ ہو

تفسیر عالمانہ ۲۷ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ اے بنی آدم تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے یعنی تمہیں فتنہ و محنت میں نہ واقع کر دے بایں طور کہ وہ تمہیں گمراہ کر کے بہشت میں داخل ہونے سے روکے گا۔ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یوں ہے۔ لا یفتننکم فتنۃ مثل فتنۃ اخراج آدم وحواء من الجنۃ اس لئے کہ جب وہ آدم و حوا کے ساتھ مکر کر کے گمراہ کرنے پر قدرت پا گیا تو وہ ان کی اولاد کو گمراہ کرنے پر بطریق اولیٰ قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے تمہارے لئے واجب ہے کہ تم اس کے وسوسے سے احتراز کرو۔ اس میں نہی شیطان کی طرف منسوب ہے لیکن مراد عوام ہیں اس لئے کہ انہیں شیطان کی اتباع اور اس کے فتنہ ڈالنے سے روکنا مطلوب ہے۔ یہ عبارت لا تقبلوا فتنۃ الشیطان سے زیادہ بلیغ ہے۔ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا یہ مِنْ اَبَوَیْكُمْ سے حال ہے۔ یعنی درانحالیکہ وہ شیطان اُن کے لباس اُتارتا تھا۔

اعجوبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا لباس ناخن کی طرح تھا یعنی ناخن کے مشابہ تھا۔ یعنی ان کے جسم پر وہ لباس ناخن کی طرح پیدائشی تھا۔

سوال: شیطان کی طرف لباس اُتارنے کا کیا معنی۔ اس لئے کہ اُس نے ان کا لباس نہیں اُتارا تھا بلکہ بحکم خداوندی ملائکہ نے اُتارا تھا۔

جواب: چونکہ لباس اُترنے کا سبب شیطان ہوا اس لئے لباس اتارنے کی نسبت اس کی طرف دے گئی۔ لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا۔ تاکہ انہیں ان کا ستر دکھائے اس لئے کہ اس سے پہلے نہ انہوں نے اپنا ستر دیکھا تھا نہ کسی نے

آدم علیہ السلام کی کہانی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام طویل القامہ تھے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ایک کھجور کا درخت ہے اور آپ کثیر بالوں والے تھے۔ جب آپ سے خطا ظاہری سرزد ہوئی تو آپ کا ستر کھل گیا۔ آپ نے ستر دیکھا تو فوراً بہشت کی طرف دوڑے۔ آگے آپ کو ایک درخت نے اپنے پتوں سے گھیر لیا اور آگے نہ جانے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم مجھ سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی اے مولا کریم مجھے آپ سے بھاگنے کا ارادہ نہیں بلکہ ستر کھلنے سے حیاء دامنگیر ہوا۔ اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے کہ شیطان و يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ تمہیں وہ اور اس کا قبیلہ یعنی شیطان کا لشکر اور اس کی اولاد بھی دیکھتی ہے۔ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ یہ من ابتدائیہ ہے جو رویت کی غایت کے لئے ہے اور حیث رویت کی نفی کا ظرف مکان ہے یعنی تمہیں شیطان اور اس کی اولاد اس لئے نہیں نظر آتی کہ ان کے اجسام نہایت باریک اور لطیف ہیں اور چونکہ تمہارے اجسام کثیف ہیں اس لئے وہ تمہیں دیکھتے ہیں۔ جس کا دشمن چھپا ہوا ہو وہ بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے بنا بریں تمہیں ان سے زیادہ خوف رکھنا چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۰۱ از نبی برخواں کہ دیو و قوم او
می برند از حال انسی خفیہ بو
۰۲ از رہے کہ انس ازاں آگاہ نیست
زانکہ محسوس وزیں اشباہ نیست
۰۳ مسلکے دارند از دیدہ دروں
ما ز دزدیہائے ایشاں سرنگوں
۰۴ دمبدم خبط و زیانے مے کنند
صاحب نقب و شگاف زور بند

ترجمہ ۰۱ نبی علیہ السلام سے پڑھ کہ شیطان اور اس کی قوم انسان کے حالات پوشیدہ طور سے جانتے ہیں۔
۰۲ اس راہ سے کہ انسان بے خبر ہے، اس لئے کہ وہ محسوس صورتوں سے تو نہیں ہیں۔
۰۳ وہ راستہ ایسا رکھتے ہیں جو آنکھوں کے اندر ہے یعنی مخفی ہے۔ ہم ان کی چوری سے پریشان ہیں۔
۰۴ ہر گھڑی پریشان اور ہمارا نقصان کرتے ہیں یہ صاحب نقب اور طاقتور ہیں۔

فائدہ ہمارا شیاطین کو نہ دیکھنا اس صورت میں ہے جب کہ وہ اپنی اصلی شکلوں میں ہوں ورنہ اگر وہ متشکل

ہو کر دوسری شکلیں اختیار کر کے نظر آجائیں تو یہ ناممکن نہیں۔ مثلاً ہوا کتنی لطیف ہے جب اپنی صورت میں ہوتی ہے تو ہمیں نظر نہیں آتی۔ لیکن جب وہ غبار کی صورت اختیار کرے تو اُسے ہم دیکھ لیتے ہیں۔

فائدہ: بعض لوگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے جنات کو اپنی اصلی صورت میں کھلم کھلا دیکھا علاوہ ازیں آکام المرجان فی احکام الجان" میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کے اجسام کو ظاہر فرمائے اور ہماری آنکھوں کو روشن تر بنا دے تو ان کو دیکھ لیں گے۔ نیز یوں بھی ہے کہ وہ ان کے اجسام کثیف ہو جائیں تب بھی ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جیسے کہ ہوا اپنی لطافت پر رہے تو ہمیں نظر نہیں آتی لیکن جب وہ کثیف ہو کر غبار بن جائے تو ہم اسے دیکھ لیتے ہیں۔

فائدہ: جنات کا ہمارے اجسام میں داخل ہونا ناممکن نہیں جیسے ہوا اور ہماری اپنی سانس ہمارے اجسام میں سرایت کر جاتے ہیں یعنی ہماری رُوح ہمارے اجسام میں ہر وقت اِدھر اُدھر پھر رہی ہے جیسے یہ ممکن ہے تو وہ بھی ایک لطیف اجسام ہیں تو اُن کا داخل ہونا بھی ممکن ہے۔

حدیث شریف: شیطان آدم میں خون کی طرح پھرتا ہے

انسان سے جنات کے نکالنے کا طریقہ: اگر کسی کے اندر جن گھس جاتا ہے تو اس کو جن سے جان چھڑانے اور شیطان کے بھگانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس انسان کے پاؤں پر ایک مضبوط ڈنڈا تین یا چار سو بار یا اس سے کم و بیش زور سے مارا جائے تو یہ مار جن پر پڑے گی جس پر جن کا حملہ ہے اسے محسوس تک نہ ہوگا۔ ورنہ اگر یہی مار انسان پر پڑتی تو کبھی وہ بچ کر نہ نکلتا فوراً مر جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن انسان کے اندر گھس جاتا ہے۔

فائدہ: جن پتھروں کے اندر بھی شگاف کئے بغیر گھس جاتے ہیں جب کہ اس پتھر میں پہلے سوراخ ہوں۔ جیسے اس سوراخ دار پتھر میں ہوا داخل ہو جاتی ہے

سوال: اگر یہ عقیدہ مان لیا جائے کہ جن انسان کے اندر گھس جاتا ہے تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔

(۱) تداخل الاجسام یعنی ایک جسم کا دوسرے میں داخل ہونا اور یہ اسلامی نظریہ کے خلاف ہے

(۲) جن ناری جسم ہے اگر اس کا انسان میں داخل ہونا مانا جائے تو اس کا جل جانا ماننا پڑے گا۔ حالانکہ وہ جلتا نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن انسان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

جواب: یہ قاعدہ ہے کہ جسم لطیف جسم کثیف کے سوراخوں کے اندر داخل ہو جاتا ہے جیسے ہوا تمام اجسام میں داخل ہو جاتی ہے اس سے کسی نے نہیں کہا کہ ایک چیز میں متعدد جواہر کا اجتماع ہو گیا۔ یہ اس لئے کہ ان کا اجتماع علی طریق المجاورۃ نہیں نہ ہی علی سبیل الحلول ہے ان کا ہمارے اجسام میں داخل ہونا ایسے ہے جیسے برتن سوراخ دار میں ہوا

کا داخل ہونا ہوتا ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جن نارِ محرقہ (جلانے والی) نہیں۔ بلکہ ان کی نا سے تخلیق ہے جیسے آدم کی تخلیق مٹی سے ہے ہر شے کسی سے کے غلبہ کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہوتی ہے ایسے ہی یہاں سے کہ جن نار کے عنصر کا غلبہ ہے اس لئے اس کی طرف وہ منسوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ بحر الحقائق میں مرقوم ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ تمہیں اس حیثیت بشریت سے دیکھتے ہیں کہ وہ اصل میں صفات حیوانیہ کا منشا ہے اور تم انہی صفات حیوانیہ کی وجہ سے ان سے محجوب ہو کر انہیں نہیں دیکھ سکتے ہو اور حیثیت روحانیت کو اس میں دخل نہیں۔ کیوں کہ وہ تو علوم اسماء و معرفت سے عبارت ہے جس کی بنا پر وہ تمہارے اس مقام کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ تم انہیں اس نظر روحانی بلکہ نظر ربانی سے دیکھتے ہو۔ اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ نہ دیکھنے کی علت ہے کہ وہ تمہارا ایسا سخت دشمن ہے کہ تمہارا اس کے ضرر سے بچنا مشکل ہے اس لئے کہ جو دشمن ہمیں دیکھ سکتا ہو اور ہم اُسے نہ دیکھ سکیں تو اس کے شر سے بچنا نہایت ہی محال ہوتا ہے۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ کا فضل حمایت کرے وہ ہر طرح سے اس کے شر اور ضرر سے محفوظ ہوتا ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ ہر وقت ایسے دشمن شیطان سے ڈرتا رہے۔

سوال: جسے ہم دیکھ بھی نہیں سکتے پھر ہم اس سے جنگ کیسے کریں اور اس سے بچ بھی کس طرح سکتے ہیں اور ہمیں اس کا حکم بھی دیا جا رہا ہے یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب: ہمیں ان کی ذات سے لڑائی اور بچنے کا حکم نہیں بلکہ اُن کے وسوسے کو دور کرنے اور اس کے شر کو قبول نہ کرنے کا حکم ہے کہ جس وقت وہ ہمارے دلوں میں اس طرح کے وسوسے ڈالے تو ہم انکار کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آکر اس کے شر سے بچیں۔

نکتہ: سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ ہمیں دیکھتا ہے اور ہم اُسے نہیں دیکھ سکتے لیکن ہمارا رب تو اُسے دیکھتا ہے اور وہ رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر ہم اپنے رب کریم سے استمداد کر کے شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کی کوشش کریں اس لئے کہ اس کا مکر اور شر اللہ تعالیٰ کے سامنے بیکار ہے اور نہایت کمزور ہے۔ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بے شک ہم شیطانوں کو ان کا یار بنایا ہے جو بے ایمان ہیں کہ اُن کے مابین خذلان و غوایت (گمراہی) کی مناسبت پیدا کر دی۔ جس سے وہ ایک دوسرے کے دوست ہو کر بے ایمان لوگ اُن کی گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی پکا دوست اس معنی پر ولی عدو کی نقیض ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "تولاہ" فلاں نے فلاں کو پکا اور گہرا دوست بنا لیا ہے۔

شیطان حضور علیہ السلام کی خدمت میں

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان ابلیس سے کہا کہ میرے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں سوالات کا جواب دے۔ شیطان حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک بوڑھے کی شکل میں ایک گٹھڑی لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ عرض کی ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے ہاں کیوں آیا۔ عرض کی مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں اور جن باتوں کا آپ مجھ سے سوال کریں میں اُن کا جواب دوں۔ آپ نے اس سے ایک سوال کیا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

ابلیس لعین کے پندرہ ۱۵ دشمن اور دس ۱۰ دوست

حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت میں تیرے کتنے دشمن ہیں۔ شیطان نے کہا پندرہ۔

(۱) آپ میرے سب سے بڑے دشمن ہیں (۲) امام عادل (۳) غنی متواضع (۴) سچا تاجر (۵) خدا ترس عالمِ دین۔ (۶) مومن دین کا جان نثار (۷) مومن رحیم القلب (۸) توبہ کر کے اس پر مضبوط ہونے والا (۹) حرام سے بچنے والا۔ (۱۰) وضو پر مداومت کرنے والا (۱۱) مومن بہت زیادہ صدقہ و خیرات دینے والا (۱۲) حُسنِ خلق (۱۳) لوگوں کو نفع پہنچانے والا (۱۴) قرآن کا حافظ پھر اس کی تلاوت پر مداومت کرنے والا۔ (۱۵) رات کو اُٹھ کر عبادت کرنے والا جب کہ دوسرے لوگ نیند کر رہے ہوں۔

ابلیس کے دس دوست

پھر حضور علیہ السلام نے شیطان ملعون سے پوچھا کہ تیرے دوست کتنے ہیں۔ اُس نے کہا کہ (۱) سلطان ظالم (۲) غنی متکبر (۳) تاجر خائن (۴) شرابی (۵) چغلخور (۶) سود خوار (۷) یتیم کا مال کھانے والا (۹) مانع زکوٰۃ (۱۰) ریا کار (۱۰) بڑی بڑی آرزو دِل میں لانے والا۔

فائدہ : مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ اس کے دوست نہ صرف کفار و مشرکین ہیں بلکہ اہلِ ایمان کے لباس میں سے بھی بعض اُس کے دوست ہیں (نسأل اللہ العنایۃ والتوفیق)

حکایت : منقول ہے کہ ابلیس ملعون نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیٰ نبینا و علیہما السلام کے ہاں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں آپ کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا مجھے تیری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہاں بنو آدم کے متعلق کوئی باتیں سنانی ہیں تو سُنائیے۔ اُس نے کہا بنو آدم ہمارے نزدیک تین قسم ہیں۔ (۱) یہی ہمارے لئے سخت پریشان کن ہیں ہم جتنا ہی ان کے بہکانے کی تدبیریں بناتے ہیں وہ تمام رائیگاں جاتی ہیں۔ وہ لوگ استغفار پڑھنے والے ہیں کہ ہم جب انہیں بہکانے کا پروگرام بناتے ہیں تو وہ استغفار پڑھ کر ہمیں بھگا دیتے ہیں لیکن ہم بھی ان کے گمراہ کرنے سے نا اُمید بھی نہیں ہوتے۔ مگر وہ ہمارے قابو میں نہیں آسکتے۔

(۲) یہ لوگ ہمارے ہاتھوں کے اشارہ پر ہوتے ہیں جیسے بچوں کے ہاتھ میں گیند ہی ہلکے اور ہم ان کے۔ یعنی وہ لوگ گناہوں میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔

(۳) آپ جیسے معصوم حضرات پر ہمارا کسی قسم کا بس نہیں چل سکتا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ تونے کبھی کوئی ایسا معاملہ کیا ہے کہ جسے تو اپنی کامیابی سمجھتا ہو اس نے کہا آپ کی زندگی میں مجھے آپ پر صرف ایک بار حملہ کرنے کا موقع ملا۔ یحییٰ علیہ السلام نے کہا وہ کب اور کیسے۔ شیطان نے کہا ایک دفعہ آپ کو طعام کی خواہش ہوئی اور آپ نے باوجودیکہ اپنی طبیعت کو روکا۔ لیکن آپ نہ رک سکے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا اس سے مجھے موقع مل گیا تو آپ کو رات کو سلادیا۔ آپ رات کی عبادت معمول کے مطابق نہ کر سکے یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب سے بعد میں کبھی سیر ہو کر طعام نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے کہا آئندہ میں بھی کبھی کسی کو اپنا راز نہیں بتاؤں گا۔

حکایت: حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ایک دفعہ شیطان ابلیس کی اصلی شکل میں ملاقات ہوئی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تیرے محبوب ترین کون لوگ ہیں اور مبغوض ترین کون۔ شیطان نے کہا ہمیں محبوب ترین وہ مومن ہیں جو بخیل ہو اور مبغوض ترین وہ فاسق ہے جو سخی ہو۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ کیسے؟ ابلیس نے کہا وہ اس لئے کہ بخیل کو میرے بخل سے عقیدہ ملا اور فاسق سخی کی سخاوت سے مجھے خطرہ رہتا ہے کہ اس کی سخاوت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دے یہ کہہ کر چل پڑا اور کہہ رہا تھا کہ اگر آپ یحییٰ علیہ السلام نہ ہوتے تو میں آپ کو یہ راز نہ بتاتا۔ (کذا فی احکام المرجان فی احکام الجان)

۲۸ وَاِذَا فَعَلُوْا اور جب کرتے ہیں (کفار قریش) (مکہ) فَاحِشَۃً کسی برائی کو۔ یعنی ایسا فعل جو برائی کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔ جیسے بت پرستی اور ننگا ہو کر طواف کرنا جیسے قریش مکہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ جنہیں مذکورہ بالا برائیوں سے روکا گیا تو وہ نصیحت کروں کو جواب دیتے گویا وہ انہی افعال قبیحہ کے اچھے ہونے پر حجت کے طور کہتے کہ ان میں قباحت کیسی جب کہ وَجَدْنَا عَلَیْھَا اٰبَآءَنَا۔ ہم نے ایسے ہی اپنے آباء کو پایا علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کہتے کہ (معاذ اللہ) ان کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے چنانچہ کہا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا اور ان کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

سوال: ان کی دو حجتیں ہیں (۱) تقلید الآباء (۲) "امر الٰہی" اللہ تعالیٰ نے ان کی امر الٰہی کی حجت کی تو تردید فرمائی۔ لیکن تقلید الآباء کی کوئی تردید نہیں فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: تقلید الآباء درحقیقت ایسی دلیل نہیں جسے صحت نقل پہ حجت قائم بنایا جاسکے بالخصوص ایسے فعل کے لئے جس کے بطلان پر دیگر دلائل قاطعہ موجود ہوں گویا تقلید الآباء کی حجت ایسی ظاہر البطلان ہے کہ جس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں اور دوسری دلیل بھی ان کی ایسی ہی ہے لیکن چونکہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ان کا افتراء

تھا۔ بنابریں ان کی تردید میں فرمایا قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ فرمائیے اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں فرماتا اس لئے کہ اس کی عادت کریمہ ہے کہ وہ صرف محاسن افعال کا حکم فرماتا ہے اور مکارم خصال کی ترغیب دیتا ہے۔ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○ کیا اللہ تعالیٰ پر ایسی باتوں کا افتراء کرتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یا نہ اس لئے کہ علم کا حصول یا تو ابتداءً اللہ تعالیٰ سے ہو یعنی کسی نبی علیہ السلام کے واسطے کے بغیر کہ اسے کسی نبی علیہ السلام سے تبلیغ کے طور معلوم نہ ہوا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم ہو اور وہ ان کے منکر تھے کہ انہیں نبی علیہ السلام نے بتایا ہے اس لئے کہ وہ تو ہر نبی علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے دوسرا طریقہ علم کے حصول کا انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور وہ علی الاطلاق انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ احکام الٰہی کے حصول کا ان کے ہاں کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ جو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ ان کی یہ بات ایسی کہ جسے وہ خود بھی نہیں جانتے۔ اَتَقُوۡلُوۡنَ ان کے مامور بہ کے قول کا تتمہ ہے اور یہ ہمزہ انکار کے لئے ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کا کوئی وجود ہی نہیں اور تمہارا دعویٰ طرز قبیح ہے

تفسیر صوفیانہ آیت ہذا میں اشارہ ہے کہ فاحشہ سے دنیا اور طلب دنیا اور اس کے جمع کرنے کی حرص مراد ہے اس لئے کہ تمام فواحش کا سرچشمہ حب دنیا ہے جو کہ ہر برائی کی جڑ اور سردار ہے اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ جب اہل غفلت طلب دنیا اور اس کی زینت اور اس سے متمتع ہونے میں شیطان کے اکسانے اور اس کی تدبیریں بتلانے اور اس کی زینت کے ابھارنے سے واقع ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے داعی نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور فرمایا دنیا اور اس کی طلب کو چھوڑ دو تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم نے اپنے آباء کو بھی حب دنیا اور اس کی شہوات میں پایا۔ پھر ہم ان کی تقلید کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں علاوہ ازیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے کسب حلال کی طلب کا حکم بھی دیا ہے۔ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ فحشاء یعنی حب دنیا اور اس کے جمع کرنے کی حرص کا نہیں بلکہ اسے تو بقدر ضرورت کسب حلال کا حکم فرمایا کہ جس سے تمہارے بدن کا قوام صحیح رہ سکے اور بقدر ضرورت لباس مہیا کر سکو تاکہ حقوق عبادت میں تساہل و تکاہل نہ ہو۔ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایسے امور کا افتراء کرتے ہو جن کے آفات کو تم نہیں جانتے اور نہ ہی تم ان کے عاقبت کے وبال کو جانتے ہو اور یہ بھی تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بھی منجملہ شیطان کے فتنوں سے اور اس کی تزیین و اغواء سے ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

ایں جہاں جیفہ است و مردار رخیص
بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان مردار اور نہایت ہی بد بودار مردار ہے تو ہم ایسے مردار کے لئے کیسے حریص بن سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ قُلۡ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ (فرمائیے اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرے رب تعالیٰ نے عدل و انصاف کا حکم فرمایا ہے (ربط) جس امر کی غلط نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس کی نفی کے بعد اب باور بہ کا بیان فرمایا۔ القسط یعنی عدل ہر وہ درمیانہ امر جو افراط و تفریط سے خالی ہو۔ حدیث شریف میں ہے خَیۡرُ الۡاُمُوۡرِ اَوۡسَطُهَا۔ امور میں وہ امر بہتر ہوتا ہے جو اوسط ہو ۔

تَوَسَّطۡ اِذَا مَاشِئۡتَ اَمۡرًا فَاِنَّهٗ

کِلَا طَرَفَیۡ قَصۡدِ الۡاُمُوۡرِ ذَمِیۡمٌ

ترجمہ۔ جب تم کسی کام کو کرنا چاہتے ہو تو امور کے درمیانہ کام کو اختیار کرو۔ اس لئے کوشش کے درمیان کی ہر دونوں طرفیں مذموم ہوتی ہیں۔

وَاَقِیۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ اس کا امر مقدر ہے ۔ یعنی قل محذوف ہے ۔

سوال : تم نے فعل قل کو مقدر کو کیوں مانا ہے ۔

جواب : تاکہ جملہ خبریہ پر جملہ انشائیہ کا عطف ڈالا جائے اب معنیٰ یوں ہوا کہ فرمائیے اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیجئے مخالیکہ تم سیدھے یعنی خلوص قلب سے عبادت کرو۔ عبادت سے منہ نہ موڑو۔ یا یہ معنی ہے کہ تم اپنے چہرے قبلہ کی طرف متوجہ رکھو۔ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ نزدیک یا ہر نماز کے سجدے کے وقت اس سے ظرف زمان مراد ہے یا ظرف مکان یعنی سجدہ کے وقت یا سجدہ کے مکان میں اور مسجد سے سجدہ نماز مراد ہے۔ جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے ۔

مسئلہ : کلبی نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے اور اس وقت تم مسجد میں ہو تو تم نماز پڑھو یہ نہ کہو کہ ہم اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں گے ۔

مسئلہ : اگر مسجد میں نہ ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو جونسی مسجد مل جائے اس میں نماز پڑھ لو ۔

مسئلہ : نماز کی ادائیگی محلہ کی مسجد میں جامع مسجد سے افضل ہے ۔ بشرطیکہ مسجد محلہ میں نماز پڑھانے والا (متقی) عالم دین ہو ۔

مسئلہ : کاروباری لوگ اور دکانداروں کے لئے اس علاقہ کی مسجد محلہ کہلائے گی ۔

مسئلہ : مدادی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے فرضی نماز کو باجماعت ادا کرنے کا وجوب ثابت ہوا ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز کی اذان سُنی اور وہ بلا عذر نماز کے لئے حاضر نہ ہوا تو اس کی نماز کامل نہ ہوئی ۔

مسئلہ : اکیلی نماز سے باجماعت نماز کا ستائیس درجے زائد ثواب ہے ۔

نکتہ: ایک نماز باجماعت ادا کرنے سے دن رات کی نمازوں کا ثواب مل جاتا ہے اس لئے کہ دن اور رات کی جملہ فرضی نمازیں سترہ اور سنتیں دس رکعتیں ہیں اُن کا مجموعہ ستائیس ہوتا ہے۔

مسئلہ: فرائض وتراویح کو مسجد میں باجماعت ادا کرنا انہیں گھر پہ ادا کرنے سے افضل ہے کذا فی العطار

نکتہ: اس لئے کہ مسجد میں نماز ادا کرنا شعائر اسلام سے ہے۔ جیسے گھر پہ اکیلے نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت گھر پہ باجماعت نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے۔ وَادْعُوْهُ۔ اور اللہ تعالیٰ کو پکارو یعنی عبادت کرو۔

قاعدہ: دعا بمعنی عبادۃ اطلاق الخاص علی العام کے قبیل سے ہے[1] اس لئے دُعا بھی ایک عبادۃ ہے۔ اس لئے کہ دُعا کے وقت فقیری و مسکینی کا اظہار ہوتا ہے اور عبادۃ بھی اس اظہار فخر و فقر اور مسکینی کو کہتے ہیں بلکہ دُعا کا جوہر یہ خضوع و خشوع ہے[2] مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ط اس لئے دین یعنی اطاعت کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے والے ہو کر۔ اس لئے کہ تم سب کا رجوع آخرت کی طرف ہے ؎

فردا کہ پیش گاہِ حقیقت شود پدید
شرمندہ رہروئے کہ عمل بر مجاز کرد

ترجمہ: کل قیامت میں حقیقت کے سامنے شرمسار ہوگا وہ راہرو جس نے مجاز کے مطابق عمل کیا ہوگا۔

کَمَا بَدَاَکُمْ: جیسے تمہاری ابتداء کی ہے یعنی تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا تَعُوْدُوْنَ ٥ تم اسی کے بولانے پر اسی کی طرف لوٹو گے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دے گا اور کاف محل نصب میں ہے اور وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یوں تھی۔ تَعُوْدُوْنَ عُوْدًا مِثْلَ مَا بَدَاَکُمْ اور بدا، ہمزہ کے ساتھ بمعنی انشاء واختراع۔

سوال: انشاء (پیدا کرنے) کو بدأ سے کیوں تعبیر کیا ہے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ یہ فعل ممکن اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے یعنی اپنے لوٹنے کو اپنی پہلی پیدائش پر قیاس کر کے قیامت میں لوٹنے کا انکار نہ کرو اس لئے کہ جو ذات ابتدائی تخلیق پر قدرت رکھتی ہے اسے لوٹانے کی بھی طاقت و قدرت ہے اسے تمہاری تخلیق سے تمہارا لوٹانا کوئی مشکل نہیں فَرِیْقًا مابعد کی وجہ سے منصوب ہے هَدٰی ایک گروہ کو ہدایت دی بایں طور کہ انہیں ایمان کی ہدایت بخشی وَفَرِیْقًا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے پھر معنوی لحاظ سے فعل مابعد اس فعل مقدر کی تفسیر کرتا ہے اور وہ فعل مقدر کا اصل ہے اب معنی یوں ہوا کہ اَضَلَّ فریقاً ایک گروہ کو گمراہ کیا۔ حَقَّ عَلَیْهِمُ۔ ان کے لئے لائق ہو گئی۔ الضَّلٰلَةُ گمراہی قضائے سابق

---

[1] لیکن اس قاعدہ سے وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں وغیرہم کو انکار ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہ،

[2] اس لئے حدیث شریف میں ہے "الدعا مخ العبادۃ" دعا عبادت کا مغز ہے ۱۲ ، اُویسی غفرلہ،

پر جو کہ مشیت کے تابع ہے اور اس میں بے انتہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۔ بے شک انہوں نے شیطانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوست بنایا۔ یہ ماقبل کی علت ہے یعنی وہ گمراہ اسلئے ہوئے کہ انہوں نے شیطان کو دوست بنایا اور اُن کی دعوت کو بلا تامل قبول کر لیا اور حق و باطل کی تمیز نہ کر سکے۔

مسئلہ: اگرچہ ہدایت وگمراہی کی تخلیق اللہ تعالیٰ کرتا ہے لیکن اس وقت جب کہ بندہ ہدایت وگمراہی کے آمادہ ہو کر اس کے حصول کی سعی کرتا ہے۔ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۔ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ خطا سے کفر کرنے والا اور ضد میں عمداً کفر کرنے والا ہر دونوں برابر ہیں اس لئے کہ خطاءً کفر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے کہ اس کا گمان ہے کہ وہ جس دین پہ ہے وہ حق ہے اس بناء پر گمراہی اس کے دل میں راسخ ہے اس لئے کہ یہ بھی معاند و جاحد کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین میں صرف گمان اور خیالی ارادہ بیکار ہے جب تک کہ اس پر یقین اور جزم نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت اُن کے گمان کی وجہ سے کی ہے۔ کما قال ویحسبون انہم مہتدون۔ کیونکہ اگر محض گمان مفید ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُن کی مذمت نہ کرتا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ یقین اور تحقیق حاصل کرے محض تقلید اور اصحابِ تحقیق کی تقلید میں گرفتار نہ ہو اس لئے کہ عقائد میں تقلید معتبر نہیں بلکہ مسائل میں تقلید ضروری ہے اس لئے کہ حال و مقام کا مرتبہ عرفان سے معلوم ہوتا ہے۔ صائب نے خوب فرمایا ؎

واقف نمے شوند کہ گم کردہ اند راہ
تا رہرواں بہ رہنمائی نمے رسند

ترجمہ: آگاہ نہیں ہوتے کہ وہ راہ گم کر چکے ہیں۔ ایسے گمراہ کہ اب راہ بتلانے والوں سے بھی رہنمائی نہیں لیتا تاکہ منزل تک پہنچ سکیں۔)

تفسیر صوفیانہ تقلید باطل اور شک و ریاء اور حُبِ دنیا وحب خلق سب کی سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہیں اور انہیں کسی قسم کا فائدہ نہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک پہاڑ کے قریب سے گزرا تو دیکھا کہ ایک بندہٗ خدا نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے گرداگرد درندے گھوم رہے ہیں۔ گویا اس کا پہرہ دے رہے تھے۔ جب مجھے دیکھا تو وہ درندے بھاگ گئے اور اس بندۂ خدا نے نماز مختصر کر کے مجھے فرمایا

اے ابوالفیض اگر تم طلبِ حق میں خلوص کرو تو یہ درندے بھی تمہارے غلام ہیں اور پہاڑ بھی تیرے حکم کے پابند۔ میں نے کہا۔ خلوصِ قلب کا کیا معنیٰ۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی غیر کا تصور تک نہ ہو۔ میں نے پوچھا۔ وہ کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ حبِ خلق کو دل سے نکال دو۔ جیسے شرک کو دل میں جگہ نہیں ایسے حبِ خلق کو جگہ نہ دو۔ میں نے کہا یہ تو ہمارے لئے مشکل ہے۔ انہوں نے فرمایا عارفین کیلئے یہ معمولی بات ہے۔

سبق : جب عام مخلوق کی دوستی کا یہ حال ہے تو پھر سوچیئے کہ شیطان کی دوستی کا کیا حال ہوگا۔ یاد رہے کہ جیسے شیطان سے دوستی اچھی نہیں ایسے ہی شیاطین الانس کی یاری و دوستی بھی نہایت ناموزوں ہے

سبق : سالک کے لئے حُبِ الٰہی ضروری ہے وہ بڑا بدبخت ہے جو اللہ تعالیٰ کی دوستی کا دم بھرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ماسویٰ اللہ کی دوستی کو مِن دُونِ اللہ سے تعبیر کر کے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے قلوب کو ہدایت کا راہ دکھانے کے بعد ٹیڑھا نہ بنائے بلکہ اپنی محبت کا وافر حصہ نصیب فرمائے اور ہمیں اپنی طاعت و عبادت کا راہ عنایت فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ ۞ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ اے آدم زادو ہر نماز کے وقت اپنی زینت لو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ زینة بمعنی ما یتزین بہٖ ہے یعنی ہر وہ لباس فاخرہ کہ جس سے زینت حاصل کی جائے۔ لیکن یہاں پر بالاتفاق وہ کپڑے مراد ہیں جن سے ستر ڈھانپا جاتا ہے جیسا کہ اس کا شانِ نزول بتاتا ہے۔

شانِ نزول جاہلیت کے دور میں عرب کے چند قبیلے کعبہ معظمہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے اور کہتے کہ ہم ان کپڑوں سے کیسے طواف کریں جن میں ہم گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اُن کے مرد دن کو اور عورتیں رات کو طواف کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ وہ کپڑے پہن کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور عبادت ننگے ہو کر نہ کریں۔ طواف ہو یا نماز۔ ان کی عادت تھی کہ طواف کے لئے جب حاضر ہوتے تو کپڑے اُتار کر کعبہ معظمہ کے باہر رکھ لیتے اور پھر طواف کرتے۔

فائدہ : تفسیر مدارک میں ہے کہ ان کی عادت تھی کہ جب وہ منیٰ میں حاضر ہوتے تو کپڑے اُتار کر سامان میں رکھ دیتے اور پھر ننگے طواف وغیرہ کرتے۔ اگر کسی کے بدن پر کپڑے ہوتے تو اُسے مارتے اور اس کے کپڑے اُتار لیتے تھے اور عورتیں رات کے وقت تمام کپڑے اُتار لیتی تھیں۔ صرف ایک لنگوٹا زانوؤں تک باندھتی تھیں جس سے وہ اپنا پورے طور سے بھی ڈھانپتی تھیں۔

مسئلہ : یہی آیت اصل ہے اس مسئلہ کی کہ نماز میں سترِ عورت واجب ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ

یا طواف کے وقت اپنے ستر عورت کے لئے کپڑے پہن لو۔

مسئلہ: شیخ الاسلام خواہرزادہ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ نماز یا طواف کے وقت بہترین کپڑے پہننا مستحب ہے اس لئے کہ زینت سے مراد لباس ہے مصاحب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ: خلاصہ یہ کہ نماز میں مطلق اور بہترین لباس پہننا مسنون ہے۔

امام ابوحنیفہ کی کہانی سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کے لئے ایک مخصوص لباس تیار کرایا تھا وہ لباس یہ تھا۔ (۱) قمیص (۲) عمامہ (۳) چادر (۴) سلوار۔ اس زمانہ میں ان کی مجموعی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم تھی اسے دن رات پہنتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو لباس فاخرہ سے ملنا لوگوں کے ملنے سے اولیٰ ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا اگرچہ اندھیری رات ہو تب بھی نماز کے لئے لباس واجب ہے اس لئے کہ ستر عورت صرف حقوق الخلق سے نہیں۔ بلکہ یہ حقوق الصلوٰۃ سے بھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تفسیر فارسی میں ہے کہ ظاہری لباس شریعت میں نماز کے لئے اور طریقت میں راز کے لئے حضور قلب ضروری ہے۔

ذوق طاعت بے حضور دل نیاید ہیچکس
طالب حق را دل حاضر بری درگاہ بس

ترجمہ: حضور دل کے سوا کسی کو بھی طاعت کا ذوق نصیب نہ ہوگا طالب حق کو اس درگاہ میں دل حاضر رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ اطعمہ واشربہ میں سے جو دل چاہے کھاؤ اور پیو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ بنو عامر ایام حج میں معمولی طور کھاتے اور گھی والی غذا سے تو بالکل پرہیز کرتے اس سے وہ سمجھتے کہ اس طرح سے وہ حج کی عزت وعظمت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا اسلام قبول کرنے کے بعد اسی طرح حج کی عظمت میں مذکورہ بالا طریق کے ارتکاب کا ارادہ ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل بیات یعنی فقراء کی طرح مقام عبودیت میں وہی طعام کھاؤ اور وہی پانی پیئو جو انہیں اس طعام میں نصیب ہوا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شب باش رہتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور حضور علیہ السلام رمضان میں جس خصوصیت کے ساتھ عبادت کرتے اور کسی دوسرے مہینہ میں نہ ہوتی یہاں تک کہ کئی راتیں کھانے پینے کا نام تک نہیں لیتے تاکہ

عبادت سے وافر حصہ نصیب ہو۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے روکتے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ خود تو صوم وصال رکھتے اور ہمیں روکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ میں اپنے رب کے ہاں گزارتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اپنے رب کے ہاں ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

• رب کے اس دیئے طعام وشراب کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں۔

(۱) طعام وشراب ربانی اس قسم سے تھا جسے ہم کھاتے پیتے ہیں۔ اس طرح سے حدیث شریف کا حقیقی معنیٰ مراد ہوگا اور حقیقہ سے مجاز کی طرف رجوع نہیں کرنا پڑتا اور وہ طعام بہشت سے لایا جاتا ہے (۲) انوار ومعارف مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو لذت مناجات میں اور اس کے قرب سے جو آپ کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے اور محبت کی وہ نعمتیں جنہیں حضور علیہ السلام نے پایا اور یہ غذا مسلسل ملتی رہی جو قلوب کی غذا اور ارواح کی نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفوس کی رونق ہے۔

حکایت منصور حلاج حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک خادم خاص کہتا ہے کہ حضرت الشیخ منصور مرحوم ومغفور دو سال کعبہ معظمہ میں ٹھہرے رہے۔ آپ کے ہاں ایک جگہ سے روزانہ طعام بھیجا جاتا لیکن آپ اسے ہاتھ تک نہ لگاتے وہ جوں کا توں پڑا رہتا۔ جسے پھر ہیں کھا جاتا۔ اس طرح سے آپ نے دو سال مسلسل گزار دیئے۔ لیکن کبھی آپ کو ہم نے طعام کھاتے نہیں دیکھا۔

حضور علیہ السلام طعام کے محتاج نہیں کھایا تو امت کی تعلیم کیلئے • حضرت الشیخ الشبیر بافتادہ افندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے طعام اس لئے کھایا کہ امت ضعیفہ کو تعلیم نصیب ہو ورنہ آپ کو کھانے پینے کی حاجت و ضرورت نہیں تھی۔

ازالۂ وہم : آپ کا کبھی کبھی فقر وفاقہ کے دوران شکم اطہر پر پتھر باندھنا بھوک کی وجہ سے تھا کہیں یہ لطیف جسم عالم ملکوت کی طرف پرواز نہ کرے۔ اس لئے پتھر باندھ دیتے تاکہ عالم دنیا میں رہ کر خلق خدا کے لئے راہ ہدایت کا کام سرانجام دے سکیں اور انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حدوث عالم پر نظر رکھ کر تجلی لقاء سے بہرہ یاب رہے

وَلَا تُسْرِفُوْا حلال کو حرام کی طرف تعدی نہ کرے یعنی وہ اشیاء جو ماکولات ومشروبات وملبوسات میں حرام فرمائی ہیں انہیں عمل میں نہ لاؤ۔ یا اس کے معنیٰ یہ ہے کہ طعام حد سے زیادہ نہ کھاؤ اور اس کی حرص کرو کہ بدن کے قوام کے لئے ضرورت ہی نہیں تو تم خواہ مخواہ لذت کے طور کھاؤ اس لئے کہ یہ بھی اسراف کے قبیل سے ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کے عمل سے محبت نہیں کرتا۔ یعنی ان سے راضی نہیں اور نہ ہی ان کی تعریف کرتا ہے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک اسراف یہ ہے کہ جو جی چاہے کھا ڈالے اور یہ بھی اپنے مقام پہ صحیح ہے کہ جو ہر وقت

کھانے پینے کی فکر میں لگا رہے وہ خسیس اور ذلیل ترین انسان ہے ۔

۱ : خواجہ را بیں کہ از سحر تا شام
دارد اندیشۂ شراب و طعام

۲ : شکم از خوشی دل و خوشحال
گاہ پُر میکند گہے خالی

۳ : فارغ از خلد و ایمن از دوزخ
جائے او مزبلست و یا مطبخ

ترجمہ ۱ : خواجہ کو دیکھ کر صبح سے شام کھانے پینے کی فکر نہیں ۔
۲ : پیٹ خوش دلی اور خوشحالی سے پُر ہے کبھی اسے پُر کرتا ہے کبھی خالی کرتا ہے
۳ : یہ بہشت کے خیال سے خالی اور دوزخ کے خوف سے فارغ ہے اس کی جگہ یا پاخانہ یا باورچی خانہ ہے

نکتہ عجیبہ : حضرت شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسراف اس کا نام نہیں کہ ساری دنیا کے طعام اُٹھا کر منہ میں ڈال دیں بلکہ اسراف وہ لقمہ ہے جو رضائے الٰہی کے لئے نہیں بلکہ نفس پروری کے لئے کھایا جائے

ے
یک جواں را کہ خیر دائم داشت
پند می دارد راہبے در دیر
کائے پسر خیر نیست در اسراف
گفت اسراف نیست اندر خیر

ترجمہ : ایک جوان کو نیکی کا حرص تھا ۔ اسے دیر میں ایک راہب نے نصیحت کی کہ اے بیٹے اسراف اچھا نہیں نوجوان نے کہا ۔ بزرگ خیر میں اسراف ہوتا ہی نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسراف دو قسم ہے ۔ (۱) افراط ۔ (۲) تفریط ۔
افراط یہ ہے کہ حاجت ضروریہ سے زائد کا ارتکاب یا خلاف شرع عمل یا طبع و شہوت کے مطابق کیا ۔ یا غفلت میں یا ترک ادب کرکے یا حرص کے طور ہو وغیرہ وغیرہ اور تفریط یہ ہے کہ حاجت ضروریہ میں بلا وجہ کمی اور قوت و طاقت جو حقوق عبادت کے قوام میں کوتاہی یا اپنے نفس کو ضائع کرکے یہانتک کہ وہ تباہ ہو جانے پر زور دیا جائے یا اپنے نفس کے خواہشات پورے کرکے حقوق ربوبیت ضائع کئے جائیں یا خواہشات نفسانی میں حقوق قلب و روح و سر ضائع کردیئے جائیں ۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اپنے حقوق حظوظ نفسانیہ کی وجہ

سے ضائع نہ کرو۔

حکایت عجیبہ ہارون رشید کا ایک حکیم حاذق نصرانی تھا اس نے ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین بن واقد پر سوال کیا کہ تمہارے قرآن مجید میں علم طب کا معمولی سے معمولی مسئلہ بھی بیان نہیں کیا گیا حالاں کہ علم دو ہیں ۔ (۱) علم الابدان و علم الادیان ۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام طبی مسائل کو صرف ان دو لفظوں میں جمع فرمادیا ہے ۔ کما قال تعالیٰ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔ نصرانی نے کہا کہ کیا تمہارے نبی علیہ السلام کو بھی طب سے کچھ واقفیت تھی ۔ انہوں نے کہا ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طب کے جمیع مسائل مختصر الفاظ میں بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں ۔

(۱) المعدۃ بَیْتُ الداء معدہ بیماریوں کا گھر ہے ۔

(۲) الحمیۃ راس کل دواء حمیت ہر دوا کی سرتاج ہے ۔

(۳) عودوا کل جسم ما اعتاد جسم کو عادت پر چلاؤ ۔

نصرانی حکیم نے کہا تمہارے قرآن مجید اور تمہارے نبی علیہ السلام نے تو جالینوس کا کوئی طبی مسئلہ نہیں چھوڑا

فائدہ : حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو مرضی آئے کھاؤ پیو اور جو چاہو پہنو ۔ صرف اسراف اور تکبر کو اپنے قریب نہ بھٹکنے دو ۔

ف : اگرچہ ہمارے لئے جائز ہے کہ بلا اسراف جتنا چاہیں کھائیں لیکن پھر بھی صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ صرف دو لقموں پر اکتفا کرنا چاہیے ۔ ایک دن کو دوسرا رات کو اور یہ بھی عوام کے لئے اور وہ بھی غیر رمضان میں اور خواص کو دن اور رات کے لئے صرف ایک لقمہ پر قناعت چاہیے ۔ صوفیا کرام فرماتے ہیں اگر عوام دو لقموں سے تیسرا لقمہ اور خواص ایک لقمہ سے دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے تو اسراف کے مرتکب ہوں گے اور ان کے لئے حق پہنچتا ہے کہ ان کو کہا جائے کہ وہ بہائم (جانوروں) کے صفات سے موصوف ہیں ۔

ف : ہندی اطباء کہتے ہیں کہ تمام امراض کا علاج الحمیۃ ہے اس لئے کہ یہ مریض کو کھانے پینے اور لوازمات سے روکا جائے تو وہ خود بخود تندرست ہو جائے گا ۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ الحمیۃ پر مداومت کرے ۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ

تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی اور پاک رزق تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں

اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

کے لیے ہے دنیا میں اور قیامت میں تو خاص انہیں کی ہے ہم یونہی مفصل آیتیں بیان کرتے

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٣٢ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

ہیں علم والوں کے لیے تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو

بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٣٣ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ

سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے تو جب

فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٣٤ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا

ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے اے آدم کی اولاد اگر

يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

تمہارے پاس تم میں کے رسول آئیں میری آیتیں پڑھتے تو جو پرہیزگاری کرے اور سنورے تو اس پر نہ کچھ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٣٥ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰۗىِٕكَ

خوف اور نہ کچھ غم اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا وہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٣٦ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا

دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ

کی آیتیں جھٹلائیں انہیں ان کے نصیب کا لکھا پہنچے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے

رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا

ہوئے ان کی جان نکالنے آئیں تو ان سے کہتے ہیں کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کہتے ہیں وہ ہم سے

عَمَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ
گم گئے اور اپنی جانوں پر آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ کافر تھے اللہ ان سے فرماتا ہے کہ تم سے پہلے

خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِى النَّارِؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ
جو اور جماعتیں جن اور آدمیوں کی آگ میں گئیں انہیں میں جاؤ جب ایک گروہ داخل

اُخْتَهَاؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًاۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ
ہوتا ہے دوسرے پر لعنت کرتا ہے یہاں تک کہ جب سب اس میں جا پڑے تو پچھلے پہلوں کو کہیں گے اے رب ہمارے

اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾
انہیں نے ہم کو بہکایا تھا تو انہیں آگ کا دونا عذاب دے فرمائے گا سب کو دونا ہے مگر تمہیں خبر نہیں

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
اور پہلے پچھلوں سے کہیں گے تو تم کچھ ہم سے اچھے نہ رہے تو چکھو عذاب بدلہ

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾
اپنے کیے کا

شانِ نزول ۳۲ فقل جب مسلمانوں نے کعبہ شریف کا طواف کپڑے پہن کر شروع کر دیا اور گوشت کھانے لگے اور گھی والی اشیاء بھی۔ تو مشرکین نے مسلمانوں کو عار دلائی اس لئے کہ وہ بوقت احرام ننگے ہو کر طواف کرتے اور گوشت اور گھی والی اشیاء بھی نہیں کھاتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اے میرے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان سے فرمائیے کہ مَنْ یہ استفہام انکاری ہے۔ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی زینت دی ہوئی اشیاء کو مثلاً کپڑے یا اس طرح کی وہ دوسری چیزیں جن سے زینت اور سنگار کیا جاتا ہے اَلَّتِىْٓ اَخْرَجَ وہ چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے نکالا ہے لِعِبَادِهٖ اپنے بندوں کے لئے۔ نباتات مثلاً لباس کتان وغیرہ اور جانوروں میں سے جیسے ریشم اور اون وغیرہ اور معادن میں سے جیسے زرہ وغیرہ اور یہ تمام چیزیں لباس سے تعلق رکھتی ہیں۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ اور دیگر پاکیزہ چیزیں رزق میں سے اس کا عطف زِيْنَةَ اللّٰهِ پر ہے۔ یعنی کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی لذیذ چیزیں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور گھی والی چیزیں اور دودھ وغیرہ۔

مسئلہ: انسان فرائض کی ادائیگی میں خوش خوراک خوش پوشاک رہے اس ارادہ پر کہ خوش منظر نظر آئے تو اس کے لئے جائز ہے۔

مسئلہ: جو معمولی معاش پر گزارہ کر کے باقی دولت اللہ تعالیٰ کے نام لٹا دے تو یہی افضل و اولیٰ ہے

اس لئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر و برتر ہے۔

مسئلہ: آدمی بحاسن پر گزر اوقات رکھنا عزیمت ہے۔ اعلیٰ اور بہتر خوراک و پوشاک کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ فرائض میں کوتاہی نہ ہو اور وہ حلال مال سے ہو۔

مسئلہ: آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوراک و پوشاک میں تمام قسم کے کھانے اور لباس استعمال کرنا مباح ہیں جب تک ان میں شرعی قباحت کی صراحت نہ ہو) اس لئے کہ آیت میں استفہام انکار کے لئے ہے جیسا کہ امام شافعی اور اکثر اصحاب ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے کہ " الاصل فی الاشیاء الاباحۃ " اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک توقف ہے کہ نہ اباحت اور نہ عدم اباحت اور جس کے نزدیک اشیاء میں اصل خطر یعنی ممانعت ہے۔

قاعدہ شرعیہ و نکتہ عجیبہ الاصل فی الاشیاء الاباحت کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور علی الاطلاق جواد ہے اور جس کی ایسی شان ہو وہ اپنے مال کو اپنے بندوں سے منع نہیں کرتا۔ صرف ان چیزوں سے روکتا ہے جو اُن کے لئے مضر ہوں اس سے ثابت ہوا کہ اصل اباحت ہے اس اعتبار سے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور غنی اور جواد ہے اور حرمت (ممانعت ضرر کے لئے عوارض میں سے ہے اور اس کا جب تک ثبوت نہ ہو اس کا اجر نہیں ہوتا اور یہاں آیت میں بھی ایسی صورت ہے مانعین کی دلیل یہ ہے کل اشیاء علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ کسی کے مال میں تصرف کرنا مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور اس مالک کی اجازت کی خبر نہیں۔ یعنی اس کا ثبوت نہیں جب اباحت کا ثبوت نہیں تو اباحت کی بالمقابل خطر باقی ہے اس لئے کہ اس کا موجب ہے یعنی ملک الغیر۔ اس سے ثابت ہوا۔ یا الاصل فی الاشیاء الخطر ہے۔ توقف کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ شے کی حلت و حرمت شرع کے حکم پر موقوف ہے۔ شرعی حکم کے ورود سے پہلے ہم نہ اباحت کو ثابت کر سکتے ہیں اور نہ خطر کو بنابریں توقف ہی لازم ہوا۔

فائدہ: عبدالطاہر بغدادی نے کہا کہ فقہاء کے نزدیک توقف اس ہر عمل کو کہا جاتا ہے کہ جس کے متعلق شریعت سے اباحت و خطر کا کوئی ثبوت نہیں ہو۔ اس پر اگر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مرتکب کو ثواب ہوگا اور نہ (عذاب) قُلْ هِيَ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے یہ زینت اور طیبات (کذافی التفسیر الفارسی) لِلَّذِينَ آمَنُوا ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ لِلَّذِينَ کا تعلق مُستقرۃ محذوف سے ہے۔ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس کا تعلق آمنوا سے ہے۔ بعض نے کہا کہ مستقرۃ کے متعلق ہے کہ جس سے لِلَّذِينَ سے ہے۔

فائدہ: طیبات کی تخلیق کا اصلی مقصود یہی ہے کہ بندگان خدا کو عبادتِ الٰہی پر تقویت حاصل ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں پاکر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوں اور کفر و معاصی سے بیزاری کا اظہار کریں۔

نکتہ: نعتیں حقیقتہً اہلِ ایمان کے لئے پیدا ہوئیں اور کفار اہلِ ایمان کے طفیلی ہیں تاکہ قیامت میں ان کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے یہ نہ فرمایا۔ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلِغَیْرِھِمْ فِی الدُّنْیَا۔ خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ قیامت میں نعتیں خالص اہلِ ایمان کے لئے ہوں گی۔ اس وقت ان کا کوئی شریک نہ ہوگا۔ اگرچہ دُنیا میں ان کے ساتھ نعتوں میں کفار بھی شریک ہیں اور خالصۃً کا منصوب ہونا جو لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے معنوی طور حال ہونے کی وجہ سے ہے اور یوم القیٰمۃ خالصۃً کے متعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تمہیں طلبِ کمالات سے کون منع کرسکتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے غیب الغیب سے اپنے مخصوص بندوں یعنی انبیاء و اولیاء کے لئے پیدا فرمایا اور تمہارے اُوپر ان کمالات و کمالات کے کون حرام کرسکتا ہے جو انہیں طلب کرنے کی سعی کرتا ہے تو بلا تاخیر اور بلا کم و کاست اسے نصیب ہوتی ہیں اور زینۃ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے الطاف اور کرم نوازیوں کے حقائق سے پیدا فرمایا۔ مثلاً ابدان کو شریعتوں اور اُن کے آثار سے اور نفوس کو آداب اور اُن کے اقتداء سے اور قلوب کو شواہد اور اُن کے انوار اور ارواح کو معارف اور ان کے اسرار سے اور اسرار سے (جمع سر) کو طوالع اور اُن کے آثار سے زینت بخشی بلکہ یوں کہو کہ انسان کے ظواہر کو آثارِ جُود سے اور بواطن کو انوارِ وجود سے زیب و زینت بخشی۔ الطیبات من الرزق درحقیقت ان اُمور کو جاتا ہے۔ جنہیں نفس کے حقوق کو نہ ہو اور نہ ہی اس کے حظوظ انہیں شامل ہوں بلکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق و عطیات اور حقوق ہوں۔

قُلْ ھِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۔ یہی کرامات و مقامات صرف انہی مشائخ و سادات کے لئے ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں زندگی بسر کی اور انہیں نفس کے آفات سے بھی مقابلہ کرنا پڑا اور صفات بہیمہ کی کدورات سے بھی واسطہ رہا۔ خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ لیکن قیامت میں آفاتِ نفسانیہ اور کدورات بہیمیہ سے پاک اور صاف ہوں گے۔ گویا ان کے حق میں فرمایا کہ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اور ہم نے اُن کے سینوں سے کھوٹ باہر نکال پھینکا۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۔ اسی طرح ہم علم والوں کے لئے آیات کو تفصیلی طور بیان کرتے ہیں۔ یعنی دوسرے احکام کی طرح اس حکم کو بھی ہم مفصل طور بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے جو علم والے ہیں۔ اُن کے لئے ان آیات کے عجیب معانی و مطالب بیان کر دیئے گئے ہیں[۳۲] قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فواحش کو حرام فرمایا ہے اور فواحش وہ ہیں کہ جن کا قبح واضح اور ظاہر ہو۔ اُن سے کبائر مراد ہیں۔ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ ۔ وہ جو ظاہر اور باطن ہیں یہ الفواحش سے بدل ہے یعنی وہ فواحش جو کھلم کھلا یا پوشیدہ طور ہوتے ہیں جیسے کفر و منافقت وغیرہ وغیرہ وَالْاِثْمَ اور وہ اُمور جو گناہ کا سبب بنیں وہ صغائر ہوں یا کبائر وَالْبَغْیَ اس سے ظلم اور تکبر مراد ہے۔

سوال: اس کا ذکر الاثم میں آگیا ہے پھر اسے علیحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔

جواب و مبالغہ مقصود ہے تاکہ اس کی زجر کے لئے مزید تاکید ہو جائے۔
بِغَیۡرِ الۡحَقِّ۔ یہ بغی کے متعلق ہے اس کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے بغی ہوتا ہی ہمیشہ ناحق ہے۔ اس میں حق کا مفہوم پیدا ہو سکتا ہی نہیں۔ وَ اَنۡ تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰہِ اس کا عطف حرم کے مفعول پر ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کو حرام فرمایا ہے۔ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ ایسی چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ کیلئے شریک ٹھہرانے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی اور نہ ہی ان کی عبادت کا حکم فرمایا۔
سُلۡطٰنًا یعنی حجت اور برہان۔ اس سے مشرکین کے ساتھ تہکم مطلوب ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو اس کے ذکر سے تہکم ہی مقصود ہو سکتا ہے اور ان سے استہزا ہی ہوگا۔ اس لئے کہ اشراک باللہ کے لئے کوئی برہان ہو تو اُسے نازل کیا جائے۔ جب دلیل ہے ہی نہیں تو اس کے نزول کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ وَ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے وہ باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔ مثلاً الحاد یا اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان تراشی وغیرہ مثلاً کہا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی قسم کا امر نہیں فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فواحش وہ امور ہیں جن کے ارتکاب سے بندہ اپنے مولیٰ سے دُور ہو جائے اور وہی بندے کو مولیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے مانع ہوں۔ عوام کے لئے یہی ماظہر ہیں کہ جن سے شریعت نے روکا ہے۔ لیکن بندہ ان کا ارتکاب کرے اور ان کے ماطن سے وہ وساوس مراد ہیں جو دل پر کھٹکتے ہیں اور خواص کے ماظہر سے وہ امور جو ان کے لئے نفوس میں حظوظ و شہوات رکھے گئے ہیں مراد ہیں اور وَمَا بَطَنَ سے محبوب سے صبر کرنا (اگرچہ ایک لحہ) مُراد ہے اور اخص الخواص کا ماظہر منہاء ترک استحباب یا اسباب دنیا میں کسی ایک سبب سے متعلق ہونا اور مَا بَطَنَ سے دارین کی کسی شے کا میلان اور عالمین میں ماسوی اللہ کی طرف ملتفت ہونا اور الاثم سے اعراض عن اللہ۔ اگرچہ آنکھ جھپکنے کی دیر ہو اور البغی سے غیر اللہ کی محبت اور اسے غیر محل میں رکھنا مراد ہے۔ اَنۡ تُشۡرِکُوۡا بِاللّٰہِ یعنی جن چیزوں کے لئے غیر اللہ میں سے اجازت نہیں۔ تم اُن سے استعانت نہ کرو۔ جب تک اللہ تعالیٰ اُن کے لئے دلیل اور حجت نہ نازل فرمائے۔ یعنی جب تک اُن کے لئے شریعت مطہرہ کی اجازت نہ ہو وَ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ یعنی اپنے نفس اور اس کی خواہش کے مطابق فیصلے مت کرو یا یہ کہ اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے اللہ تعالیٰ کی حقیقت معلوم کرنے کا دم نہ مارو یا یہ کہ جب تمہیں معلوم ہی نہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے عرفان اور اللہ والوں کے مقامات و مراتب اور اثبات کرامات اپنی طرف سے بیان نہ کرو۔ اس لئے کہ تم ایسی باتوں سے بے خبر ہو اور نہ ہی تمہیں ان کے متعلق کچھ معلومات ہیں۔

(ربط) اب رسل کرام کے مکذبین مشرکین کی تہدید کی جائیں گی ۳۴ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جتنی امتیں ہلاک ہوئیں اب سب کے لئے اَجَلٌ ایک میعاد مقرر ہے یعنی اُن کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا گیا تھا۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ پس جب اُن کے لئے وقت آجاتا ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع کُلِّ اُمَّۃٍ ہے اس لئے یہاں نام نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ جس کے لئے جو وقت مقرر ہوا اُس کا وہی وقت مقرر کردہ اس پر وارد ہوا۔ تو وہ اللہ تعالٰی کے عذاب میں گرفتار ہوا لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ اس مقرر کردہ وقت سے پیچھے نہیں ہوں گے۔ سَاعَةً گھڑی بھر یعنی تھوڑی دیر بھی اسے نہایت معمولی وقت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے مقرر کردہ وقت سے پیچھے نہ ہٹے۔ باب استفعال لا کر واضح کیا گیا کہ انہیں اس معاملہ اتنا عجز اور کمزوری تھی کہ ان کا کوئی بس نہیں چل سکتا تھا اور محروم ایسے تھے کہ اُن کے مطالبے کے باوجود بھی انہیں کسی طرح بھی مہلت نہ مل سکی وَلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ اور نہ اپنے اجل سے پہلے مرتے تھے ؎

اجل چوں فردا آیدت، پیش و پس
پیش و پس نگذارد یک نفس

ترجمہ: جب کل اجل آگے پیچھے آیا۔ تو پھر سانس کو آگے پیچھے نہیں ہونے دے گا۔

حکایت منقول ہے کہ ایک بادشاہ نہایت ہی عبادت گزار تھا لیکن اسے دنیا کا میلان پیدا ہوا اور شاہی کے امور میں سخت منہمک ہو گیا۔ اس نے ایک محل تیار کرایا اور بہت بڑا مضبوط بنایا اور اس کا اچھا فرش تیار کیا اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے کمرے بنوائے اس میں ایک دن اپنے بڑے بڑے وزیروں امیروں مشیروں کو دعوت کے لئے بلایا اور بہترین کھانے تیار کئے۔ اس میں اُس نے عوام کو بھی بلایا۔ تمام رعایا خوش ہو کر اس محل میں حاضر ہوئی اور خوب کھایا پیا اور بادشاہ کو دعائیں دیں اور محل کو دیکھ کر حیران رہ گئے عوام تو کھانا کھا کر چلے گئے اور بادشاہ اور اُس کے وزراء وغیرہ وہیں پر رہ گئے اور چند روز ٹھہر کر کہا کہ میں واقعی اس محل کی تیاری سے کتنا خوش ہوں اور تم دیکھتے ہو کہ میری خوشی کی کیا انتہا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمام لڑکوں کے لئے اس طرح کا علیحدہ علیحدہ محل بنواؤں۔ تم چند روز میرے ہاں ٹھہرو اور مجھے اس کے متعلق مفید مشورے دو۔ وہ وزراء اور مشیرانِ کار اس کے ہاں ٹھہر گئے اور مختلف طور کی رائیں قائم ہوتی رہیں اور متعدد مشورے طے ہوتے۔ ایک رات بیٹھے تھے کہ اس محل کے کنارے سے آواز آئی۔ جس کا مضمون یہ تھا ؎

یا ایھا الباني الناسي لمنیته
لاتامنن فان الموت مکتوب
ھٰذا الخلائق ان سروا ان فرحوا
فالموت حتف لذی الامال منصوب
لا تبنین دیارا لست تسکنها
وراجع انسك کما یغفر الحوب

ترجمہ: اسے سمل تیار کرکے اپنی موت کو بھولنے والو بے خوف ہو اس لئے کہ موت تو ضرور آئے گی یہ مخلوق کتنی خوشحالی سے زندگی بسر کرے لیکن موت جھپٹ لگانے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ ایسے مکانات کیوں تیار کرنا چاہتے ہو جہاں تم نے ٹھہرنا ہی نہیں۔ نیکیوں میں لگو تاکہ تمہارے گناہ بخشے جائیں۔

یہ مضمون سن کر وہ بادشاہ اور اس کے ساتھی بہت گھبرائے۔ بادشاہ نے سب سے کہا کیا تم نے سنا ہیں کیا کہا گیا ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم نے سنا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا اس سے تمہیں میری طرح کچھ محسوس بھی ہوا انہوں نے کہا آپ کو کیا محسوس ہوا۔ اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اب موت میرے سرہانے کھڑی ہے۔ سب نے کہا گھبرائیے نہیں آپ کی عمر دراز ہو۔ ہم سب آپ کے خدام ہیں۔ آپ تا دیر اپنے مال و منال سے فائدہ اٹھائیں۔ بادشاہ نے کہا اب یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ لاؤ شراب کی بوتلیں اور ان سب کو توڑ دو اور لاؤ گانے بجانے کا سامان اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور اس سے فارغ ہو کر جملہ گناہوں سے تائب ہوا اور موت کہتے کہتے اس کی جان نکل گئی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱۔ خواجہ در بند نقش ایوانست
خانہ از پائے بست ویرانست

اور فرمایا۔ ۲۔ آں کہ قرارش نگرفتے و خواب
تا گل و نسرین نہ فشاندے نخست

۳۔ گردش گیتی گل رویش بریخت
خارہا بر سر خاکش برست

ترجمہ: ۱۔ خواجہ مکان کے نقش و نگار کے خیال میں کہ مکان اور ویران ہے اس سے بڑا ہوتا اور ابھارنا تو
(۲) ایک وہ جو قرار نہ پاتا اور نہ اسے نیند آتی جب تک بستر پر گل و نسرین نہ بچھاتا۔
(۳) گردش زمانہ نے اس کے گلاب کے چہرے کو ایسا بے عزت کیا کہ کانٹے ہی اس کی قبر سے اگ آئے

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر ایک قوم خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے ہیں یا بہشت کی طرف یا دوزخ کی طرف) کے لئے مدت معلوم اور وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کی مقرر کردہ ختم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ازل میں مقرر فرمائی تو۔ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ " ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہوں گے۔ یہ وعدہ اللہ والوں کے لئے تسلی قلب اور دشمنوں کے لئے وعید اور سزا سنائی ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

٣٥ ۝ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے۔ اِمَّا۔ یہ دراصل اِنۡ مَا تھا۔ لفظ (مَا) کے میم میں ان شرطیہ کے نون کو مدغم کیا گیا ہے۔ ان شرطیہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے کہ لفظ ما بھی شرط کے لئے آتا ہے۔ یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ اے آدم زادو اگر تمہارے ہاں رسل کرام علیہم السلام تشریف لائیں مِّنۡکُمۡ درانحالیکہ وہ تمہاری جنس سے ہوں یہ رُسُل کی صفت ہے۔ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ۔ یہ رسل کی دوسری صفت ہے یعنی تمہارے سامنے ہمارے احکام و شرائع بیان کریں گے۔

سوال: ظاہری کلام کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں پر ان کے بجائے اِذَا ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کا تشریف لانا اللہ تعالیٰ کے علم میں محقق الوقوع ہے۔

جواب: معلوم کو مشکوک کے طور لاکر تنبیہ کر دی گئی ہے کہ رسل کرام علیہم السلام کا بھیجنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ عقلاً ایک جائز امر ہے کیونکہ کہا جائے کہ وہ رسل کرام کے نہ بھیجنے پر قادر ہے اور نہ ہی اسے رسل کرام کا بھیجنا شرعاً واجب ہے یہاں تک کہ کہا جائے کہ (معاذ اللہ) نہ بھیجے گا تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر عقلاً و شرعاً کوئی شئے واجب نہیں۔ ہاں اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ رسل کرام کو بھیجے کہ ارسال رُسُل میں بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں ہیں۔

فَمَنِ۔ یہ مَن شرطیہ ہے۔ پس جو کوئی اتَّقٰی تکذیب سے ڈرے۔ وَاَصۡلَحَ اپنے اعمال کی اصلاح اور رسول علیہ السلام کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے۔ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ۔ پس ان پر کوئی خوف نہیں یعنی مستقبل میں گنہگاروں کو لاحق ہوگا اس سے یہ لوگ بے خوف ہوں گے۔ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ یعنی انہیں دنیا میں کسی چیز کے فوت ہوجانے کا غم نہ ہوگا اس لئے کہ آخرت کی دارالکرامۃ کی نعمتوں میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انہیں دنیا و مافیہا کا خیال تک نہ رہے گا۔

٣٦ ۝ وَالَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا اور جن لوگوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی۔ یعنی ہمارے رسل کرام علیہم السلام کی وَاسۡتَکۡبَرُوۡا۔ اور تکبر کیا یعنی اپنی عظمت کا خیال کیا اور سرکشی کی عَنۡهَا آیات سے جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کے لئے دلائل کی حیثیت ہیں اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ وہی دوزخی ہیں یعنی ہمیشہ دوزخ میں مقیم رہیں گے۔ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ۔ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے یعنی دوزخ کی اقامت دائمی ہوگی۔

٣٧ ۝ فَمَنۡ اَظۡلَمُ پس کون زیادہ ظالم ہے یعنی کوئی ایسا نہیں مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا جو کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو اس نے نہیں فرمائی۔

فائدہ: اس کا شریک اور زوجہ اور اولاد ثابت کرنا بھی افتراء میں داخل ہے۔ اَوۡ کَذَّبَ۔ یا اس کی آیات کو جھٹلائے یعنی جو کچھ اس نے فرمایا ہے اسے جھوٹا کہے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ پر افتراء اور اس کے آیات کی تکذیب کا گناہ برابر ہے۔ چنانچہ فرمایا اُولٰٓئِکَ وہ لوگ جو اوصاف مذکورہ کے موصوف ہیں یعنی افتراء اور تکذیب کرنے والے یَنَالُهُمۡ انہیں پہنچے گا نَصِیۡبُهُمۡ ان کا حصہ مِّنَ

الکتٰبِ۔ کتاب سے اُن کے لئے کتاب میں رزق اور زندگی لکھی گئی ہے۔ حتّٰی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا۔ یہاں تک کہ اُن کے پاس ہمارے رسل کرام علیہم السلام تشریف لائیں گے یعنی ملک الموت اور اُن کے خدام یَتَوَفَّوْنَهُمْ۔ دراں حالیکہ وہ انہیں وفات کریں گے یعنی اُن کی روحیں قبض کریں گے۔

فائدہ: اگرچہ لفظ حتّٰی سے کلام کا آغاز کیا گیا ہے لیکن یہاں یہ اپنے ما قبل یَنَالُهُمْ کی غایت کیلئے ہے اب عبارت یوں ہوئی یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِنَ الْکِتٰبِ اِلٰی اَنْ تَاْتِیَهُمْ مَلٰٓئِکَةُ الْمَوْتِ۔ الخ پھر جب اُن کے پاس ملائکہ ارواح قبض کرنے کیلئے آئیں گے تو انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے۔ قَالُوْا کہیں گے اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا میں پرستش کرتے تھے۔

سوال: اَیْنَ کا قاعدہ ہے کہ اسے علیحدہ لکھا جائے اس لئے کہ ما موصولہ اور این اسم ظرف ہے۔ لیکن یہاں دونوں کو اکٹھا لکھا گیا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: صحیفہ عثمانی میں یونہی لکھا گیا ہے لہٰذا اس کی اتباع میں ہر جگہ قرآن میں ایسے ہی لکھا جائے گا۔

قَالُوْا کفار جب جواب دیں گے ضَلُّوْا عَنَّا وہ ہم سے غائب ہو گئے۔ اَب ہم انہیں نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ۔ اس کا عطف قَالُوْا پر ہے یعنی وہ اپنے لئے اعتراف کریں گے۔ اَنَّهُمْ کَانُوْا۔ تحقیق وہ دنیا میں تھے۔ کٰفِرِیْنَ۔ کافر یعنی جو عبادت کے ہرگز مستحق نہیں تھے ان کی عبادت کرتے تھے۔ جب وہ اپنے کردار کا انجام اور گمراہی دیکھیں گے۔

سوال: یہاں پر اُن کا اعتراف کا بیان ہے حالانکہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ اللہ کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

جواب[1]: مختلف فرقے مختلف جواب دیں گے بعض یہی کہیں گے جو آیت ہذا میں ہے بعض وہی کہیں گے جو سوال میں مذکور ہوا۔

جواب[2]: یا وہ مختلف اوقات میں ایسے مختلف جواب دیں گے۔

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ قیامت کے وقوع میں کوئی دیر نہیں گویا کہ مرتے ہی اُن کے لئے قیامت قائم ہو جائے گی۔ اگر یہ ہی تاویل نہ کی جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ یہی سوال و جواب پھر انہیں سزا کے طور جہنم میں داخلے کا حکم پھر جہنم میں اُن پر لعن و طعن یہ سب کی سب قیامت کے قیام کے وقت ہوں گی۔

۳۸ قَالَ انہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ یا کوئی فرشتہ کہے گا اُدْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ داخل ہو جاؤ اُن امتوں میں جو اُن کے ساتھی ہوں گے۔ قَدْ خَلَتْ تحقیق گزر چکے مِنْ قَبْلِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ گندی ہوئی امتوں میں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے فِی النَّارِ دوزخ میں۔ اس کا تعلق اُدْخُلُوْا سے ہے۔

سوال: جنات کو انسانوں سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا۔

جواب: تخلیق میں جنات پہلے ہیں۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جن پیدا فرمائے تو ان میں بعض مومن تھے اور بعض کافر۔ جب اہلِ ایمان پر کفار جنات غلبہ پا گئے تو اللہ تعالیٰ نے کفار کو مار ہٹایا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ان کے ہاں فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا۔ جن کا امیر شکر ابلیس کو بنایا گیا۔ انہوں نے جنات کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور سب کو فنا کر ڈالا۔ اس کے بعد ہی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا۔ انہیں بھی بعض کافر تھے جیسے قابیل اور بعض مومن۔ جیسے ہابیل۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں کافر بھی رہے۔ جو جہنم کے مستحق ہوئے اور مومن بھی جو بہشت کے مستحق۔ تاقیامت یہ سلسلہ رہے گا۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت جب قائم ہوگی تو اس وقت ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ جب اگلی پچھلی تمام امتیں جہنم میں داخل ہوں گی لَعَنَتْ اُخْتَهَا تو وہ ہر اس دوسری امت پر لعنت کرے گی جس نے اسے گمراہ کیا ہوگا یا جس کی تقلید میں اس سے گمراہی سرزد ہوئی ہوگی مثلاً مشرکین کا ایک گروہ دوسرے کو اور یہودی اپنے دوسرے یہودیوں کو اور نصاریٰ اپنے دوسرے نصاریٰ کو اور مجوس دوسرے مجوسیوں کو لعنتی کہیں گے اس طرح ہر چھوٹے طبقہ کے گمراہ اپنے بڑے لیڈروں پر لعنت کریں گے مثلاً کہیں گے خدا تم پر لعنت کرے تم نے ہی ہمیں دھوکہ دیا۔

فائدہ: اخت سے دین و ملت میں ہمجنسیت مراد ہے۔

سوال: اختہا کے بجائے اخاہا کیوں نہ کہا۔

جواب: یہاں پر دوسری جنس کی امت اور جماعت مراد ہے اور یہ دونوں مونث ہیں حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ما قبل کی غایت کے لئے ہے یعنی کافروں کو گروہوں میں بانٹ کر گروہ در گروہ جہنم میں داخل ہوں گے جب ایک گروہ جہنم میں داخل ہوگا تو وہ دوسرے پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا۔ یہاں تک کہ سب کے سب جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ اور جب تمام جہنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔

فائدہ: ادارکو دراصل تدارکو تھا۔ تاء دال ہو کر دال میں مدغم ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہمزہ وصلی داخل کیا گیا ہے۔ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ تو ہر پچھلی امت کہے گی یعنی وہ جو پہلی جماعت کے بعد اس کی دوسری جماعت جہنم میں داخل ہوگی۔ اس سے لیڈروں کے تابعدار مراد ہیں۔

فائدہ: آخری بمعنی آخرۃ ہے آخر کی مونث۔ جو اوّل بالمقابل ہے نہ آخری بمعنی غیر جیسے وزراء اخری میں ہے۔ لِاُوْلٰىهُمْ اپنے سے پہلی جماعت کے لئے یعنی اپنے لیڈروں کے لئے جب وہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوں گے۔ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ یعنی انہوں نے طرح طرح کے شبہات ڈال کر ہمیں ہدایت سے دور رکھ کر گمراہ کیا اور ہم ان کی اقتداء میں گمراہ ہوئے۔ فَاٰتِهِمْ عَذَابًا پس انہیں دوہرا

عذاب میں مبتلا فرما۔ مِّنَ النَّارِ جہنم کے عذاب سے اس لیئے کہ وہ خود گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کیا۔
قَالَ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ لِكُلٍّ ہر ایک اگلے پچھلے لوگوں کے لئے ضِعْفٌ دوہرا عذاب ہے لیڈروں پر بوجہ کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور اُن کے مقتدیوں پر بوجہ کفر اور لیڈروں کی تقلید کے۔
فائدہ: یہ تضعیف اسلئے نہیں کہ وہ اس کے مستحق نہیں۔ اس طرح سے بلاوجہ کسی کو دوہرے عذاب مبتلا کرنا

ؔ: یہ مرزا قادیانی سے اس کی تفصیل فقیر کی الباب الصرف میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

ظلم ہے۔ بلکہ کفر کے علاوہ لیڈروں کو دوہرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے مقتدیوں کو بوجہ تقلید کے وَلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ لیکن تمہیں معلوم نہیں ہو رہا کہ تمہیں کیا ہو رہا ہے اور تمہارے دوسروں کو کس طرح عذاب میں مبتلا کیا جا رہا ہے ۳۹ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ کافروں کے لیڈر خطاب کرتے ہوئے لِاُخْرٰىهُمْ اپنے پیروکاروں سے کہیں گے جب وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سن لیں گے۔ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ تمہیں اوپر کسی قسم کی فضیلت نہیں کہ تم نے کفر سے کنارہ کشی کی اور گمراہی سے دور رہے ہو۔ بلکہ تم کفر و گمراہی میں ہمارے برابر کے شریک ہو پھر اب کس خیال میں ہو کہ تمہیں بہ نسبت ہمارے عذاب میں تخفیف ہوگی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمہیں ہمارے سے زائد عذاب ہو۔ ہم نے کفر پر تمہیں مجبور تھوڑا کیا تھا بلکہ تم خود اس میں مبتلا ہوئے اس لیئے کہ وہ تمہاری خواہشات کے عین مطابق تھا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ پس تم عذاب چکھو۔ جیسا کہ تمہارے مقدر ہوا ہے یہ کفار کے لیڈر اپنی دل کی تسلی کے لئے کہیں گے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ بسبب اس کے کہ تم کفر کا ارتکاب خود کرتے تھے اور اب اس کا عذاب دوسروں پر ڈالتے ہو۔

جملہ دانند ایں اگر تو نگروی
ہر چہ کاریش ؤوزے بدروی

ترجمہ: سب کو معلوم ہے اگر تو یقین نہیں کرتا تو جو کچھ تو بوئے گا وہی پھل کاٹے گا۔

فائدہ: کفار وہی تو ہیں کہ جنہوں نے اللہ والوں کی رہبری سے انکار کیا اور برائیوں کے مرتکب ہوئے اور انہیں انبیاء و اولیاء کے طریقے اچھے نہ لگتے تھے۔ اب وہ اپنی اُن غلطیوں کا اعتراف کریں گے اور کہیں گے کہ واقعی وہ دنیا میں گمراہ تھے لیکن ان کا یہ اقرار اس وقت کسی کام نہ آئے گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو موت سے پہلے ہی اپنے حالات صحیح کرلے۔

حدیث شریف: اپنے ایمان کی روزانہ تجدید کر لیا کرو۔

فائدہ: تجدید سے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف منتقل ہونا مراد ہے اس لئے کہ احناف کے نزدیک تو ایمان پہلی بار کلمہ شہادۃ پڑھنے سے مکمل ہو گیا اب اس کی تجدید کا کیا معنیٰ۔ البتہ ایمان کے اٹھارہ مراتب ہیں

انہیں وصلے کرتا ہے جسے عنایت الہٰی نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱۔ تازہ کن ایماں نہ وز قول زبان
اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں

۲۔ تا ہوا تازہ است و ایمان تازہ نیست
کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

ترجمہ ۱۔ ایمان تازہ کر لیکن نہ صرف زبانی باتوں سے اے وہ جو تو نے خواہشات دل میں ٹھہرا رکھی ہیں۔
۲۔ جب تک خواہشات نفسانی تازہ ہیں ایمان تر و تازہ نہیں ہو سکتا یہ خواہشات تو اس دروازہ کا تالا ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ایمان کی دعوت دی ہے جس نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کی وہ ہدایت پا گیا اور اسے بہشت نصیب ہوگی اور جو منکر ہوا وہ جہنم میں گیا۔

عجائبات بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم بھی غایت شفقت سے پیدا فرمائی ہے اس لئے کہ مثلاً جو شخص اعلان کرے کہ میری مہمانی قبول کرو۔ جو آئے گا عزت پائے گا اگر نہیں آئے گا تو اس پر حرج نہیں لیکن دوسرا یوں اعلان کرے کہ میری مہمانی قبول کرو جو آئے گا عزت پائے گا اگر نہیں آئے گا تو اسے سزا ملے گی۔ یہ صرف اپنی مہمانی کی حاضری کے لئے کہے تو اس دوسرے کا اعلان شفقت و رحمت میں ہو کر رہ گیا

(۲) بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نار جہنم ایک وجہ سے خیر ہے اور دوسری وجہ سے شر۔ جیسے نمرود کی آگ کفار کی نظروں میں عذاب تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لئے نعمت و رحمت یا جیسے حاکم کے ہاتھ کا ڈنڈا سرکشوں کے لئے رحمت ہے کہ انہیں سیدھا کر کے برائی سے بچائے گا اور دوسرے لوگ اسے عذاب سمجھیں گے۔

نسخہ: جو شخص عذاب جہنم سے بچنا چاہے اسے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے

حکایت حضرت مولانا روم قدس سرہ ایک دن قرآن والوں کو وعظ فرما رہے تھے کہ جو شخص گناہ کرتے کرتے توبہ کے بغیر مر گیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے ظلم نہیں۔ پھر گناہوں کی سزا دے کر اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل فرمائے گا۔ ایک شخص نے وعظ میں کہا کاش کہ ایسا بندہ اپنی بے عزتی سے پہلے سمجھ جاتا تو اسے عزت و احترام سے بہشت نصیب ہوتی پھر اس نے حضرت مولانا روم قدس سرہ سے عرض کی۔ حضرت! آپ میرے لئے دعا فرمائیے کہ وہ کریم مجھے عزت و احترام سے ہی بہشت عطا فرمائے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمارے ساتھ لطف و کرم فرمائے۔ وہی توفیق و ہدایت کا مالک ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ

وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے

أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ

دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں جب تک سوئی کے ناکے میں اونٹ داخل نہ ہو

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ

اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں انہیں آگ ہی بچھونا اور آگ ہی اوڑھنا

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا

اور ظالموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور طاقت بھر اچھے کام کیے ہم کسی پر طاقت سے

إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم

زیادہ بوجھ نہیں رکھتے وہ جنت والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا اور ہم نے ان کے سینوں میں سے

مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا

کینے کھینچ لیے ان کے نیچے نہریں بہیں گی اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا

دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے اور ندا ہوئی

أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

کہ یہ جنت تمہیں میراث ملی صلہ تمہارے اعمال کا اور جنت والوں نے دوزخ والوں

أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ

کو پکارا کہ ہمیں تو مل گیا جو سچا وعدہ ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا تو کیا تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے سچا وعدہ تمہیں

حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

دیا تھا بولے ہاں اور بیچ میں منادی نے پکار دیا کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسے کجی چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار رکھتے ہیں

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا
اور جنت و دوزخ کے بیچ میں ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے کہ دونوں فریق کو ان کی پیشانیوں سے پہچانیں گے اور

أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا
وہ جنتیوں کو پکاریں گے کہ سلام تم پر یہ جنت میں نہ گئے اور اس کی طمع رکھتے ہیں اور جب

صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھریں گی کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے

الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾
ساتھ نہ کر

تفسیر عالمانہ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ، بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔
فائدہ آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جو اصولِ دین پر دلالت کرتے ہیں جیسے توحید نبوت ، بعثت۔

وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا اور انہوں نے تکبر کیا آیات سے یعنی اُن سے انکار کر کے ایمان سے محروم رہے اور نہ ان کے تقاضا پر عمل کیا۔ اس سے کفار مراد ہیں۔ لَا تُفَتَّحُ تاء ثانیہ کو مشدد کر کے پڑھا جائے اس لئے کہ آسمان کے دروازے کثیر التعداد ہیں۔ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے یعنی نہ ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کے اعمال قبول ہوتے ہیں اور نہ ہی آسمان کی طرف اُن کی روحیں جا سکتی ہیں جیسے اہلِ ایمان کی شان ہے کہ ان کی دعائیں بھی مستجاب ہوتی اور ان کے اعمال بھی قبول ہوتے ہیں اور ان کی ارواح بھی آسمان پر جاتی ہیں۔

حدیث شریف مومن کی روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے تو اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں پھر اسے کہا جاتا ہے مبارک ہو اس نفس کو جو پاکیزہ جسم کے اندر رہا۔ اسی طرح اسے ساتوں

آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے اور اسی طرح اس کا استقبال ہوتا ہے اور کافر کی روح کے لئے جب آسمان کے دروازہ کھولنے کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے لئے جواب آتا ہے کہ اے خبیث روح ذلیل و خوار ہو واپس لوٹ جا۔ اسی طرح اسے سجین میں دھکیلا جاتا ہے۔

فائدہ: سجین سب سے بڑے ابلیس کے جھنڈے کی جگہ ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے واقع ہے۔

مسئلہ: تمام ارواح خواہ سعید ہوں یا شقی سب کے سب اپنے اجسام کے ساتھ متعلق رہتے ہیں۔ اس بنا پر روح کو عذاب ہوتا ہے تو جسم کو اس سے درد محسوس ہوتا ہے جیسے سورج کو آسمان پر ہے لیکن اس کا نور زمین پر ہے۔

وہابی دیوبندی کو تازیانہ عبرت

اہلِ ایمان گنہگاروں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان ہوا میں لٹکی رہتی ہیں ان میں بعض اپنی قبور میں مقید ہوتی ہیں کسی ایک ہفتہ تک کسی کو مہ و سال تک کسی کو کم، کسی کو زائد لیکن ان کو اس وقت نجات نصیب ہوتی ہے جب ان کے لئے ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور نیکیوں کے ذریعے ان کی امداد کی جاتی ہے تب وہ کہیں صرف آسمانِ دنیا کی کسی ایک اقامت گاہ میں انہیں جگہ ملتی ہے [1]

وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ اور وہ بہشت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو۔ یعنی یہاں تک کہ کوئی بڑے جسم والی شے کسی چھوٹے سوراخ والی شے میں داخل ہو جائے اور ظاہر ہے بڑے جسم والا اونٹ ہے اور تنگ سوراخ والی سوئی ہے یعنی جب مذکورہ بالا صورت ناممکن ہے اسی طرح اس کا موقوف یعنی کافر کا بہشت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔ عرب کا دستور ہے کہ کسی غیر ممکن الصدور شے کو دوسری غیر ممکن الصدور سے مثال دیا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شاعر نے کہا ہے

اذ شاب الغراب اتیت اھلی
وصار القار کاللبن الحلیب

ترجمہ: جب کوا بوڑھا ہوگا تو میں اپنے گھر آؤں گا یا اس وقت تارکول سیاہ دودھ کی طرح سفید ہوگا یعنی نہ کوا بوڑھا ہوگا۔ اسی طرح نہ تیل مذکور سفید ہوگا۔ نہ گھر واپس آئے گا۔

حل لغات

الجمل ناقہ (اونٹنی) کے نر کو کہا جاتا ہے اور نر اونٹ کو اس وقت جمل کہا جاتا ہے جب وہ ساتویں سال میں قدم رکھے ایسے ساتویں والے اونٹ کو رباع اور اونٹنی کو رباعیہ

---

[1] بفضلہ تعالیٰ ثواب کی سنت ہم اہلِ سنت میں بکثرت مروج ہے اور دیوبندی وہابی ٹولہ تعیین کی چکر بازی سے اکثر اس سنت نبوی سے محروم رہتے ہیں۔ ۱۲ - اویسی غفرلہ،

(بالتخفیف) کہتے ہیں۔ الخیاط ہر وہ شے کہ جس سے کسی شے کو سِلا جائے۔ لیکن یہاں پر سوئی کا سوراخ (ناکہ مراد ہے)۔

فائدہ: اگر الجمل بضم الجیم وتشدید المیم ہو بمعنی چھال سے بنی ہوئی موٹی رسی۔ یا کشتی کا موٹا رسا جسے قلس کہتے ہیں جسے چند رسیوں سے ملا کر بہت موٹا کر کے بٹا جاتا ہے۔ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح بہت بڑی ہیبت ناک جزا یعنی بہشت سے محرومی کی طرح نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ۔ ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں اس سے مجرمین کی جنس مراد ہے کہ جو مجرم ہوگا وہ ہر حال میں جنت سے محروم ہوگا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ ان کے لئے جہنم کے بچھونے ہوں گے مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ سے حال ہے مہاد سے جہنم کے بچھونے مراد ہیں۔ جن پر جہنمی لیٹیں گے اور ان پر بیٹھیں گے۔ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ اور ان کے اُوپر پردے ہوں گے۔ غواش غاشیہ کی جمع ہے ہر وہ چیز جو کسی شے کو چھپالے۔ خلاصہ یہ کہ جہنم انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ اس طرح معلوم ہوگا کہ آگ جہنم کا بالا پوش ہے

حدیث شریف: کافر کو قبر میں جہنم کی دو تختیاں پہنائی جاتی ہے۔ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح سخت سزا یعنی جہنم کے عذاب میں مبتلا کرنے سے نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۔ ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔ چونکہ جہنم کے ایسے عذاب دینے سے سب سے بڑا عذاب سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے بالمقابل جرم بھی سب سے بڑا ذکر کیا گیا ہے۔

حکایت: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے آخر میں جہنم سے اس شخص کو نکالا جائے گا جس کا ھناد نام ہوگا جسے جہنم میں ایک ہزار سال "یاحنان یامنان" پکارتے گزرا ہوگا۔ یہ حکایت سن کر حضرت حسن رو پڑے اور کہا کہ کاش کہ وہی ھناد میں ہوتا۔ آپ کے مریدین نے یہ سن کر تعجب کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ پھر بھی جہنم سے نکلے گا اور ہمیں تو اتنا بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا الخ میں اچھی عادتیں مراد ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائیں یا وہ کرامات وعلوم لدنیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء کرام کو عطا ہوئیں۔ جن کا مخالفین نے ان کے ماننے سے انکار کیا بلکہ یہ سمجھا کہ ایسی باتیں ایسے لوگوں سے ظاہر نہیں ہوسکتیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ آیت میں ابواب اسماء سے قلوب سماء مراد ہیں کہ جن کے دروازے کھلتے ہیں تو سالک کو بارگاہِ حق کا حضور نصیب ہوتا ہے۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ میں الجنۃ سے القربۃ والوصال کی جنت مراد ہے "حتی یلج الجمل" میں الجمل سے نفس متکبر مراد ہے فی سم الخیاط سے طریقت کا راستہ مراد ہے کہ جس سے نفسِ امارہ کی تربیت کی جاتی ہے اور اس کا اس سے تزکیہ کیا جاتا

ہے تاکہ وہ امارہ سے مطمئنہ ہو جائے تاکہ وہ ارجعی کے خطاب کا مستحق ہو خلاصہ یہ کہ جب نفسِ امارہ تکبر سے اونٹ کی طرح ہو جاتا ہے وہ تو جنت حقیقت کے داخلہ کا مستحق نہیں جب تک کہ احکام شریعت اور آداب طریقت سے اس کا تزکیہ نہ ہو۔ جب کہ اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو اس کے صفات ذمیمہ مٹ جاتے اور ماسوی اللہ کے تمام تعلقات درمیان سے اٹھ جاتے ہیں تو پھر تاگے کے ہزارویں حصے سے باریک ہو جاتا ہے اس طرح وہ دھاگے کے ناکے میں سما سکتا ہے۔ بنا بریں اس کے بعد اسے جنۃ اللقاء کی بہشت میں داخل کیا جاتا ہے اسے پورے طور سمجھ لو کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ۔ اسی طرح ہم مجرمین کو سزا دیتے ہیں۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ضعیف لطیف نفس پر گناہوں کے بوجھ لادے اور اسے ایسا کمزور کیا کہ وہ اونٹ کی طرح ہو گیا۔ جیسے اس کی بوجھ اٹھانے کی علامت بن جاتی ہے ایسے ہی اس کے لئے ہم نے بھی ان کے لئے مجاہدہ و ریاضت کے بچھونے بنائے کما قال لھم من جھنم مھاد ومن فوقھم غواش یعنی مخالفت نفس اور خواہشات نفسانی کو مٹانا ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے کہ یہ ہر دونوں باتیں نفس کو محیط ہو کر انہیں پگھلا دیتی ہیں۔ بلکہ ان کی انانیت بالکل گل سڑ جاتی ہے اور ساتھ ہی ان کے وہ گناہ بھی جل جاتے ہیں جن کہ وہ قبل ازاں مرتکب ہوئے تھے اس طرح سے وہ بہشت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ یعنی ظالمین کو بھی ہم اس طریقے سے سزا دیتے ہیں تاکہ دنیا میں ان کے گناہ معاف ہو جائیں اور جتنے لوگوں کے حقوق اُن کے ذمہ ہیں وہ سب کے سب مستحقین کو واپس مل جائیں۔ پھر جب وہ آخرت میں پہنچیں تو وہ بہشت کے داخلہ کی استعداد رکھتے ہوں۔ اگر کوئی بھی دنیا کی سزا سے بچ گیا تو وہ مذکورہ بالا طریقے سے اُسے آخرت میں سزا دیں گے۔ کما قال ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ یعنی ہم انہیں دنیا کا عذاب چکھائیں گے جو بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بہت کم ہے تاکہ وہ گناہوں سے رجوع کریں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

نسخہ روحانی مجاہدہ اور سلوک طریق تصفیہ اخیار (بزرگوں کا طریقہ ہے)

حکایت جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ وادی میں داخل ہونے لگے تو آپ کو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اس میں نہ جائیں اس لئے کہ وادی مذکور جان لیوا ثابت ہو گی لہٰذا اپنا ارادہ ترک فرمائیے اور پھر آپ کے ساتھ زادِ راہ بھی نہیں اور نہ ہی آپ کے پاس سواری ہے آپ نے اس کے جواب میں یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ جائیں گے ضرور لیکن ہر میل پہ ایک ایک دوگانہ پڑھتے جائیں گے۔ آپ کو اسی طرح اس وادی کو طے کرتے ہوئے بارہ سال گزر گئے یہاں تک کہ ہارون الرشید حج کو گیا تو آپ کو دیکھا کہ آپ ایک میل کے نیچے نوافل پڑھ رہے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر پوچھا یہ کون بزرگ ہیں۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ ابراہیم

بن ادہم ہیں۔ چنانچہ ہارون رشید آپ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی۔ اے ابو اسحاق کیا حال ہے اس کے جواب میں آپ نے یہ شعر پڑھ کر سنائے ؎

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا
فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع
فطوبی لعبد آثر اللہ ربہ
وجاد بدنیاہ لما یتوقع

ترجمہ :- ہم دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے دنیا جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے نہ جانے ہاتھ میں دین باقی رہتا ہے نہ دنیا۔ وہ بندہ خوش قسمت ہے جو صرف طالب مولا ہے۔ پھر اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ دنیا اس کے قدموں پر قربان ہوتی ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دع التکاسل تغنم فقد جری مثل
کہ زاد راہروان چستیست و چالاکی

ترجمہ: سستی چھوڑ اور وقت کو غنیمت جان اس لئے کہ مسافروں کا زادِ راہ چستی اور چالاکی ہے۔

تفسیر عالمانہ ۴۲ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آیات پر وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کئے یعنی ان اعمالِ صالحہ پر عمل کیا جو آیات مذکورہ سے مشروع ہیں اُن سے وہ اعمال مراد ہیں جنہیں رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق۔

فائدہ : وسع بمعنی طاقت اور قدرت ہے یہ مبتدا خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ بہشت کا استحقاق دو باتوں سے ہے ایمان اور اعمال صالحہ لیکن اعمالِ صالحہ حسب وسعت و طاقت بشری کے اس سے مراد یہ نہیں کہ اعمال صالحہ میں کھپا جائے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ وہی لوگ بہشتی ہیں یعنی ایسے لوگوں کے لئے بہشت لازم ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اصحاب الجنۃ سے حال ہے ۴۳ وَنَزَعْنَا نزع بمعنی شے کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ یعنی اُن کے دلوں کو اندر جو کچھ ہوگا اسے باہر نکال کر پھینک دیں گے۔ مِّنْ غِلٍّ یعنی ان کے دلوں کے اندر ایک دوسرے کی سخت رنجش اور آپس کا بغض یعنی جو کچھ دنیا میں ایک دوسرے پر بغض و عداوت کے اسباب ان کے دلوں پر پیدا ہوئے انہیں ہم نکال دیں گے اس لئے کہ وہ اسباب بوجہ دنیا میں رہنے اور اس سے متعلق

ہونے کی وجہ سے تھے۔ اب جب کہ دنیا میں نہ رہے تو ان اسباب کا ہونا کس لئے۔

فائدہ: حسد بغض کینہ وغیرہ دنیا میں شیطان کے وسوسے سے پیدا ہوتا ہے جب دارِ آخرت میں پہنچیں گے تو نہ شیطان ہوگا نہ وہ وسوسہ ڈالے گا اور نہ حسد اور بغض و کینہ پیدا ہوگا۔ اس لئے کہ شیطان تو جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا جب اُسے اس سے فراغت ہی نہ ہوگی تو قلبِ انسانی میں کس طرح وسوسہ ڈال سکے گا یا یہ معنی ہے کہ ہم ان کے قلوب سے حسد اور بغض و عداوت کو دھو ڈالیں گے اب جب کہ مادہ فاسدہ ہی نہ ہوگا تو پھر وہاں سوائے آپس کی محبت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ یعنی قیامت میں ایک دوسرے کے درجات بلند دیکھ کر آپس میں حسد نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو بلندی درجات کی محرومی سے کچھ رنج و غم ہوگا۔

شانِ نزول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و ابن مسعود و عمار بن یاسر و سلمان و ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئی جب کہ دنیا میں اُن کے آپس میں معمولی طور جھگڑے ہوئے یا جنگیں ہوئیں۔ ان کے تمام خیالات و تصورات مٹا دیئے جائیں گے اور بھائی بھائی ہو کر بہشت کے بلند تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے نظر آئیں گے ؎

پاک وصافی شود از چاہ طبیعت بدر آئی
کہ صفائی نہ دہد آب تراب آلودہ

ترجمہ: پاک و صاف ہو اور طبیعت کے کنوئیں سے باہر آ جا جس میں مٹی ہو وہ کنواں صاف پانی نہیں دیتا۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہِمْ۔ ان کے درختوں اور بالاخانوں کے نیچے جاری ہوں گی اَلْاَنْہٰرُ۔ نہریں تاکہ اُن کے سرور اور لذت میں اضافہ ہو۔ وَقَالُوْا۔ جب اہلِ جنت اپنی منزلیں دیکھیں گے تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہدایت بخشی لِھٰذَا اس دین اور اعمالِ صالحہ کے لئے کہ جس کی جزا یہی بلند مراتب ہیں۔ وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ ورنہ ہم مرتبہ علیہ پر پہنچنے کے لائق نہ تھے۔ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا یعنی صرف اس کی توفیق سے ہمیں یہ مراتب نصیب ہوئے ؎

۱۔ گر بدرقہ لطف تو ننماید راہ
از راہ تو ہیچکس نگردد آگاہ

۲۔ آنکہ کہ بر رسند د باید رفتن
توفیق رفیق نشد وا ویلاہ

ترجمہ: اگر تیرا لطف رہبر بن کر راہ نہ دکھلائے تو تجھ تک کسی کو راہ نصیب بھی نہ ہو۔

وہ جو صحیح راہ پا چکے اور اسی پر چلنا چاہیے لیکن افسوس کہ رئیس کو توفیق نہ ہوئی۔

اعجوبہ تفسیر حضرت سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب بہشتیوں کو بہشت میں لے جایا جائے گا تو بہشت کے دروازہ پر ایک درخت پائیں گے جس کی جڑوں سے دو چشمے جاری ہوں گے اُن کے ایک سے پانی پیئیں گے تو ان کی دلوں میں جتنا حسد اور بغض و کینہ ہو گا وہ سب نکل جائے گا۔ یہی شراباً طہورا ہو گا دوسرے سے غسل فرمائیں گے تو انہیں بہشت کی رونق نصیب ہو جائے گی کہ جس سے سر کے بال اجڑے ہوئے نظر آئیں گے اور نہ ہی جسم پر میل کچیل اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جائے گا۔

فائدہ شعث بمعنی سر کے بالوں کا منتشر ہونا۔ اشعث ہر وہ شخص جس کے سر کے بال اُجڑے ہوئے اور غبار آلود ہوں اور شحب از باب نَصَرَ یَنصُرُ بمعنی تغیر۔ ان چشموں کے پانی پینے اور نہانے کے بعد بہشت میں داخل ہونے سے پہلے ان کا ملائکہ کرام استقبال کرتے ہوئے کہیں گے۔ اَنۡ تِلۡکُمُ الۡجَنَّۃُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۔ یہ وہی بہشت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو بوجہ ان اعمال صالح کے جو تم نے دنیا میں کئے بہشتی جب بہشت میں داخل ہو کر اپنی منزلوں میں قرار پائیں گے تو کہیں گے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ هَدٰنَا۔ الخ۔

تفسیر صوفیانہ صوفیاء کرام کے نزدیک غل سے صفات بشریہ اور اس کی کدورت مراد ہے اور دل کی پاکی نور ایمان سے اور روح کی مادِ عرفان سے اور اسرار کی شرابِ طہور سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُن پر صفاتِ جمال متجلی ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حقیقت کے دلوں میں حسد اور بغض و عداوت ہوتی ہی نہیں نہ دُنیا میں نہ آخرت میں۔

تفسیر عالمانہ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا۔ یہ جواب ہے قسم محذوف کا جو کہ دراصل "واللہ لقد جاء" تھا۔ یعنی بخدا بے شک ہمارے ہاں ہمارے رب تعالیٰ کے رسل کرام تشریف لائے بالحق حق بے کہ یہ با تعدیہ کی ہے یا ملابست کی ہے۔ اس معنی پر عبارت ہو گی لقد جاءوا متلبسین بالحق اس کا تعلق اہل جنت سے جب وہ اپنے رسل کرام کے دیئے ہوئے وعدوں کے مطابق نعمتوں کو آنکھوں سے دیکھیں گے تو یوں کہیں گے گویا وہ خوشی اور سرورمستی سے اقرار کرتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کریں گے۔

فائدہ حدادی صاحب نے فرمایا کہ اس سے ان کی شہادت مراد ہے کہ واقعی ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے پیغمبران عظام علیہم السلام حق لے کر تشریف لائے اور ہم نے نہ مانا۔ وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡکُمُ الۡجَنَّۃُ۔ اہل بہشت کو دُور سے ملائکہ پکار کر کہیں گے کہ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یہ وہی بہشت ہے جس کا تمہیں دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا اس معنی پر یہ اَن مفسرہ ہو گا یا مخففہ ہے اور تلکم مبتدا ہے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو بہشتی دُور سے دیکھیں گے۔ الجنۃ خبر ہے اور اس کی لام عہد کی ہے۔

اُوْرِثْتُمُوْهَا ۚ تم اس کے وارث بنائے گئے ہو یہ الجنۃ سے حال ہے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ بسبب ان اعمال صالح کے جو تم نے دنیا میں کئے۔

سوال: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں داخل ہو گا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں داخل نہ ہو گا۔ بلکہ بہشت کا داخلہ صرف رحمت الٰہی کے سبب سے ہو گا۔ آیت مبارکہ و حدیث شریف میں تطبیق کس طرح دو گے۔

جواب: اعمال صالحہ ذاتی طور تو بہشت کے داخلہ کے اسباب نہیں بلکہ اس لئے کہ ان پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ان کی بجا آوری پر اس نے اپنے فضل و کرم سے بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے یہ محض اس کا فضل و احسان ہے چونکہ فضل و کرم کا وعدہ اعمال کے سبب سے ہے بنا بریں آیت میں اسے بیان کیا گیا۔ اس لئے فرمایا گیا ہے اور تُمُوْهَا الخ ورنہ حقیقی طور تو بہشت کا داخلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہو گا " کذا فی حواشی ابن الشیخ "

حدیث شریف قدسی بہشتیوں کو قیامت میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا کہ پل صراط سے میرے عفو و کرم سے گزرو اور بہشت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ اور اسے اپنے اعمال کے مطابق تقسیم کر لو اس سے اعمال کی وہ جنت ہے جس میں لوگ اپنے اعمال کے مراتب کے مطابق داخل ہوں گے جس کے اعمال زیادہ ہوں گے انہیں بہشت کا وافر حصہ ملے گا خواہ اس مرتبہ پر کوئی اور بھی فائز ہو بہشت میں بعض ایسے درجات بھی ہیں جو خصوصیت سے مخصوص اعمال پر ملیں گے۔

حضرت بلال اور شب معراج حدیث صحیح میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال تم کس عمل کی برکت سے مجھ سے پہلے بہشت میں پہنچے میں بہشت میں تیرے جوتوں کی آہٹ سنتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میں بے وضو نہیں رہتا جب وضو ٹوٹتا ہے تو فوراً وضو کر لیتا ہوں اور جب وضو کرتا ہوں تو فوراً دوگانہ پڑھ لیتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا بس یہی وجہ ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وہ مرتبہ ایک خصوصی عمل سے نصیب ہوا۔

قاعدہ: ہر فرض و نفل اور ہر کار خیر اسی طرح ہر برائی اور مکروہ عمل سے بچنے پر علیحدہ علیحدہ مخصوص بہشت کا مرتبہ مختص کیا جائے گا اور خصوصی نعمت نصیب ہو گی جو صرف اس عمل کی وجہ سے ہو گی۔

اقسام طاعات بعض کے مراتب بڑھاپے کی وجہ سے بڑھ جائیں گے مثلاً کوئی شخص طاعت الٰہی میں بڑی عمر پا کر مرے گا تو اس کے مراتب اس شخص سے بلند ہوں گے جو چھوٹی عمر میں طاعات

الٰہی بجا لا کر مرا۔ بعض کو زمانہ کی نسبت سے فضیلت ہوگی۔ مثلاً رمضان شریف اور جمعہ مبارک اور لیلۃ القدر اور دسویں ذوالحج و محرم یعنی یوم عاشورہ کی عبادت کا ثواب بہ نسبت دوسرے ایام کے افضل و اعلیٰ ہے بعض کو بوجہ مکانوں کے فضیلت ہوگی مثلاً مسجد حرام کی عبادت مسجد مدینہ سے اور مسجد مدینہ طیبہ کی عبادت مسجد اقصیٰ سے اور مسجد اقصیٰ کی تمام مساجد کی عبادت سے افضل ہے بعض کو بعض احوال سے فضیلت ہوتی ہے۔ مثلاً نماز باجماعت پڑھنا اکیلے کی نماز سے افضل ہے بعض اعمال بھی بہ نسبت دوسرے اعمال کے افضل ہوتے ہیں مثلاً نماز افضل عبادت ہے بہ نسبت راستہ سے ایذا دینے والی چیز کو دور کرنے سے بعض موقع ایک کے ساتھ نیکی کرنے سے بہت لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ مثلاً رشتہ دار کو صدقہ دینا دوسروں کے صدقہ دینے سے افضل ہے۔ اسی طرح سید صاحب کو نذرانہ پیش کرنا بہ نسبت دوسروں سے مروت و احسان کے زیادہ ثواب ہے۔ بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ اس سے ہر وقت اعمال کثیرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً روزے دار کو بوقت روزہ آنکھ اور کان اور ہاتھ کو پابند شرح رکھنے سے ہر ایک عضو کا علیحدہ علیحدہ ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح صدقہ دیتے وقت آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کا صدقہ کے علاوہ ثواب ملتا ہے بلکہ نماز میں تو سلیے سے تعظیم کے رونگٹے رونگٹے کا اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس میں اندرونی اعضاء مثلاً نیت قلبی سے قلب کے علاوہ ثواب ملے گا دیکھئے ایک وقت میں کتنا بہت بڑا اجر و ثواب نصیب ہوا۔ صرف اس لئے کہ ایک کام کرتے وقت متعدد وجوہ سے ثواب حاصل ہوتا گیا؛ یں نماز کی عبادت اور بہت بڑی عبادات پر فوقیت رکھتی ہے

فائدہ: ایک جنت مخصوص ہے جو قیامت میں مندرجہ ذیل مخصوص حضرات کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ خصوصی طور اعمال کے بغیر عطا فرمائے گا۔

(۱) وہ چھوٹے بچے جو عمل صالح کے لائق نہ ہونے تھے کہ انہیں پیک اجل پہنچا اس کی حد چھ سال ہے یعنی وہ چھوٹے بچے جو پیدا ہونے کے بعد چھ سال کے اندر فوت ہوگئے انہیں جن کو خداوند قدوس چاہے گا اپنی خصوصی جنت عطا فرمائے گا۔

(۲) وہ مجنون اور پاگل جو دنیا میں بے عقل ہو کر زندگی بسر کر گئے۔

(۳) اہل توحید علمی

(۴) اہل عزت یعنی اس زمانے کے لوگ جس زمانہ میں کوئی نبی علیہ السلام مبعوث نہ ہوا۔ اسی طرح وہ لوگ جن کو کسی نبی علیہ السلام کی دعوت دینی نہ پہنچ سکی۔

فائدہ: ایک جنت میراث بھی ہوگی اسمیں وہ ہی لوگ داخل ہوں گے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اہل ایمان سب کے سب یعنی وہ مقامات جو اہل نار کے لئے متعین تھے کہ اگر وہ بھی ایمان و اعمال صالحہ کرتے تو انہیں یہی

مقامات نصیب ہوتے۔ لیکن شومیِ قسمت سے وہ دولت ایمان اور اعمالِ صالحہ سے محروم ہو کر دوزخ میں پہنچے گئے۔ اس لئے ان کے مقامات و مراتب مذکورہ لوگوں اور اہلِ ایمان پر تقسیم ہو ں گے۔

حدیث شریف جب وہ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں بھی ہدایت نصیب ہوتی اس سے وہ ندامت کے آنسو بہائیں گے جب اہلِ بہشت دوزخ میں اپنے متعین مقامات دیکھیں گے تو کہیں گے اگر ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی تو ہم بھی وہاں ہوتے لیکن اس کریم نے ہمیں دوزخ سے بچا لیا۔

تفسیر صوفیانہ بہشت دو قسم ہے (۱) صوری (۲) معنوی صوری جنت تو محسوسات سے تعلق رکھتی ہے اور وہ اپنے بیان پہلے گی۔ لیکن معنوی جنت معقولات سے تعلق رکھتی ہے وہ نقد ملتی ہے اس کے لئے کوئی بیت مقرر نہیں ایسی بہشت کے داخل ہونے والوں کو اہل فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

جنت نقد است۔ ایں جا عشرت و عیش و حضور
زانکہ در جنت خدا بر بندہ نہ نوید گناہ

اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِالْجِنَانِ اِنَّکَ اَنْتَ الْمَنَّانُ

ترجمہ: اے اللہ ہمیں جنت سے مشرف فرما بے شک تو منت و احسان والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اور بہشتی دوزخیوں کو پکار کر کہیں گے بوجہ اپنے مال پر مسرور ہو کر اعدائے اسلام کا بُرا حال دیکھ کر اور انہیں حسرت میں ڈالنے کی غرض سے نہ انہیں اپنے حال سے باخبر کرنے یا ان سے احوال پوچھنے کی بناء پر۔

نکتہ اہل جنۃ و اہلِ نار کو آپس کی گفتگو اور ایک دوسرے کو ندا دینے کی ایک وجہ یہی ہے کہ اہلِ نار کو حسرت ہو ورنہ ان کے مابین اتنا بڑا بُعد ہو گا کہ جس کی مقدار صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس لیئے کہ اہل جنت کے درجات کی بلندی اُن کے اعمال مطابق جتنا اونچی ہو گی اتنا اہل نار کے درجے جہنم میں نیچے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جنہیوں کے درجوں پر جھانکنے پر قدرت دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ " یعنی اہل جنت جھانک کر جہنم کے وسط کو دیکھے گا اور کہے گا۔ اَنْ یہ منادی کی تفسیر کے لئے ہے اس لئے کہ ندا بمعنی قول کے ہے اور ایسے ابواب کے بعد اَنْ تفسیریہ آتا ہے یا مخففہ ہے۔

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا کیا تم نے بھی اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو پایا ہے یا نہ۔ یعنی

جیسے تمہارے لئے عذاب کا حکم فرمایا تھا وہ تمہارے ساتھ پورا ہوایا نہ۔
فائدہ :۔ وعدہ خیر و شر ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ حقاً سچا وعدہ یہاں پر فعل ثانی کا مفعول محذوف ہے اس لئے کہ یہ "ما وعدکم" ہونا چاہیے تھا۔ جیسا کہ پہلے جملہ میں "ما وعدنا ربنا" کہا گیا ہے۔
نکتہ مفعول کو حذف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایسے گرے ہوئے ہیں کہ اب وہ خطاب کی شرافت سے محروم ہیں۔ قَالُوْا نَعَمْ جہنمی کہیں گے ہاں ہم اپنے رب تعالیٰ کے وعدے کو پا چکے ہیں۔ وہ ایسے وقت اعتراف کریں گے لیکن اس وقت انہیں وہ اعتراف کوئی فائدہ نہ دے گا۔ کسی شاعر نے فرمایا ہے ؎

۱۔ کنون باید اے خفتہ بیدار بود
جو مرگ اندر آرد زخواست چہ سود

۲۔ تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ ۱۔ اے سونے والا ابھی جاگ جب موت خواب سے بیدار کرے تو کیا فائدہ۔
۲۔ سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا، ڈنڈا کے نیچے فریاد فائدہ نہ دے گی۔
فَاَذَّنَ پس اعلان کرے گا۔ مُؤَذِّنٌ اعلان کنندہ اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوگا کہ ان سب کو اعلان کر دے جسے وہ تمام بہشتی اور جہنمی سن لیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں۔ بَیْنَھُمْ درمیان باذن کا مفعول فیہ ہے یعنی اسے حکم ہوگا کہ وہ دونوں فریقوں کے درمیان اعلان کرے کہ اَنْ یہ تفسیریہ ہے اس لئے کہ تاذین بمعنی قول ہے یا مخففہ ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی لعنت لازم ہو چکی ہے۔ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ کفار پر (نہ کہ اہل ایمان پر)۔
سوال : تم نے یہاں پر "الظالمین" کا معنیٰ الکافرین کہاں سے سمجھا۔
جواب : جب لفظ ظلم مطلقاً مستعمل ہو تو وہاں ظلم کا آخری درجہ مراد ہوتا ہے اور ظلم کا آخری درجہ کفر و شرک ہے اس لئے ان کے حال کی خبر دینا مطلوب ہے بعض کہتے ہیں کہ ان پر لعنت کی ابتدا اس وقت سے ہوگی۔
۴۵ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ وہ لوگ جو روکا کرتے تھے یہاں پر یَصُدُّوْنَ بمعنی یُعْرِضُوْنَ ہے۔
سوال : یَصُدُّوْنَ بمعنی یَمْنَعُوْنَ کیوں نہیں کیا گیا۔
جواب : یَمْنَعُوْنَ متعدی ہے اور اس کے لئے مفعول یہ مقدر ماننا پڑتا ہے اور مقدرات بلا وجہ نہیں ہوتے۔ یُعْرِضُوْنَ سے بلا ضرورت معنیٰ صحیح ہو سکتا ہے تو پھر یَمْنَعُوْنَ کا معنیٰ میں تو وہاں حذف کی ضرورت پڑے گی۔ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی دین سے جو کہ وہی اللہ تعالیٰ کا

راستہ تھا اور وہی بہشت کے داخلہ کا سبب تھا۔

فائدہ السبیل بمعنی الطریق وما وضح منہ ہے (کذا فی القاموس)

وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا اور وہ اس راہ میں ٹیڑھا پن کی تلاش میں رہا کرتے تھے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے واضح طریق کو ٹیڑھا قرار دیتے اور اسے ہزاروں کوس حق سے دور سمجھتے تھے **وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ** اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں۔

فائدہ اگر ظالمین بمعنی کافرین ہو تو اوصاف مذکورہ بمنزلہ تاکید کے ہوں گے اس لئے کہ ظالمین کی جو تین صفتیں بیان کی گئی ہیں یہی کفار کی صفتیں ہیں وہ تین صفات یہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا

۲۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو ٹیڑھا پن ظاہر کرنا۔ یعنی دین کی حقانیت کے دلائل میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔

۳۔ آخرت کا انکار کرنا یہ تمام صفات صرف کفار کے ہیں۔ جن ظالموں میں یہ اوصاف پائے گئے ان کے لئے کفر ثابت ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ اصحاب الجنۃ یعنی ارباب محبت اصحاب النار یعنی قطعیت کے اصحاب کو پکار کر کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ "الا من طلبنی وجدنی" خبردار جو مجھے تلاش کرتا ہے وہ مجھے پا لیتا ہے کیا تم نے بھی اپنے وعدے کو پا لیا ہے کہ فرمایا تھا۔ مَنْ يَطْلُبُ غيري كم يجدني۔ جو میرے غیر کی طلب میں ہوتا ہے وہ مجھے ہرگز نہیں پائے گا۔ اہل قطعیت انہیں جواب دیتے ہیں کہ ہاں ہمیں اس غلطی کی سزا مل گئی ہے اس کے بعد عزت و عظمت کا اعلان کنندہ ان کے مابین اعلان کرے گا کہ ان ظالموں پر لعنت ہو کہ جنہوں نے اپنی استعداد کو غیر محل میں رکھا اور اسے غیر مصرف پر صرف کیا۔ ظالم وہ لوگ ہیں جو قلب و روح کو اللہ تعالیٰ کے راہ اور اس کی طلب سے دور رکھتے تھے بلکہ اس کے اندر ٹیڑھا پن تلاش کرتے تھے یعنی اپنے ارادوں کو دنیا و مافیہا کی طرف لگاتے اور وہ آخرت کے منکر تھے یعنی اہل محبت کی ان باتوں کا انکار کرتے تھے جہاں ان کی رسائی نہیں تھی بلکہ وہ ایسے امور کے طالب رہتے تھے جو ان کے حواس تک محدود تھے اور آخرت کی انہیں کسی قسم کی پرواہ نہ تھی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق لوگوں کے مختلف مراتب ہیں کوئی اقراری کوئی انکاری، نگاہ کے مطابق مرتبہ نصیب ہوتا ہے جو سالک ہیں ان کے مراتب بلند ہیں اور وہ اس راہ سے بے خبر اور محروم ہی محروم ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

کودکاں گرچہ بیک مکتب دارند
درسبق ہر یک زیک بالا ترند

خود ملائک نیز تا ہمت بدند
زیں سبب بر آسماں صف صف شدند

ترجمہ: ۱۱ اگرچہ بچے ایک ہی مدرسہ میں پڑھتے ہیں لیکن سبق میں ایک دوسرے بلند و بالا ہیں
۱۲ فرشتے بھی جب ہمتا ہوئے تو پھر آسمان پر صف بہ صف ہوئے۔

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلبِ حق میں جد و جہد کرے تاکہ اسے حقیقت کے خزانوں پر آگاہی نصیب ہو اس لئے کہ مطلب اعلیٰ اسے نصیب ہوتا ہے جو کھرے کھوٹے کا امتیاز رکھتا ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ پرندے کی طرح زندگی بسر کرو کہ وہ اپنی روزی درختوں سے لیتا ہے اور پانی پی کر زندگی بسر کرتا ہے جب رات آجاتی ہے تو کسی غار میں چھپ کر رات بسر کر لیتا ہے اسے محبت ہے تو صرف میری ذات سے اور ڈرتا ہے اس سے جو میرا نافرمان ہے اے موسیٰ علیہ السلام میں نے قسم کھائی ہے جو عمل کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط کروں اور جو میرے سوا کسی دوسرے سے امید رکھتا ہے اس کی آرزو پوری نہ کروں اور جو میرے غیر پر سہارا کرتا ہے اس کی جڑ کاٹ دوں اور اس سے منہ پھیر لوں جو میرے سوا کسی دوسرے سے محبت کرتا ہے اے موسیٰ علیہ السلام میرے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ مجھے بلائیں تو میں ان کی بات سنوں اگر وہ مجھ سے دعا مانگیں تو میں ان کی دعا قبول کروں اگر وہ میری طرف متوجہ ہوں تو میں انہیں قریب کر دوں۔ اگر وہ میرا قرب چاہیں تو میں اُن سے پردہ ہٹائے صدمات ہٹا دوں وہ جو عمل کریں میں اُن کی انہیں جزا دوں۔ میں ان کے جملہ امور کی کفالت کروں اور ان کے قلوب کو راز سے بھر دوں۔ بلکہ ان کے تمام کاموں میں ہی متولی ہوں۔ ان کی راحت صرف میرے ذکر میں ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی بیماریاں بھی شفا ہوتی ہیں اور اُن کے دل نور سے منور ہوتے ہیں وہ صرف مجھ سے ہی مانوس ہیں ان کے دل کا سفر صرف میری طرف ہوتا ہے۔ اُن کو قرار صرف میری ذات سے نصیب ہوتا ہے ایسا اور ان دونوں فریقوں یا بہشت و دوزخ کے درمیان حجاب پردہ ہوگا۔ جیسے شہر کے لئے چار دیواری ہوتی ہے کہ دوزخی بہشتیوں کے ہاتھ نہیں پہنچ سکیں گے اور نہ ہی بہشتی دوزخیوں سے ایذا پا سکیں گے اور نہ ہی دوزخی بہشتیوں کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں گے اس لئے کہ وہی پردہ ان کے ایک دوسرے تک پہنچنے نہیں دے گا نہ وارد ہے کہ اگر حور عین بہشت سے دنیا کی طرف جھانک کے دیکھے تو دنیا اس کے نور سے منور اور اس کی خوشبو سے معطر ہو جائے اسی طرح دوزخ کے متعلق لکھا ہے کہ اگر اس کی ایک چنگاری دنیا میں گرے تو تمام دنیا کو جلا کے رکھ دے۔

سوال: مراد یہ حجاب کیسا اور اس کی یہ تعبیر کیسی جب کہ وارد ہے کہ بہشت آسمانوں کے اوپر ہے اور دوزخ زمینوں کے نیچے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے آیت میں توضیح نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کی مسافت بتائی ہے لیکن حجاب کا لفظ فرمایا تو ہمارا اس پر ایمان ہے اس کے بعد مسافت کو حجاب سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔

وَعَلَى الْاَعْرَافِ اس حجاب کے اعراف یعنی اس کی بلندیوں پر اس سے وہ مضبوط قلعے مراد ہیں جو اہلِ ایمان اور کفار کے مابین کھڑے کئے گئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ بڑی احد پہاڑ ان کے درمیان حجاب کے طور کھڑا کیا جائے گا اعراف عرف کی جمع ہے ہر اونچی اور بلند شے کو کہا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں عرف الدیک والفرس اور اسے اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ اونچی شے اپنے سے نیچے والی اشیاء سے اعراف معروف تر ہوتی ہے رِجَالٌ بعض لوگ ہیں۔ اس سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ جہنیوں اور جنتیوں ہر دونوں کو دیکھیں گے کوئی ایسا عمل نہیں ہوگا جس کے سبب سے وہ جہنم یا بہشت میں کسی ایک کے لئے راجح بن سکے پھر جب انہیں قیامت میں سجدہ کا حکم ہو گا وہی ایک عمل باقی ہو گا جس سے سجدہ کرنے پر بہشت اور نہ کرنے پر جہنم میں جانا ہوگا چنانچہ وہ سجدہ میں گریں گے تو بہشت میں داخل ہوں گے اس لئے کہ اس ایک سجدے سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اعراف کے متعلق چند اقوال اور ہیں جنہیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے منجملہ اُن کے ایک یہی ہے۔ **يَعْرِفُوْنَ** یہ رجال کی صفت ہے یعنی وہ لوگ پہچانیں گے کلا ہر ایک کو بہشت اور دوزخ والوں کو **بِسِيْمٰهُمْ** ان کی نشانیوں سے جو کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ علامت کے ان ہر ایک کو دے رکھی ہیں۔ مثلاً بہشتیوں کے چہرے سفید ہوں گے اور دوزخیوں کے سیاہ لیکن علامات سے پہچاننا میدانِ حشر میں ہوگا اور بہشت کے داخلہ سے پہلے جب وہ لوگ بہشت یا دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد علامات سے پہچاننے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اُس وقت مشاہدہ واحساس سے معلوم ہوگا کہ یہ بہشتی ہے اور وہ دوزخی۔

فائدہ: ندا۔ صرف اس کا ذکر آتا ہے۔ ایمان بہشت بہشت میں داخل ہونے کے بعد ہو گا۔ **وَنَادَوْا** یہ رجال کی دوسری صفت ہے۔

سوال: **يَعْرِفُوْنَ** اوّل مضارع وَنَادَوْ صفت ثانی ماضی یہ کیوں۔

جواب: ندا کو وقوع پذیر ہونے پر محمول کر کے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے۔

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ بہشتیوں کو وہ اعراف والے ندا دیں گے۔ **اَنْ** یہ تفسیریہ یا مخففہ ہے۔ **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ** یعنی جب اعراف والے بہشتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں دنیاوی دستور کے مطابق کہیں گے السلام علیکم اور اس سے بہشتیوں کی تعظیم و تکریم مطلوب ہوگی گویا انہیں مصائب و آفات

سے بچ جانے پر مبارکباد پیش کریں گے۔ لَمْ يَدْخُلُوْهَا نادوا کے فاعل سے حال ہے یعنی اعراف والے بہشت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے۔ وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ حالانکہ انہیں بہشت میں داخلے کا طمع ہو گا۔ یہ لَمْ يَدْخُلُوْهَا کے فاعل سے حال ہے یعنی اگرچہ اعراف والے بہشت میں داخل نہیں ہونگے لیکن انہیں امید قوی ہوگی اور اس انتظار میں ہونگے کہ انہیں ابھی بہشت میں داخل کیا جائے گا وہ اس لئے کہ دنیا میں انہوں نے کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو پڑھا ہو گا لیکن ان کا نامۂ اعمال نیکی سے خالی ہو گا اور انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ یا برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ اگر ان کے نامۂ اعمال میں تھوڑی سی نیکی کہیں سے مل جائے تو نیکی کا پلڑا ترجیح پا جائیگا اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے امیدوار ہوں گے اور اس کے عدل پر بھی ان کی نگاہ ہو گی اور یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ کلمہ طیبہ کی وجہ سے ہم پر ضرور لطف و کرم ہو گا۔ اس لئے وہ ایک مدت تک ٹھہر کر پُر امید ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے حق میں بہتر فیصلہ ہو گا اور کرم نوازی سے ہم بہشت میں جائیں گے چنانچہ ایسے ہو گا بھی اور بہشت میں داخل ہونے والے یہی آخری لوگ ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے گا تو حکم کہ انہیں نہر الحیاۃ میں لے جاؤ۔ یہ وہ نہر الحیات ہے کہ جس کے کنارے سنہری ہوں گے اور موتیوں کے جڑاؤ سے مزین اور اس کی مٹی عطر و کستوری سے ہو گی ان لوگوں کو اس نہر سے اتنا صاف کیا جائے گا کہ ان کے جسم گلبدن ہو جائیں گے اور ان کے سینوں پر ایک سفید بکر پڑ جائے گی۔ یہ بہشت میں اُن کی پہچان ہو گی اس کے بعد انہیں بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ انہیں مساکین الجنۃ کہا جائے گا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

ہست امیدم علیٰ رغم عدو روز جزا

فیض عفوش ننہد بار گنہ بر دوشم

ترجمہ:۔ مجھے اُمید ہے کہ دشمن کی ناک رگڑی جائے) قیامت میں اس کے عفو کا فیض گناہوں کا بوجھ میرے کاندھوں پر نہ رکھے گا۔

۴۷ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ اور جب ان کی آنکھیں جہنمیوں کی طرف پھیری جائیں گی۔

سوال:۔ بہشتیوں کو بھی تو وہ دیکھیں گے پھر یہاں پر جہنمیوں کی تخصیص کیوں۔

جواب:۔ چونکہ بہشتیوں کو تو اپنی رغبت و محبت سے دیکھیں گے ان کی طرف پھیرے جانے پر مجبور کئے جائیں گے

فائدہ: تفسیر زاہدی میں ہے اعراف والوں کی آنکھیں بحکم الٰہی فرشتہ پھیرے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ کہیں گے اے ہمارے رب کریم ہمیں ظالم قوم کا ساتھی نہ بنا یعنی ہمیں ان کے ساتھ جہنم میں ٹھہرانا۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ کے خوف سے مانگیں

گے جب کہ انہیں اپنے گناہوں پر نظر پڑے گی۔

اعراف والے :۔ پہلا قول گزر چکا (۲) حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اہلِ اعراف یا یعنی ہیں کہ انہیں بہشت میں اتنا اونچا مقام نصیب ہوگا کہ وہاں سے بہشتیوں اور دوزخیوں کا معائنہ کریں گے اور قیامت میں انہیں نمایاں رکھا جائے گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ شخصیت اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں پھر وہ بلند مقام سے قیامت والوں کے حالات کے علاوہ ان کے ثواب و عقاب کی مقدار سے مطلع ہوں گے اور اپنی امت کے حالات کا مشاہدہ کریں گے اس تقریر پر "وَهُمْ يَطْمَعُونَ" نادَوْا کے مفعول سے حال ہوگا اور وہ اصحاب الجنۃ ہیں اس لئے ممتاز شخصیتوں کو بہشت میں داخلے کے طمع کا کیا معنیٰ۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت میں ممتاز شخصیات اہلِ جنت کو ندا دیں گے جبکہ وہ اونچی منزلوں میں ہوں گے اور اہلِ جنت کا حال یہ ہے کہ وہ ابھی بہشت میں داخل ہونے کے لئے پُر امید ہوں گے

فائدہ :۔ یہی تقریر آنے والے وجوہات میں کی جائے اس لئے کہ اعراف سے ان کے بلند مراتب مراد لئے گئے ہیں ان کے لئے طمع کا کیا معنیٰ۔ طمع کا معنیٰ صرف عام بہشتیوں کیلئے تو ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی بعض میں ورنہ بعض میں پہلی تقریر ضروری ہوگی

(۳) شہداء میدانِ حشر میں انہیں ممتاز دکھایا جائے گا تاکہ پتہ چلے کہ شہداء بہ نسبت دوسرے لوگوں میں تعظیم و تکریم کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ اس لائق ہیں کہ انہیں بلند مقامات پر بیٹھایا جائے تاکہ وہ میدانِ حشر میں لوگوں پر حکمِ الٰہی کے اجراء کا مشاہدہ کریں کہ کس پر فضل ہوتا ہے۔ اور کس سے عدل

(۴) اہلِ ایمان کے وہ بزرگترین شخصیات مراد ہیں جو اپنے اعمال کی جزا لے کر فارغ البال ہو کر دوسرے لوگوں کے احوال کے مشاہدہ کے لئے انہیں بلند مقام پر بیٹھایا جائے گا۔

حدیث شریف جب قیامت میں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی ندا دے گا کہ اہلِ فضل لوگ کہاں ہیں ان میں بعض لوگ دوڑتے ہوئے بہشت کی طرف جانے کیلئے عجلت کریں گے اور کہیں گے ہم اہلِ فضل ہیں ان سے سوال ہوگا تم کس طرح اہلِ فضل ہو۔ جواب دیں گے ہم پر ظلم برسائے گئے تو ہم نے صبر کیا اور ہمارے ساتھ کسی نے برائی کی تو ہم نے انہیں معاف کیا۔ ہمارے ساتھ لوگوں نے جھگڑے اٹھائے تو ہم نے حوصلہ کیا۔ اس پر انہیں حکم ہوگا کہ جاؤ بہشت میں واقعی تم اہلِ فضل ہو۔ اور ایسے عمل والوں کو بہتر جزاء نصیب ہوتی ہے۔

(۵) باعمل علماء و فقہاء مراد ہیں۔ ان کی فقاہت اور ان کے علم کی برکت سے انہیں دوسروں پر فوقیت حاصل ہوگی۔

(۶) قیامت میں اُمتوں کے اعمال پر گواہی دینے والے عادل لوگ مراد ہیں اور یہ ہر امت میں سے ہوں گے

(۷) حضرت عباس و حمزہ و علی بن ابی طالب و جعفر ذوالجناحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں کہ یہ حضرات

اپنے دوستوں کو ان کے چہروں کی سپیدی سے اور اپنے دشمنوں کے چہروں کی سیاہی سے پہچانیں گے۔

(۸) وہ فرشتے جو اعراف کی دیوار پر متعین ہیں مراد ہیں تاکہ وہ بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے اہل ایمان و کفار کے درمیان امتیاز کر دکھلائیں۔

سوال: لفظ رجال اس تقریر کے منافی ہے۔

جواب: چونکہ ان فرشتوں کو مردوں (انسانوں) کی شکل دی جائے گی بنا بریں انہیں رجال سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ " وَ اِنْ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ " میں جنات کو رجال سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ ان جنات کو انسانوں کی شکل حاصل ہوتی ہے۔

سوال: ربنا لا تجعلنا مع القوم الظالمین ملائکہ کے لئے کس طرح مناسب ہوگا۔

جواب: وہ بھی بنو آدم کی طرح مکلف ہیں اس لئے قیامت میں اپنے لئے امن و سلامتی کی دعا مانگیں گے۔

(۹) وہ شہداء مراد ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے لیکن اپنے آباء کی اجازت کے بغیر جہاد کو گئے تھے اس لئے کہ انہیں ان کے گناہوں کے باوجود دوزخ سے دور رکھا گیا لیکن باپ کی نافرمانی کی نحوست سے تاحال بہشت میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۱۰) وہ لوگ مراد ہیں جن پر باپ تو راضی تھا لیکن ماں ناراض یا ماں راضی تھی لیکن باپ ناراض۔

(۱۱) ولد الزنا

(۱۲) اولاد المشرکین

(۱۳) وہ لوگ مراد ہیں جو زمانہ فترہ میں فوت ہوئے اور فترت کا زمانہ وہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عرصہ گزرا ہے۔

(۱۴) وہ صغیرہ گناہ والے جن کے دنیا میں مصائب و تکالیف اور درد و آلام کفارہ نہ بنے اس بنا پر وہ بہشت میں جانے سے روک دیئے جائیں گے اس سے انہیں قدرے غم لاحق ہوگا وہ غم ان کا کفارہ بن جائے گا اس کے بعد وہ بہشت میں داخل ہوں گے۔

(۱۵) وہ اہل کبائر جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہ کے مرتکب ہیں لیکن چونکہ وہ اہل قبلہ ہوں گے اس لئے انہیں دوزخ سے نجات تو مل جائے گی لیکن بہشت میں نہیں جا سکیں گے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات سو رہا تھا کہ خواب میں نظر آیا کہ گویا قیامت قائم ہوگئی ہے اور لوگوں سے محاسبہ ہو رہا ہے ان میں بعض کو بہشت میں اور بعض کو دوزخ میں لے جایا جا رہا ہے بہشت کے دروازے پر حاضر ہوا اور اہل بہشت کو ندا دی اور پوچھا کہ تم بہشت میں کس عمل سے

داخل ہوئے ہو اور تمہیں یہ رضوان اور یہ بلند مکان کس وجہ سے ملے ہیں وہ جواب دے رہے ہیں کہ طاعت رحمٰن اور مخالفت شیطان کی وجہ سے پھر میں دوزخ کے دروازے پر آیا اور ان سے پوچھا کہ اے دوزخیو ! تمہیں یہ سزا کس عمل سے ملی ہے انہوں نے جواب دیا طاعت شیطان و مخالفت رحمان کی وجہ سے اس کے بعد دیکھا ایک قوم ہے جو بہشت اور دوزخ کے درمیان ٹھہری ہوئی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا تم کیوں یہاں ٹھہرے ہو جواب دیا کہ ہمارے گناہ بہت ہیں اور نیکیاں بہت کم ہیں۔ برائیوں نے ہمیں بہشت میں داخل ہونے سے روک رکھا ہے اور نیکیوں سے ہم دوزخ میں نہیں جا سکتے۔ گویا انہوں نے یہ شعر پڑھا ؎

نحن قوم لنا ذنوب کبار

منعتنا من الوصول الیہ

ترکتنا مذبذبین حیاری

امسکتنا عن القدوم علیہ

ترجمہ : ہم کبیرہ کے مرتکب ہونے والے ہیں۔ اس بنا پر ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے ہمیں حیران و گردان کر رکھا ہے اور ان کی وجہ سے ہی ہم اللہ تعالیٰ کی حاضری سے محروم ہیں۔

یہ اقوال میرے مطالعہ سے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میرے علم میں آئے اور حقیقت رب کریم جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ جنت و اہلِ نار کے درمیان ایک حجاب ہے اور وہ اوصاف بشریہ اور اخلاق ذمیمہ نفسانیہ ہیں اس حجاب کی وجہ سے دوزخی بہشتیوں کو نہیں دیکھ سکتے اور بہشتی اہل اللہ ہیں کما قال وَبَیْنَھُمَا حِجَابٌ وَعَلَی الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰھُمْ یعنی اہلِ اعراف اہلِ جنۃ اور اہلِ نار کو ان علامات سے دیکھتے ہیں انہیں قلبی نور و ظلمات سے حاصل ہوئے ہیں۔

فائدہ : اعراف کو اس لئے اعراف کہا جاتا ہے کہ وہ اہلِ معرفۃ کی اقامت گاہ ہے اور اہلِ معرفت کو رجال اس لئے کہا کہ وہ ماسوی اللہ پر تصرف رکھتے ہیں اور ان پر کسی شے کا تصرف نہیں۔

کما قال تعالیٰ فیہ رجالٌ لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ مبارکہ ہے کہ خواص کو ہر جگہ لفظ رجال سے یاد فرمایا ہے۔ کما قال رجالٌ صدقوا اور فرمایا فیہ رجال یحبون ان یتطہروا اور رجولیت سے ہی طلبِ حق میں عوام و خواص کا امتیاز ہوتا ہے اور جو بھی ہمت بلند رکھتا ہے حقیقۃً وہی مرد ہے اور اصحاب اعراف اس لئے بلند مراتب پا گئے کہ انہوں نے بشریت کی پستیوں سے نجات پا کر بلندی حاصل کی اور جہنم سے بچ کر بہشت کے درجات حاصل کئے

اور روحانیت میں مقامات کو پہنچے اور ان کی شان یہ تھی کہ دارین کی نعمتوں سے بے نیاز ہے اور نہ انہیں دنیا و آخرت کے کمالات کی طرف توجہ تھی۔ تمام مخلوق سے بے نیاز ہو کر مقام اعراف تک پہنچے یاد رہے کہ مقام رب الرحمٰن کے ہاں حظائر قدس میں جنان کے بلند و بالا ایک مقام کا نام ہے اور وہ اپنی بلندی کی وجہ سے بہشتیوں اور دوزخیوں کو برابر طور دیکھتے رہتے ہیں جب وہ بہشتیوں کو دیکھتے ہیں کہ بہشت کی نعمتوں اور دیگر خوش باتوں میں مشغول ہیں لیکن اپنے مولیٰ کے دیدار کی طرف انہیں خیال نہیں تو اعراف والے بہشتیوں کو ندا کر کہتے ہیں السلام علیکم یعنی تمہیں یہی نعمتیں مبارک ہوں اور اپنی حوروں قصوروں میں خوش رہو۔ خود اعراف والوں کا یہ حال ہے لَمْ يَدْخُلُوْهَا یعنی بہشت کی نعمتوں کو مشاہدہ و معائنہ کرنے بلکہ اُن کے حصول کے باوجود ان کی کسی شے کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں کریں گے وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ اور ان کو صرف اپنے آقا و مولیٰ کے وصال کی تمنا ہو گی اور وہ اس میں پُر امید ہوں گے۔

سوال: تمہاری یہ تقریر آیات قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا ہ داخلی جنتی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہشت کو اپنی طرف مضاف فرمایا ہے تو اس کے بندوں کو اس سے غیر متوجہی کیوں اور فرمایا وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ اَصْحٰبِ النَّارِ۔

جواب: یہ ان سے آزمائش کے طور ہو گا کہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی بڑی سخت خرابیوں سے نجات بخشی اور انہیں بہترین انعامات سے نوازتا ہے لیکن حضرات عارف باللہ ان تمام باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے بہشت کے داخلہ کو اپنا مقصود نہیں سمجھتے۔

فائدہ: ارباب کمالات کو سلوک کے مقامات طے کرتے ہوئے جتنا خواطر نفسانیہ لاحق ہوتے ہیں یا انہیں دنیوی عزوجاہ و جلال اور عوام میں مقبولیت، عامہ یہ خلق میں مشغولیت تامہ کا پیش آنا۔ یہ تمام انسانی عروج میں داخل نہیں بلکہ ان میں بندہ کا امتحان اور اس کی آزمائش مطلوب ہے تاکہ سالک کو گوشہ نشینی اور تجرید اور جلوات میں اُنس مع اللہ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب سالک شکر کا حق ادا کرتا ہے یا منعم حقیقی کی کوئی نعمت دیکھتا ہے تو کہتا ہے رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی اے مولا کریم جب کہ تو نے ہمیں ظالموں کے اوصاف و اخلاق اور ان کے درجوں اور ان کے احوال سے ایک نجات بخشی ہے تو پھر ہمیں دوبارہ ان کے ساتھ نہ ملانا اور نہ ہی ان کے زمرہ میں ہمیں شامل کرنا [1]

[1] (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ
اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جنہیں ان کی پیشانی سے پہچانتے ہیں کہیں گے

قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ
تمہیں کیا کام آیا تمہارا جتھا اور وہ جو تم غرور کرتے تھے کیا یہ ہیں وہ لوگ جن

اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ
پر تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا ان سے تو کہا گیا کہ جنت میں جاؤ نہ تم کو

اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا
اندیشہ نہ کچھ غم اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے کہ ہمیں اپنے

عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى
پانی کا کچھ فیض دو یا اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا کہیں گے بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ
پر حرام کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا اور دنیا کی زیست نے انہیں فریب دیا

فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾
تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا اور جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾
اور بیشک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جسے ہم نے ایک بڑے علم سے مفصل کیا ہدایت و رحمت ایمان والوں کے لیے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ
کاہے کی راہ دیکھتے ہیں مگر اس کی کہ اس کتاب کا کہا ہوا انجام سامنے آئے جس دن اس کا بتایا انجام واقع ہوگا بول اٹھیں گے وہ جو اسے

قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ
پہلے سے بھلائے بیٹھے تھے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے تو ہیں کوئی ہمارے سفارشی جو ہماری شفاعت کریں

اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
یا ہم واپس بھیجے جائیں کہ پہلے کاموں کے خلاف کام کریں بیشک انہوں نے اپنی جانیں نقصان میں ڈالیں اور ان سے کھوئے گئے

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع
جو بہتان اٹھاتے تھے

تفسیر عالمانہ ۴۸ وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ اور اعراف والے ندا دیں گے۔ یہاں پر اہل اعراف سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے درجات بہشت میں سب سے بلند تر ہوں گے یعنی حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علی نبینا و علیہم السلام آیت کے مابعد والے مضمون سے واضح ہے کہ یہی حضرات مراد ہوں تو موزوں تر ہے اس لئے کہ بعد کو انہیں حکم ہوتا ہے " ادخلوا الجنۃ " اور یہ خطاب عمل میں کوتاہی کرنے والے کے لائق نہیں۔ رِجَالًا بہت سے لوگوں کو ان سے کافروں کے بڑے بڑے لیڈر مراد ہیں جب کہ انہیں جہنیوں میں دیکھیں گے جہنیوں کے بڑے لیڈر یہ ہیں ابوجہل بن ہشام اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ یَعْرِفُوْنَ بِسِیْمَاهُمْ۔ انہیں ان کی علامات سے پہچانیں گے جو اس وقت ان کے برے حال پر دلالت کریں گی اور ان کی دنیا والی شان و شوکت سے بھی انہیں کچھ علامتیں محسوس ہونگی، بِسِیْمٰهُمْ کی با سببیہ ہے قَالُوْا اس کا نَادٰی پر عطف ہے یعنی اعراف والے اپنے بلند مقامات پر کھڑے ہو کر جہنیوں کو زجر و توبیخ کے طور فرمائیں گے۔ مَا اَغْنٰی عَنْكُمْ یہ ما استفہامیہ زجر و توبیخاً لایا گیا ہے یا نافیہ ہے اب معنی ہوگا تمہیں عذاب سے نہ بچایا۔ جَمْعُكُمْ تمہاری جمعیت اور تمہارے مابعد اروں یا یاروں نے یا تمہارے مال جمع کرنے نے۔ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ۔ یہ ما مصدریہ ہے یعنی نہ ہی تمہارے خلق خدا سے تکبر نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچایا۔

۴۹ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ۔ یہ اصحاب اعراف کے قول کا تتمہ کافروں کے لیڈروں کو کہیں گے کہ یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں پہنچے گی اور یہ جملہ محلاً منصوب ہے۔ بوجہ قول متقدم کے اور یہ اشارہ غریب مسلمانوں کی طرف ہے کہ جنہیں دنیا میں کفار حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بڑے زور و شور سے قسمیں کھاتے تھے کہ یہ لوگ وغریب مسلمان بہشت میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے اور " لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ " اقسمتم کا جواب ہے خلاصہ یہ کہ کافر دنیا میں تکبر کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان غریب مسلمانوں کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ ادخلوا الجنۃ

اصحاب اعراف غریب مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے بہشت میں داخل ہو جاؤ تاکہ کافروں کو ذلت و رسوائی ہو۔ غریب مسلمانوں میں سے حضرت بلال و صہیب و سلمان و جناب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ لاخوف علیکم جب کفار خائف ہوں گے تو تم پر کوئی خوف نہ ہوگا۔ وَلَا انتم تحزنون ۰ اور نہ ہی تم غمگین ہوگے جب جہنمی غم میں مبتلا ہوں گے۔

مسئلہ: اس آیت میں خدام اور یاروں اور مددگاروں کی وجہ سے فخر و تکبر کی مذمت کی گئی ہے۔

۱۔ نہ منعم بمال از کسے بہتر است
خر ار جل اطلس بپوشد خر است

۲۔ بدیں عقل و ہمت نخوانیم کست
دگر میرود بصد غلام از پست

۳۔ تکبر کند مرد حشمت پرست
نداند کہ حشمت بحلم اندر است

۴۔ چو منعم کند سفلہ را روزگار
نہد بر دل تنگ درویش بار

۵۔ چو بام بلندش بود خود پرست
کند بول و خاشاک بر بام پست

ترجمہ ۱: دولتمند مال سے بہتر نہیں چالیس ریشمی کپڑے پہننے سے گدھا گدھا ہی رہے گا۔
۲: ایسے عقل و ہمت سے میں اسے کچھ نہیں سمجھتا اگرچہ اس کے پیچھے سو نوکر چلیں۔
۳: حشمت کا پجاری تکبر کرتا ہے اسے معلوم نہیں کہ حشمت تو حوصلہ میں ہے۔
۴: جب کمینے کو زمانہ دولتمند بناتا ہے تو کمینہ درویش کی پریشان دل پر بوجھ ڈالتا ہے
۵: کسی خود پرست کی دیوار اونچی ہو تو نیچے والی دیواروں پر اپنے خس و خاشاک پھینکتا ہے۔

مسئلہ صوفیانہ جب مال اور تکبر نفس کے عادات سے ہے سالک پر لازم ہے نفس کو ان عادات سے پاک کرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت دُعا مانگتے۔ اَللّٰھُمَّ حسن خلقی وخلقی۔ اے اللہ تعالیٰ میری سیرت و صورت کو حسین و جمیل بنا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم سے آپ کی مدح فرمائی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ ہمیشہ غریبوں و فقیروں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے اور ہمیشہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور آپ کی سیرت طیبہ تھی کہ چھوٹوں اور بالخصوص

چھوٹے بچوں سے گزرتے تو انہیں السلام علیکم سے نوازتے۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا تو آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے اسے فرمایا ڈرتے کیوں ہو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو اس غریب قریشی عورت کا صاحبزادہ ہوں جو باسی[1] گوشت پر گزارہ کرتی تھیں آپ جب اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو نمایاں کیفیت سے نہیں بلکہ ایسے محسوس ہوتا کہ آپ بھی منجملہ انہیں سے ایک ہیں یہاں تک کہ کوئی اجنبی دیکھتا تو اُسے آپ کے متعلق پوچھنا پڑتا۔ آپ کو جو بھی بلاتا تو آپ فوراً لبیک فرماتے۔ یعنی اس کا مقصد فوراً پورا کرتے یہ تمام امور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر مبنی ہیں۔

علاماتِ سعادت حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سعادت کے علامات یہ ہیں۔ (۱) اولیاء صالحین کی محبت (۲) ان کے قرب میں رہنے کا شوق۔ (۳) تلاوتِ قرآن مجید (۴) شب بیداری (۵) علماء کرام کی صحبت (۶) رقتِ قلب۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بعض اوقات عوام اہل ایمان اور علماء ظاہرین اپنی کم ہمتی کی بناء پر اہلِ محبت و معرفت اور اربابِ طلب سے کہتے ہیں کہ تمہیں وصول الی اللہ نصیب ہوگا۔ نہ وصال کی منزل میسر آئے گی اور یہ بات پورے وثوق سے قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اصحابِ اعراف سے فرمایا ہے کہ اس بہشت میں داخل ہو جاؤ جو خطائر قدس و عالم جبروت میں میری طرف منسوب ہے اس سے تمہیں نہ نکلنے کا خوف ہے اور نہ تمہیں جنۃ کی ان نعمتوں کا خطرہ ہوگا جو تمہارے سے فوت ہو چکی ہیں جب کہ تم ہمارے جمال کے شہود اور ہمارے وصال کے وجود میں تھے۔

نکتہ کفار اہل اللہ کو یعنی اصحاب اعراف کو ظاہری طور اس وقت دیکھتے رہتے ہیں جب وہ کونین کے مقامات میں موجود ہوتے ہیں۔ جب وہ اہل اللہ اس حقیقت کی جنت میں داخل ہوتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اور وہ عزت و عالم جبروت کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو پھر وہ نہ صرف کفار سے بلکہ ملائکہ مقربین کی نظروں سے بھی اوجھل ہو جاتے ہیں۔

حکایت:- منقول ہے کہ حضرت بابا جعفر ابہری حضرت بابا طاہر ہمدانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا۔ اب تک کہاں رہے انہوں نے کہا گذشتہ شب میں خاصانِ خدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا لیکن میں نے وہاں آپ کو نہیں دیکھا حالانکہ آپ بھی خاصانِ خدا سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تو نے سچ کہا اس لئے کہ تو خاصانِ خدا کے ساتھ دربار کے دروازہ پر تھا۔ میں اخص الخواص کی جماعت کے

---

[1] باسی سے خشک ہے نہ کہ متعفن جیسے کہ بعض لوگ متعفن چیز کو بھی باسی کہہ دیا کرتے ہیں مگر یہاں یہ مراد نہیں۔ اویسی غفرلہ

ساتھ دربارِ خداوندی میں حاضر تھا۔ اس وجہ سے تجھے نہیں دیکھ سکا۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ اللہ والوں سے جدا نہ ہو اور ان کے ساتھ اعتقاد میں کمی نہ کرے۔

حدیث شریف ہر شے کی کنجی ہے اور بہشت کی کنجی مساکین کی محبت ہے یعنی اللہ والوں سے محبت و عقیدت۔ یہی لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوں گے ؎

حبِ درویشاں کلیدِ جنت است

دشمن ایشاں سزائے لعنت است

ترجمہ: "درویشوں کی محبت بہشت کی کنجی ہے ان کا دشمن لعنت کے لائق ہے"

مثنوی شریف میں اللہ والوں کے ساتھ نیک اعتقاد رکھنے کے متعلق فرمایا کہ ؎

۱۔ گر گدایاں طامع اند وزشت خو

در شکم خوراں تو صاحب دل بجو

۲۔ در تگ دریا گہر با سنگہا ست

فخرہا اندر میان ننگہا است

ترجمہ ۱:

۲:

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کیا کرتے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ " اے اللہ تعالیٰ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھ اور مسکینوں میں موت دے اور قیامت میں مسکینوں کے زمرہ میں اٹھا۔

- **فائدہ:** حقیقی مسکین وہ ہے کہ جس کے ہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ ہو۔ اہل اللہ و اہل اعراف ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۵ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ ۔ دارین کے استقرار کے بعد دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے اَنْ مفسرہ یا مخففہ ہے جیسے بارہا گذرا ہے۔ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا " ہمارے اوپر ڈالو مِنَ الْمَآءِ بہشت کے پانی سے تاکہ ہمارے اندر جو پیاس کی گرمی ہے بجھ جائے۔ اس کی وجہ ہے کہ جب ایک عرصہ تک دوزخ میں بھوکے پیاسے ہو کر گزاریں گے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ الٰہ العلمین بہشت میں ہمارے رشتہ دار رہتے ہیں ہمیں اجازت بخشے تاکہ ہم انہیں دیکھ کر ان سے باتیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ہے انہیں بہشتیوں کے دیکھنے اور ان سے ہم کلام

ہونے کی اجازت مرحمت ہوگی تو رشتہ داروں کو دیکھیں گے کہ وہ بہترین نعمتوں سے سرشار ہیں۔ دوزخی اپنے بہشتی رشتہ داروں کو پہچان لیں گے لیکن بہشتی دوزخیوں کو نہیں پہچان سکیں گے اس لئے کہ دوزخیوں کے چہرے کالے سیاہ ہو جائیں گے دوزخی پہلے اپنے رشتہ داروں کو اپنا تعارف کرائیں گے۔ پھر انہیں کہیں گے ہمیں تھوڑا سا بہشت کا پانی دیجئے۔

اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ میں پینے کی اشیاء کی قید لگائی ہے علاوہ ازیں دراصل لفظ افاضہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مما رزقکم اللہ میں پینے کی چیزیں مراد ہوں اس لئے کہ افاضہ کا حقیقی معنی ان چیزوں کے لئے ہوتا ہے جو سیلانی مادہ رکھتی ہوں اور انہیں پینے سے تعلق ہو یا پھر عام ہو تو اس سے کھانے کی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں یعنی پینے اور کھانے کی چیزیں دو تاکہ ہم انہیں کھا پی کر اپنی بھوک اور پیاس بجھائیں۔ اس معنی پر افاضہ میں کثرت مطلوب ہوگی اس لئے کہ اضافہ کثرۃ الاعطاء کو بھی کہتے ہیں۔

فائدہ:- ابوحیان نے فرمایا کہ اَفِيْضُوْا القو کے معنی کو متضمن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ندا دینے والے وہ ہیں جو دنیا میں پیٹ کے پجاری رہے اور رات دن صرف کھانے پینے سے واسطہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں اسی عادت پر میدانِ حشر میں اٹھایا جائے گا تو حسب دستور اسی خبط میں ہوں گے اور وہی کہیں گے جو اوپر مذکور ہوا اور بہشتی حضرات چونکہ دنیا میں کھانے پینے سے دور رہ کر بھوک اور پیاس کے عادی ہو چکے تھے اور انہیں یہ کٹھن صرف جنۃ الفردوس کی دعوت کے لئے اٹھانی پڑی۔ اگر انہیں بہشت میں کچھ تھوڑی بہت کھانے پینے میں مصروفیت ہوگی تو صرف شہوات نفس اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ورنہ وہاں کھانے پینے میں ہر وقت انہماک کیسا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ ان کو کھانے پینے کی ہر حالت میں ضرورت محسوس ہوتی ہے خواہ کتنا ہی عذاب میں مبتلا ہو۔ حضرت ابوالجوزا فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کونسا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا پانی۔ پھر فرمایا دیکھئے اہل نار جب بہشتیوں سے صرف پانی مانگتے تھے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے اس کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی چنانچہ اس حکم پر حضرت سعد نے ایک کنواں کھودا اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ سعد

کی ماں کے لئے فرمایا۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے۔ کہ حدیث شریف[1] سے ثابت ہوا کہ صدقہ سے اموات کو نفع پہنچتا ہے جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے۔

نکتہ: پانی کی تخصیص اس لئے ہے کہ اہل عرب کو پانی کی زیادہ ضرورت رہتی ہے اس لئے اس میں ثواب بھی زیادہ ہے یا اس لئے کہ جہنم گرمی کا مرکز ہے اس کا دفعیہ اس کی ضد ہو گا اور وہ ٹھنڈک ہے اور ٹھنڈک پانی کا جزء ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر شئے اپنی ضد کے بالمقابل واقع ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْٓا

اہل جنت دوزخیوں کو کہیں گے۔

فائدہ: مروی ہے کہ دوزخیوں کی فریاد پر اہل بہشت کو حکم ہو گا کہ چالیس سال تک دوزخیوں کو کوئی جواب نہ دیں۔ چالیس سال گزرنے پر بہشتی دوزخیوں کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر بہشت کا طعام اور اس کی مشروبات حرام فرمائی ہیں اور یہ حرمت بھی قطعی ہے جیسے دنیا میں مکلف عاقل بالغ کو محرمات سے منع کیا گیا تھا اب ان چیزوں کا بہار ہاں پینا سخت مشکل ہے۔

فائدہ: کافروں کو ایسا گرم پانی پلایا جائے گا کہ جس سے پیٹ اور چیڑے جل کر جسم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور ان کا کھانا کانٹے دار اور زہریلے درخت سے مقرر ہو گا (پناہ بخدا)

۵۱ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَہُمْ وہ کافر کہ جنہوں نے دین کو ٹھٹھا مخول بنا رکھا تھا

تفسیر ۱: یہاں پر دین سے اسلام مراد ہے کہ اس پر انہیں چلنے کا حکم تھا لیکن انہوں نے بجائے اس کی حقانیت پر ایمان لانے کے اُلٹا اس کے ساتھ ٹھٹھا مخول کیا کہ لَہْوًا وَّ لَعِبًا مذاق اور کھیل یعنی دین حق کو کھیل کا آلہ بنا رکھا تھا کہ اس سے گویا کھیلا کرتے تھے جسے چاہتے حلال کرتے مرضی آئی تو اس شئے کو حرام کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کا نام تک نہ لیتے ان کا ہر معاملہ اتباع نفس سے تھا اور شیطان نے ان کے لئے اپیرا بچھا رکھا تھا۔

تفسیر ۲: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دین سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دین مراد ہے لیکن کفار نے اسے بدل دیا اور اپنی مرضی کے مطابق احکام گھڑ لئے اور اپنی طبیعتوں کو ایسے غلط امور میں لگا رکھا تھا کہ جو اس لائق نہ تھے کہ ان سے طبیعت لگائی جائے اور ایسی چیزوں کی طلب میں رہتے تھے کہ جن کا طلب رنا

---

[1]: دیوبندی وہابیوں کے لئے اس حدیث میں کتنا بڑا سبق ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

بجائے اچھائی کے بُرا تھا۔

۔ **فائدہ:** تفسیر فارسی میں لکھا ہے کہ دین سے مراد عید ہے وہ اس لئے کہ کفار کا طریقہ تھا کہ عید کے دن کعبہ معظمہ کے گرد جمع ہو کر بچوں کی طرح تالیاں بجا کر کھیل تماشے کرتے رہتے تھے۔

مسئلہ: ہتھیاروں سے کھیلنا۔ گھوڑے دوڑانا۔ اسی طرح مردوں کا دوڑنا ایسے ہی وہ افعال جو شرعاً مباح ہیں عید کے دن کھیل کے طور جائز ہیں۔ جیسے دورِ سابق میں عید کے دن دَف بجاتے لیکن اس میں گھنگرو نہیں ہوتے تھے۔

انتباہ: آج کل جو عیدوں اور ختنوں اور شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر ہمارے عوام سرود اور گھنگرو وغیرہ والے دف بجاتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہیں شرعاً ان کی کسی طرح اجازت نہیں اس لئے کہ یہ لہو و لعب کے آلات ہیں۔

سوال: اہل شرع کا مقولہ مشہور ہے اِنَّ فِی دِیْنِنَا فُسْحَةً "ہمارے دین میں تنگ ظرفی نہیں بلکہ وسعت ہے اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ کیسے مواقع پر ایسے آلات کا استعمال جائز ہو۔

جواب: وہ مقولہ اُن امور میں ہے جو شرعاً مباح ہیں جن کے شرع کی ممانعت صراحۃً ہو اس میں وسعت کیسی مثلاً مزاح مباح ہے لیکن جس مزاح میں شرع کی مخالفت لازم آتی ہو وہ تو مزاح حرام ہے وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیواۃ دنیا اور اس کی رنگینیوں اور ان کی اپنی لمبی آرزوؤں نے دھوکہ دیا ہے اس لئے وہ اہل اسلام سے استہزار کرتے تھے۔

۔ **فائدہ:** مروی ہے کہ ابو جہل نے استہزار کے طور ایک شخص کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ جا کر انہیں سوال کرو کہ مجھے بہشت کا انگور یا کوئی اور میوہ کھلایئے۔ جب وہ شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاں حاضر ہوا اور ابو جہل کا مقولہ دہرایا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھ دی۔ وَحَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دنیا سے دھوکہ نہ کھائے اس لئے کہ دنیا غدارہ و دسکارہ ہے۔ ؎

۱	در دیدہ اعتبار خوا بیست بر رہگذر اجل سرا بیست
۲	مشغول مشو بسرخ و زردش اندیشہ مکن نہ کرم وسردش

۳ سرمایۂ آفتست ز نہار
خود را ز فریب او نگہدار

ترجمہ: ۱۔ دیدۂ عبرت میں خواب ہے اس راہ سے گزرجا یہ اجل سراب ہے
۲۔ اس کے سرخ وزرد میں مشغول نہ ہو اس کے گرم و سرد کا فکر بھی نہ کر
۳۔ اس کا سرمایہ آفت ہے خبردار خود کو اس کے فریب سے نگاہ رکھ۔

فَالْيَوْمَ قیامت کے دن (یہ فاء فصیحیہ ہے) نَنْسٰهُمْ ہم انہیں بھلادیں گے یعنی ان کے ساتھ وہی ہوگا جو بھولنے والا بھولے ہوئے شخص سے کرتا ہے یعنی قیامت میں ان کے ساتھ کسی قسم کی نہ رعایت نہ ہوگی اور نہ ہی ان کا کوئی اعتبار ہوگا اور انہیں جس وقت سے جہنم میں ڈالا جائے گا پھر ان کی کسی قسم کی خبرگیری نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نسیان سے منزہ اور پاک ہے لیکن چونکہ کفار سے قیامت میں ایسا معاملہ کریگا جیسے نسیان والے سے سرزد ہوتا ہے بنا بریں اس تشبیہ سے اللہ تعالیٰ پر لفظ نسیان کا اطلاق ہوا ہے۔

كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ہم نے انہیں اسی طرح بھلا دیا جیسے انہوں نے ہمارے اس دن کی حاضری کو بھلایا۔ ان کے دل میں کبھی خیال تک نہ گزرتا تھا کہ انہوں نے ہمارے ہاں حاضر ہونا ہے اور نہ ہی اس دن کی حاضری کے لئے وہ مستعد تھے۔

سوال: اس معنی پر کفار کو نسیان سے موصوف کرنا ناموزوں ہے اس لئے کہ نسیان تو اس کیلئے بولا جاتا ہے جسے پہلے کسی شے کا علم ہو پھر کسی عارضہ سے اس کے ذہن سے وہ بات اُتر جائے اور کفار تو سرے سے قیامت کی حاضری کے قائل ہی نہیں تھے۔

جواب: چونکہ بھولنے والا بھولنے کے بعد اس شے کا کچھ اعتبار نہیں کرتا۔ اس مناسبت سے کفار پر نسیان کا اطلاق ہوا کہ وہ بھی قیامت کی حاضری کا کچھ اعتبار نہیں کرتے گویا انہیں اس شخص سے تشبیہ دی گئی جو شئے کو جاننے کے بعد بھول جائے ایسے استعارے قرآن پاک میں بہت ہیں اس لئے کہ عالم غیب کے معانی کا سمجھانا یوں آسان ہوتا ہے کہ انہیں عالم شہادت کے مماثل بنایا جائے

وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ اس کا عطف ما نسوا پر ہے یعنی جیسے انہوں نے قیامت کی حاضری کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ اس لئے وہ ہمارے آیات کا دائمی طور انکار کرتے ہیں۔ ممکن ہے ما مصدریہ اور کما کا کاف تعلیلیہ ہے اس لئے کہ ما کانوا میں کسی شے کے ساتھ تشبیہ واضح طور نہیں ہاں

اگر کچھ ہے تو باعتبار لازم کے یعنی ترک کے اعتبار سے ۵۲ و لقد جئنٰھم بکتٰب فصلنٰہ
اور ہم نے ان کے ہاں ایسی کتاب لائی جسے ہم نے اسے مفصل طور بیان کیا یعنی ہم نے اس کے معانی تفصیلی طور
بیان کئے یعنی عقائد اور احکام و مواعظ مفصل طور کتاب میں مذکور ہوئے اور ھم کی ضمیر تمام کفار کی طرف
راجع ہے اور کتاب سے جنس کتاب مراد ہے یا یہاں پر کفار سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمعصرین
اور الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ علیٰ علم یہ فصلنا کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ
ہم کتاب کی وجہ تفصیل کو جانتے ہیں کہ کتاب حکیم بن کر تشریف لائی اور یہ بھی ہے کہ یہ فصلنا کی ضمیر مفعول
سے حال ہے یعنی وہ کتاب بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے ھدًی و رحمۃً یہ فصلناہ کی ضمیر سے
حال ہے یعنی کتاب ہادی اور ذی رحمت ہے۔ لقوم یؤمنون ۔ اس قوم کے لئے جو ایمان
لاتے ہیں یعنی وہ تصدیق کرتے ہوئے یقین رکھتے ہیں کہ واقعی وہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف
لائی ہے اور یہی لوگ کتاب اللہ کے آثار سے نفع پاتے اور اس کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں۔
۵۳ ھل ینظرون الا تاویلہ ط اور کفار صرف اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں
کہ وہ وعد وعید ظاہر ہو جائیں جن کے متعلق انہیں خبر دی جا رہی ہے یوم یاتی تاویلہ اس
دن کہ ان کا انجام ظاہر ہو گا یعنی جب ان کا وہ انجام آئے گا جس کے متعلق انہیں وعدہ دیا گیا ہے
اس سے قیامت کا دن مراد ہے یعنی جب قیامت کے دن وہ اپنے انجام کو آنکھوں سے مشاہدہ کریں
گے یقول الذین نسوہ من قبل جنہوں نے اس دن کو اس سے قبل بھلا رکھا تھا وہ کہیں
گے یعنی اس دن کے آنے کو وہ لوگ مانتے تھے۔ قد جاءت رسل ربنا بالحق بے شک
ہمارے رسل کرام حق لائے تھے یہ باء تعدیہ یا ملابست کی ہے تو بالحق حال ہے اصل عبارت یوں ہے
ملتبسین بہ یعنی انہیں اعتراف ہے کہ اخبار و احکام مثلاً بعثت حساب و جزاء انبیاء علیہم السلام لائے
ہیں حق ہیں اس کے بعد کفار اپنی نجات کے لئے دو تمنائیں پیش کریں گے اور چاہیں گے کہ ان میں سے
ایک تو پوری ہو جائے تاکہ قبر کے عذاب سے چھٹکارا نصیب ہو۔ پہلا ان کے لئے کوئی سفارشی ہمارا ذکر کریں
چنانچہ فرمایا فھل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا ۔ کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں
جو ہمارے لئے آج سفارش کریں اور ہمیں ایسے عذاب سخت سے نجات دلائیں۔ دوسرا دنیا میں واپسی
کی اجازت مل جائے تاکہ نیک عمل کریں چنانچہ فرمایا او نرد یا ہمیں دنیا میں لوٹایا جائے فنعمل یہ دوسرے
استفہام کی وجہ سے منصوب ہے پس عمل کریں " غیر الذی کنا نعمل " اس کے برعکس جو پہلے ہم دنیا میں عمل کرتے
تھے یعنی اب ہم رسل کرام علیہم السلام کی تصدیق کریں گے اور اعمال صالحہ میں زندگی بسر کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ

[illegible] اور [illegible] کر دیں [illegible] دنیا میں [illegible] ہو سکتی [illegible] ہو گیا [illegible] نہیں آتا ہے

[illegible]
[illegible]

ترجمہ: [illegible]

فائدہ: [illegible] تو مثنوی شریف میں حکایت ہے

قصۂ آن آبگیرست ای عنود	که درو سه ماهی اشگرف بود
چند صیادی سوی آن آبگیر	برگذشتند و بدیدند آن ضمیر
پس شتابیدند تا دام آورند	ماهیان واقف شدند و هوشمند
آنکه عاقل بود عزم راه کرد	عزم راه مشکل ناخواه کرد
گفت با اینها ندارم مشورت	که یقین سستم کنند از مقدرت
مهر زاد و بوم بر جانشان تند	کاهلی و جهلشان بر من زنند
مشورت را زنده‌ای باید نکو	که ترا زنده کند آن زنده کو
نیست وقت مشورت هین راه کن	چون علی تو آه اندر چاه کن
محرم آن آه کمیابست بس	شب رو و پنهان روی کن چون عسس
سوی دریا عزم کن زین آبگیر	بحر جو و ترک این گرداب گیر
سینه را پا ساخت می‌رفت آن حذور	از مقام با خطر تا بحر نور

رنجہا بسیار دید و عافیت • رفت آخر سوئے امن و عافیت
خویشتن افگند در دریای ژرف • گر نیاید حد آنرا، ہیچ طرف
پس چو ماداں بیاوردند دام • نیم عاقل را ازاں شد تلخکام
گفت آہ من فوت کردم فرصہ را • چوں نگشتم ہمرہ آں رہنما
بر گذشتہ حسرت آوردن خطاست • باز ناید رفتہ ہباست
لیک زاں نندیشم و برخود زنم • خویشتن را ایں زماں مردہ کنم
ہمچناں مرد و شکم بالا فگند • آب می بردش نشیب و گہ بلند
ہر یکے زاں قاصداں پس غصہ برد • گہ دریغا ماہی بہتر بمرد
پس گرفتش یلیٹ صیاد ارجمند • پس بر و تف کرد بر خاکش فگند
غلط غلطاں رفت پنہاں اندر آب • ماند آں احمق ہمی کرد اضطراب
از چپ و از راست می جست آں سلیم • تا کہ بجہد خویش بدھاند کلیم
دام افگندند اندر دام ماند • احمقی او را دراں آتش نشاند
بر سر آتش بہ پشت تابہ • با حماقت کرد او ہم خوابہ
او ہمی جوشید از تف سعیر • عقل میگفتش الم یاتک نذیر
او ہمی گفت از شکنجہ و ز بلا • ہمچوں جان کافراں قالوا بلیٰ
باز می گفتی کہ اگر ایں بار من • وا رہم زین محنت کردن شکن
من نسازم جز بدریا بی وطن • آبگیری را نسازم من سکن
آب بجد جویم دائماً شوم • تا ابد در امن و صحت می روم
آں ندامت از نتیجہ رنج بود • نی ز عقل روشن چوں گنج بود
میکند او توبہ پیر خرد • بانگ لورد وا لحادو مای زند

خلاصہ حکایت کسی پانی کھینچنے والے کے تین مچھلیاں ہاتھ لگ گئیں ان میں سے ایک نے بھاگ نکلنے کا مشورہ دیا لیکن کسی نے نہ سنی بالآخر وہ خود بھاگنے میں کامیاب ہو گئی۔ دوسری نے بھی چند ساعات کے بعد بھاگنے کی تدبیر سوچی اور اس نے بھی کامیابی حاصل کر لی تیسری غفلت کا شکار ہوئی تو لوگوں نے کاٹ کر پکا کر کھا لی وہ اس دکھ درد کے وقت یہی کہتی کاش میں ان کے کہنے پر چلتی جیسے کافر دوزخ میں دکھ درد اٹھائیں گے اور آرزو کریں گے۔

سبق : دانا وہ ہے جو اپنے حال کی سنبھال میں رہتا ہے اور نہ ہی لمبی چوڑی تمناؤں کا شکار ہوتا ہے

حکمت : امام غزالی قدس سرہ فرمایا جو کسان کھیتی کے کام میں محنت کرتا ہے تو وہ اناج کا ڈھیر جمع کر لیتا ہے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ مجھے اس سے ایک سو بوری گندم کی امید ہے اور اگر کوئی کھیتی کے کام میں سستی برتے اور کام کا جو وقت غفلت میں گزارتا ہے تو اناج اٹھاتے وقت کہے کہ مجھے ایک سو بوری گندم حاصل ہوگی۔ یہ صرف زبانی جمع خرچی ہے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح ہر وہ بندہ جو نیکی میں جدوجہد کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو اسے کہنا مناسب ہے کہ وہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نیکی قبول کرے اور میری غلطیاں معاف فرمائے اور ثواب عنایت فرمائے۔ یہ امید بھی موزوں ہے اور اسے کہنا لائق بھی ہے لیکن ہر وہ بندہ جو غفلت میں غرق اور طاعات کے ترک کی عادت رکھتا اور ہر برائی کا ارتکاب کرتا اور خوفِ خدا اس کے دل سے اٹھ گیا ہو اور نہ ہی رضائے الٰہی مطلوب ہو اور اس کے وعدہ وعید کی پرواہ نہ کرے پھر بھی کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی بہشت میں داخلے اور جہنم سے نجات کی امید ہے تو ایسا شخص نفس کا کھلونا ہے جیسے عوام بلکہ بعض بڑے خواص بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو راہِ حق میں لگائے اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو نفس کے تابع ہو اور خواہشات نفسانیہ اس پر سوار ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ رکھے۔

فائدہ : غم تین ہیں (۱) نیکی قبول نہ ہو
(۲) گناہ معاف نہ ہوں
(۳) معرفت چھین جائے۔

حکایت حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا تو ان کی حالت یہ تھی کہ رات بھر روتے رہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کہا تو پھر آپ کیوں روتے ہیں۔ انہوں نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام کو بخشنے میں اتنا بوجھ بھی نہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ کسی گناہ کی شامت سے میرے سے اسلام نہ چھین جائے۔

ف : تمام رسل اور ابدال و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام طاعت باوجود اتنی بہت بڑی جدوجہد کے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہر وقت پریشان رہتے ہیں پھر بھی ہمیں اپنے لئے سوچنا چاہیے کہ باوجود اتنے

باقی صد پر

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ

پھر عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانکتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ

ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا سب اس کے حکم کے دبے ہوئے سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ

اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کے سنورنے کے بعد اور اس سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے بیشک

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا

اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے اور وہی ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے اس کی رحمت

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰى اِذَا اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

کے آگے مژدہ سناتی یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بھاری بادل ہم نے اسے کسی مردہ شہر کی طرف چلایا پھر اس سے

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى

پانی اتارا پھر اس سے طرح طرح کے پھل نکالے اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ

کہیں تم نصیحت مانو اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے اور جو خراب ہے

خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اس میں نہیں نکلتا مگر تھوڑا بمشکل ہم یونہی طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں ان کے لیے جو احسان مانیں

تفسیر عالمانہ ۵۴ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ : یہ خطاب ان کفار مکہ کو ہے جنہوں نے بے شمار معبود بنا رکھے تھے یعنی بیشک تمہارا رب "اللہ" اللہ کریم ہے جو جمیع کمالات کا جامع ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے کہ ان کی پہلی کوئی مثال بھی نہیں تھی فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ چھ دنوں یعنی چھ وقتوں میں اگرچہ وہ قدرت رکھتا ہے کہ صرف ایک دن میں تمام کائنات کو پیدا فرمائے لیکن چھ دنوں میں پیدا کرنے میں اپنے بندوں کو بتایا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱ ۔ مکر شیطانست تعجیل و شتاب
خوئے رحمانست صبر و احتساب

۲ ۔ یا تانے گشت موجود از خدا
تابشش روز این زمین و چرخہا

۳ ۔ ورنہ قادر بود کز کن فیکون
صد زمین و چرخ آوردی بروں

بڑے گناہوں کا کبھی بھی خدا کا خوف اس کے تصور میں نہیں آتا۔

سوال : حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نیک گمان رکھنا چاہیے ہم گنہگار ہیں لیکن اس کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔

جواب : ان حضرات کو اللہ تعالیٰ پر نیک گمانی کا علم نہیں تھا یا وہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کو نہیں جانتے تھے ہم سے انہیں زیادہ علم تھا۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی نفس کا دھوکہ اور ایک قسم کا شیطانی غرور ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب کا عامل اور اپنی بارگاہ کا واصل بنا۔ ان لوگوں میں ہمارا شمار نہ ہو جو تجھے بھلا کر نفس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ (آمین ثم آمین الوفا الوفا)

۴ ، این تانی از پے تعلیم تست
صبر کن در کار دیر آئی و درست

ترجمہ ۱ : شیطانی تدبیر عجلت اور جلدی میں ہے رحمانی عادت صبر و حوصلہ میں ہے۔
۲ : دیر سے ہی کھیتی اللہ تعالیٰ سے آتی ہے دن اور زمین اور آسمان کی گرمی سے۔
۳ : ورنہ وہ قادر ہے کہ کُن سے سب کچھ کر سکتا ہے سو زمین سو آسمان بنا سکتا ہے۔
۴ : یہ صبر (تاخیر) تیری تعلیم کے لئے ہے صبر کر دیر میں خیر ہے۔

عجلت میں خیر

علماء فرماتے ہیں مندرجہ ذیل اُمور میں جلدی کرنا ضروری ہے۔
(۱) گناہوں سے توبہ
(۲) قرض کی ادائیگی
(۳) مہمان نوازی
(۴) بچی بالغہ کی شادی (نکاح و رخصتی) جلدی کرنا چاہیے
(۵) میت کا دفن
(۶) جنابت کے بعد کا غسل۔

• نکتہ : اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت و قادریت سے آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اپنے کمال تدبر اور حکمت بالغہ کی بنا پر اُن کی تخلیق میں چھ روز لگائے۔

• نکتہ : چھ قسم کی مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کرنے میں منقسم فرمایا۔ چھ قسم کی مخلوق سے مندرجہ ذیل اشیاء مراد ہیں۔ (۱) ارواح مجرد
(۲) ملکوتیات : جیسے ملائکہ جنات شیاطین ملک السموات جیسے عقول نفوس مرکبہ
۳ ، نفوس جیسے نفوس الکواکب نفوس الانسان و نفوس الحیوان و نفس النبات والمعادن۔
۴ ، اجرام یعنی بسائط علویہ کے اجسام لطیفہ۔ جیسے عرش کرسی سماوات۔ جنت۔ نار۔
۵ ، اجسام مفردہ یعنی عناصر اربعہ۔
۶ ، عناصر کے اجسام مرکبہ کثیفہ

سوال : ان امور کی تخلیق کو چھ ایام سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ اس وقت تو نہ دن تھے نہ راتیں
جواب : اس سے ایام متعینہ مراد نہیں بلکہ مطلق وقت مراد ہے کہ اگر اس وقت تمہارے یہ ایام ہوتے

تو انہی ایام کی مقدار پر تخلیق ہوئی (گویا یہ تفسیر اللہ ہے) بجانے کی وجہ سے ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تف عرش ہر وہ تخت کو جس پر بادشاہ بیٹھے اور ہر اس شئے کو بھی کہا جاتا ہے جو سر کے اوپر سایہ افگن ہو۔

سوال: مذکورہ بالا ہر دو معانی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں۔

جواب: یہاں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ سلطنت ملک اور غلبہ مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے بعد جس طرح چاہا اپنے ملک پر تصرف فرمایا مثلاً افلاک کو حرکت اور ستاروں کو گردش اور ساعتوں اور دنوں کو باری باری بدلنے کی قوت بخشی اور حکمت کاملہ کے تحت جس طرح چاہا۔ اپنی مصنوعات کو تیار فرمایا۔

فائدہ: تقریر مذکورہ کی تائید قاضی بیضاوی کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے انہوں نے لکھا کہ استوی علی العرش ای استقر امرہ ربوبیتہ یعنی اس کی ربوبیت کا امر مستقر اور اُن کے امر کا اجراء ہوا اور اس نے اپنی حکمت کاملہ کے تقاضا پر اپنے مصنوعات میں تدبیر فرمائی۔

سوال: اگر مذکورہ بالا مطلب ہے تو پھر لفظ عرش سے اس کی تعبیر کی کیا تخصیص ہے۔

جواب: عرش الٰہی چونکہ تمام مخلوق سے بڑا ہے بلکہ جمیع اجسام کو محیط ہے تو پھر جو ذات اس پر تصرف اور قبضہ رکھتی ہے تو گویا اس کا تمام مخلوق پر قبضہ رکھتی ہے تو گویا اس کا تمام مخلوق پر قبضہ ہے اس لئے کہ جنت و دوزخ اور آسمان و زمین بلکہ تمام عناصر وغیرہ عرش کے گھیرے میں ہیں۔ اس بنا پر لفظ عرش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں اس جملہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے عرش کی تخلیق کا ارادہ فرمایا۔

(**ثُمَّ بمعنی واؤ**) حداوی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں پر ثم بمعنی واؤ علی طریق الجمع کے ہے یہاں پر ثم اپنے معنی تراخی میں نہیں اس لئے کہ عرش کی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے برسوں پہلے ہو چکی تھی۔

حدیث شریف: مروی ہے کہ سب سے پہلے[1] اللہ تعالیٰ نے قلم پھر لوح پیدا فرما کر قلم کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات لکھنے کا حکم دیا اس کے بعد عرش اس کے بعد عرش کے حاملین ملائکہ اس کے بعد آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہاں

---

[1] اس سے اولیت اضافی مراد ہے تفصیل اس کی فقیر کے رسالہ "الحبل المتین" میں مطالعہ کریں ۱۲ (اویسی غفرلہ)

پر استوی لغوی معنیٰ میں مستعمل نہیں ہو رہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس معنیٰ کا استعمال ناممکن ہے اور وہ ایسے معانی سے منزہ اور پاک ہے البتہ یہاں پر اس کا امر ایجادی اور تجلی احدی مراد لی جائے تو موزوں ہے جسے قرآن مجید نے حق سے تعبیر کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ استواء امر ارادی ایجادی علی العرش شرعی استواء امر تکلیفی ارشادی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جیسے یہ دونوں امر برابر طور ایک دوسرے کے عکس ہیں اسی طرح عرش شرعی بھی برابر طور ایک دوسرے کے عکس ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب جمیع کائنات مذکورہ کی تخلیق مکمل ہوئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عرش پر تصرف کا ایسے ہی ارادہ فرمایا جیسے دوسری مخلوق کی تخلیق کے بعد تصرف کا ارادہ فرمایا اس وقت سے ہی عرش ماتحت الثریٰ تک تصرف کا اجراء ہوا۔

سوال: اگر جملہ امور اور جمیع مخلوق میں تصرف مراد ہے تو پھر عرش کی تخصیص کیوں۔

جواب: پہلے گزر چکا کہ عرش محیط بکل مخلوق ہے۔ علاوہ ازیں اجسام لطیفہ کا مبدا بھی یہی ہے یعنی وہ اجسام لطیفہ جو فیض رحمانی قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔

مسئلہ: استواء بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے لیکن اس استواء سے وہ مراد نہیں جو مخلوق کے استواء کے مشابہ ہو۔ جیسے علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن وہ علم مخلوق کے علم سے کسی قسم سے مشابہت نہیں رکھتا اس لئے کہ (لیس کمثلہ شیء) کی شان ہے۔

نکتہ: انسان اگر اپنی خلافت پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیوں اپنی خلافت کا اہل بنایا ہے اس غور و خوض کے بعد اُسے اپنے نفس کی معرفت حاصل ہوگی تو پھر اسے معرفت الٰہی نصیب ہو جائیگی

نکتہ عجیبہ اس کی توضیح یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے جب نطفہ ماں کے رحم میں قرار پکڑتا ہے تو اسے انسانی ڈھانچے میں تبدیل کرنے پر اس کی روح کو مقرر فرماتا ہے تاکہ وہ ایام حمل اپنی مرضی سے تصرف کرے چونکہ روح پہلے سے ہی عالم کبیر سے واقف ہوتی ہے اس لئے عالم کبیر کے مطابق اسے سمیع و بصیر بنا کر اس کے بدن کو زمین کی طرح اور اس کے سر کو آسمان کے مشابہ اور اس کا دل عرش الٰہی کی ساخت پر اور اس کا سینہ (راز و رموز کا مرکز) کرسی کے مطابق تیار کرتا ہے یاد رہے کہ روح کا یہ تصرف حق تعالیٰ کے حکم اور اس کی نیابت و خلافت کے تحت ہوتا ہے جب روح انسانی ڈھانچہ کی تکمیل سے فراغت پاتی ہے تو اس کے بعد عرش قلب کی طرف متوجہ ہوتی ہے روح کی تکمیل مذکور کے استوائے مکانی سے تعبیر کرتے ہیں اور روح کی صرف عرش قلب پر توجہ نہیں بلکہ انسانی قلب

میں صرف قلب ہی فیضانِ حق کے حصول کی استعداد رکھتی ہے پھر اس سے ہی جمیع مخلوق کو فیضِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جیسے ابھی ہم نے عرض کیا ہے روح کے واسطے سے ہی قلب پر فیضِ حق پہنچتا ہے۔ پھر قلب کے ذریعے باقی اجزاءِ انسانی سرشار ہوتے ہیں ایسے ہی فیضانِ الٰہی کا مرکز قلبِ ولی ہے کہ جس کے واسطہ سے تمام مخلوق کو فیض پہنچتا ہے۔

انتباہ: ہماری مذکورہ بالا تقریر کو کسی بندۂ خدا نے سمجھنے کی کوشش کی تو اُسے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا مفہوم پسند طور سمجھ آجائے گا اور اسے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کا معنی بھی یہاں سے محقق ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ربط: استوائے عرش میں اپنی قدرت کاملہ اور اپنے امور میں اجرائے احکام کے تصرف کو بیان فرما کر بطور استیناف فرمایا۔ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ دن کو رات سے پوشیدہ کرتا ہے یعنی رات کو دن کے لئے بمنزلہ ایک حجاب کے بنایا کہ وہ اور اس کی تاریکی پردوں کے طور دن کو چھپالے۔[1]

سوال: اس کے برعکس کیوں نہیں بیان کیا گیا حالانکہ دن بھی تو اپنی روشنی سے رات کو چھپا دیتا ہے

جواب قاعدہ ہے کہ ضدین میں سے ایک کا ذکر کیا جائے تو اس کی ضد (مقابل) خود بخود ذہن میں اتر جاتا ہے پھر اس کی ضد کے ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کے صفات مذمومہ اور اس کی خواہشات قبیحہ کی تاریکیوں کا جب قلب کے انوار پر پرچھاؤں پڑ جاتی ہے تو سالک کا حال پھر ویسا ہی ہوتا ہے جیسے رات کی تاریکی سے دن کی کیفیت ہوتی ہے۔ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا یہ اللیل سے حال ہے یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کا حجاب بنتی ہے تو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دن کو طلب کرتی ہے۔

فائدہ چونکہ دن اور رات کے گزر جانے بعد ایک دوسرے کے آنا بلا فصل ہوتا ہے تو اسے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کی طلب میں ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ اس کا عطف السمٰوٰت پر ہے یعنی سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا درانحالیکہ وہ تمام اللہ تعالیٰ کے حکم اور تصرف اور اس کی قضاء و قدر کے تابع ہیں یعنی ان کے طلوع و غروب کے لئے جیسے وہ چاہتا ہے

---

[1] رات بذات خود پردہ ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے وَجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا۔ اور دوسرا اس کا پردہ ہونا تاریکی کی وجہ سے ہے یہی بات تفصیل طلب ہے انشاء اللہ پھر عرض کیا جائیگا۔ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ۱۲۔ اویسی

یہ ویسے ہی سر تسلیم خم کرتے ہیں ان کی حرکات مقدرہ اور ان کے احوال سب کے سب حکم الٰہی کے تحت ہیں
اَلَا یہ تنبیہ کے لیئے ہے بمعنی اعلموا یعنی خبردار کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے یہ خبر ہے اور اس کی تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔ اَلْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تخلیق اور جملہ امور تکوینیہ یعنی علی الاطلاق ہر شے کا موجد اور متصرف صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو شے امر الٰہی کے واسطہ کے بغیر پیدا کی گئی اسے امر کہا جاتا ہے اور جو کسی واسطہ سے پیدا ہوئی ہے وہ خلق ہے حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ ماسوی اللہ کا نام عالم ہے اور وہ دو قسم ہے (۱) عالم الخلق (۲) عالم الامر۔ عالم الاجساد والجسمانیات کو عالم خلق اور عالم ارواح والمجردات کو عالم امر کہتے ہیں اس لئے کہ خلق بمعنی تعدیر ہے اور ہر وہ شے جو جسم یا جسمانی ہو وہ ایک مقدار معین سے مخصوص ہوتی ہے بنا بریں اسے عالم خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو شے جسم اور مقدار سے مجرد ہو اسے عالم الارواح کہتے ہیں اور وہ مکنونات جو صرف امر کن سے پیدا ہوئی ہیں عالم امر میں داخل ہیں ان ہر ایک کو کسی مناسبت کے مناسب نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عالم العین والکون والحدوث روح ہو یا جسم کو عالم خلق کہا جاتا ہے اور عالم العلم و الالہ والوجوب کو عالم امر کہتے ہیں۔ عالم خلق عالم امر کے تابع ہوتا ہے اس لئے کہ عالم امر عالم خلق کا اصل و مبدا ہے قال تعالیٰ قل الروح من امر ربی اور فرمایا ”واللہ غالب علی امرہ“۔

تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ اللہ رب العالمین کی ذات بڑی برکت والی ہے اور وہ اپنی الوہیت میں وحدانیت کے ساتھ بلند اور ارفع شان کا مالک ہے اور ربوبیت میں تفرد کے ساتھ عظیم الرتبت ہے۔ اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جنہوں نے اپنے لئے بے شمار معبود بنا رکھے تھے بہت بڑی حکمت اور نہایت مضبوط حجت سے انہیں توحید کی دعوت دی ہے۔

نکتہ: آیت کو لفظ اِنَّ تحقیقیہ سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفار سرے سے ذات حق کی ربوبیت کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں اِنَّ رَبَّکُمُ الخ فرمایا کہ تمہارا رب ہے اور اس کی یہ صفت اس کے کمال علمیت وحکمت و قدرت پر دلالت کرتی ہے اور وہ ایسا حکیم ہے کہ جس نے تمام مشاہدات کو پیدا کر کے ایک بہت بڑے بادشاہ کی حیثیت سے اپنی مملکت میں بہتر سے بہتر تدبیر فرمائی۔

حکایت: مروی ہے کہ صاحب بن عباد (ادیب) کو ”الرقیم“ ”تبارک“۔ المتاع کے معانی میں تردد تھا۔ بہت بڑے قبائل عرب کے بڑے ادیبوں سے ملے لیکن تسلی و تشفی نہ ہوئی۔ ایک دن ایک بدوی عورت سے اچانک سنا کہ وہ اپنے چھوٹے بچے سے پوچھ رہی تھی کہ ”این المتاع“ چھوٹے بچے نے

جواب میں کہا جاءَ الرقیم و احدث المتاع و تبارک الجبال ۔ یعنی کتا آیا اور وہ متاع لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا ہے۔ اس حدیث کا مفہوم ان کے اس حدود شعبہ سمجھا چاہا تو اس عورت نے کہا الرقیم بمعنی الکلب یعنی کتا اور المتاع بمعنی دبیل یا کلار وہ شئے جو القصاع یعنی تھے جو پانی سے ترکہ پیالہ کو صاف کیا جائے اور تبارک بمعنی تعلّٰی یعنی بلندی پر چڑھا۔

حدیث شریف جو شخص کسی عمل صالح کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کرتا بلکہ اپنے نفس کا بہت پھر اپنی تعریف کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اس کا وہ عمل ضائع ہوتا ہے اسی طرح جس کا یہ خیال ہو کہ وہ اپنے ذاتی امر کے لئے کسی شئے کو سبب بنایا تو سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کے احکام سے کفر کیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

ولِلّٰہ بکل الامر فی خلقہ صنعا
و لیس الی المخلوق شئ من الامر

ترجمہ: یعنی مخلوق کے جمیع امور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اور ذاتی طور مخلوق کے کسی فرد کو کوئی اختیار نہیں۔

ادعوا ربکم اپنے رب کریم کو پکارو یہاں پر رب بمعنی عربی از تربیت ہے یعنی کسی شئے کو بتدریج کمال پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ ظواہر یعنی نفوس کی نعمت سے اور بواطن یعنی قلوب کی رحمت سے تربیت کرتا ہے عابدین کے نفوس کی احکام شریعت سے اور مشتاقین کے قلوب کو آداب طریقت سے اور اسرار المحبین کو انوار حقیقت سے تربیت کرتا ہے۔

اسم اعظم کی تحقیق رب تعالیٰ کا نام ہے اور اسم اعظم لفظ رب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے جس اسم کو الٹا کروگے تو معنی باطل ہو جاتا ہے بخلاف لفظ رب کے کہ اسے الٹاؤ تو معنی باطل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ رب کا عکس بَر ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

حدیث خضری خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسم اعظم لفظ رب ہے اس لئے کہ ہر نبی و ولی بلکہ اعدائے اسلام بھی اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے ہیں تو لفظ رب سے ابتداء کر کے چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ربنا ظلمنا انفسنا الآیۃ اسی طرح باقی آیات اور صحابہ کرام کو دعا مانگنے کا طریقہ بتایا گیا۔ ربنا ما خلقت ھذا الآیہ اور اعدائے اسلام کے کلمات بھی یونہی ہیں۔ شیطان نے کہا ربّ انظرنی الایۃ اور قیامت میں کفار کہیں گے۔ ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا۔

تضرعًا و خفیۃ بمعنی زاری کرنا (کذا فی تاج المصادر) اس کا مادہ ضرع یضرع ضراعۃ

اِبا ب۔ فتح ہے یعنی خشوع و ذلّ اور یہ دونوں اُدعُوا کے فاعل سے حال ہیں۔ یعنی متضرعین متذللین و مخفیں بالدعا۔ یعنی اپنے رب کریم کو پکارو درانحالیکہ عجز انکسار کرنے والے اور دعا کو چھپانے والے ہو تاکہ اقرب الی الاجابتہ ہو۔ اس لئے اخفاء اخلاص اور احتراز عن الریاء کی دلیل ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی جنگ کے موقع پر ایک وادی کو جھانک کر بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہنے لگے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر فرمایا آہستہ آہستہ تکبیر و تہلیل کہو۔ اس لئے کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ تو بہرا ہے اور نہ تم سے دور ہے بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ اور وہ تمہاری ہر بات سنتا اور جانتا ہے اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ بنا بریں یہی عقیدہ ہو کہ ہر وقت ہر ایک کے ساتھ ہے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کا آہستہ ذکر کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: شرح کشاف میں ہے کہ یہ ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ بعض کے لئے تو ذکر بالجہر مستحب ہوتا ہے۔ جیسے مبتدی سالک کو مرشد کامل ذکر بالجہر کا حکم دیتا ہے تاکہ اس کے دل پر جتنا شیطانی حرکات ہیں دور ہو جائیں۔ (کذافی شرح مشارق الانوار الابن الملک)

- **فائدہ:** حسین کاشفی رسالہ عالیہ میں لکھتے ہیں کہ بعض اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ جنہیں نفس کی شرارتوں کا علم ہوا تو ذکر بالجہر کرنا مناسب سمجھ کر ذکر خفی کو ترجیح دی تاکہ ریاء سے بچ جائیں اور اپنی دلیل واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخفیہ کو سمجھا اور ان میں بعض اللہ والے ایسے بھی ہیں جن کے دل اخلاص سے پُر ہیں اور ریاء سے کوسوں دُور بنا بریں انہوں نے ذکر بالجہر پہ زور دیا یہ ہر دو گروہ پاکباز ہیں ہم کو ہر ایک سے خوش عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ان کے ہاں قرآن و حدیث کے دلائل موجود ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

گفت ادعوا اللہ بی زاری مباش
تا بیاید فیضہائے دوست فاش

تا ستاهم ربهم آید خطاب
تشنہ باش واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ (۱) فرمایا ادعوا اللہ (اللہ کو پکارو) زاری کے بغیر نہ ہو تاکہ دوست کے فیوض کھول کر آئیں۔
(۲) تاکہ سقاهم کا خطاب آئے۔ پیاسہ ہو (پھر خطاب آئے گا) واللہ اعلم بالصواب۔

دُعا کے آداب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضورِ تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو اختتام پر اپنے چہرۂ مبارک پر دونوں ہاتھ پھیرتے تھے تاکہ وہ رحمت الٰہی جو دعا کے وقت ہاتھ پر نازل ہوئی اس کی برکات چہرہ کو بھی نصیب ہوں۔ کما قال سِیمَاھُمْ فِی وُجُوھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ علاوہ ازیں ہاتھوں کو چہرے پر لگانے میں حقیقت حقیقۂ جامع کی طرف رجوع ہے اس لئے کہ چہرہ ہی ذات ہے چنانچہ اسرارِ محمدیہ میں لکھا ہے کہ انسان دعا کے وقت ظاہراً و باطناً ہر طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دعا میں حضورِ قلب کی شرط میں بھی یہی راز ہے۔

نکتہ: نیز ہاتھوں کو اٹھا کر چہرے پر لگانے میں ایک نکتہ اور بھی ہے وہ یہ کہ بندے کا ایک ہاتھ ظاہر اس کے حال ظاہری کا ترجمان ہے اور دوسرا اس کے باطنی حال کا اور زبان ہر دونوں کی مترجم ہے۔

نکتہ: ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا تبرک کی دلیل ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ اس طرح سے بندہ حقیقتِ جامعہ بین الروح والجسد کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے کہ ہر شے کا چہرہ اس کی حقیقت کہلاتی ہے اور یہی ظاہری چہرہ اس حقیقت کا مظہر ہے۔

مسئلہ: دعا مانگنے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کو آسمان کی طرف خوب پھیلائے

مسئلہ: دعا کے وقت ہاتھوں کو گریبان سے باہر پورے طور کھلا رکھنا سنت ہے۔

حکایت: سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ (سلطان العارفین) نے فرمایا کہ ایک روز میں نے دعا مانگی تو ایک ہاتھ تو کھلا رکھا لیکن دوسرا سردی کی وجہ سے گریبان سے باہر نہ نکال سکا اسی رات نیند میں دیکھا کہ میرا ایک ہاتھ نور سے بھرپور لیکن دوسرا بالکل خالی۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین اس میں کیا راز ہے جواب ملا کہ جسے تم نے ہمارے سامنے خالی پھیلایا اسے ہم نے نور سے بھر دیا اور جسے تم نے چھپائے رکھا وہ خالی رہ گیا۔

نکتہ: ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھتے رہنا ایسے ہے جیسے ایک سائل شاہی خزانہ کو دیکھ کر اشارہ کرتا ہو کہ اے بادشاہ اپنے خزانہ سے میرے ان خالی ہاتھوں میں کچھ ڈال دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔

مسئلہ: آسمان دعا کا قبلہ ہے اور نزولِ برکات کا مرکز۔

مسئلہ: افضل یہی ہے کہ دعا مانگتے وقت ہاتھ کھلے رکھ کر دونوں ہاتھوں کے درمیان میں تھوڑا فاصلہ چھوڑنا چاہیے۔ ہاں اگر مجبوری ہو یا سخت سردی ہو تو شہادت کی انگلی سے اشارہ ضرور کرے تاکہ وہ اشارہ دونوں ہاتھ کھلے رکھنے کے قائم مقام ہو جائے۔

مسئلہ:۔ مستحب ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ دونوں سینوں کے بالمقابل ہوں اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا طریقہ یوں ہی نقل فرمایا ہے۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دعا اور دیگر مامور بہا امور میں تجاوز کرتے ہیں۔ اس میں تنبیہہ ہے کہ دعا میں ایسے موضات پیش نہ کرے جو مانگنے کے لائق نہیں مثلاً انبیاء کا مرتبہ مانگنا یا آسمان پر چڑھنا بعض کہتے ہیں اس سے دعا میں پہنچا چلانا مراد ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں عنقریب ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو دعا مانگنے میں تجاوز کریں گے دعا میں اتنا الفاظ کافی ہیں

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْھَا سے قول و عمل اے اللہ میں تجھ سے بہشت اور قول و عمل کا سوال کرتا ہوں جو اس کے قریب کردے اور میں جہنم اور اس قول و عمل سے پناہ مانگتا ہوں جو اس کے قریب کرے یہ فرما کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر:۔ انہ لایحب المعتدین ٭ دعا میں اہتمام بالشان امور کا سوال کرنا چاہیے مثلاً بہشت کا داخلہ اور جہنم سے نجات کا سوال کرنا جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا جب کہ اس نے کہا:

میں اللہ تعالیٰ سے بہشت کا سوال کرتا ہوں اور اس کے فضل و کرم سے جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ آپ کے دندنہ کو جانتا ہوں اور نہ معاذ کے دندنہ کو۔ آپ نے ایسے فرمایا:۔ حولہا ندندن " اس کلام سے اعرابی کا مقصد یہ تھا کہ میں لمبی چوڑی دعائیں نہیں جانتا میں تو صرف اتنا کہتا رہتا ہوں" اللھم انی اسألک الجنۃ الخ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارا مقصد بھی وہی ہے جو تو کہہ رہا ہے لیکن لمبے چوڑے الفاظ سے ہم اجر عظیم کی امید رکھتے ہیں ۵٦ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ اور کفر و گناہ کا ارتکاب کرتے زمین پر فساد مت پھیلاؤ۔ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے اور اجرائے احکام سے زمین کی اصلاح کے بعد

فائدہ:۔ .... نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر بے فرمانیاں مت کرو تاکہ تمہارے گناہوں کی نحوست سے بارش بند نہ ہو جائے جس سے سرسبز کھیتیاں تباہ و برباد ہو جائیں۔

وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا خوف اور طمع ہر دونوں مصدر حال واقع ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ

کو پکارو ور انحالیکہ تمہارے دل میں یہ خوف ہو کہ کہیں ہماری کوتاہیوں سے ہمارے اعمال رد نہ کئے جائیں اور تمہیں یہ طمع ہو کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعائیں قبول فرمائے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔

سوال: قریب رحمت کی صفت ہے اور ان میں مطابقت ضروری ہے لیکن یہاں مطابقت نہیں۔

جواب: رحمت بمعنی ترحم ہے اس لئے کہ یہ بمعنی رحمۃ آلیہ ہے کما قال تعالیٰ واقرب رحما۔

فائدہ: امام کسائی نے کہا کہ ان رحمۃ اللہ الخ "وما یدریک لعل الساعۃ تکون قریبا" کی طرح ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کی امید رکھنی چاہیے۔

خلاصۃ التفسیر: اللہ تعالیٰ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے جن کی زبان ذکر سے ذاکر رہ کر اور جن کا دل حاضر و ناظر رہا اور رحمت حق کے طلب سے بھرپور اور اپنے لئے رحمت ایزدی کے حصول کے لئے پُر امید ہو۔ یہی دعا کی قبولیت کا بہترین وسیلہ ہے۔ اور احسان (بِاَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ) کا راز بھی اس میں مضمر ہے۔

حدیث شریف: اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت یقین ہو کہ میری یہ دعا ضرور قبول ہوجائیگی اور وہ کریم میری دعا ضرور مستجاب فرمائے گا اس لئے کہ دعا کا رد کرنا یا تو عاجز سے ہوتا ہے یا جس سے سوال ہوتا ہے وہ مروت اور کرم سے یکسر خالی ہو یا یہ کہ سرے سے اسے مانگنے والے کا علم ہی نہ ہو اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوسکتے اس لئے کہ وہ علیم کریم اور قادر قدیر ہے اسے دعا قبول کرنے سے کوئی مانع بھی نہیں ہوسکتا۔

اعجوبہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بندہ اپنے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے کو میرے کام کے بوجھ اٹھانے کی طاقت ہوتی تو میں اس کے معروضات پر فوراً لبیک کہتا۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص سے گزرے جو بہت بڑے عجز و انکسار سے دعا مانگ رہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے دل میں کہا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس کی آرزو پوری کرتا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ سے زیادہ رحیم تر ہوں لیکن اس کی حالت تو دیکھیے کہ وہ مجھ سے مانگ رہا ہے اور دل بکریوں سے لگائے ہوئے ہے پھر میں اس بندے کی دعا کیسے قبول کروں کہ سوال تو میرے سامنے کرے لیکن دل میرے غیر سے وابستہ رکھے۔ یہی بات موسیٰ علیہ السلام نے اس بندے

کو سنائی۔ پھر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طور متوجہ ہوا۔ جس سے اس کی آرزو پوری ہوگئی۔

سبق :۔ دُعا میں حضورِ قلب اور اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ضروری ہے تاکہ دُعا جلد قبول ہو۔

حکایت : ایک بے وقوف حج کے وقت الوداعی طواف کر رہا تھا کسی نے اس سے مزاحاً پوچھا کہ تم نے حج پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جہنم سے اپنی برأت کا پرچہ لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر بے وقوف نے مزاح کرنے والے سے پوچھا کیا دوسروں کو برأت کا پرچہ ملا ہے اس نے کہا سب کو مل گیا ہے صرف تجھے ہی نہیں ملا۔ وہ بیوقوف یہ سن کر رونے لگا اور حجرِ اسود کی طرف جا کر کعبہ معظمہ کے پردوں سے چمٹ کر زار و قطار روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی برأت کا پرچہ مانگتا تھا۔ اسے تمام دوستوں نے سمجھایا کہ تم سے مذاق کیا گیا ہے اتنی پریشانی کیوں لیکن وہ کسی کی نہیں مانتا تھا اور بدستور اسی طرح کعبہ معظمہ کے غلاف کو پکڑ کر روتا رہا کہ اچانک کعبہ معظمہ کے میزاب کی طرف سے اس پر ایک پرچہ گرا۔ جس پر لکھا ہوا تھا کہ ہم نے تجھے جہنم سے آزاد کیا۔ وہ دیکھ بہت خوش ہو کر لوگوں کو دکھاتا پھرتا تھا۔ اس پرچہ کی عجیب شان تھی کہ وہ ہر طرف سے برابر طور پڑھا جاتا تھا۔ جدھر دیکھا جاتا ایک ہی عبارت ہوتی جس کی عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں تھا۔ اگر اسے دیکھا جاتا تو بھی مطلب کے مطابق ہوتا۔ اس سے لوگوں کو یقین ہوا کہ واقعی یہ پرچہ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصیب ہوا ہے۔

فائدہ : منقول ہے کہ عوام کی دُعا اقوال سے اور زہاد کی افعال سے اور عارفین کی احوال سے ہوتی ہے جس کے لئے اجابت کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے ایسے الفاظ کی توفیق بخشتا ہے کہ جس کے بولنے سے اُس کی دُعا فوراً قبول ہو جائے۔

مسئلہ : دکھ اور درد کے وقت دعا نہ مانگنا مذموم ہے یہ اہلِ طریقت کا مذہب ہے اس لئے کہ اس وقت دُعا نہ مانگنا گویا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنا ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ اسے مشقت اور تکالیف کی برداشت کی طاقت ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ شیخ محقق ابن الفارض قدس سرہ نے فرمایا ؎

ویحسن اظہار التجلد للعدیٰ
ویقبح غیر العجز عند الاحبہ

ترجمہ :۔ دشمنوں کو ہمت مردانہ کا اظہار ضروری ہے لیکن دوستوں کو عجز و انکساری ظاہر کرنا لازم ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے تو ام نیست ہیچ دستاویز

ترجمہ: فقیر و خستہ تیری درگاہ میں آیا ہوں اور رحم کی درخواست ہے میرے پاس دعا کے سوا کوئی دستاویز نہیں۔
شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی مناجات میں ہے کہ اے الٰہ العالمین اگر تیرے وفادار تجھ سے رحمت کے امیدوار ہیں تو ہم جیسے جفا کار بھی تیری رحمت کی امید سے پیچھے نہیں انہیں بھی تیری پناہ کی بیحد ضرورت ہے

تفسیر صوفیانہ تضرعاً ہر وقت عجز و انکساری جس سے مخلوق کو خبر ہو اور خفیہ ہر دہ آہ و زاری جسے صرف اللہ تعالیٰ جانے یا یوں کہو کہ تضرع کا اعضاء سے تعلق ہے اور خفیہ قلب سے متعلق ہے اور دُعا میں تجاوز عند الصوفیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غیر کی طلب کی جائے اور ما سوا کی رضا طلب مقصود ہو

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ میں صوفیاء کہتے ہیں کہ الارض سے ارض القلوب مراد ہے بعد اصلاحہا کی ضمیر کا مرجع ارض القلوب ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے اور قلوب کے درمیان وسائط اٹھا لے تو پھر تم اس میں فساد مت ڈالو یا یوں کہ قلوب سے غیر حق کو نہ دیکھو اور قلوب کی اصلاح یہی ہے کہ وہ صرف حق کو دیکھیں اور بس۔ بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ "بعد اصلاحہا" کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قلوب کو غیر سے پاک فرما دے تو پھر ان مختلف آرزوؤں اور تمناؤں میں نہ پھنساؤ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب متابعت نفس سے بچا لیا اور پھر تم انہیں اتباع نفس میں ڈال کر کیوں خراب کرتے ہو۔

مسئلہ: حظوظ نفس کی طرف رجوع کرنا بھی فساد قلوب میں سے ہے یعنی جب کہ قلوب حقوق الٰہیہ کے قیام میں سرگرم ہوں تو پھر انہیں حظوظ نفس کی طرف جھکنے نہ دو " وادعوہ خوفاً " یعنی انقطاع عن الحق کے خوف سے بچنے کی دعا مانگو۔ وَطَمَعاً اور رحمت الٰہی کے حصول کے طمع میں رہو یہاں پر رحمت سے مراد اپنی آرزوں و تمناؤں کو مٹانا ہے " قریب من المحسنین " محسنین سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو طہارت کے وقت تجلیات حق کا مشاہدہ کرتا ہے یعنی اس طرح پر طاعات کرتے ہیں کہ انہیں طاعات میں ذات حق کے جلوے نصیب ہوتے ہیں۔ اس ارادہ پر نہیں کہ وہ یہ سمجھیں کہ طاعت کریں گے تو جلوہ ہائے حق نصیب ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ تو سودا بازی ہے اور طاعات میں سودا بازی کیسی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو چھوڑتا ہے

قاعدہ ۱۲: قرآن پاک میں لفظ الریاح ہر جگہ رحمت کے لئے مستعمل ہوا ہے اور الریح عذاب کے لئے اس قاعدہ کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ جب ہوا چلتی ہو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹنوں کے بل پڑے اور سر مبارک کو سجدے میں رکھا ہوا دیکھا جاتا اور آپ کو پڑھتے سنا جاتا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا رِیَاحاً وَلَا تَجْعَلْھَا رِیْحاً اے اللہ تعالیٰ آنے والی ہوا کو ہمارے لئے ریاح اور رحمت بنا اور اسے ہمارے لئے ریح (عذاب) نہ بنا۔ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ۔ اور ہمیں اپنے غضب میں مبتلا کرکے نہ مارنا اور نہ ہی اپنے عذاب سے تباہ و برباد کرنا بلکہ غضب و عذاب سے پہلے ہی ہمیں عافیت سے ہمکنار فرمانا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الریح" (ہوا) کو گالی مت دو۔ بلکہ جب ہوا کا ہیبتناک منظر دیکھو تو یوں عرض کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَخَیْرِ مَا فِیْھَا وَخَیْرِ مَا اُمِرَتْ بِہٖ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُمِرَتْ بِہٖ

اے اللہ تعالیٰ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہمارا اس کی اس بھلائی کا سوال ہے جو تو نے اس کے اندر امانت رکھی ہے اور اس کا تو نے اسے حکم فرمایا ہے اور ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس ہوا کے شر سے اور اس کے اس شر سے جو تو نے اس کے اندر رکھا ہے اور جس کا تو نے اسے حکم فرمایا ہے

مسئلہ: دریا میں کشتی پر سوار ہو کر ہوا کے رُخ صحیح یا غلط پر بھروسہ مت کرنا کہ یوں سمجھنے لگو کہ آج ہوا موافق ہے۔ فلہذا کشتی صحیح سالم نکل کر کنارے لگے گی یا آج ہوا کا رُخ غلط ہے فلہذا اس کے غرق ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کہ (عند المحققین یہ توحید کے منافی ہے یعنی توحید فی الافعال میں شرک اسی کو کہتے ہیں۔ ایسا عقیدہ حقائق الامور سے جہالت کی دلیل بنتا ہے جسے حقیقت منکشف ہو جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ ہوا خود تو نہیں چلتی بلکہ اس کے چلانے والا کوئی اور ہے اور اسے کسی دوسرے کا حکم ہے اور وہ دوسرا کسی اور کا محتاج ہے یہانتک کہ آمر حقیقی یعنی ذات باری تعالیٰ تک معاملہ پہنچے گا اور ظاہر ہے کہ اس کا حکم نہ ہوتا تو نہ فرشتے ہوا کو چلاتے اور نہ وہ چلتی اور وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ایسے عقیدہ سے وہ منزہ اور پاک ہے بلکہ یوں کہو اس طرح کی تشبیہات سے بھی وہ مقدس ہے کہ اس میں کسی کی محتاجی کا شائبہ ہو۔ اس طرح سے واضح ہو گیا کہ ہوا از خود نہیں چلتی بلکہ کسی کے حکم سے چلتی ہے فلہذا اسے گالی دینے کا کیا معنی؟

بُشْرًا اور اس کے پہلو دونوں حرفوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھنا ہے یہ بشیر کی جمع ہے جیسے رغیف کی رغف جمع آتی ہے یعنی وہ ہوائیں خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ اس کی

رحمت سے پہلے یہاں پر رحمت سے بارش مراد ہے اس لئے صبا بادلوں کو پھیلاتی ہے اور باد شمال انہیں جمع کرتی ہے اور جنوبی ہوا بارش برساتی ہے اور غربی باد بادلوں کو منتشر کرتی ہے۔

فائدہ: بادِ صبا وہ ہوا ہے جو طلوع شمس کے مقام سے آدھی رات اور عین دو پہر کے وقت چلتی ہے اور دبور اس کی بالمقابل ہوا کو کہتے ہیں۔ جنوب وہ ہوا جو غروب شمس کے مقام سے چلتی ہے اور باد شمالی جو قطب ستارہ کی جانب سے چلتی ہے اور بادِ جنوب اس کی بالمقابل کو جاتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف باد جنوب کے لئے "تدر السحاب" کا لفظ واقع ہے اس کا معنی ہے۔ دودھ دوہنا چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہوا اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو ایسے ہانکتی ہے جیسے کوئی تم میں سے اونٹنیوں اور بکریوں کو ہانک کرلے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا دودھ دوہ لیا جاتا ہے۔

فائدہ لغویہ: آیت میں رحمت سے بارش کا معنیٰ اس لغت سے لیا گیا ہے جو اہلِ عرب کا ایک مقولہ مشہور ہے کہ "انی افر من الرحمۃ" ای من المطر" میں رحمت یعنی بارش سے بھاگتا ہوں۔

حتی اذا اقلت یہ حتیٰ یرسل کی غایت ہے سحاباً یعنی یہاں تک کہ وہ ہوائیں بادلوں کو نرمی اور سہولت سے اٹھا کرلے جاتی ہیں یعنی وہ ہوائیں بادلوں کو نہایت خفیف اور قلیل محسوس کرتی ہیں یہ اقللت کذا ای حملتہ بسہولہ وحمل الشی لسہولۃ کے قبیل سے ہے اور واقعی یہ معاملہ ایسے ہی ہے کہ وہ بادل باوجودیکہ پانی سے پُر ہونے کی وجہ سے بوجھل ہوتے ہیں لیکن ہوا اٹھا کر نہایت ہی ہلکی شے کی طرح اُڑاتی ہوئی لے جاتی ہے اس تقریر سے واضح ہوا کہ یہ اقلت کا مادہ قلت ہے نہ کوئی اور فعل ثقالاً ثقیل کی جمع ہے یعنی وہ بادل پانی کی وجہ سے نہایت ہی وزنی ہوتے ہیں۔

سوال: سحاب واحد ہے اور ثقالاً جمع اور یہ ہے بھی "سحاب" کی صفت اور نحو کا قاعدہ ہے کہ موصوف اور صفت میں مطابقت ضروری ہے۔

جواب: سحاب اسم جنس ہے اور اسم جنس کا قاعدہ ہے کہ وہ جیسے واحد کے لئے مستعمل ہو وہ بالحق الواحد پر بھی مستعمل ہوتا ہے بنا بریں یہاں پر سحاب بمعنی سحائب ہے اور سحاب وہ بادل جو آسمان میں چلتا ہوا نظر آتا ہے۔

سُقْنٰہُ - سوق سے مشتق ہے اور ضمیر کا مرجع سحاب ہے اور وہ لفظاً اور معناً واحد ہے۔ اگرچہ باعتبار جنسیت کے اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے۔ کما تو یعنی ہم برسنے والے بادلوں کو چلاتے ہیں

لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ - ویران شہروں کی آبادی کے لئے یعنی ہر وہ جگہ جو سبزی اور خنکی سے محروم ہے

فائدہ : زمین کی ہر جگہ کو البلد کہا جاتا ہے خواہ وہ جگہ آباد ہو یا ویران ۔ اس پر لوگوں کا بسیرا ہو یا نہ ہو اس کے ایک حصّہ کو بلدۃ اور اس کی جمع کو بلاد کہا جاتا ہے ۔

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ پس ہم اس جگہ پر پانی برساتے ہیں ۔ یہ باء الصاق کی ہے یعنی پانی کے انزال کا الصاق البلد سے ہوتا ہے ۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ پس ہم اس پانی کے ذریعہ سے نکالتے ہیں مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ہر قسم کے ثمرات ۔ یہاں پر کُل عرفی استغراق کے لئے ہے یعنی[1] ہر وہ اشیاء جو پانی سے پیدا ہوتی ہیں ۔ استغراق مطلق اس لئے نہیں کہ بہت سے ثمرات ایسے ہیں جو پانی کے ذریعے پیدا نہیں ہوتیں ۔

" كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى " کذلک کا اشارہ " اخراج ثمرات یا احیاء البلد المیت " کی طرف ہے یعنی جیسے ہم پانی میں قوت نباتیہ اور اس میں خنکی کی طاقت پیدا کر کے ہر طرح کی انگوریاں اور پھل ظاہر کرتے ہیں ایسے ہی قیامت میں ابدان کے بکھرے ہوئے اجزاء جمع کر کے قویٰ و حواس میں روح لوٹانے کے بعد تمام مردگان کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے ۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ یہ دراصل تَتَذَكَّرُوْنَ تھا ایک تاء گر گئی ہے یعنی مذکورہ مضمون اس لئے سنایا گیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور یقین کرو کہ جو ذات ویران شہروں کے آباد کرنے اور انگوریاں اور پھلوں کو عدم سے وجود بخشنے پر قدرت رکھتی ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قیامت میں جمیع اموات کو قبروں میں زندہ کر کے اٹھائے ۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں ۔

مرنے کے بعد اُٹھنے کی تفصیل

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نفخ اولیٰ سے جب تمام لوگ مر جائیں گے تو چالیس روز تک مادہ منی کی طرح ان پر بارش ہوتی رہے گی اس سے وہ اپنی قبروں میں سے انگوریوں کی طرح بڑھتے رہیں گے جیسے مادہ منی کے بعد ماؤں کے شکموں میں بڑھتے تھے یا جیسے پانی سے انگوریاں نشوونما پاتی ہیں جب ان کے اجسام دنیوی ابدان کی کیفیت حاصل کر لیں گے تو پھر ان میں ارواح پھونکے جائیں گے لیکن جونہی ارواح ان کے اجساد میں داخل ہوں گے تو فوراً ان پر نیند طاری کر دی جائے گی وہ اپنی قبور میں ہی سوتے رہیں گے یہاں تک کہ دوسرا پھونکا جائے گا یہی مرنے کے بعد اٹھانے کا نفخ ہو گا جس سے تمام مُردگان اپنی اپنی قبور سے یک لخت نکلیں گے لیکن ان کے سروں میں نیند کا خمار محسوس ہو گا جیسے ہم نیند سے

---

[1] فقیر اویسی غفرلہ کا اضافہ ہے اس میں قانون کے تحت موسیٰ علیہ السلام اور بلقیس کے واقعہ میں بھی کل کل عرفی استغراق کے لئے ہے مد و تفصیل فی التفسیر الاویسی ۱۲ "

اٹھتے ہی نیند کا نشہ محسوس کرتے ہیں اس وقت کہیں گے "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ھٰذَا"، ہمیں ہمارے بستر ولحد سے کس نے اٹھایا ہے تو اللہ تعالیٰ کا منادی جواب دے گا "ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ"، یہ وہی وقت ہے جس کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا اور رسل کرام علیہم السلام کے ذریعے سے تمہیں پیغام پہنچا اور جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا وہ سچ تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ریاح سے ریاح عنایت مراد ہے اور سحاب سے سحاب ہدایت اور بلاد سے بلاد محبت۔ اسی بلاد کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ مشاہدات و مکاشفات اور عجیب غریب کمالات ظاہر فرماتا ہے۔ "کَذٰلِکَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی" میں الموتیٰ سے مردہ دل اور قبور سے ان کے صدور مراد ہے۔ "لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ" یعنی تاکہ تم اپنی اپنی زندگی میں ان حیاض انس و ریاض قرب کو یاد کرو جو تمہیں حظائر قدس کے ہاں نصیب تھے۔

ف : انسان کا مقصود اعظم عنایت ازلی ہے جو بندے کو ہر خلاء وملا یعنی ہر تنہا اور کھلے میدان میں نصیب ہو سکتی ہے۔

حکایت : ایک ولی اللہ سے کہا گیا کہ دار مشرکین میں تشریف لے جائیے۔ وہاں ایک صدیق رہتے ہیں ان سے ملاقات کیجئے۔ اس ولی اللہ کو پوشیدہ ہو جانے پر قدرت حاصل تھی۔ وہ جونہی دار مشرکین میں پہنچے تو انہیں ایک مشرک نے قید کر کے گرجا کے خادم کے پاس بیچ دیا۔ اس ولی اللہ نے عرصہ تک صدق و صفائی سے اس کی خدمت کی۔ ایک دن اتفاقاً بادشاہ گرجا میں تشریف لایا۔ اس نے تنہائی میں عبادت کرنے کیلئے گرجا کو صرف اپنے لئے خالی کرالیا۔ وہ بادشاہ گرجا کے اندر گیا اور نماز شروع کی تو ولی اللہ اپنی پوشیدہ ہونے والی قوت سے گرجا کے اندر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے دیکھ کر اس سے پوچھا تم کون ہو ولی اللہ نے کہا میں آپ جیسا ایک مسلمان ہوں ولی اللہ کو بادشاہ کے گرجا میں داخل ہونے سے پہلے معلوم ہو گیا کہ اسی کے ذریعہ صدیق ملے گا۔ جس کی خاطر وہ دار مشرکین میں آئے تھے۔ ولی اللہ نے بادشاہ سے پوچھا صدیق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے بادشاہ نے کہا وہ بہت بڑا اچھا انسان ہے نہایت بہتر زندگی بسر کر رہا ہے حلال رزق کھاتا ہے ریاء سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی مخلص ہو کر عبادت کرتا ہے کفار کا سخت دشمن ہے اور مسلمانوں کا معین و مددگار ہے۔ ولی اللہ نے کہا اگر آپ ان کے بادشاہ ہیں تو مجھے ان کی قید سے بچائیے۔ بادشاہ جب گرجا سے باہر نکلا تو میرے سے پوچھا اس گرجا کے پادری اور اس قوم کے بڑے متقداء اور گرجا کے خدام کہاں رہتے ہیں ولی اللہ نے ان سب کو نشاندہی کی تو بادشاہ نے ان سب کے سر قلم کردیئے اور انہیں کہا خود تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کنی کتراتے ہو۔ لیکن دوسری ملت کے لوگوں سے

اپنی خدمت کراتے ہو۔ ان سب کو قتل کرنے کے بعد ولی اللہ کو فرمایا۔ اب جائیے آپ ان کی قید سے آزاد ہیں۔

سبق اس حکایت سے ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ دشمنانِ اسلام کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو انہیں معمولی سبب سے مروا ڈالتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے الطافِ کریمانہ بے حد و حد ہیں۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ: وہ تلوار جسے آسمان اپنے فیض سے پانی دے وہ تنہا جہان کو برباد کر سکتی ہے اسے کسی سپاہی کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور فرمایا ؎

دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست
کہ میرسد ہمہ را لطف بے نہایت او

ترجمہ: اے دل دوست کے بے نہایت لطف سے ناامید نہ ہو اس لئے کہ اس کا بے نہایت لطف ہر ایک کو پہنچتا ہے۔

سبق اہل بصیرت اور اہل توحید کی نگاہ مؤثر حقیقی اور فیض ازلی پر ہوتی ہے انہیں مخلوق اور وسائط و اسباب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

دعا: اللہ تعالیٰ ہمیں ان حضرات کی معیت نصیب فرمائے جو سعادت ابدیہ اور عنایت سرمدیہ سے نوازے گئے ہیں اور ہمیں حقیقت و طریقت احمدیہ کے راہ پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے وہی رحیم ہے اور وہی نوازشیں فرمانے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۵۸ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ اور وہ زمین جو پاکیزہ ہو۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ اس سے وہ زمین مراد ہے جو نہ پتھریلی ہو اور نہ ریتلی بلکہ ایسی پاکیزہ کہ اس میں کھیتی باڑی کی جا سکے۔ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وہ اپنی انگوری وغیرہ کو اپنے رب تعالیٰ کے اذن و حکم سے نکالے یعنی جیسے اسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ویسے ہی وہ اپنے اندر سے انگوری وغیرہ باہر نکالے یعنی وہ زمین نہایت اچھی اور کثیر النفع ہو وَالَّذِي خَبُثَ اور وہ زمین کہ جس کی مٹی خبیث ہو مثلاً وہ پتھریلی اور

فائدہ: الحرہ ہر وہ زمین جس میں ایسے سیاہ پتھروں کی بہتات ہو کہ گویا ان پتھروں کو جلا کر اس زمین کی مٹی سے ملایا گیا ہے۔

نَکِدًا: نکمّی اور دلدلی یعنی شور والی زمین کو کہا جاتا ہے۔ ان ہر دو قسموں میں کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی۔
لَا یَخْرُجُ۔ ایسی زمین سے انگوری کسی حال میں بھی نہیں نکلتی۔ **اِلَّا نَکِدًا** مگر تھوڑی اور وہ بھی قلیل النفع۔ یہ استثنا مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال محذوف ہے۔

فائدہ: نکدًا بکسر الکاف ہے یعنی قلیل الجزو الممتنع عن افادۃ النفع علی جہۃ البخل والغفلۃ یعنی ہر وہ شے جس میں ایسا فائدہ بہت کم ہو اور اس کے بخل و تنگدستی کی وجہ سے کسی کو نفع پہنچانے سے درجہ امتناع کو پہنچا ہوا ہے اس کا معنی کما البخیل ارباب للبیت اشتہیتہ وضاق" یعنی ہر وہ انسان جس کی زندگی تلخ اور معاشی امور نہایت تنگ ہوں کذالک اسی مذکورہ عجیب و غریب تمثیل کی طرح۔ **نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ** ہم آیات کو بار بار باتکرار بیان کرتے ہیں۔ **لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ**۔ ایسی قوم کے لئے جو شکر گزار ہیں۔

سوال: ایسی تمثیلات تو ہر ایک کے لئے ہیں پھر شاکرین کی تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ ایسی تمثیلات سے استفادہ صرف یہی لوگ کرتے ہیں بنا بریں صرف انہی کا نام لیا گیا جیسے قرآن پاک سب کا ہادی ہے لیکن فرمایا۔ **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ**

فائدہ: یہ آیت وتمثیل رسل کرام کی تشنہ لبوں پر جو حیات قلوب کو نفع بخشتا ہے جس سے ہر عاقل و بالغ اپنی مردہ قلوب کے لئے حیات قلوب کو نفع بخشتا ہے جس سے ہر عاقل و بالغ اپنی مردہ قلوب کے لئے حیات یا در کھ سکتا ہے اس لئے کہ ان کے دلوں کو جو انوار نصیب ہوں گے وہ انہیں انبیاء علیہم السلام کے انوار کی خاطر نصیب ہوگی لیکن جو ازلی بدنصیب ہیں وہ ایسی بے بدل نعمتوں سے محروم رہیں گے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ جب رب العالمین کے کلام کے انوار کی بارش ہوتی ہے تو طاعات و عبادات کی خوگر قلوب جگمگا اٹھتی ہیں جو کہ اثرات مومن کے اعضاء سے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ لیکن بدقسمت کافر جونہی کلام الٰہی کو سنتا ہے تو اس کا دل اس کے انوار و تجلیات کو قبول نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے اس سے کلام الٰہی کے اثرات ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

زمین شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضائع مکن

ترجمہ: زمین شور خوشہ نہیں لائے گی تم اس میں بیج ضائع نہ کرو۔

حافظ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ :۔ گوہر پاک چاہیے تاکہ وہ فیض کے قابل ہو ورنہ ہر پتھر د گل لؤلؤ مرجان نہیں ہوتے۔

حکایت بہلول دانا اور ہارون الرشید بادشاہ

عبداللہ بن مہران فرماتے ہیں کہ ایک سال ہارون الرشید بادشاہ کے لئے بغداد سے مکہ معظمہ کو تشریف لے جا رہے تھے تو چند روز کوفہ میں ٹھہرے۔ جب کوفہ سے روانگی ہوئی اور لوگ کوفہ سے چلنے لگے تو ان میں حضرت بہلول (مجنون) دانا رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے لیکن وہ باہر نکل کر ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ گئے جہاں انہیں چھوٹے بچے ستانے لگے اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں لیکن جب ہارون الرشید کی سواری بہلول دانا کے قریب سے گزری تو آپ نے زور سے بار بار پکارا۔ اے امیرالمومنین! ہارون الرشید نے آپ کی آواز سن کر کجاوہ سے پردے ہٹا کر جواب میں کہا لبیک یا بہلول حضرت بہلول نے پڑھا حدثنا ایمن بن نائل عن قدامہ بن عبداللہ العامری قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمضی علی جمل وتحتہ رحل اث فلم یکن ضرب ولا طرد ولا الیک الیک یعنی مجھے ایمن بن نائل سے یہ روایت پہنچی اور وہ قدامہ بن عبداللہ عامری سے روایت کرتے ہیں حضرت قدامہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا لیکن آپ کے اونٹ کا کجاوہ وغیرہ نہایت بوسیدہ اور پرانا تھا۔ آپ کی سواری کے آگے آنے والے کو نہ مارا جاتا اور نہ ہی اسے راستہ سے ہٹایا جاتا اور نہ ہی اعلان ہوتا کہ راستہ سے ہٹ جاؤ فلہذا تجھے بھی اے ہارون الرشید تواضع ضروری ہے۔ ایسے مقدس سفر کو جا رہے ہو یہاں تکبر کیسا۔ یہ راہ سر کے بل طے کرنے کے لائق ہے۔ ہارون رشید حضرت بہلول کی نصیحت سن کر خوب رویا۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے آنسو زمین پر ٹپک پڑے پھر بہلول سے عرض کی اے بہلول۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کچھ اور فرمایئے۔ حضرت بہلول نے یہ اشعار پڑھے ؎

هَبْ اِنَّكَ قَدْ مَلَكْتَ الارض طُرًّا
وان لَكَ العباد ماذا
اَلَيْسَ غدًا مَصِيْرُكَ جَوْف قبر
ويحثو الترب هٰذا ثم هٰذا

ترجمہ: مانا کہ تم روئے زمین کے مالک بن گئے ہو اور یہ بھی مانا کہ تمہارے بے شمار غلام اور نوکر چاکر ہیں لیکن تابکے کیا تمہارا انجام بکار قبر نہیں کیا تمہارے اوپر مٹی نہیں ڈالی جائیگی۔ میری یہ بات پورے طور سمجھ لے کام آئیگی

یہ اشعار سن کر ہارون الرشید نے گریہ کرکے اَحْسَنْتَ یَا بَہْلُولَ۔ اے بہلول آپ نے ٹھیک فرمایا ہے لیکن ابھی آپ کی نصیحتوں سے جی نہیں بھرا کچھ اور فرمایئے حضرت بہلول نے فرمایا اے امیرالمومنین جس بندے کو اللہ

تعالیٰ مال وجمال عنایت فرمائے تو وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹائے اور جمال میں تقویٰ کا دامن پکڑے اور پاکدامن
زندگی بسر کرے تو اللہ تعالیٰ ابرار کی فہرست میں درج فرمائے گا۔ ہارون الرشید نے کہا اَحسنت یا بہلول۔
اے بہلول آپ نے بجا فرمایا۔ ہارون الرشید نے حضرت بہلول کی نصیحتوں سے متاثر ہو کر خزانچی کو فرمایا کہ بہلول
کو انعام دیجئے۔ حضرت بہلول نے فرمایا۔ قرض ہے کہ کسی کا قرض ادا کرنا داناؤں کا کام نہیں۔ یعنی تمہارے ہاں جو
دولت ہے وہ تمہاری کب ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہے لہٰذا میرے قرضہ ادا کرنے کے بجائے پہلے اپنا
قرض اتاریئے یعنی حقداروں کے حقوق واپس دیجئے۔ بلکہ تیری اپنی ذات بھی کسی کا قرض ہے یہ قرض ابھی تیرے
ذمہ ہے تو دوسروں کے قرض کس طرح اُتار سکتا ہے پھر ہارون الرشید نے کہا کچھ تو ہم آپ کو بطور نذرانہ دیدیں
تاکہ آپ اپنی بقایا زندگی آرام سے بسر کر سکیں۔ حضرت بہلول نے یہ سُن کر سر آسمان کو اُٹھایا اس کے بعد فرمایا اے امیر المومنین
میں اور آپ ہر دو اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں۔ اگر وہ تمہیں کچھ دے گا تو اس کی شان کے لائق نہیں کہ مجھے بھلا دے
ہارون الرشید نے بہلول کا یہ آخری کلمہ سن کر کجاوہ کا پردہ پھر لٹکا دیا اور چل پڑے۔

سبق: اس حکایت سے مقصود یہ ہے کہ اتنا بڑا بادشاہ ہو کر ایک (بظاہر) مجنون کی باتیں کیسے دل لگا کر سنیں۔ بلکہ انہیں تہہ دل سے قبول بھی فرمایا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کا ظاہر تو شاہانہ تھا لیکن درویشانہ اور بیدار مغز انسان تھا یہی وجہ ہے کہ اُن سے اکثر باتیں پاکیزہ ظاہر ہوئیں۔

صوفیانہ تقریر: جس کا نفس مردہ ہو تو اُسے ارضِ خبیثہ کی مانند سمجھو کہ بدبخت سے اخلاقِ ذمیمہ اور بدی افعال سرزد ہوں گے۔ ہاں جس کا قلب اللہ تعالیٰ کے نور سے زندہ ہو تو اس کے نور کا عکس اس کے نفس پر بھی پڑتا ہے اس لئے اس کا نفس اس کے دل کی طرف نورانی ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اوصاف نفسانیہ قلب کے مطابق ہو جاتے ہیں اور نفسانی ظلمات بالکل مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا انسان ذکر الٰہی اور اس کی طاعت سے چین پاتا ہے جیسا کہ زندہ دِل حضرات کا طریقہ ہے اور جس بدبخت کا دل مردہ اور نفس امارہ زندہ ہو تو اس کے نفس کے ظلمات اس کے دل کے نور کو ڈھانپ دیتے ہیں اس وجہ سے اس کے دل کے اوصاف مٹ جاتے ہیں لیکن نفس کے صفات غلبہ پا جاتے ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ ایسا انسان دنیوی امور سے چین پاتا ہے لیکن دینی امور میں اس کا دل نہیں لگتا۔

دُعا: اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے کہ جن کے دِل ذکر الٰہی سے چین پاتے ہیں اور ہر وقت دینی فکر اور شکر میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا طریقہ نصیب فرمائے جو اپنے مُنعم اور اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں (آمین)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ

بیشک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے اس کی قوم کے سردار بولے بیشک ہم تمہیں کھلی

فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ

گمراہی میں دیکھتے ہیں کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب العالمین کا

رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا

رسول ہوں تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا اور تمہارا بھلا چاہتا اور میں اللہ کی طرف سے وہ

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں

لِیُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ

کے ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم ڈرو اور کہیں تم پر رحم ہو تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس

مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ ع

کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور اپنی آیتیں جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا بیشک وہ اندھا گروہ تھا

تفسیر عالمانہ ۵۹ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ یہ قسم محذوف کا جواب ہے وراصل "وَاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا" الخ تھا۔ یعنی بخدا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے ہاں رسول بنا کر بھیجا۔

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ نوح علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس علیہ السلام بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن آدم

علیہ السلام۔ شیث کے بعد ادریس ان کے بعد نوح علیہ السلام نبی ہوئے۔ آپ نجار تھے۔ چالیس سال عمر کے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی مقرر فرمایا۔ آپ نے دنیا میں ایک ہزار دو سو چالیس سال زندگی بسر فرمائی۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ آپ اپنی قوم (جو اکثر قابیل کی اولاد تھی جو بت پرستی میں مبتلا تھے) کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جس وقت قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے اسے اس کی اولاد کو یمن کے علاقہ میں شہر بدر کے طور روانہ کیا۔ یہی پہلے وہ تھے جنہوں نے بت پرستی کا آغاز کیا۔ **فَقَالَ** تو نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ **يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** اے میری قوم اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ کی عبادت کرو۔ اس لئے وہ عبادت جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک بنا کر کی جائے وہ عبادت کسی کام کی نہیں۔ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** تمہارا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں کہ جس کو تم مستحق عبادت سمجھو۔ وَغَيْرُهٗ مِنْ اِلٰهٍ کی صفت ہے مرفوع اس لئے ہے کہ من الٰہ باعتبار اپنے محل کے مبتدا ہے اسی لئے من زائدہ ہے اور لکم خبر مقدم ہے۔ **اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ** اگر تم اس کی عبادت نہیں کرو گے جیسا کہ اس کا حکم ہے تو مجھے تمہارے لئے خطرہ ہے۔ یہ عبادت کے داعی کا بیان ہے۔

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ بڑے دن کے عذاب کا اور اس بڑے دن سے قیامت یا یوم طوفان مراد ہے۔ **قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ** ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور آپ کی قوم کے لیڈروں نے کہا۔ قوم سے مراد وہ سردار ہیں جو کہ جرم و قصور کی محفلوں کے سرگرم رکن تھے اور ان کی وجہ سے گناہوں کی محفلیں رونق پذیر ہوتیں اور وہی ہر خرابی کے سرغنہ تھے۔ **اِنَّا لَنَرٰىكَ** اے نوح علیہ السلام ہم آپ کو دیکھتے ہیں۔ **فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** کھلی گمراہی میں یعنی ہم آپ کو سیدھے راہ سے بھٹکا ہوا سمجھتے ہیں اس لئے کہ آپ ہمارے ہر معاملہ میں مخالفت کرتے ہیں۔

فائدہ: یہاں پر رؤیت قلبی مراد ہے۔۶۱ **قَالَ** یہ جملہ بھی مستانفہ ہے یعنی نوح علیہ السلام نے فرمایا **يٰقَوْمِ** اے میری قوم۔ نوح علیہ السلام نے انہیں حق سے مانوس کرنے کی خاطر اپنی قوم سے فرمایا۔ **لَيْسَ بِيْ** ۔ یہ باء ملابست کی یا ظرفیہ ہے ضلالۃ۔ مجھ میں گمراہی نہیں ہے۔ آپ نے اپنے سے گمراہی کی نفی میں مبالغہ فرمایا کہ مجھ سے گمراہی کے کسی فرد کا گزر تک نہیں ہوا چہ جائیکہ مجھ میں گمراہی ہو۔ جیسے انہوں نے آپ کو ہر طرح کی گمراہی سے ملوث فرمایا۔ **وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ۔ میں رب العالمین کا رسول ہوں مِنْ ابتدار للغایۃ کے لئے بطور مجاز ہے اور رسالۃ کو ہدایت تام لازم ہے اور نہ ہی اس میں گمراہی کے قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہے لکن کہہ کر ملزوم کو بیان فرمایا تاکہ استدراک لازم پر برہان قائم ہو۔ گویا آپ نے قوم سے فرمایا کہ میں تو انتہائی کامل ہدایت پر ہوں اس لئے کہ رب العالمین کا رسول ہوں۔۶۲ **اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ** میں تمہارے ہاں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا

ہوں۔

سوال: رسالت ایک صفت ہے جو ذاتِ رسول سے متعلق ہوتی ہے وہ ایک ایسی نسبت ہوتی ہے (جو مرسل) (بھیجنے والے) اور مُرسل الیہ کے درمیان واسطہ بنتی ہے لیکن یہاں پر صیغہ جمع لایا گیا۔

جواب: ان کے اپنی نبوت کے پیغامات کے علاوہ سابقہ انبیاء علیہم السلام جیسے ادریس و شیث علیہما السلام کی نبوت بھی مراد ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ شیث علیہ السلام پر پچاس اور ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل ہوئے تھے وَاَنْصَحُ لَکُمْ اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ لَکُمْ میں لام زائدہ ہے اس لئے کہ نصح متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے نصحتک۔

نکتہ: اسمیں اشارہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ میری یہ نصیحت خالص تمہارے لئے اور محض تمہارے نفع اور مصلحت کے لئے ہے ورنہ بہت سی نصیحتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن میں خود ناصح کو اپنا فائدہ ملحوظ ہوتا ہے لیکن یہاں پر یہ نہیں ہو سکتا کہ نوح علیہ السلام نے انہیں نصیحت دے کر اپنا کوئی فائدہ مدِ نظر رکھا ہو۔

تبلیغ رسالت و نصیحت میں فرق رسالت کی تبلیغ کا معنی ہے احکام تکلیفیہ شرعیہ الٰہیہ کے انواع کا تعارف کرانا اور نصیحت بمعنی ترغیب فی الطاعۃ اور تحذیر عن المعاصی اور بتانا کہ اس میں فلاں فلاں مصلحتیں اور برکتیں مضمر ہیں۔

فائدہ: حداوی نے فرمایا کہ نصیحت یعنی قول و فعل کا غل و غش دور کرنا۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی میں جانتا ہوں کہ وہ کتنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور مجھے خبر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کی کتنی سخت گرفت فرماتا ہے جب اس کا عذاب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ سابقہ قوموں پر عذاب کے نزول کا انہیں علم نہیں تھا۔ وہ ایسے معاملات سے بےخبر تھے اس لئے نڈر اور بے باک تھے اور نوح علیہ السلام چونکہ وحی سے جانتے تھے اس لئے انہیں فرمایا انی اعلم الخ

۶۳ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَکُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے اور واؤ کا عمل مقدر پر عطف ہے دراصل عبارت استبعدتم و عجبتم تھی یعنی تم بعید سمجھتے ہوئے تعجب میں ہو کہ تمہارے ہاں وحی اور نصیحت تمہارے مالک و مولیٰ سے آئی ہے عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ اور پر ایسے مرد کی زبان سے جو تمہاری جنس سے ہے انہیں اس پر تعجب تھا کہ ایک بشر کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا حالانکہ بشر سے اللہ تعالیٰ کو کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہایت تقدس و تنزہ میں ہے اور بشر سراپا تعلق و تکدر بالدنیا ہے اس پر ان کو نوح علیہ السلام

کا رسول بن کر تشریف لانا اجنبی معلوم ہوا۔ حالانکہ واضح امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عام آدمی کو بلا واسطہ کس طرح فیض پہنچائے کہ عظمت و کبریائی کے حجابات اس سے مانع ہیں کہ وہ عام انسانوں پر فیض پہنچائے یا وہ اس سے فیض پائیں اس لئے انسانوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسا واسطہ بنایا جو ذوجہتین ہو کہ اپنے تجرد اور روحانیت کی جلا سے عالم غیب سے فیض پا کر د انکی ہمجنس ہونے کی وجہ سے اپنے بنی نوع انسانی کو پہنچائے۔ رسول علیہ السلام میں جہت علوی ہوتی ہے کہ جس سے عالم غیب سے فیض پاتے ہیں

اور انمیں ایک جہت سفلی ہوتی ہے کہ جس سے عالم سفلی کو فیض دیتے ہیں لہ

لِیُنۡذِرَکُمۡ یہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے کی علت ہے یعنی نبی علیہ السلام اس لئے تشریف لاتے ہیں تاکہ کفر و معاصی کا انجام بتا کر تمہیں اللہ تعالیٰ کا ڈر سنائیں۔ **وَلِتَتَّقُوۡا** اور تاکہ تم ان کی تبلیغ سن کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جاؤ۔ **وَلَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ** اور تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ یعنی تاکہ تمہارے ڈرجانے پر تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت متعلق ہو۔

فائدہ : لفظ لعل جو امید کے لئے آتا ہے اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ معلوم کریں کہ فعل مذکور مہتم بالشان ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل تقویٰ کا محتاج نہیں اور نہ ہی تقویٰ و طہارت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کی اپنی مہربانی ہے جس پر چاہے رحم فرمائے۔

سبق : متقی کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے تقویٰ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ **فَکَذَّبُوۡہُ** پس انہوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور بہت عرصہ تک اسی ہٹ دھرمی پر رہے اور نوح علیہ السلام کی ایک بات بھی نہ مانی۔

ربط : مروی ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بدبخت کوئی بات بھی نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ سے تباہ و برباد ہونے کی استدعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ایک کشتی تیار کرنے کا حکم فرمایا جب کشتی تیار ہو گئی تو آپ اپنی جماعت مومنین کے ساتھ کشتی میں داخل ہو گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر ان تمام کافروں کو غرق فرما دیا۔ اس طوفان سے نوح علیہ السلام اور اہل ایمان نے نجات پائی « کما قال فانجیناہ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ » پس ہم نے انہیں نجات دی اور ان لوگوں کو بھی جو آپ کے ساتھ تھے۔

فائدہ : صرف چالیس مرد اور چالیس عورتیں نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے جو طوفان سے بچ نکلے۔ باقی تمام کفار ہمیشہ کیلئے غرق ہو کر برباد اور تباہ ہو گئے۔ **فِی الۡفُلۡکِ** یہ فعل محذوف سے متعلق ہے جو « استقروا » ہے یعنی ہم نے

لہ ، اس نکتہ کو نہ وہ سمجھ سکے اور نہ یہ کہ اب بھی بشر بشر کی رٹ لگاتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مثل کہتے پھرتے ہیں۔ یعنی دیوبندی وہابی وغیرہ ۔ مہ دو طرفوں والا ۔ اُویسی ۱۲

ان لوگوں کو نجات بخشی جو کشتی میں بیٹھے تھے وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اور ہم نے انہیں غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یعنی جو ہماری آیات کی تکذیب پر ڈٹے رہے۔

فائدہ : ان غرق ہونے والوں سے صرف وہ لیڈر مراد نہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام سے گفتگو کی بلکہ اس سے تمام تکذیب کرنے والے مراد ہیں وہ لیڈر بھی اور ان کے تابعدار بھی۔

نکتہ : انجاء کو اغراق پر مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے کہ اس کی کریمی کا تقاضا ہے کہ وہ بندوں پر رحم و کرم فرمائے۔ ہاں جب وہ جرم و قصور سے باز نہیں آتے تو پھر غضب الٰہی غضب اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ؕ بے شک وہ اندھی قوم تھی عمین دراصل عمیین تھا۔ اس کا واحد عمیٌ ہے جو دراصل عمی بر وزن خضر تھا۔ قاضٍ کے قانون کی طرح اس پر قاعدہ جاری کیا گیا ہے اہل عرب کہتے ہیں۔ رَجُلٌ عَمِیٌ یہ اس کے لئے کہا جاتا ہے جو بصیرۃ کے لحاظ سے اندھا ہو اور جیسا بصارت کا اندھا ہو اس کے لئے کہتے ہیں " اَعْمیٰ " اب معنی یہ ہوا کہ وہ الوہیت و نبوت کے اسرار و رموز سے بالکل نا آشنا تھے اور نہ ہی انہیں آخرت کے امور سے کچھ خبر تھی۔ جب دل پر ایسی تاریکی اور ظلمت چھا جاتی ہے تو پھر آیات و مشاہدات نظر نہیں آتے۔ حضرت حافظ شیرازی صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولے
غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

ترجمہ : جمال یار کو نقاب و پردہ نہیں تو غبار راہ دور کر پھر اسے دیکھ سکے گا۔

نکتہ : آنکھ کا اندھا اگر استعداد رکھتا ہو تو اس کیلئے نہ صرف ممکن بلکہ حقیقت ہے کہ وہ تجلیات ربانی و آیات حقانی کا مشاہدہ کر لیتا ہے جناب صائب نے فرمایا ؎

چو دل بینا است چہ غم دیدہ اگر نابینا است
خانہ آئینہ را روشنی از روزن نیست

ترجمہ :۔ جب دل بینا ہے اگر آنکھیں نابینا ہیں تو کیا ہوا۔ آئینہ کی روشنی دریچہ سے نہیں

تفسیر صوفیانہ

آیت میں نوح سے روح مراد ہے جو جسم کے قالب کی قوم یعنی قلب کی اصلاح اور اس کی صفات کی تربیت کے لئے بھیجا گیا اور اسے حکم ہے کہ وہ نفس اور اس کے صفات کا تزکیہ کرے لیکن نفس اور اس کے صفات کا تقاضا یہی ہے کہ وہ روح کی تکذیب کرے اور وہ اس کی مخالفت میں سر توڑ کوشش کرتا ہے بلکہ اس کی ہر نصیحت سے وہ روگردانی کرتا ہے لیکن روح کا کام ہے کہ وہ اپنی قوم یعنی قلب کو دنیا اور اس کی زینت کی طرف میلان کرنے سے روکے تاکہ وہ رحمت حق کے حصول سے محروم نہ ہو جائے لیکن نفس اور اس کے صفات

نے روح کی ہر بات کو جھٹلایا اور اسی پر وہ ڈٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے روح کو نفس کی ظلمات اور اس کے تمرد سے نجات بخشی اور ساتھ ہی روح کے ساتھیوں کو بھی یعنی قلب اور اس کے وہ صفات جنہوں نے روح کی دعوت کو قبول کیا اور وہ اس روح کے ساتھ شریعت کی کشتی پر سوار ہوگئے پھر اللہ تعالیٰ نے روح کی تکذیب کرنے والے نفس اور صفات کو بحرِ دنیا اور اس کے شہوات میں ڈبو دیا۔ اس لئے کہ وہ رویت الٰہی اور وصالِ حق کی نعمت سے محروم تھے اور نفسانی وشہوانی امور کا انجام بھی یہی ہے اگر وہ داعیِ حق کی دعوت کو قبول کر کے غلط کاریوں سے باز آجائیں تو وہ بھی نجات پا جائیں۔

حکایت ایک دن حضرت نقاقدس سرہ دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک ایسے لوگوں کی کشتی میں گذر ہوا جن کے ہاں بہترین میوہ جات اور شراب کی بوتلیں اور حسین وجمیل عورتیں اور حسین وبے ریش لڑکے اور راگ ڈھول ڈھمکے اور دنیوی عیش وعشرت کا ہر طرح کا ساز وسامان تھا اور نہایت ہی لہو ولعب اور غلط کاریوں میں مصروف تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے خدا کے بندو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو یہ کیا کرتے جا رہے ہو۔ لیکن انہوں نے حضرت شیخ کی بات کی طرف توجہ تک بھی نہ کی۔ آپ نے دریا کو حکم فرمایا کہ ان کینحتوں کو ڈبو دے۔ جب کشتی غرق ہونے لگی تو شیخ موصوف سے فریادی ہوئے اور سچے دل سے توبہ کی تو کشتی غرق ہونے سے بچ گئی۔ اس کے بعد پکے سچے مسلمان ہوگئے اور تادمِ زیست حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

امروز قدرِ پند عزیزاں شناختم
یا رب رواں ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج نصیحت والوں کی نصیحت کو ہم نے سمجھا۔ اے اللہ ناصح کی روح تجھ سے ہم شاد وآباد ہو۔

سبق عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر چھوٹے اور بڑے کی نصیحت قبول کرے۔ اس لئے کہ نصیحت کرنا آسان ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت است پند بر دیوار

ترجمہ: مرد کو چاہیے کہ وہ نصیحت پر غور کرے اگرچہ وہ نصیحت دیوار پر لکھی ہو۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری دعوت قبول کر کے تیری بہشت میں داخل ہوتے ہیں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ

اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ

تو کیا تمہیں ڈر نہیں اس کی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں بیوقوف سمجھتے ہیں

وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي

اور بیشک ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں کہا اے میری قوم مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار

رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ

عالم کا رسول ہوں تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیرخواہ ہوں

أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ

اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں کے

لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي

ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح کا جانشین کیا اور تمہارے بدن کا پھیلاؤ

الْخَلْقِ بَسْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ

بڑھایا تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو بولے کیا تم ہمارے پاس اس

اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ

لیے آئے ہو کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں تو لاؤ جس کا ہمیں وعدے دے رہے

الصَّادِقِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ

ہو اگر سچے ہو کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا

کیا مجھ سے خالی ان ناموں میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے اللہ نے ان کی کوئی سند

مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ

نہ اتاری تو راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ

مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾

والوں کو اپنی ایک بڑی رحمت فرما کر نجات دی اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان والے نہ تھے

تفسیر عالمانہ ۶۵ وَاِلٰی عَادٍ اور ہم نے عاد کی طرف بھیجا۔

عاد کا نسب نامہ عاد اہل یمن کی ایک قوم کا نام ہے ان کے بادشاہ کا نام عاد تھا اور اس کا نسب نامہ یوں ہے عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اَخَاھُمْ ان کے نسب کے ایک فرد کو اخ سے حقیقی بھائی مراد نہیں یہ اس محاورے سے ہے جو اہل عرب کہتے یا اخا العرب هُوْدًا یہ اخاھم کا عطف بیان ہے۔

ھود علیہ السلام کا نسب نامہ ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ ہود علیہ السلام کو اپنے قبیلے میں اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ وہ لوگ ان کی باتوں کو اچھی طرح سمجھتے اور ان کے صدق اور امانت و دیانت کو خوب جانتے تھے اور یہی بات اقرب الی الاتباع ہوتی ہے۔ قال یہ جملہ مستانفہ ہے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ قوم عاد نہایت ہی موٹے جسم والے اور طویل القامۃ لوگ تھے ان جیسا طاقت و قوت والا روئے زمین پر اور کوئی قبیلہ نہیں تھا اور وہ کثیر التعداد اور کثیر المال تھے عمر بھر بت پرستی کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کے ہاں تشریف لے جا کر انہیں راہ ہدایت دکھائیں۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لائے اور انہیں دعوت حق پیش فرمائی چنانچہ فرمایا۔ یٰقَوْمِ اے میری قوم اعبدوا اللہ۔ اللہ کی عبادت کرو۔ یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ غیرہ الہ کی صفت ہے اس لئے کہ الٰہ محلاً مرفوع مبتدا ہے اس پر من زائدہ ہے اور لَكُمْ اس کی خبر ہے یعنی تمہارے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے دراصل اَفَلَا تتفكرون فَلَا تَتَّقُوْنَ الخ" تھی یعنی کیا تم تفکر نہیں کرتے

اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے ۔

٦٦ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖٓ یہ جملہ مستانفہ ہے جیسے کہ پہلے ہم بیان کرتے ہیں ان کی قوم میں سے ان لیڈروں نے کہا جو کافر تھے ۔

سوال : یہاں پر لیڈروں کو کفر سے صراحۃً موصوف کیوں کیا حالاں کہ اُن کے لیڈر تو کافر تھے ہی ۔

جواب : یہ لیڈر نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح سب کے سب کافر نہیں تھے ۔ بلکہ ان میں بعض حضرات مومن تھے ۔ جیسے مُرثد بن سعد لیکن اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ۔ صرف اس انتظار میں تھے کہ ہود پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے بلکہ وہ عاد کی خرابیوں سے تنگ ہو کر مکہ معظمہ حاضر ہو کر ذیل کے اشعار استغاثہ کے طور پڑھے ۔

عصت عاد رسولهم فاسوا
عطاشا ما تبلهم السماء
لهم صنم يقال له صمود
يقابله صداء والهباء
فبصرنا الرسول سبيل الرشد
فابصرنا الهدى وجلى العماء
وان اله هود هو الهى
على الله التوكل والرجاء

ترجمہ : عاد کی قوم نے اپنے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی تو پیاسے مرگئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان کا پانی بند کر دیا ان کا ایک بُت ہے جسے صمود کہتے ہیں ۔ اس پر صرف زیب وزینت ہے اور بس شکر ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے راہِ ہدایت دکھائی ۔ ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اور کفر کی کالی گھٹائیں چھٹ گئیں جو ہود علیہ السلام کی خدا وہی میرا معبود ہے ۔ اس اللہ تعالیٰ پر میرا توکل اور اس کی رحمت پر مجھے اُمید ہے ۔

ف : الملا ۔ قوم کے سرداروں کو کہا جاتا ہے دراصل الملاء بمعنی الجماعۃ ہے ۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ ہم تمہیں اے ہود علیہ السلام بے وقوفی میں دیکھتے ہیں ۔ وہ بیوقوفی تمہارے میں ایسی راسخ ہے کہ اب اس کا ہٹنا مشکل ہے اس لئے کہ تم اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ بیٹھے ہو ۔

فائدہ : سفاھتہ بمعنی خفۃ الحلم والراء یعنی عقل ورائے کی کمی کو کمزوری کہا جاتا ہے ۔

وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۔ جس کے لئے آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس میں ہم آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں

آیت میں اشارہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرح قوم عاد کے دل کھوٹے اور خبیث تھے اس لئے ہود علیہ السلام نے جب اُن سے کھوٹ نکالا تو ان سے معمولی طور ثمرہ نکلا۔ لیکن تھوڑے بندوں نے دین حق قبول کیا چونکہ ان کی زمین اچھی نہیں۔ اس لئے جب ہود علیہ السلام نے توحید کا بیج بویا تو خراب زمین والوں سے سوائے خبث اور تسفیہ و تکذیب نہ نکلا۔ اس لئے وہ اپنے اسلاف اور اپنے ہمجنسوں کے طریقہ کو اختیار کرکے وہی کہا جو اوپر مذکور ہوا۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

(۱) در زمین گر نیشکر و خود نی ست
ترجمان ہر زمینے نبت وے است

(۲) ریگ و خاکو این زمین با ثبات
باز گوید بر تو انواع نبات

ترجمہ ۱ زمین میں نے ہے یا کھانے کے لائق کوئی شے ہر زمین کا ترجمان اس کی انگوری ہے

۲ ریتلی زمین ہے یا پکی اس کی بات تجھے مختلف کھیتیاں بتا ئیگی۔

قال ہود علیہ السلام نے فرمایا باوجودیکہ ان سے غلط اور سخت غلیظ کلمات سنے۔ لیکن آپ نے حسنِ سلوک کے طور اچھا طریقہ برتا اور ایسے ہی ہر ناصح و واعظ کے لئے چاہیے۔

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ اے میری قوم میں بے وقوفی کا شائبہ تک نہیں رکھتا۔ یا یار طالبیت یا ظرفیت ہے۔

وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں یعنی انتہا درجہ کی رُشد و ہدایت اور سچائی پر ہوں اس لئے کہ رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ آپ نے ایسے جملہ سے استدراک فرمایا جسے رشد و ہدایت اور سچائی لازم ہو کیوں کہ رسول میں دین و دنیا کے انتہائی درجہ کی عقلمندی ہوتی ہے۔ ؎

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ میں تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ اور نہایت درجہ کا امین ہوں اور رسول میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اُتم اور اکمل بہت مشہور ہوتی ہیں۔

فائدہ رسالت کو جمع لانے کا ہم پہلے بیان کرچکے ہیں اسی طرح نصح اور تبلیغ کا فرق بھی ہم نے بیان کیا ہے

؎ اس میں دیوبندیوں وہابیوں نیچریوں اور پرویزیوں جملہ بد مذاہب کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام صرف دین کی باتیں جانتے ہیں۔ دنیوی امور سے بے خبر (معاذ اللہ)

نکتہ : ناصح امین کہہ کر متنبہ فرمایا کہ اے میری قوم تم میری یہ دونوں صفتیں خوب جانتے ہو۔

قاعدہ : حال ہمیشہ ذوالحال کی ہیئت کذائیہ کو بیان کرتا ہے۔

قاعدہ : کسی شے کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ صفت مشہور بین المخاطب ہو۔

نکتہ : نصیحت اور امانت کا متعلق ظاہر نہیں کیا گیا۔ یہ از قبیل مجبور ہے تاکہ اگر وہ ان کا مقابلہ کریں تو اپنے متعلق دونوں حقیقتوں کو ظاہر فرما دیتے یہ بھی ایک قسم کی ہنر مندی ہے۔

۶۹ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ کیا تمہیں تعجب ہے کہ رب تعالیٰ (جو تمام امور کا مالک ہے) کی طرف سے وحی ظاہر ہو۔ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ تمہارے ہمجنس انسان کی زبان لِيُنْذِرَكُمْ تاکہ وہ کفر و معاصی کے برے انجام سے تمہیں ڈرائے۔

اعجوبہ وحی من اللہ کے لئے اپنے جیسے انسان پر نزول پر تو تعجب کر رہے تھے لیکن انہیں اپنے تعجب نہیں ہوا کہ وہ پتھروں کی پوجا کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا۔

وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ (ربط) نصیحت و امانت کے احکام کی ترتیب شروع فرمائی ا... ارتذار اور اس کی تفصیل بھی۔

ترکیب : اِذْ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب اور اس کا مفعول ہے۔ اس کا یہ اِذْ ظرف دراصل عبارت یوں تھی "واذکروا اذ جعلکم الخ" یعنی یاد کرو۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں جانشین بنایا

سوال : صاحب الفرائد فرماتے ہیں اذ اور اذا ہمیشہ ظرفیہ ہوتے ہیں اور تم نے کہا یہاں اذ ظرفیہ نہیں

جواب : نحوی قاعدہ باب الاتساع واسع یعنی ظروف کے حروف میں وسعت ہوتی ہے۔ انہیں جو کچھ بن سکتے ہیں۔

فائدہ : مولانا ابوالسعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا عطف فعل مقدر پہ ہے۔ دراصل عبارت لاتعجبوا من ذلک وتدبروا فی امورکم واذکروا الخ یعنی اس سے تعجب مت کرو۔ بلکہ تدبر کر کے اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے جانشین بنایا۔ "مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ" نوح علیہ السلام کے بعد یعنی ان کے گھروالوں ان کی زمینوں کا تمہیں جانشین بنایا کہ ان کے بعد تم اس پر بادشاہ بنائے گئے۔ اس لئے کہ شداد بن عاد تمام زمین کا بادشاہ تھا۔ جس کا دارالخلافہ شہر صالح تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں بعض کو بعض کا خلیفہ بنایا۔ اس بنا پر روئے زمین کے خلیفہ ہوئے اس لئے کہ ایک مرتا ہے تو دوسرا اسی زمین کا مالک بن جاتا ہے

طرح اہل غفلت کے غافلین اور وصال والوں کے واصلین جانشین ہوتے ہیں۔

وَزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَسْطَةً ۔ اور تمہیں بڑھایا یعنی لوگوں میں تمہاری کثرت فرمائی۔ بَسْطَةً ۔ قد و قامت اور قوت و طاقت کے لحاظ سے۔ اس لئے کہ ان کے زمانہ میں ان سے اور کوئی بڑے قد والا نہیں تھا۔ ان کے بڑے سے بڑا قد والا سو گز اور چھوٹے سے چھوٹے ساٹھ گز کا ہوتا تھا۔

فائدہ: حضرت وہب نے فرمایا کہ ان کا سر اتنا بڑا ہوتا کہ آجکل کے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ میں آسکتا تھا اور آنکھ کی پیشانی اتنی تھی کہ اس میں ایک شیر کے بچے کی جگہ آسانی سے بن سکتی تھی۔ اسی طرح ان کے ناک وغیرہ کا حال تھا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عام مخلوق میں جسمانیت کا فرق ہے ایسے ہی ان کی سیرت میں فرق ہوتا ہے بعض سیرت میں اتنے بلند ہوتے ہیں کہ ان کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ فرزدق نے کہا ؎

وقد تلتقی الاسماء فی الناس وکنی
کثیرا ولکن فرقوا فی الخلائق

ترجمہ: اسماء اور کنیت میں ایک دوسرے سے لفظی مناسبت ہوتی ہے لیکن گہری نگاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عادات و اخلاق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ف: شعر میں الخلائق خلیقۃ کی جمع ہے بمعنی طبیعت۔ خاقانی نے فرمایا ؎

نے ہمہ یک رنگ دارد در نیستہا و لیک
از یکے نے قند خیزد و ز دگر نے بوریا

ترجمہ: دونوں نے جنگل (کھیت) میں ایک رنگ نظر آتے ہیں لیکن ایک سے کھانڈ حاصل ہوتی ہے دوسرے سے ٹاٹ وغیرہ۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ آلاء الی بمعنی نعمت کی جمع ہے پہلے مخصوص نعمتوں کا ذکر تھا۔ اب عام نعمتوں کا بیان فرمایا ہے جیسا کہ تعمیم بعد التخصیص کا قاعدہ ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیابی حاصل کر لو یعنی نعمتوں کا ذکر تمہارے لئے شکر کی ادائیگی کا سبب بن جائے۔ تم تکالیف سے نجات پانے کے مستحق ہو جاؤ اور تمہیں اصلی مقصود نصیب ہو جائے لیکن ان کے پاس سوائے تقلید آباء کے اور کیا تھا اور اس کے سوا وہ اور کیا جواب دے سکتے تھے۔

قَالُوْٓا۔ مذکورہ بالا بہترین نصیحتیں سن کر قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو جواب دیا۔ اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ

اے ہود علیہ السلام تم ہمارے ہاں تشریف لائے ہو تاکہ ہم ایک معبود کی عبادت کریں۔ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا ۚ اور ہم ان معبودوں کی پرستش چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے آئے۔

فائدہ ۱: اَجِئْتَنَا یا تو اس لئے کہا کہ ہود علیہ السلام نے چند روز ان سے علیحدگی اختیار کر لی جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرا میں چند روز عبادت کے لئے تنہائی اختیار فرمائی پھر جب ان پر وحی الٰہی کا نزول ہوا تو اپنی قوم کے پاس دعوتِ حق سنانے کے لئے تشریف لائے یا ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ آسمان سے تشریف لائے ہیں یہ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان سے اللہ تعالیٰ فرشتہ رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ زمین والوں سے کوئی بشر رسول نہیں بن سکتا اس سے وہ ہود علیہ السلام کے ساتھ استہزاء کرتے یا یہاں مجازاً یہ لفظ کہا ہے اس لئے کہ ان کی مجئ سے مطلق فعل اور اس کا ارتکاب مراد تھا۔ گویا انہوں نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کا یہی ارادہ ہے کہ ہم صرف ایک معبود کی عبادت کریں اور آپ ہمیں اس کا مکلف بناتے ہیں۔ جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں۔ ذَهَبَ يَشْتُمُنِي اس میں ذہب کا اصلی معنیٰ مراد نہیں ہے۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا۔ پس لائیے وہ عذاب کہ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔

سوال: گذشتہ مضمون میں تو عذاب کے ڈرانے کی تصریح نہیں تو پھر ان کا یہ کہنا کس طرح

جواب: جب "اَفَلَا تَتَّقُوْنَ" حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا تو اس سے عذاب کی دھمکی مراد تھی۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ اگر تمہاری بات نہ مانی گئی تو عذاب آجائے گا

۷۱ قَالَ ہود علیہ السلام نے فرمایا قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ تمہارے لئے عذاب واجب ہو گیا۔ یہ مجاز ہے اس لئے کہ مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے کیوں کہ علم الٰہی میں نزولِ عذاب وجوب نزول کا سبب ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے "رِجْسٌ" عذاب۔ یہاں رجس بمعنی ارتجاس ہے یعنی اضطراب و غَضَبٌ اور غضب یعنی ارادۂ انتقام۔ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ کیا تم میرے ساتھ ان کے لئے جھگڑتے ہو جو صرف نام ہی نام ہیں۔ بتوں کے نام تو ہیں لیکن ان کے مسمیات کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ وہ بت بنا کر ان کا نام معبود حقیقی کے نام کے مطابق موسوم کر کے ان کی عبادت کرتے اور صرف انہیں عبادت کا مستحق سمجھتے تھے حالانکہ الوہیت و استحقاق عبادۃ کی حیثیت سے کوسوں دور تھے۔ سَمَّيْتُمُوْهَا۔ ان کے تم نے ہی نام رکھے اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اور تمہارے آباء کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی حجت اور برہان نہیں نازل فرمایا۔

ترکیب۔ سمیتموھا اسماء کی صفت ہے ما نزل اللہ بھی اسی کی صفت ہے اور من سلطان مانزل کا مفعول ہے اور من زائدہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اے قوم عاد تم میرے ساتھ ان مسمیات کے لئے جھگڑا کرتے ہو جن کے

صرف نام ہیں لیکن ان اسماء میں وہ حقیقت موجود نہیں ہے جس سے تم نے انہیں موسوم کر رکھا ہے اور وہ فعل قابل مذمت ہوتا ہے جس کا نام لفظ ہو لیکن معنی نہ ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اسم بھی باقی ہو اور مسمی بھی رہے۔

قوم ہود کی بتوں کے اسماء اور ان کی کارگزاریاں قوم ہود نے اپنے ہر بت کا علیحدہ نام اور ان کے متعلق علیحدہ علیحدہ کارکردگی سمجھ رکھی تھی چنانچہ ان کے ایک بت کا نام سائقہ تھا۔ اس کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ بارش بھی برساتا ہے ایک اور کو حافظہ کہتے تھے اس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ یہ سفر میں ان کی نگرانی کرتا ہے۔ ایک اور بت تھا اس کا نام رازقہ۔ اسی طرح سالمہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف نام ہیں۔ مسمی ان کا کچھ بھی نہیں۔ کیوں کہ وہ تو چند ڈھیلوں کا مجموعہ ہوتے انہیں کسی شئے پر قدرت کیسی۔ اس پر ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔ اے قوم عاد میرے سے تم ان بتوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کے تم نے ہی از راہ جہالت نام رکھ چھوڑے ہیں

فَانتَظِرُوٓا یہ قد وقع سے مربوط ہے یعنی اے قوم عاد جو کچھ تم مانگتے ہو اور مجھے کہتے ہو **فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ** بس انتظار کرو۔ **إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ** میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے اوپر نزول عذاب کا انتظار کرتا ہوں۔

۷۲ فَأَنجَيْنَٰهُ فانفجرت کی طرح فافصیحیہ ہے یعنی اس کے بعد قوم عاد پر عذاب واقع ہوا اور ہم نے ہود علیہ السلام کو نجات دے دی۔ **وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥ** اور ان لوگوں کو جو دین میں اُن کے ساتھ ہوئے **بِرَحْمَةٍ مِّنَّا** بہت بڑی رحمت سے جو ان پر ہماری طرف سے ہوئی۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ ہود علیہ السلام باوجودیکہ نبی تھے اور بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات نصیب ہوئی تاکہ بندگانِ خدا کو معلوم ہو کہ نجات حق اعمال کی محتاج نہیں اور نہ ہی اعمال صالحہ کی وجہ سے ملتی ہے بلکہ نجات محض فضلِ الٰہی اور اس کی رحمت پر موقوف ہے اس لئے جسے بھی نجات نصیب ہوئی تو محض فضل حق اور رحمت رب سے اور بس **وَقَطَعْنَا دَابِرَ** اور ہم نے کاٹ دی جڑ اس قوم کی **ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا** جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یعنی ہم نے ان کی بنیادیں اکھیڑ ڈالیں اور ان کا نام و نشان تک مٹ جائے **وَمَا كَانُوا۟ مُؤْمِنِينَ** ۔ اور وہ مومن نہ تھے۔ اس کا عطف **كَذَّبُوا۟** پر ہے اور یہ بھی الذین کے صلہ کے حکم میں ہے یعنی انہوں نے کفر و تکذیب پر اصرار کیا اور اس سے سرمو بھی پیچھے نہ ہٹے اس لئے ہم نے بھی انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ نجات کا دارومدار ایمان اور آیاتِ الٰہی کی تصدیق پر ہے جیسے کفر و تکذیب سے تباہی و بربادی ہی نصیب ہوتی ہے (معاذ باللہ)

قوم ہود کا تفصیلی واقعہ قوم عاد ملک یمن کے احقاف کے علاقہ میں رہتے تھے اور یہ ریتیلا علاقہ ہے اس کے ساتھ چند مقامات اور متعلق ہیں۔ مثلاً عالج۔ دھمان۔ مرین یہ علاقہ عمان اور حضرموت کے مابین واقع ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قوت وطاقت سے اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد برپا کرکے اہل زمین کا عرصہ حیات نہایت تنگ کر رکھا تھا ان کے چند بت تھے جن کی تین وقتوں صبح دوپہر اور شام کو پرستش کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاں ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا جو ان کے نسب میں تو اوسط درجے کے تھے لیکن شرافت و بزرگی میں نہایت بلند مقام کے مالک تھے ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ بت پرستی چھوڑ دو۔ صرف اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کی عبادت کرو اور ساتھ یہ ظلم وستم جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر کرتے ہو ختم کردو۔ انہوں نے کہا تم کون ہو ہمیں سمجھانے والے ہم یہی کریں گے جو کر رہے ہیں۔ ہمارا بالمقابل ہے کون۔ اس کے بعد اُلٹا انہوں نے اپنی کارروائی اور تیز کر دی اور سرکشی اور رعونت کا بازار گرم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرت کے طور تین سال تک اُن پر بارش بند کر دی اس وقت لوگوں کی عادت تھی کہ جب اس طرح کی کوئی مصیبت رُونما ہوتی تو مسلمان اور کافر سب مل کر مکہ معظمہ میں جا کر کعبۃ اللہ کے سامنے گڑگڑاتے۔ اس وقت مکہ معظمہ کے باشی عمالیق تھے یعنی عملیق بن لاوُذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی ان کے سردار کا نام معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی والدہ بھی قوم عاد سے تھی اس دستور کے مطابق قوم عاد نے بھی مکہ معظمہ کو جانے کے لئے پروگرام بنایا۔ چنانچہ ایک وفد تیار کیا آمدورفت کا خرچہ اٹھا کر کے ستر آدمی روانہ کئے۔ جن کے امیر قافلہ قیل بن عشر اور مرثد بن سعد مقرر کئے گئے جب وہ شہر مکہ میں وارد ہوئے تو معاویہ بن بکر سردار مکہ کے ہاں ٹھہرے ان کا مکان شہر سے باہر تھا۔ اُس نے ان کے اعزاز واکرام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس لئے کہ اسے اپنے ننھیالی رشتہ داری کی عزت واحترام مدِ نظر تھی۔ لیکن ان صاحبان نے آتے ہی عیش وعشرت کے مزے لوٹنے بجائے کعبہ معظمہ میں جانے کے معاویہ بن بکر کے مکان پر پورا ایک ماہ گزار دیا۔ اس لئے کہ وہاں شراب کی بوتلیں آزادی سے اپنی ہی مرضی سے پیتے پھر نغمہ وسرود کی محفلیں خوب گرم ہوتیں جرادتین کے گانے انہیں مدہوشی میں ڈال دیتے۔ جرادتین معاویہ بن بکر کی گانے بجانے والی دو لونڈیوں کا نام تھا۔ ان میں ایک کا نام وردہ تھا اور دوسری کا جرادہ تغلیباً ہر دونوں کو جرادتین کہا جاتا معاویہ کو اُن کا یہ طریقہ ناگوار ہوا اس لئے کہ آئے تو تھے کعبہ میں گڑگڑانے اور زاریاں کرکے بارش مانگنے لیکن یہاں عیش ونشاط کی محفلوں میں سرمست ہو گئے۔ نامعلوم پس ماندگان پر کیا گزری لیکن بحیثیت مہمان نوازی کے انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا اس لئے خاموش رہتا۔ لیکن جب کافی عرصہ گزرتا چلا گیا تو اس سے نہ رہا گیا اس نے اپنی دونوں لونڈیوں یعنی جرادتین سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ایسے اشعار منظوم کر دیں جن کے متعلق انہیں محسوس نہ ہو کہ ان کا منظوم کرنے والا کون ہے ہم ان کو جا کر سنائیں گے امید اغلب ہے کہ ان کے سنتے ہی

وہ یہاں سے چل نکلیں گے۔ معاویہ نے جو اشعار منظوم کئے وہ یہ ہیں۔

الا یا قیل ویحک قم فہیم
لعل اللہ یسقینا غماما
فیسقی ارض عاد ان عادا
قد امسوا لا یبینون الکلاما
من العطش الشدید فلیس ترجو
بہ الشیخ الکبیر ولا الغلاما
وقد کانت نساءھم و بخیر
فقد امست نساءھم ایامی
وان الوحش تاتیھم جہارا
فلا تخشی لعادی سہاما
وانتم ھٰھنا فیما اشتہیتم
نہارکم ولیلکم التماما
فقبح وفدکم من وفد قوم
ولا لقوا التحیۃ ولا السلاما

ترجمہ : ہر خبردار اے قیل افسوس ہے اٹھ کھڑا ہو اور بارش مانگ امید ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عنایت فرمائے گا اس سے قوم عاد کو بھی بارش نصیب ہو گی اب تو ان کی یہ حالت ہے کہ وہ بھوک اور پیاس سے بول بھی نہیں سکتے اس میں بوڑھے اور نوجوان سب شامل ہیں۔ جب تم چلے تھے اس وقت تمام عورتیں بخیر و عافیت تھیں لیکن اب ان کی بہت عورتیں بے شوہر ہو چکی ہیں۔ اب تو وحشی کھلم کھلا ان کے گھروں کے گرد گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں اس لئے کہ نہ کوئی مرد ہے کہ نہ انہیں کوئی تیر مارتا ہے اس وجہ سے اب انہیں کسی سے خطرہ ہی نہیں اور تم یہاں عیش و عشرت میں گم ہو رات اور دن کو ایک کئے ہوئے ہو۔ اس گندہ خصلت والے وفد کی قباحت تم سے بڑھ کر نہیں جو سلامتی و عافیت سے ہمکنار نہیں ہوتے۔"

جب جرادتین نے انہیں یہ اشعار سنائے تو آپس میں لگے کہنے کہ یار ہم نے کافی وقت یہاں گزار دیا۔ اٹھو چلو حرم شریف میں گریہ وزاری کرو تاکہ ہمیں بارش نصیب ہو۔ اُن کے امیر قافلہ مرثد نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ اب ہم اپنے نبی ہود علیہ السلام کو مان لیں تو اچھا ہے ورنہ ہمارے کردار بتلاتے ہیں کہ ہماری دعاؤں سے بارش کا ایک قطرہ بھی نصیب

نہیں ہوگا بلکہ اب وقت ہے کہ ہم سچے دل سے توبہ کرلیں اس پر انشاء اللہ تعالیٰ بارش ہو جائے گی بلکہ اس سے تو اپنے ایمان کا اظہار بھی کر دیا۔ ان سب نے مرثد کی تقریر سُنی تو سارے ناراض ہوگئے اور معاویہ سے کہا کہ مرثد کو قید کر دیجئے۔ یہ ہمارے ساتھ اب کعبہ میں جانے کا نہیں رہا۔ اس لئے کہ اس نے ہود علیہ السلام کا دین قبول کر لیا اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر سب کے سب کعبہ معظمہ میں حاضر ہوئے اور مرثد نے یہ دُعا کی۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ اسنے مسجد حرام میں کھڑے ہوکر دعا میں عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ ہم تیرے ہاں مریض کی شفا مانگنے نہیں آئے اور نہ کسی قیدی کو چھڑانے کے لئے عرض کرتے ہیں بلکہ ہمیں بارش عطا فرما۔ اس لئے کہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں۔ لے اللہ عاد کو پہلے کی طرح بارش سے نواز۔ ساتھ والوں نے کہا۔ اے اللہ تیرے سے قیل جو کچھ مانگ رہا ہے اسے عنایت فرما ہمارا بھی وہی مقصد ہے جو وہی عرض کر رہا ہے۔ فلہذا ہمیں خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ ان کی دُعا پر تین قسم کے بادل نمودار ہوئے۔

(۱) سفید

(۲) سرخ

(۳) سیاہ

اور غائبانہ ندا دینے والے نے کہا " اے قیل اپنی قوم کے لئے ان تینوں میں سے ایک کا انتخاب کرلے۔ اس نے عرض کی ہمیں سیاہ بادل عنایت فرمادے اس لئے کہ سیاہ بادل میں بارش ہوتی ہے لیکن آواز آئی کہ اے قیل تونے وہ بادل مانگا جس میں ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے عاد کی قوم کا ایک بچہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ تمام بوڑھے جوان اور بچے فنا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ سیاہ بادل چل پڑا۔ جس میں عذاب یعنی تباہی و بربادی تھی اور عاد کی قوم کی طرف رخ کیا اور ان کے وادی مغیث کے بالمقابل پہنچا۔ جونہی قوم عاد نے دیکھا تو خوش ہوئے اور کہا یہ بادل آگیا۔ ہمیں بارش سے بھرپور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا نہیں یہ وہی عذاب ہے جو اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے تم سب کو تباہ برباد کر ڈالے گا چنانچہ اس کے بعد اس بادل سے ایک کالی سیاہ ہوا چلی جو ان پر سات دن اور آٹھ راتیں مسلسل چلتی رہی۔

قوم عاد کے عذاب کی کیفیت :- اُن کے عذاب کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا سے بڑے بڑے پتھر برستے جو ان کے سروں پر پڑ پڑ کر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتے۔ جونہی انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو زمین میں گڑھے کھودے تاکہ ان گڑھوں میں چھپ جائیں لیکن ہوا اتنی زوردار تھی کہ زمین کے نیچے زور لگا کر ان کے دو دو آدمیوں کو اوپر اٹھا اٹھا کر ان کو آپس میں ٹکرا دیتی۔ پھر انہیں زمین میں ایسے زور سے پھینکتی کہ زمین میں دھنس جاتے۔ اس حالت کو تمام اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور ان کی چیخ و پکار اپنے کانوں سے سنتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام کے

تمام فنا و برباد ہو گئے۔

ہود علیہ السلام کو امان ہجرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ایک مقام پہ محفوظ رہے جہاں انہیں وہی ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی بھینی بھینی خوشبو دار ہو کر پہنچتی۔

واقعہ مذکور کا آغاز منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس عذاب والی ہی کو عذاب کے لئے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ہوا سے فرمایا کہ تم مخرج سے بیل کے ناک کے سوراخ کے برابر باہر نکل جب وہ اس مقدار میں نکلی تو تمام جہان میں زلزلہ آگیا۔ مشرق سے مغرب تک زمین کا چپہ چپہ جھکولے کھا رہا تھا ہوا کے داروغہ فرشتوں نے عرض کیا یا اللہ تعالیٰ اگر ہوا کی یہی حالت رہی تو نہ زمین رہے گی نہ زمین والے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہوا کو فرمایا کہ تم اب سے انگشتری کے سوراخ کے برابر نکل۔ چنانچہ اسی قدر نکلی تو وہی کیفیت پیدا کر دی جو مذکور ہوئی۔

قصہ قوم عاد بروایت دیگر حضرت سدی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہوا کو عاد کی طرف بھیجا جب ان کے قریب ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اونٹ اور بیل ہوا کی شدت سے اڑ کر آسمان کی طرف چلے گئے ہیں وہ بھاگ کر اپنے گھروں میں گھس گئے۔ لیکن ہوا نے انہیں گھروں سے نکال کر وہی کیفیت پیدا کر دی جو مذکور ہوئی۔

سوال: بیچارے حیوانات کا کیا قصور تھا کہ انہیں بھی ایسے سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

جواب: جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو عام ہوتا ہے اس میں کسی شئے کی تخصیص نہیں رہتی اور اس کے اپنے افعال میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں اور پھر وہ ان کے قبضے میں تھے اُن سے ان کے مالکوں سے پہلے کی طرح چھڑا یا جاتا۔ پھر ممکن ہے کہ ان حیوانات کو وہ عذاب نہ ہو بلکہ ان کے لئے راحت ہو۔

ہود علیہ السلام کی ہجرت: حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کے اہل ایمان کو بچا کر مکہ معظمہ میں تشریف لائے اور وہیں پہ ان کا وصال ہوا اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہر نبی علیہ السلام سے رہا کہ جو نبی ان کی باغی قوم عذاب میں مبتلا ہوتی ہے تو ان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو لیکر مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کر جائیں اور وہیں پر بقایا زندگی بسر فرمائیں۔

مکہ معظمہ میں مزارات بعض مفسرین فرماتے ہیں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ننانوے انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ ہود و شعیب اور صالح و اسماعیل علیہم السلام کے مزارات بھی یہیں پر ہیں۔[۱]

مسئلہ: جب کسی قوم پر عذاب اور غضب ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا چاہیے اس لئے کہ ان کے کفر و معاصی کی وجہ سے

---

[۱] جو لوگ مزارات کی حاضری کو شرک کہتے ہیں انہیں کعبہ معظمہ میں نہ جانا چاہیے کہ وہاں بھی انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں

اس جگہ سے خیر و برکت اُٹھ جاتی ہے۔ وہاں سے اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرنا چاہیے۔ اس لئے اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں جانا چاہیے جہاں امان ہی امان ہو اور کعبہ معظمہ تو امن کا مرکز ہے۔ کما قال تعالیٰ " وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا "

مسئلہ: مقامات کی فضیلت کی بنا پر وہاں کی عبادت میں بھی ثواب مختلف درجات کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی لاکھ کے برابر ہوتی ہے اس لئے کہ مکہ معظمہ کو تمام انبیاء عظام و اولیاء کرام کے قدوم میمنت لزوم کا شرف ملا۔ یہی حال اوقات کے متعلق ہے کہ بعض اوقات دوسرے بعض سے افضل ہوتے ہیں۔

نکتہ: مبارکباد کے مستحق ہوتے ہیں وہ لوگ جو اہل بدعت اور اہل شر کے علاقوں کو چھوڑ کر اہل سنت و اہل ھدی کے ہاں چلے جاتے ہیں اس لئے کہ اہل خیر و اہل صلاح (اولیاء اللہ) پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگاہِ کرم ہوتی ہے۔

مسئلہ: جو شخص اپنی کسی نفسانی خواہش اور دنیوی غرض یا اپنے معاش کے تحت وہیں پر پڑا رہتا ہے جہاں اہلِ معاصی و اہل نفاق کا بسیرا ہے تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عذاب میں مبتلا فرمایا اور گویا اسے اپنی جنت سے ایسے شخص کو دُور رکھا ہے۔ ایسے شخص نے اپنے معاملات میں سخت نقصان اٹھایا اور اسے ایسی تجارت میں سراسر گھاٹا نصیب ہوا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہدایت یافتہ انسان گمراہوں کے ساتھ نہیں بسر کر سکتا۔ جب کہ ایسے دلائل و براہین سے معلوم ہو جائے کہ اُن کے ساتھ رہنا سراسر نقصان ہے ؎

سعد یا حُبِ وطن اگرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: سعدی اگرچہ حب الوطن والی حدیث صحیح سہی لیکن وہاں سختی سے مرنا اور کہنا کہ میں یہاں پیدا ہوا تھا۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اہل بغی و فساد سے اہلِ ارشاد کا طریقہ حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی پھر دیار رُوم سے بروسہ محروسہ میں بھی اسی غرض سے پہنچا [۲] اللہ تعالیٰ ہمیں طریق حق و ارشاد پر ثابت قدم رکھے اور ہمیں سِرِ مطلق کی ہجرت سے نوازے (آمین)

---

[۲] یہی کو الف اہل حق

یعنی اہلسنت کو نصیب ہیں ورنہ دوسرے تو اولیاء اللہ کی طرف جانے کو شرک کہتے ہیں۔ لا تشد والرحال والی حدیث پڑھ کر بندگانِ خدا کو ڈراتے ہیں۔

؎ ، فقیر اُویسی نے بھی اپنے غریب خانہ کو اسی لئے ترک کیا کہ وہاں دینی اُمور کی کچھ قدر نہ تھی اور اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محکم دین سیرانی قدس سرہ کا پڑ درس اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہجرت کو منظور فرما کر سِرِ مطلق ہجرت کے اسرار سے نوازے ۱۲۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ

اور ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ

بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لیے نشانی تو اسے چھوڑ دو

فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ

کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں دردناک عذاب آئے گا اور یاد کرو جب تم کو

جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِن

عاد کا جانشین کیا اور ملک میں جگہ دی کہ نرم زمین میں محل بناتے

سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا

ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ

فساد مچاتے نہ پھرو اس کی قوم کے متکبر والے کمزور

اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قَالُوا

مسلمانوں سے بولے کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کے رسول ہیں بولے

إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم

وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں متکبر بولے جس پر تم ایمان لائے ہمیں اس سے

بِهِ كَافِرُونَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا

انکار ہے پس ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے اے صالح ہم پر

تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ

لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو تو انہیں زلزلے نے آلیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

جَاثِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ

رہ گئے تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی

لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ﴿٧٩﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ

تمہارا بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کے غرضی ہی نہیں اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا وہ بے حیائی

الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ
کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی تم تو مردوں کے پاس شہوت

شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ
سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے اور اس کی قوم کو کچھ

إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا أَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ
جواب نہ تھا مگر یہی کہنا کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں تو ہم نے اسے

وَأَهْلَهٗٓ إِلَّا امْرَأَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ
اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت وہ رہ جانے والوں میں ہوئی اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا تو دیکھو کیسا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾
انجام ہوا مجرموں کا

تفسیر عالمانہ ٧٣ وَإِلٰى ثَمُوْدَ ، یعنی ہم نے ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ ثمود عرب کا ایک قبیلہ اپنے مورثِ اعلیٰ کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔

ثمود کا نسب نامہ ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس کا مسکن شام و حجاز کے مابین مقام حجر میں تھا جو وادی القریٰ کی جانب واقع ہے۔

ف : ثمود کا لفظ قرآن مجید میں منصرف و غیر منصرف ہر دو نوں طرح مستعمل ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۠ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اور فرمایا اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ جو اسے منصرف پڑھتے ہیں وہ اسے ایک قبیلہ کا نام بتاتے ہیں اور جو اسے

غیر منصرف پڑھتے ہیں وہ اسے ایک قبیلہ کا اسم علم قرار دیتے ہیں ۔ اَخَاهُمْ ان کے بھائی کی طرف اس جگہ ان کا
نبی مراد ہے جو شرافت اور بزرگی کے لحاظ سے قبائل سے بہت بلند تھے ۔ جیسے ہود علیہ السلام کے بیان میں گزرا ۔
صٰلِحًا ۔ صالح علیہ السلام کو بھیجا ۔ اِلٰی ثَمُوْدَ [illegible]

صالح علیہ السلام کا نسب نامہ حضرت صالح علیہ السلام بن عبید بن آصف بن ماسخ بن عبید بن حاذر بن ثمود
قَالَ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ۔ یٰقَوْمِ اے میری قوم اعْبُدُوا اللّٰهَ
اللہ واحد لا شریک لہ کی عبادت کرو مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام احکام و شرائع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھے
لیکن عقیدہ توحید میں سب متحد تھے اس لئے ہر ایک نبی اپنی قوم کو سب سے پہلے دعوت توحید دیتے ہیں ۔ چنانچہ سابقہ مضامین
میں نوح ہود و صالح علیہم السلام نے یہی فرمایا اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۔

قوم ثمود کا واقعہ مروی ہے کہ جب قوم عاد مرگئی تو ان کے بعد قوم ثمود نے شہروں کو آباد کیا اور ان کے جانشین
ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اموال و اولاد میں وسعت بخشی تو بغاوت پر تل گئے اور اس کی
زمین پر فساد برپا کیا اور حسب دستور سابق بت پرستی میں لگ گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے صالح علیہ السلام
کو پیغمبر بنا کر بھیجا قوم ثمود اونچی نسب سے تعلق رکھتے تھے اور صالح علیہ السلام ان میں متوسط گھرانہ سے متعلق
تھے ۔ آپ نے انہیں دعوت توحید دی اور بڑے عرصہ تک ان کی اصلاح میں لگے رہے یہاں تک کہ بڑھاپے کو
پہنچے لیکن سوائے چند معدودہ افراد کے کسی نے آپ کی نہ سنی اور جو آپ کے متبع ہوئے وہ بھی نہایت غریب
آپ نے سرکشوں کو بہت ڈرایا دھمکایا ۔ انہوں نے از راہ غرور و تکبر کہا یا آپ سے معجزہ طلب کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا تم کونسی دلیل مانگتے ہو ۔ انہوں نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ آپ عید کے دن ہمارے ساتھ چلیں ۔ سال میں
ان کا ایک دن عید کا ہوتا تھا ۔ تم اپنے معبود سے دعا طلب کرو ۔ ہم اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں ۔ اگر تیرا رب
تیری دعا قبول کرے تو ہم تیری دعوت قبول کرلیں گے ۔ اگر ہمارے معبود ہمارا کہنا مان لیں تو تم ہماری اتباع کرنا آپ نے
قبول کرلیا اور ان کے ساتھ چل پڑے جب وہ بتوں کے قریب ہو کر دعا مانگنے لگے تو خاک بھی جواب نہ ملا ۔ بہت
سخت شرمندہ ہوئے ۔ ان کا لیڈر حضرت صالح علیہ السلام کو سامنے پڑے ہوئے پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا وہ
پتھر پہاڑ کی جانب تنہا پڑا تھا اسے کاتبہ کہا جاتا تھا ۔ اگر اس سے بہت بڑی موٹی اونٹنی جو بختی اونٹوں کے مشابہ ہو
نکال دو تو ہم تیری دعوت قبول کرلیں گے آپ نے ان سب سے عہد و پیمان لے کر دوگانہ پڑھا اور دعا مانگی یا اللہ
کریم اس پتھر سے انہی کے حسب منشا اونٹنی ظاہر فرمادے وہ پتھر ایسے ہی حرکت میں آگیا ۔ جیسے اونٹنیاں بچہ
جنتے وقت حرکت کرتی ہیں اس سے اس طرح کی اونٹنی نمودار ہوئی جیسے کہ وہ چاہتے تھے ۔ جندع نامی ان
سب کا لیڈر تو اسی وقت مسلمان ہوگیا اس کے ساتھ چند اور بھی لیکن باقی برادری نے انکار کر دیا ان سب

کا سرخیل ذواب بن عمرو الجناب تھا۔ جو بتوں کا محافظ اور تمام کاہنوں کا سردار تھا ؎

۱: یکے بنور عنایت رہ ہدایت یافت
یکے بوادی خذلان بماند سرگردان

۲: یکے بوسوسۂ دیو رفت سوئے سقر
یکے ز پیروی حق گرفت ملک جنان

ترجمہ ۱: کسی نے تو نور عنایت سے راہ پائی دوسرا وادی رسوائی میں سرگردان رہا۔
۲: ایک وسوسہ شیطان سے دوزخ میں گیا دوسرے نے پیروی حق سے بہشت کی راہ لی۔

فائدہ: وہ اونٹنی بچے سمیت قوم ثمود میں رہنے سہنے لگی وہاں سے گھاس چرتی اور انہی کے پانی سے پانی پیتی اس معجزہ کے ظہور کے بعد صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ جاءتکم کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور بینہ کی صفت ہے یعنی وہ بینۃ جو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔

فائدہ: حضرت مولانا ابوالسعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ صالح علیہ السلام کا وہ پہلا کلام ہے جو آپ نے اپنی قوم کی تبلیغ و نصیحت اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکرے سے فارغ ہوئے تو سب سے پہلی گفتگو یہی فرمائی لیکن انہوں نے آپ کی ایک نہ مانی۔ بلکہ آپ کی تکذیب کی۔ چنانچہ سورۂ ہود کے مضمون ھو انشاکم من الارض واستعمرکم فیھا " الی آخر الآیات سے معلوم ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ گفتگو آپ نے ان سے دعوتِ توحید کے بعد فرمائی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کے لئے کوئی قرینہ نہیں ملتا اور پہلی تقریر کے لئے قرینہ پایا جاتا ہے جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا۔

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ بن کر آئی ہے یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا انہوں نے سوال کیا کہ اے صالح علیہ السلام بتایئے۔ یہ اونٹنی کیا ہے انہوں نے جواب میں فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوا صریح الفاظ میں کہتا ہوں کہ میری نبوت کے لئے ایک دلیل اور علامت ہے۔

سوال: ناقۃ اللہ کی طرف مضاف کیوں جب کہ اقسام اضافت سے کسی ایک قسم سے بھی یہ نہیں بن سکتی۔

جواب: ناقۃ کی عظمت بتانے کے لئے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اسے اضافت تشریفی کہا جاتا ہے۔ جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریفی ہے۔

جواب ۲: چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اگرچہ ہر شے اللہ تعالیٰ سے آتی ہے لیکن اسباب سے متعلق ہو کر اور یہ مقررہ اسباب کے بغیر آئی ہے اور اس کی تخلیق میں ذرائع مستقل نہیں ہوئے جیسے دوسری اشیاء

کی تکوین میں مصروف سبب مستقل ہوتے ہیں۔ مثلاً نر و مادہ کا اجتماع پھر صلب سے رحم میں آنا اور پھر اس کا کئی عرصہ ماں کے پیٹ میں پرورش پانا پھر اس کے بڑے ہونے تک انسانوں کی سعی وغیرہ وغیرہ اور لَکُمْ میں بھی ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ آیت کس کے لئے ہے تو اس کے جواب میں فرمایا لَکُمْ یعنی یہ تمہارے لئے ہے۔

سوال: یہ معجزہ تو عام کے لئے تھا۔ لیکن اس تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ اس کے ظہور کا سوال انہوں نے کیا اس لئے ان کی تخصیص ہوئی اور اگر وہ عناد کو چھوڑ کر دلائل و براہین سے ہدایت کے طالب ہوتے تو ان کے لئے یہ مفید بھی ہوتی۔ بنابریں ان کی تخصیص کی گئی فَذَرُوْهَا اس پر تعرض سے چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے ایک آیت ہے فلہذا اس کا تعرض ناجائز ہے فلہذا تم اسے چھوڑ دو۔ تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ امر کا جواب ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے اور زمین بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے کہا اسے حجر کے علاقوں کی زمین میں چھوڑ دو۔ یہ جہاں سے چاہے گھاس کھائے۔ تمہارے لئے اسے روکنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اسے کسی جگہ کے پانی پینے سے روک سکتے ہو۔

سوال: آیت میں صرف اکل کا بیان ہے تم نے پینے کا معنیٰ کہاں سے لیا۔

جواب: اکل کو شرب مستلزم ہے۔ اس التزام سے ہم نے شرب کا معنیٰ لیا۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ یہ بار ملابست کی ہے یعنی اسے نہ پہنچو۔ دراصل یہ تھا کہ تم متلبس ہو برائی کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ کوئی ایسا کام ذکر کرو جو اسے تکلیف پہنچائے مثل قتل کرنا۔ مارنا۔ یا اس طرح ڈرانا دھمکانا۔ کھانے پینے سے روکنا صرف اللہ تعالیٰ کی نسبت کے اکرام و اعزاز کے پیش نظر۔

فائدہ: سوء اسم ہے جو ایذار کی جمیع اقسام پر حاوی ہے۔

فائدہ: با تعدیہ کی ہے معنیٰ یہ ہے کہ اسے تم کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔

فائدہ: اس میں مبالغہ ہے کہ اسے برائی سے ہاتھ لگانے سے بھی روکا گیا ہے چہ جائیکہ اسے دکھ یا کسی قسم کی تکلیف پہنچائی جائے۔ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ پس تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا یہ نہی کا جواب ہے۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ اونٹنی کی وجہ سے عذاب کے مستحق نہ ہوئے بلکہ جب انہوں نے معجزہ دیکھ کر انکار کیا تو کافر ہوئے۔ اس کفر سے انہیں سزا ملی اور جب وہ دیکھ چکے کہ اونٹنی واقعی حقیقی معجزہ ہے تو پھر بھی اسے قتل کر ڈالا تو یہ ان کے کفر میں سخت انہماک کی دلیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ عوام کے لئے معجزہ تو یہی تھا کہ پتھر سے ایک بہترین اونٹنی نکلی۔ لیکن خواص کے لئے یہ معجزہ تھا کہ ان کے دل سے سراسر سے راز کا صدور ہو اور سراسر ایک مخفی بھید

کا نام جسے صرف اہل اللہ جانتے ہیں اور ناقۃ اللہ سے وہ مرد مجاہد مراد ہے جو معرفت الٰہی کی امانت کا حامل ہو اور اس کے دودھ سے وہ واردات الٰہیہ مراد ہیں جو وہ مرد خدا بندگان الٰہی کے ظاہری جسم کے قویٰ وحواس کو فیض پہنچاتا ہے۔ تاکل فی الارض سے اولیاء اللہ کا ریاض قدس سے فیضاب ہونا اور حیاض انس کے انوار سے مستنیر ہونا مراد ہے۔ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوْءٍ۔ شریعت کی مخالفت اور طریقہ کا معارضہ نہ کرو فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ اگر کروگے تو اصلاحات حقیقیہ سے انقطاع اور ہجران کا دردناک عذاب تمہیں گھیرے گا

۵ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عاد کے بعد تمہیں علاقہ حجر کا جانشین بنایا ہے یعنی انہیں تباہ و برباد کر کے ان کی زمینوں کا تمہیں مالک بنایا ہے اس تقدیر میں اذ کا منصوب علی المفعولیۃ ہے جیسے اس کی تقریر پہلے گزری۔ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تمہیں حجر کی زمین پر آباد کیا اور وہاں پر تمہیں جگہ۔

فائدہ : مولانا ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حجاز و شام کے درمیان کے علاقہ حجر میں تمہیں گھر اور رہنے سہنے کی منزل بنانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی اس زمین کی نرم جگہ میں تم بلند و بالا مکان بناتے ہو

فائدہ : یہاں پر من بمعنی فی ہے جیسے وَإِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ میں من بمعنی فی ہے یا زمین کی نرمی مراد ہے کہ اس سے کچی پکی اینٹیں تیار کرتے تھے۔ وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ اور پہاڑوں کو گھڑتے ہو۔ الجبال۔ الصخور صخر کی جمع بمعنی پتھر اور تنحتون النحت سے ہے کسی سخت شے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور الجبال تنحتون کا مفعول بہ ہے۔ بُيُوتًا۔ الجبال سے حال مقدرہ ہے۔ جیسے خط ھذا الثوب قمیصا میں قمیصا حال مقدرہ ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کے سردیوں میں پہاڑوں میں مسکن ہوتے ہیں اور گرمیوں میں زمین کی آبادیوں میں اس لئے دو علیحدہ جملے بیان کئے گئے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں چونکہ ان کی عمریں بہت بڑی ہوتی تھیں۔ اس لئے زمین پر جتنے گھر بناتے تھے وہ ان کی عمروں کے اختتام سے پہلے پرانے ہو جاتے تھے ان کے گرنے کا خطرہ ہوتا تو پھر پہاڑوں سے مکان تیار کرتے۔

فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو یعنی ان کی حفاظت کرو وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ یعنی اشد الفساد کو کہا جاتا ہے یعنی اے کافرو زمین پر سرکشی نہ کرو درآنحالیکہ تم فساد پھیلانے والے ہو۔ یہ حال ان کے تعارف کے لئے ہے نہ کہ عامل کو مقید کرنے کے لئے ورنہ اس کا مفہوم مخالف کا معنی فائدہ بخش ہوتا۔ حالانکہ اس کے مفہوم مخالف کا کوئی معنی نہیں مثلاً مفہوم مخالف یوں ہے "تمادوا فی الفساد حال کونکم مصلحین" یہ معنی کسی صورت میں جائز نہیں۔

سوال : مُفْسِدِينَ سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ العثی دراصل مطلقاً تعدی کو کہتے ہیں۔ لیکن فساد کے

یعنی عام مستعمل ہونے لگ گیا ہے اس لئے کہ یہ کبھی غیر فساد کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے ظالم کا معنیٰ تعدی پر مستعمل ہونا عام ہو گیا ہے لیکن کبھی غیر ظالم پر بھی مستعمل ہوتا ہے یعنی ہر وہ شخص جو اپنے نفس کو کسی مشقت اور تکالیف میں مبتلا کرے بلکہ کبھی اس میں خیر اور بھلائی ہوتی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے بچے کو قتل کر دیا اور غریبوں کی کشتی توڑ دی۔ اس معنیٰ پر اس کے قائل کو مقید ہونا لیے ہے جیسے عام کو ... کیا جاتا ہے۔

قَالَ ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اَلْمَلَاُ ۔ اس سے کفار کے لیڈر اور ان کے سردار مراد ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا یعنی متکبر لوگوں نے کہا جو صالح علیہ السلام کی قوم کے سردار تھے اور جو حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت سے سرکشی کر کے حق سے روگردانی کر چکے۔ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا یہ لام تبلیغ کی ہے یعنی ان لوگوں سے جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی قوم میں نہایت ہی کمزور اور تنگدست تھے۔

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ ۔ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا سے بدل الکل ہے اور منہم کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے اَتَعْلَمُوْنَ کیا تم جانتے ہو۔ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ واقعی صالح علیہ السلام اپنے رب کے رسول ہیں۔ صالح علیہ السلام کو رسول کے لفظ سے تعبیر کرنا استہزاء ہے ورنہ وہ انہیں رسول کب مانتے تھے۔ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ ان ضعیف اور کمزور لوگوں نے کہا ہم ان کے لائے ہوئے حکم جمیع عبادات پر مُؤْمِنُوْنَ ایمان لانے والے ہیں۔

سوال: کفار کے سوال سے اہل ایمان نے عدول کیوں کیا۔ انہیں صرف نعم کہنا تھا یا نعلم انہ مرسل منہ تعالیٰ کہنا تھا۔

جواب: تاکہ کفار کو تنبیہ ہو کہ اے کافرو تم اتنے غبی ہو کہ تمہیں ان کی رسالت پر اب بھی شک ہے ان کی رسالت تو اظہر من الشمس ہے اور وہ تمہیں معلوم ہے اگرچہ ضد سے نہیں مانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے جواب میں اسے موصول کا صلہ بنایا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شے کسی کا صلہ بنے وہ ایسا جملہ ہو جو ذات موصول کے لئے معلومۃ الانتساب ہو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ گویا اہل ایمان سے کافروں نے کہا اے کافرو صالح علیہ السلام کے رسول ہونے میں اب بھی کوئی شک کی گنجائش رہ گئی ہے ہر عاقل سمجھدار پر ان کی رسالت واضح ہو چکی ہے جب کہ وہ ایک معجزہ دکھا چکے ہیں جو عقل کی جولانیوں سے کوسوں دور ہے پھر بھی شک اور شبہ تمہارا کام ہے۔ ہاں ان پر ایمان لانے کا معاملہ شک میں ہے تو سن لو کہ ہم ان پر ایمان لا چکے ہیں یہ ایک ایسا جواب ہے جو اپنا جواب آپ ہے اور یہ جواب صرف دانائی و حکمت سے دیا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس جواب میں ایسی باتیں آ گئی ہیں جو مخاطب کے ذہن میں نہیں تھیں یہ تمام برکت صالح علیہ السلام

کی صحبت کی تھی جیسے ہمارا عقیدہ ہے ؎ چوں با اہل دل رسی جوہر شوی

ترجمہ:۔ جب تم اہل دل کے ہاں پہونچو گے۔ جوہر ہو جاؤ گے

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ۔ کہا ان لوگوں نے جو متکبر تھے کہ ہم تو اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔ کفار نے جواب مطابق سے اعراض کیا وہ جواب ان کا پہلے یہ تھا کہ "انا بما ارسل بہ کافرون" اس لئے پہلے جواب میں ثابت ہوتا تھا کہ صالح علیہ السلام کا رسول ہونا مسلم نہیں اور نہ ہی ان کا رسول ہونا ہمیں معلوم ہے وہ تو صرف ان کا اپنا دعویٰ ہے اور تم بھی ان پر ایمان لائے ہو لیکن ہمیں ان کے رسول ہونے کا اقرار نہیں۔

فائدہ: اہل ایمان نے اپنے دعویٰ کو کفار کے کفر کی دلیل بنائی ؎

قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت دو طریقوں سے فرمائی۔

(۱) استکبار یعنی اپنے آپ کو اپنی قدر و منزلت سے زائد ظاہر کرنا اور حق کا انکار کرنا۔

(۲) جو لوگ نبی علیہ السلام کی تعظیم و تکریم بجا لاتے ان کو بالکل ناکارہ آوارہ سمجھنا[۱]

فائدہ: آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح فرمائی کہ وہ حق پر ثابت قدم ہیں اور باوجودیکہ دنیوی حیثیت سے کچھ نہیں تھے لیکن کفار کے سامنے جرات سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا۔ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ پس انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

سوال: قتل تو صرف ایک نے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس گناہ میں شامل کر دیا اس کی کیا وجہ ہے

جواب: بوجہ ملابست کے[۲]

جواب[۲]: چونکہ وہ اس قتل سے راضی تھے اس لئے جو کسی کے غلط فعل سے راضی ہو وہ بھی اس حکم میں شامل ہوتا ہے۔

قصہ اونٹنی کا مروی ہے کہ اونٹنی ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن پانی پیتی تھی۔ جب اس کی باری ہوتی تو اپنا سر کنویں میں رکھتی اور اس وقت سر اٹھاتی جب کنویں کا پانی بالکل ختم ہو جاتا۔ پھر ٹانگیں

---

[۱]، [۲]، سابقہ صفحہ سے ؛ [۱]، جیسے وہابی، دیوبندی و دیگر فرقے اہلسنت کو نبی کریم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے بیوقوف اور ناکارہ آوارہ سمجھتے ہیں [۲]، اس قاعدہ کے تحت ہم نے کہا کہ نجدیوں وہابیوں دیوبندیوں قادیانیوں سے جو کفریات صادر ہوئے ان پر جو لوگ مطلع ہو کر پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ اچھے ہیں تو وہ بھی ان کے حکم میں ہیں۔

پھیلا دیتی۔ لوگ اس سے دودھ کے برتن بھر لیتے۔ جتنا چاہتے پھر اسے پیتے رہتے۔ جو بچ جاتا اسے دوسرے دن کیلئے رکھ چھوڑتے اونٹنی کی موٹائی کی کیفیت اتنی وسیع تھی کہ کنوئیں کو جس راہ سے جاتی تو واپس اس راہ سے نہیں آ سکتی تھی پھر اسے پانی پینے کے بعد کنوئیں سے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا۔

فائدہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قوم ثمود کے علاقہ میں گیا تو مجھے اونٹنی کا ایک راستہ جانے کا دکھایا گیا۔ جس کی پیمائش ساٹھ گز تھی۔ جس دن اونٹنی کے پانی پینے کی باری نہ ہوتی اس دن قوم ثمود کنوئیں سے پانی بھی لیتی اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتی اور دوسرے روز کے لئے پانی بھی بھر کر رکھ چھوڑتے۔

اونٹنی کی دوسرے جانوروں پر ہیبت مروی ہے کہ اونٹنی گرمی سے وادی کے کنارے جا گزیں ہوتی تو قوم ثمود کے تمام جانور ڈر کے اسے بھاگ کر وادی کے اندرونی حصہ میں چلے جاتے۔ جب سردی پڑتی تو اونٹنی وادی کے اندرونی حصہ میں چلی جاتی تو ان کے جانور ڈر کر بھاگ کر وادی کے اوپر باہر سردی میں گزارتے یہ بات قوم ثمود کو ناگوار گزری۔

اونٹنی کے قتل کا منصوبہ جب قوم ثمود اونٹنی کی مذکورہ کاروائی سے تنگ آ گئے تو انہیں دو عورتوں عنیزہ ام غنم اور صدقہ بنت المختار نے اونٹنی کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ بلکہ اس پر انہیں خوب ابھارا۔ اس لئے کہ تمام برادری سے ان دونوں عورتوں کے جانور بہت زیادہ تھے۔ اور انہیں بہت زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔

فائدہ: حضرت سدی نے فرمایا کہ ثمود کی قوم میں ایک عورت صدوق نامی بڑی حسینہ و جمیلہ تھی اور مالدار بھی تھی۔ اونٹ گائے بکریاں بھی اس کی بہت زیادہ تھیں۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام سے بھی سخت دشمنی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ناقہ قتل کر دی جائے اس لئے اس نے اپنے چچا زاد کو بلایا۔ جس کا نام مصدع بن دہر تھا۔ اسے کہا کہ اگر اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں تیرے نکاح کو لوں گی اس نے کہا میں قتل کر دوں گا اس کے بعد اس عورت نے قدار بن سالف کو بلایا۔ وہ سرخ رنگ اور کا اور پستہ قد تھا۔ مشہور تھا کہ وہ ولدالزنا ہے اگرچہ وہ سالف کے نکاح میں پیدا ہوا۔ اس عورت نے قدار کو کہا کہ اگر تم اونٹنی کو قتل کر دو تو میری لڑکیوں میں سے جس سے چاہو نکاح کر دوں گی۔ وہ بھی قوم ثمود میں بہادر تھا۔ اس نے بھی اس کام کی سرانجامی کا وعدہ کر لیا۔ ہر دونوں چل پڑے۔ قوم ثمود میں سے نو آدمی اپنے ساتھ اور ملا لئے اور اونٹنی کو قتل کرنے کیلئے چل نکلے۔

اونٹنی کے قتل سے قبل صالح علیہ السلام کو علم اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اونٹنی کے قتل کے منصوبے ہو رہے

ہیں۔ آپ اپنی قوم کو سمجھائیں۔ آپ نے قوم ثمود کو سارا ماجرا سنایا۔ لیکن ان سب نے انکار کردیا بلکہ قسمیں کھائیں کہ ہم ایسا ہرگز نہیں کریںگے۔ لیکن آپس میں مشورہ کیا اور قسمیں کھائیں کہ اونٹنی اور صالح علیہ السلام کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے اس کی صورت یہ ہے کہ ہم سفر کے لئے چلیں لوگ سمجھیں گے کہ وہ سفر کو چلے اور ہم کسی غار میں چھپ جائیں جب رات ہو گی تو اونٹنی کو قتل کر دیں گے اور پھر واپس غار میں چند روز چھپے رہیں گے چند دنوں کے بعد گھر واپس آئیں گے تو وہ ہمارے سے سوال کریںگے تو ہم قسم کھا کر کہہ دیں گے ہمیں اونٹنی کا کیا پتہ ہم تو سفر میں تھے۔

اونٹنی کی کرامت

حضرت صالح علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ رات کو اپنے گاؤں میں آرام نہیں فرماتے بلکہ گاؤں سے باہر آپ کی ایک مسجد تھی وہاں چلے جاتے تھے اس مسجد کا نام بھی مسجد صالح تھا رات اس مسجد میں بسر کر کے صبح واپس گاؤں میں آجاتے اور ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ پھر شام کو اسی مسجد میں واپس پہنچ جاتے۔ ایک رات اس معمول کے مطابق دن کو بستی والوں کو نصیحت کر کے شام کو اپنی مسجد میں چلے گئے اونٹنی کے قاتل بھی اسی دن سفر کا عزم ظاہر کر کے بستی سے باہر نکل کر حسب مشورہ اسی غار میں چھپ گئے لیکن رات کے وقت غار ان پر گری تو وہ مر گئے۔ صبح کو کفار میں سے کسی نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ چیخا اور شور مچایا کہ انہیں صالح علیہ السلام نے قتل کرایا ہے۔ اس پر اب تمام کھلم کھلا اونٹنی کے قتل پر متفق ہو گئے۔

صالح علیہ السلام کا دوسرا معجزہ

حضرت ابن اسحاق نے فرمایا کہ ان نو قاتلین ناقہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ صالح علیہ السلام کو بھی قتل کر دینا چاہیے۔ ان کے گھر والوں نے کہا وہ سچے نبی ہیں تو ہمیں ان کے قتل کرنے پر قدرت نہیں ورنہ انہیں اونٹنی کے ساتھ مار ڈالیں۔ یہ طے کر کے صالح علیہ السلام پر رات کو حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ کے دولت خانہ میں پہنچے تو فرشتوں نے انہیں پتھر مار کر ہلاک کیا

اُونٹنی کا قتل

ایک روایت میں ہے کہ قدار مصدع اور نو ساتھی اونٹنی کی تاک میں تھے کہ جب پانی سے نکلے گی تو دیکھی جائے گی چنانچہ جب وہ نکلی تو مصدع ایک پتھر کی اوٹ میں بیٹھا تھا اونٹنی وہاں سے گزری۔ مصدع نے تیر مارا تو اس کی پنڈلی پر لگا۔ اس پر قدار نے تلوار سے اس پنڈلی کو کاٹا جس سے اونٹنی گر پڑی اور وہ بلبلاتی تھی کہ پھر قدار نے تلوار کا دوسرا وار اونٹنی کے گلے پر کر کے اسے ذبح کیا شہر والے کافروں کو معلوم ہوا کہ اونٹنی ماری گئی تو آ کر گوشت تقسیم کر کے لے گئے۔ جب اونٹنی کے نوزائیدہ بچے نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ ایک پہاڑی پر چڑھا۔ اس پہاڑی کا نام تھا "قارہ" وہاں تین بار بلبلایا اور اس کے ماں کی مفارقت سے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس طرح روتا ہوا اسی پتھر کے قریب آیا جہاں سے اونٹنی پیدا کی گئی تھی چنانچہ اس پتھر نے منہ کھولا تو وہ اس پتھر میں چلا گیا۔ پھر اس پتھر نے اپنا منہ بند کر لیا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ۔ اسی سبب سے جو مذکور ہوا۔ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ اور اپنے رب کریم کے امر سے منہ موڑا۔ جو صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا امر سنایا کہ فذروھا اور نہی سنائی کہ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوْٓءٍ اور سرکشی کی یعنی ایمان سے شروع فرمایا اور فرمایا یہی تمہارا دین ہے اسی پہ چلو لیکن انہوں نے مخالفت کی یعنی معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کے بارے میں ان سے سرکشی صادر ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا کہ اونٹنی کو آزاد چھوڑ دے رکھنا یہی مخالفت ان کی سرکشی کا سبب بنی۔ اس سے وہ نجات نہ پا سکے یہ وہی محاورہ ہے جو سبب مقام پر فرمایا۔ وخالفت عن امری (کذا فی الکشاف)

وَقَالُوْا۔ صالح علیہ السلام کو خطاب ہوئے یعنی کہ جو بات ہم انہیں کہیں گے وہ پوری نہیں کر سکیں گے اس طرح سے وہ آئندہ ہم سے لاجواب ہو کر رہیں گے۔ کہا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا۔ اے صالح لائیے وہ عذاب جو اونٹنی کی وجہ سے آپ ہمیں ڈراتے تھے۔

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ اگر آپ رسولوں سے ہیں یعنی آپ بھی منجملہ رسل کرام علیہم السلام ہیں تو وہ وعدہ وعید سناتے اور پھر اگر کہلاتے تو تم بھی اپنی صداقت پر کچھ کر کے دکھلائیے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ۔ پس انہیں سخت سے سخت جھٹکے نے پکڑ لیا۔ یہ ان کے مذکورہ بیان کے فوراً بعد کو نہ ہوا۔ بلکہ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ دیا گیا اور پھر تین دن انہیں عذاب کے مبادی نظر آتے رہے۔ چنانچہ اس تذکرے کے واقعہ میں بیان ہو گا اس کے بعد پھر ان پر زلزلہ آیا۔

سوال: کسی جگہ پر ان کے لئے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہا گیا اور کہیں ان کے لئے فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ اور کسی جگہ پر فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس میں تناقض نہیں اس لئے کہ انہیں مختلف کیفیات سے عذاب دیا گیا۔ مثلاً رجفۃ صیحۃ پر مرتب ہوا اس طرح کہ جب چیخ کو اٹھے تو دلوں میں ایسی تھرتھراہٹ پیدا ہوئی کہ اس سے ہی مر گئے اور یہ بھی ہے کہ ہر دونوں کے حملے پر مرے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ پہلے انہیں زلزلے نے گھیرا پھر جبریل علیہ السلام کی چیخ سے سب مر گئے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ جب اونٹنی ماری گئی تو صبح صادق کے بعد زلزلے شروع ہو گئے۔ بالطاغیہ میں باء سببیہ ہے اور طاغیۃ بمعنی طغیان ہے اور اس میں عاقبۃ میں علامۃ کی طرح تا مبالغہ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنی سرکشی کے سبب تباہ و برباد ہوئے۔

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ۔ پس وہ اپنی زمینوں اور اپنے شہروں یا اپنے گھروں میں ہوئے جٰثِمِيْنَ اوندھے پڑے ہوئے یعنی موت کے گھیرے میں آ کر مٹے پڑے تھے کہ ان میں کسی قسم کی حس و حرکت نہ تھی

حل لغات جثوم یعنی ابروک (گھٹنے بل پڑنا) سے مثلاً کہا جاتا ہے۔ الناس جثوم۔ یعنی لوگ ایسے بیٹھے ہیں کہ گویا انہیں کوئی حس و حرکت نہیں۔

فائدہ: ابو عبیدہ نے فرمایا کہ الجثوم انسانوں اور پرندوں کے لئے اور ابروک اونٹوں کے لئے بولا جاتا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی ابتداء میں وہ اسی طرح ہوئے۔ جیسے عادتاً موت کے وقت ہوتا ہے کہ جب اُن سے روح خارج ہوئیں تو انہیں کسی قسم کی حس و حرکت نہ تھی ظاہر ہے کہ اس میں ان پر سخت گرفت اور زود تر عذاب میں مبتلا کرنے کا بیان ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا بِکَ نَعُوْذُ مِنْ نُزُوْلِ سَخَطِکَ وَحُلُوْلِ غَضَبِکَ (اٰمین)

سوال: جب ان کے لئے رجفہ میں مبتلا کیا تھا تو ان کے لئے دار کو واحد اور جب صیحۃ کا ذکر فرمایا تو جمع کا لایا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: چونکہ صیحۃ آسمان پر ہوا اس کا ظہور و بلوغ زلزلہ سے زائد تھا۔ اس لئے اس کے لئے جمع اور رجفہ کے لئے واحد لانا مناسب تھا۔

صالح علیہ السلام کو ناقہ کے قتل کی اطلاع

مروی ہے کہ صالح علیہ السلام کو مطلع کرنے سے پہلے اونٹنی کے قتل کے وقت اس کا نونہال بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور وہاں تین بار بلبلایا اور صالح علیہ السلام کو اطلاع کی گئی تو آپ نے فرمایا اس کے بچے کو قابو کرلو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اُن سے عذاب اٹھا لے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بچہ پہاڑ سے اُتر کر بلبلانے کے بعد پتھر میں گھس گیا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اونٹنی کے بچے کے تین بار بلبلانے میں یہ حکمت ہے کہ ہر ایک بلبلانے پر تین روز کی مہلت ہے اب تم اپنے گھروں میں صرف تین روز بسر کر سکتے ہو اس کے بعد کوئی مہلت نہیں اور یہ ہماری آخری بات ہے۔

ف: صالح علیہ السلام کی باغی قوم نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تو انہیں صالح علیہ السلام نے فرمایا اب تم عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ۔

صالح علیہ السلام کا علم ما فی الغد

صالح علیہ السلام نے جب باغیوں کو عذاب کی خبر سنائی تو انہوں نے کہا اس کی کوئی نشانی آپ نے فرمایا کہ خمیس کے دن صبح کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے جب جمعہ کو اٹھو گے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے ہفتہ کے دن صبح کو تمہارے چہرے کالے سیاہ ہوں گے اتوار کے دن صبح سویرے تمہیں عذاب گھیرے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ جیسے صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ خمیس کے دن صبح کو اٹھے تو اپنے سخت زرد تھے کہ گویا ان کے چہروں پر زعفران مل دیا گیا سب چھوٹے بڑے مردوں اور عورتوں کی یہی کیفیت تھی۔ سب نے یقین کر لیا کہ واقعی صالح علیہ السلام نے سچ کہا

پھر مشورہ کیا کہ انہیں تلاش کر کے قتل کر دو۔ لیکن آپ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایسی جگہ چھپ گئے کہ بسیار تلاش کے باوجود آپ انہیں نہ مل سکے لیکن انہوں نے آپ کے ساتھیوں کو ستانا شروع کر دیا اور کہا بتاؤ ورنہ ہم تمہیں سخت سزا دیں گے۔ لیکن جب جمعہ کا دن ہوا تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے چہروں کو خون سے تر بتر کیا گیا ہے یہ حالت دیکھ کر چیخنے چلانے اور سخت رونے اور یقین کیا کہ اب عذاب ہمارے قریب آ گیا اور جمعہ کا دن ایک دوسرے کو چہروں کے حالات سنانے میں گزار دیا جب ہفتہ کا دن ہوا تو ان کے چہرے سخت سیاہ کالے ہو گئے گویا ان کے چہروں پر تارکول مل دیا گیا ہے اور ان پر نیل چھڑکا گیا ہے یہ حالت دیکھ کر سخت روئے اور کہتے تھے عذاب آ گیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی ہجرت اتوار کی رات حضرت صالح علیہ السلام اُن کے ہاں تشریف لائے اور اپنے ماننے والے کو لے کر شام کے ملک کو ہجرت کر گئے شام کے ملک میں پہنچ کر آپ فلسطین میں اُترے۔

عذاب کے نزول کی کیفیت صالح علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد باغی قوم نے دن چڑھے صبر۔ دوائی کی دھونی لگائی تا کہ اس کی کڑواہٹ سے درندے ان کے قریب نہ آئیں اور کفن پہن کر زمین پر پڑے رہے۔ کبھی آسمان کو دیکھتے اور کبھی زمین پر کہ نا معلوم عذاب کہاں سے آتا ہے چنانچہ آسمان سے ایک کڑک اٹھی۔ جس میں کئی قسم کی آوازیں تھیں اور سخت ڈراؤنی اور زمین سے زلزلہ اُٹھا کہ ان کی جان لبوں پر آ گئی اور اس سے ان کا ہر چھوٹا بڑا تباہ و برباد ہوا۔

سوال: ایسی تکالیف اور عذاب دیکھ کر کو نسا ضدی ہے کہ وہ ایمان پر مجبور نہ ہو جائے۔ جب انہوں نے یہ کوائف پہلے دیکھے تھے تو لازماً ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ اب بھی کفر پر ڈٹے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب: جب انہوں نے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیا تو اب وہ مکلف نہ رہے اس لئے اس وقت کا ایمان قابلِ قبول نہ رہا۔

۷۹ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ جب صالح علیہ السلام نے ان کے عذاب کے علامات دیکھے تو اُن پر حسرت کرتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے اور آپ کو اس کا بڑا صدمہ اور رنج بھی تھا کہ باوجودیکہ بڑی جدوجہد کی گئی اور انہیں سمجھایا گیا لیکن نہ مانے۔ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ اور فرمایا اے میری قوم بیشک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کی رسالت پہنچائی۔ یعنی وہ پیغامات کہ جن کے پہنچانے پر میں مامور تھا میں نے تمہیں پہنچا دیئے۔ وَنَصَحْتُ لَكُمْ اور تبلیغ احکام کے وقت میں نے ترغیب و ترہیب کے طور تمہارا

بجلا چاہا اور اپنے طاقت کے مطابق جدوجہد کی۔ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ۔ لیکن تم خیر خواہوں سے محبت نہیں کرتے۔ مضارع کا صیغہ حکایتِ حال ماضی کے لئے ہے۔ یعنی میرا حال تم نے دیکھ لیا لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے خیر خواہ سے اُلٹا ٹھٹھا مذاق کرتے ہو وہ اس لئے کہ ناصح کا قول ثقیل اور کڑوا ہوتا ہے اور اور الحق مُرٌّ (حق کڑوا) بھی مشہور مثال ہے ان ہی باتوں سے لوگ ناصح کے ساتھ بغض رکھتے ہیں کسی شاعر نے کہا۔

وکم سقت فی آثارکم من نصیحۃ

قد یستفید البغضۃ المتنفع

ترجمہ، میں نے تمہاری خیر خواہی (نصیحت) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن نصیحت کرنے والے کو سوائے بغض وعداوت کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

نکتہ صوفیانہ، چونکہ ان کے نفس کی زمین خبیث تھی اس لئے اپنی خباثت سے صالح علیہ السلام کی نصیحت کے منہج کو قبول نہ کیا اور نہ ہی اس سے کچھ نتیجہ برآمد ہوا۔

قوم ثمود پر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثمود کے علاقہ حجر سے بموقعہ غزوۂ تبوک گزرے تو آپ نے اپنے یاروں سے فرمایا خبردار! تم میں کوئی بھی اس بستی پہ نہ جائے اور نہ ہی وہاں کے کنویں سے پانی پیئے اور نہ ہی کوئی ان کے گھروں میں داخل ہو۔ ہاں وہاں سے روتے ہوئے گذرو کہیں تم بھی ان کی طرح کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور فرمایا تمہیں چاہیے کہ تم بھی اپنے رسول سے کسی قسم کا معجزہ طلب نہ کرنا۔ دیکھئے انہوں نے اپنے نبی صالح علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اونٹنی بھیجی جو ایک راہ سے جاتی اور دوسرے راہ سے نکلتی اور ان کا تمام پانی پی جاتی۔ جب اس کی باری ہوتی اس کے بعد آپ نے اپنے یاروں کو اونٹنی کے نیچے کے پہاڑی پر چڑھنے کی جگہ دکھائی۔ اس کے بعد اس وادی سے جلدی چل دیئے یہاں تک کہ اس وادی کو نہایت تیزی سے عبور فرما لیا۔

حدیث شریف

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی عنہ سے فرمایا کہ اے علی! (رضی اللہ عنہ) تمہیں معلوم ہے کہ پہلے لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت کون تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا وہ کمینہ جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون ہوگا۔ انہوں نے عرض کی واللہ اعلم۔ آپ نے فرمایا اے علی (رضی اللہ عنہ) تیرا قاتل پچھلے تمام لوگوں سے بدترین انسان ہوگا

مثنوی شریف میں ہے ؎

ناقۂ صالح بصورت بد شتر

پے بریدندش ز جہل آن قوم مُر

ناقۃ اللہ آب خورد از جوی و میغ

آب حق را داشتند از حق دریغ

شحنۂ قہرِ خدا زیشان بجست

خونبہای اشتری شہری درست

صالح از خلوت بسوی شہر رفت

شہر دید اندر میان دود و تفت

ذاستخوانہاشان شنید او نالہا

اشک خون از جان شان چون ژالہا

صالح آن بشنید و گریہ ساز کرد

نوحہ بر نوحہ کنان آغاز کرد

گفت ای قومی بباطل زیستہ

وز شما من پیش حق بگریستہ

حق بگفتہ صبر کن بر جورشان

پندشان دہ بس نماند از دورشان

من بگفتہ پند شد پند از جفا

شیر پند از مہر جوشد وز صفا

بس کہ کردید از جفا بر جای من

شیر پند افسرد در رگہائے من

حق مرا گفتہ ترا لطفی دہم

بر سر آن زخمہا مرہم نہم

صاف کردہ حق دلم را چون سما

روفتہ از خاطرم جور شما

در نصیحت من شده بار دگر
گفت امثال سخنہا چوں شکر

شیر تازه از شکر انگیختہ
شیر شہدی با سخن آمیختہ

در شما چوں زہر گشتہ آں سخن
زانکہ زہرستان بدید از بیخ وبن

چوں شوم غمگیں کہ غم شد سرنگوں
غم شما بودید ای قوم حروں

ہیچ کس بر مرگ غم نوحہ کند
ریش سر چوں شد کسی مو برکند

خلاصہ اشعارِ مثنوی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اونٹ جیسی تھی لیکن ظالم قوم نے انہیں قتل کر ڈالا حالانکہ وہ اونٹنی تو آسمانی پانی پیتی تھی یہی بدبخت تھے جو اسے روکتے پر ان قہر خداوندی برسا تو سارے کے سارے تباہ و برباد ہوگئے صالح علیہ السلام ان کے شہر سے گذرے تو وہاں سے دھواں نکل رہا تھا ان کی ہڈیوں سے آواز آتی تھی اور زار و زاری کی طرح گویا آنسو بہہ رہے تھے صالح علیہ السلام نے سن کر خوب روئے پھر قوم (مردہ) کو مخاطب ہوئے کہ مجھے تم نے ایسے رلایا تو مجھے اللہ نے فرمایا اے صالح صبر کر لیکن انہیں نصیحت کرتے رہو۔ میں نے خوب نصیحت کی تم نہ مانے مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے زخموں پر مرہم رکھوں گا اور سارا دکھ درد دور کردوں گا۔ بالآخر وہی ہوا کہ آج تم عذاب کی مار کھا رہے ہو اور مجھے اللہ نے آرام و سکون بخشا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں صالح سے مراد روح ہے جسے نفخہ حق دیکر بلدۂ قلب اور اس کے ساکنین کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ انہیں اوصاف ردیہ سفلیہ ظلمانیہ حیوانیہ سے اخلاق حمیدہ علویہ نورانیہ روحانیہ کی دے لیکن نفس اور اس کی صفات نے سر الٰہی کی ناقہ قلب کو مخالفتِ حق اور استکبار کی چھری سے ذبح کر ڈالا اور توحید و معرفت کے امر الٰہی سے روگردانی کرکے ہلاکت کے گڑھے میں پڑے۔ اسی طرح جہل انکار کی وادی میں رہے۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ ان امور سے محفوظ رکھے جو روح کو نقصان دہ اور فتوح سے مانع ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۞ وَلُوطًا اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا۔

لوط علیہ السلام کا نسب نامہ لوط علیہ السلام بن ہاران بن تارخ حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے بھتیجے تھے اور عراق میں بابل کے علاقے کے باشی تھے۔ جنہوں نے اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی اور شام کو چلے گئے اور اردن میں مقیم ہو گئے۔ یہ بھی ملک شام کے علاقے کا نام ہے۔ پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے بلدہ حمص کے علاقہ سدوم کا رسول بنا کر بھیجا۔

ف: تفسیر فارسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو پیغمبری عطا کر کے اہل موتفکات کی طرف بھیجا ان کے پانچ شہر تھے

(۱) سدوم : یہ تمام شہروں سے بڑا تھا۔

۲ : عامرہ

۳ : درود

۴ : صابورہ

۵ : صعفور۔

منقول ہے کہ ان شہروں میں بارہ ہزار آدمی مقیم تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے سدوم میں مقیم ہو کر ان تمام بندگانِ خدا کو دعوتِ حق پیش فرمائی اور بیس سال تک انہیں وعظ فرمایا اور ہر نیکی کی ترغیب دی ان میں بہت سی خرابیاں تھیں زیادہ مشہور لواطت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اپنی قوم یعنی سدوم وغیرہ کے باشندوں سے فرمایا۔ اذ ظرفیہ ہے اور اَرْسَلْنَا محذوف کے متعلق ہے یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔

سوال: ان کا رسول ہونا تو اس قول سے پہلے ہونا چاہیے نہ یہ کہ جب قوم کو کہا تو اس وقت رسول بن گئے جیسا کہ اذ ظرفیہ سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب: یہاں مجاز ہے جیسے تم کہتے ہو۔ زید فی ارض الروم۔ اور قاعدہ ہے کہ ظروف کے کسی جز میں فعل کا وقوع ہو تو وہاں کل بول کر جز مراد لیا جاتا ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۔ کیا تم فاحشہ کا ارتکاب کرتے ہو۔ یہ استفہام انکاری ہے اور ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ یہ فعل جو حد درجہ کا قبیح ہے۔ تم اس کے مرتکب ہوتے ہو۔ یعنی لواطت جو کہ ایک گندا فعل ہے تم وہی کرتے ہو۔

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا تم سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ یہ باتعدیہ کی ہے۔ جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ گرامی " سبقك بها عكاشة " یا اہل عرب کہتے ہیں سبقته بالكرة یعنی میں کرہ (گیند) اس سے پہلے مارا میں باتعدیہ کی ہے۔ مِنْ اَحَدٍ من زائدہ نفی کی تاکید کے لئے اور استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یہ من تبعیضیہ ہے۔ یہ جملہ مستانفہ نحویہ ہے۔ یعنی یہ برا کام تم نے ہی شروع کیا ہے۔ اسے انکار سابق کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے گویا پہلے انہیں اس برائی پر زجر و توبیخ

فرمائی۔ اس کے بعد مزید جھڑکا کہ تم نے ہی یہ برائی شروع کی ہے۔
۸۱ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ یہ اس فاحشہ کا بیان ہے۔
ف: حضرت نافع وحفص نے انکم بطریق مبتدا کے پڑھا ہے باقی آئمہ نے ائنکم الخ استفہام کے طور اتی یہ عرفی جملہ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں۔ جب کوئی اپنی عورت سے ہمبستری کرے یعنی بے شک تم مردوں سے برائی (لواطت) کرتے ہو۔

سوال: یہاں الغلمان یا المردان (یعنی چھوٹے لڑکے اور بے ریش) کا لفظ لانا تھا۔ الرجال لانا تو موزوں نہیں اس لئے الرجال بڑے مردوں سے لواطت نہیں کی جاتی۔
جواب: اس کی قباحت کے اظہار میں مبالغہ مقصود ہے کہ جیسے بڑے مردوں سے ایسی برائی لائق نہیں تو چھوٹے لڑکوں سے مناسب نہیں۔ بلکہ یہ سخت گندا عمل ہے گویا اس سے بھی مزید توبیخ مطلوب ہے۔ شَهْوَةً یہ مفعول لہ ہے اس سے مقید کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ فعل تمہارا جانوروں کی مثل ہے اور تنبیہ مطلوب ہے کہ سمجھدار کا کام یہ ہے کہ وہ طالب اولاد ہو اور بقاء نوع انسانی اس کی اصل غرض ہو نہ کہ شہوت رانی جو صرف جانوروں کا کام ہے۔ اب تم سمجھو کہ اس گندے فعل سے تمہارا شمار کس گروہ میں ہے مِنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ عورتوں سے متجاوز ہو کر جب صرف وہی تمہارے لئے مباح رکھی گئی ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ انکار مذکور سے اعراض کر کے اب ان کے اصل حال کو بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں وہی حد سے بڑھنے والے ہوتے ہیں اور ہر فعل میں ان کی اسراف کی عادت تھی اور حد سے متجاوز ہو جاتے تھے منجملہ ان کے یہ فعل لواطت بھی تھا کہ اسمیں اسراف اور تجاوز عن الحد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شہوت رانی کی ایک حد مقرر فرما دی۔ لیکن وہ اس حد سے متجاوز ہو کر مسرفین میں داخل ہو گئے ۸۲ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا یہ استثنا مفرغ ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی۔ مَا كَانَ جَوَابًا مِنْ جِهَةِ قَوْمِهٖ شَيْءٌ من الاشياء الا قول بعضهم لبعض یعنی ان کا اور کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ اس کے بعض نے بعض کو کہا۔

اَخْرِجُوْهُمْ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نکال دو مِنْ قَرْيَتِكُمْ اپنی اس بستی سے جب کہ ان کے ہاں لوط علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ بن پڑا اور نہ ہی ان کے مواعظ و نصائح کے مطابق پورے اتر سکے تو لڑائی پر اتر آئے اور وہی بکواس کی جو اوپر مذکور ہوئی۔ لیکن لوط علیہ السلام کی ابتدائی تبلیغ سے نہیں بلکہ آخر میں بہت عذاب کے وقوع کا وقت قریب آ گیا۔ چنانچہ کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے ہاں اس سے قبل جب لوط علیہ السلام انہیں نصائح و مواعظ سناتے تو اور طریقے کے بکواسات بکتے

اور دیگر قسم کی بدگوئی سے پیش آتے۔ لیکن یکواس مذکورہ آخری تھی۔ چنانچہ جہاں بھی قرآن کریم میں اُن کا قصہ بیان ہوا ہے آخر میں یہی قول منقول ہے۔ اس سے اس معاملہ کو اسی حکم میں حصر کیا جائے تو بجا ہے۔

ف : مِنْ قَرْيَتِكُمْ سے ان کا بلدہ شہر مراد ہے اس لئے کہ اہل عرب کی عادت ہے کہ بہت بڑے شہر کو قریہ کہہ دیتے ہیں اور اس شہر سے سدوم مراد ہے جہاں لوط علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۔ بے شک یہ ایسے ہیں کہ ہمارے افعال کو قبیح جان کر اس سے بچنا چاہتے ہیں یعنی ایسے پاکباز لوگوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے استہزاءً کہا تھا۔[۲] فَاَنْجَيْنٰهُ پس ہم نے لوط علیہ السلام وَاَهْلَهٗٓ اور ان کے اہل و عیال کو نجات دی۔ اہل سے ان کی دونوں صاحبزادیاں ربوز اور یثا اور باقی آپ کے تمام ساتھی مراد ہیں (رحمہم اللہ)۔

رَدِّ شیعہ[۱] اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اہل کا اطلاق ازواج اولاد بلکہ نوکر اور نوکرانیوں اور تمام رشتہ داروں اور تمام دوستوں اور جمیع متعلقین پر ہوتا ہے اور اصطلاح میں تمام وہ لوگ (مخصوص) جو صرف اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں[۲]

اِلَّا امْرَاَتَهٗ (زجیلہ) مگر لوط علیہ السلام کی اہلیہ کو وہ اندرونی طور کافرہ تھی بلکہ اُلٹا کفار کو لوط علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتی تھی استثناء من اہلہ سے ہے كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۔ یعنی وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ جانے والوں میں سے تھی یہ استیناف بیانی ہے اور مقدر کا جواب ہے۔ گویا سوال ہوا کہ لوط علیہ السلام کا کیا ہوا تو اس کے جواب میں فرمایا کانت من الغٰبرین یعنی وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ جانے سے تھی۔ یہ الغبور سے ہے بمعنی بماندن یعنی رہ جانا۔

سوال :۔ مِنَ الْغٰبِرٰتِ کہنا چاہیے تھا من الغٰبرین کیوں کہا گیا ہے۔

جواب[۱] : اگرچہ ان رہ جانے والوں میں مرد اور عورتیں ہر طرح کے لوگ تھے لیکن تغلیباً مردوں کا نام لیا گیا۔

جواب[۲] : یہ بھی منجملہ ان میں سے تھے۔ اس لئے من الغٰبرین کے عموم میں داخل ہے۔

۵۸۴ وَاَمْطَرْنَا اور ہم نے برسایا عَلَيْهِمْ قوم لوط کے کافروں پر مَّطَرًا ایک قسم کی عجیب بارش یہ پتھر تھے یعنی ہم نے ان پر بارش کی طرح پتھر برسائے۔ فَانْظُرْ پس دیکھئے یہ خطاب ہر دیکھنے اور تامل کرنے والے کو ہے تاکہ ان کا عجیب حال کو دیکھ کر غور و فکر کیا جا سکے اور ان کے اعمال معلوم کر کے غلطیوں سے بچنے کی کوشش

---

[۱] : جب کہ شیعہ اہل بیت کا لفظ صرف پنجتن پاک پر تصور کرتے ہیں اور ہم حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت مانتے ہیں [۲] : اس سے صرف ازواج ہی اہل بیت ہی ہو سکتے۔ لیکن ہم نے دوسرے حضرات کو بھی مانا ان کے لئے مجازاً اہل بیت ہوگا اور ازواج مطہرات کا اطلاق حقیقۃً ہوگا۔

کی جائے۔

کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُجْرِمِیْنَ کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔ یعنی تکذیب کرنے والے کافروں کے انجام پر غور کیجئے کہ انہیں بدکرداریوں پر سزا ملی

لواطت کا آغاز کیسے ہوا

مروی ہے کہ شام کے علاقوں میں سدوم و دیگر اس کے متعلق علاقے بہت بڑے سرسبز تھے ہر قسم کے اناج اور سبزیاں ترکاریاں یہاں دستیاب ہوتی تھیں۔ اطراف واکناف کے لوگ یہاں آنے لگے اور اتنے کثیر التعداد لوگ اطراف واکناف سے آئے کہ یہ لوگ اُن سے تنگ آگئے اور چاہتے کہ ان سے کسی طرح سے نجات میسر ہو کوئی چارہ کار نظر نہ آتا۔ ابلیس ایک بوڑھے کی شکل میں ان کے ہاں پہنچا اور کہا کہ اگر ان سے نجات چاہتے ہو تو ان سے لواطت کرو۔ جب لوگ ایسی گندی عادت سنیں گے تو پھر تمہارے ہاں نہیں آئیں گے پہلے تو اس گندے فعل سے نفرت کا اظہار کیا لیکن بہت زیادہ تنگ ہوئے تو باہر سے آنے والوں سے لواطت شروع کردی اُن میں بہت بڑے حسین وجمیل بے ریش لڑکے انہیں میسر ہوئے تو ایسا چسکا پڑ گیا کہ عورتوں سے نکاح بھی ترک کردیا صرف ان میں غریب لوگ عورتوں سے نکاح کرتے تھے باقی سب کے سب لواطت کی بیماری میں مبتلا ہوگئے۔

سب سے پہلے لواطت کرنیوالا کون

کلبی نے کہا کہ سب سے پہلے لواطت ابلیس علیہ نے کرائی وہ اس طرح کہ قوم لوط کے سامنے حسین وجمیل بے ریش لڑکے کی شکل میں حاضر ہوکر اس گندے فعل کی انہیں دعوت دی ان کو اس کا چسکا پڑ گیا۔ اس کے بعد جو بے ریش لڑکا انہیں مل جاتا اس سے بدفعلی کرتے۔ خلاصہ یہ کہ ایک طرف تو انہوں نے شہوۃ رانی کی۔ دوسری طرف انہیں باہر سے آنے والے لوگوں سے نجات ملی۔ اس بدفعلی پر انہیں بہت بڑا عرصہ گزرا۔

لواطت کی مذمت

لواطت کی بدعملی سے زمین وآسمان اور عرش فریادی ہوئے

ان کی بدفعلی کو دیکھ کر زمین چیخی۔ جس کی چیخ وپکار آسمان نے سنی وہ چیخا تو اس کی چیخ عرش پہ پہنچی۔ عرش نے ان بدعملوں کی کہانی بارگاہ میں پیش کردی۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو حکم فرمایا کہ ان پہ پتھر برسائے اور زمین کو فرمایا کہ انہیں اپنے اندر دھنسائے۔ پھر اُن پر پتھر برسائے گئے ساس کے

لہ اس سے بے ریش عبرت پکڑیں کہ وہ از خود یا کسی کے ورغلانے سے فعل کراتے ہیں تو وہ سمجھیں کہ وہ اس بدعمل سے کس کے پیروکار ہیں۔١٢

بعد انہیں زمین میں دھنسا یا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جو گھروں میں تھے انہیں زمین میں دھنسا یا گیا اور جو سفر میں تھے ان پر پتھر برسائے گئے

اعجوبہ مروی ہے کہ ایک تاجر انہیں سے حرم شریف کو تجارت کے لئے چلا گیا تھا۔ چالیس روز تک وہ پتھر اس کا منتظر رہا۔ جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اسے پتھر نے فنا کر دیا۔

نکتہ : آیت سے واضح ہوا کہ لواطت بہت ہی گندا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ پر پتھر نہیں برسائے سوائے اس لواطت کے دیکھئے۔ زنا چوری والدین کی بے فرمانی قتل ناحق اسی طرح دیگر بہت بڑے کبیرہ گناہ یہاں تک کہ شرک بھی۔ مگر لواطت کوئی ایسا قبیح ترین فعل ہے کہ صرف اس کے ارتکاب سے پتھر برسے۔

خنزیر اور گدھا لوطی : جانوروں میں کوئی بھی جانور لواطت کا ارتکاب نہیں کرتا سوائے خنزیر اور گدھا کے۔

مسئلہ : لواطت بہت ہی بُرا فعل ہے اس سے بلکہ اس کے مبادی یعنی بے ریش لڑکے کے بوس و کنار اور شہوت سے ہاتھ لگانے سے بھی بچنا لازم ہے۔

بے ریش کو بوسہ دینے کے گناہ کا ایک نمونہ حضرت امام فرماتے ہیں کہ جس نے بے ریش کو شہوت سے بوسہ دیا اس نے گویا اپنی ماں کے ساتھ ستر بار زنا کیا اور جس نے ماں سے زنا کیا اس نے گویا ایک کنواری (باکرہ) لڑکی سے ستر بار زنا۔ اور جس نے باکرہ کنواری لڑکی سے زنا کیا اس نے دوسری ایک ہزار عورت سے زنا کیا۔

لواطت سے بچنے کا علاج بے ریش لڑکے کو شہوت سے دیکھنا ہی اس مرض کی بنیاد ہے اس لئے کہ اسے دیکھنے کے بعد بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے شریعت نے بے ریش لڑکے سے میل جول ناجائز قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ خرابت کند شاہد خانہ کن
بر و خانہ آباد گرداں بزن

۲۔ نشاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامدادش بود بلبلے

۳۔ مکن بد بفرزند مردم نگاہ
کہ فرزند خویشت بر آید تباہ

۴۔ چرا طفل یک روزہ ہوشش بزد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

۵۔ محقق ہمی بیند اندر ابل
کہ درخوبرویاں چین و چگل

ترجمہ ۱۔ تجھے یہ بے ریش (حسین) خراب کرے گا جا عورت سے نکاح کرکے گھر آباد کر۔

۲۔ اس گل سے خواہش رانی کا کیا فائدہ جس کی ہر نئے روز نئی بلبل (عاشق) ہو۔

۳۔ لوگوں کے لڑکوں کو بد نگاہ سے نہ دیکھ کہیں تیرا بیٹا تباہ نہ ہو جائے۔

۴۔ بھلا اس کا ننھے بچے نے ہوش کیوں نہیں اڑایا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت دیکھنے میں بڑے چھوٹے کا کوئی فرق نہیں۔

۵۔ محقق تو اونٹ میں وہی دیکھتا ہے جو چین و چگل کے حسینوں میں دیکھتا ہے۔

مکالمہ سلیمان علیہ السلام مابین ابلیس دربارہ لوطی

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز عفریت جن سے فرمایا ابلیس کہاں ہے اس نے عرض کی آپ اسے کچھ فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں لیکن بتائیے وہ ہے کہاں۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ چلیں جہاں ہو گا میں آپ کو دکھاؤں گا۔ عفریت سلیمان علیہ السلام کو دریا کے کنارے لے گیا۔ آپ نے شیطان کو تخت پر بیٹھا دیکھا ابلیس نے جب سلیمان علیہ السلام کو دیکھا تو گھبرا کر اٹھا۔ آپ اس سے ملے۔ ابلیس نے عرض کی حضرت آج کیسے تشریف لائے کوئی حکم۔ آپ نے فرمایا تجھ سے یہی پوچھنے آیا ہوں کہ تیرا محبوب کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین ہو۔ اس نے عرض کی یہ میری راز کی بات ہے اگر آپ یہاں تشریف نہ لاتے تو میں اسے ہرگز ظاہر نہ کرتا۔ لیکن بمجبوراً عرض کرتا ہوں کہ میرا محبوب ترین اور اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین وہ مرد ہے جو مرد سے لواطت کرے اور وہ عورت جو عورت کے ساتھ برائی کرے (عورتوں کا رحم سے رحم ملا کر ایک دوسرے پر چڑھنا بھی زنا ہے)

مسئلہ: ملتقط الناصری میں ہے کہ لڑکا اگر بالغ ہو جائے اور وہ حسین و جمیل نہ ہو تو اس کا حکم مردوں جیسا ہے ورنہ عورتوں کے حکم میں ہے اسے سمجھو کہ سر سے پاؤں تک وہ عورت ہے فلہذا اسے شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ: اسے السلام علیکم اور اسے دیکھنا شہوۃ سے نہ ہو تو جائز ہے۔ اس لئے اسے پردہ کا حکم نہیں۔

مسئلہ: اگر بے ریش حسین و جمیل لڑکا تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر جائے تو باپ کو چاہیے کہ اسے باہر نہ جانے دے

امام اعظم رحمہ اللہ کا تقویٰ

منقول ہے کہ امام محمد بن الحسن بچپن میں بہت بڑے حسین و جمیل تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں سبق پڑھاتے وقت پیٹھ کے پیچھے بیٹھاتے تھے یا مسجد کے ستون کی اونٹ میں تاکہ ان پر غلط نگاہ نہ پڑ جائے۔ حالانکہ آپ کے تقویٰ سے بھی یہ بعید امر تھا۔

حکایت بے ریش کو غلط نگاہ سے دیکھنا: منقول ہے کہ ایک عالم دین کو ان کے مرنے کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا کہ ان کا چہرہ سیاہ ہے۔ دیکھنے والے نے ماجرا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ فلاں مقام پر مجھے ایک بے ریش لڑکا نظر آیا تو میں نے اسے غلط نگاہ سے دیکھا اس وجہ سے میرا چہرہ جہنم کی آگ سے جلا دیا گیا۔

بے ریش کے ساتھ اٹھارہ شیطان: حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام صاحب سے سنا ہے کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں لیکن ہر بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں۔

مسئلہ: بے ریش لڑکوں اور عورتوں بچوں اور بے وقوفوں کے ساتھ ہمنشینی مکروہ ہونے کے علاوہ عوام کے دلوں سے ہیبت و وجاہت نہیں رہتی اور تہمت میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

ے ۱۔ چو خواہی کہ قدرت بماند بلند
دل اے خواجہ در سادہ رویاں مبند

۲۔ وگر خود نباشد غرض درمیاں
حذر کن کہ دارد بحرمت زیاں

ترجمہ ۱۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا قدر بلند ہو تو اے خواجہ بے ریش لڑکوں کے ساتھ عشق بازی نہ کر۔
۲۔ اگرچہ تیری ان سے اور کوئی غرض نہ ہو تب بھی خطرہ کہ اس لئے کہ اس سے تیری عزت چلی جائے گی۔

مسئلہ: ایسے غلام بے ریش کو ایسے شخص کے ہاں بیچنا مکروہ ہے کہ جس سے غالب ہو کہ وہ اس کے ساتھ بدفعلی کرے گا اس لئے کہ اس سے اعانۃ علی المعصیۃ ہے۔

سوال: مانا کہ بے ریش لڑکا نسل کے اضافہ کا سبب نہیں لیکن اس سے شہوت رانی اور لذت تو حاصل ہوتی ہے بنا بریں اگر زرخرید غلام سے مالک لواطت کرے تو کونسا حرج ہے جو فعل عقل کے تقاضا پر پورا اترتا ہو وہ شرعاً بھی عموماً جائز ہوتا ہے۔

جواب: شرع پاک نے بے ریش سے وطی کی اجازت اس کی قباحت اور نہایت درجہ کی خباثت کی وجہ نہیں بخشی (جیسا کہ اس کی خباثت و قباحت اطباء کو معلوم ہے) تو عقلاً بھی یہ فعل پر از گندگی ہے اور مالک ہونے پر ضروری نہیں کہ اس میں ہر طرح کا تصرف جائز ہو۔ مثلاً کوئی شخص مجوسیہ یا وثنیہ (بت پرست) عورت کا مالک ہو تو مسلمان کو اس سے وطی ہرگز ہرگز جائز نہیں جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کرے اسی طرح مسلمان مالکہ اپنے زرخرید غلام سے وطی نہیں کرا سکتی۔ بلکہ نہ صرف وطی بلکہ دوسرے اور امور بھی ناجائز ہیں۔ مثلاً بوسہ دینا دلانا مشت زنی وغیرہ وغیرہ جب مالکہ کو اپنے زرخرید غلام سے یہ امور بھی ناجائز ہیں۔ حالانکہ عقلاً

وشرعاً ہر طرح سے جواز کا امکان ہے تو پھر بے ریش لڑکے سے بطریق اولیٰ ناجائز ہیں۔ جب کہ اُن سے ایسے امور عقلاً بھی ناجائز ہیں اور شرع نے ایسے ہی اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

لواطت صغریٰ و کبریٰ مرد کی دبر میں وطی کرنا لواطت کبریٰ ہے اور عورت کی دُبر میں وطی کرنا لواطت صغریٰ ہے۔

لواطی لعنتی: حدیث شریف میں ہے کہ لواطت کرنے والا لعنتی ہے۔

بہشت میں لواطت کے متعلق تحقیق سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت میں لواطت کی اجازت ہوگی یا نہ اس کے متعلق علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر لواطت کی حرمت عقلاً و شرعاً ہر طرح ثابت ہو جائے تو پھر بہشت میں لواطت کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس کی حرمت صرف شرعاً ہے اور عقلاً جواز کا ثبوت ملتا ہے تو پھر بہشت میں بھی جائز ہوگی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ بہشت میں اس گندے فعل کا تصور کسی گندے ذہن میں آسکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ قبیح ترین فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قباحت میں فرمایا ما سبقکم بہا من احد من العٰلمین بلکہ اس فعل بد کو خبیث کہا۔ کما قال۔ کانت تعمل الخبائث اور بہشت میں خباثت اور گندگی کیسی۔

ازالۂ وہم حضرت مولانا زیرک زادہ الاشباہ والنظائر کے حواشی میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ ویطوف علیہم ولدان مخلدون اذا رایتہم حسبتہم لؤلؤا منثورا دوسرے مقام پہ فرمایا ولکم فیہا ما تشتھی انفسکم۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جب بہشت میں حسین و جمیل بے ریش لڑکے حاضر ہوں گے تو انسانی خواہش سے بعید ہے کہ اُن پر شہوت رانی کا خیال تک بھی نہ ہو۔ خیال اور تصور تو ضرور آئے گا البتہ اس کی خباثت و قباحت کی وجہ نفرت ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ جس شے کے لئے دنیا میں نفرت ہو اس سے آخرت میں نفرت ہو یا جو شے دنیا میں کسی سبب سے ناجائز کی گئی ہو ہر لحاظ سے آخرت میں بھی ناجائز ہو۔ اس کے متعلق فقیر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ بہشت میں لواطت کے جواز پر دلائل مذکورہ نہایت بودے اور کمزور ہیں۔ جسے قلب سلیم اور عقل مستقیم کی دولت نصیب ہے وہ سمجھتا ہے کہ قبیح فعل کی قباحت کیسی ہوتی ہے اور اس کا حسن کیسا۔ اسے کھرے کھوٹے کی تمیز بھی ہوتی ہے۔ آیت طواف میں بے ریش لڑکوں کا بہشت میں حاضر ہونا مسلم ہو لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وطی بھی ہوگی۔ البتہ آیت ثانیہ کے لفظ اشتہار سے کچھ اشتباہ ہوتا ہے لیکن اشتہا ضروری ہے کہ وہ لواطت سے ہو۔ بلکہ اُن کے حسن و جمال اور ان کی طرز ادا وغیرہ پر نظر کرنے کا نام بھی اشتہار ہے۔ بہر صورت لفظ اشتہا سے بھی لواطت ثابت نہیں ہوتی حور میں بھی بے ریش لڑکے کا قیاس

نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حورعین اس کی جنس نہیں بلکہ عورتوں کی جنس سے ہوں گی۔

وہم مذکور کے متعلق تقریر ثانی

آیت مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ اگرچہ عام ہے لیکن یہ کب ضروری ہے کہ بہشت میں لواطت اشتہار کے انواع میں ہو۔ یعنی بہشت میں مسرت سے اس کی چاہت بھی دلوں سے مٹا دی جائے اس لئے کہ اس کی حرمت جیسے ادیان میں زنا کی حرمت کی طرح ہے تو جو شئے حرام ابدی ہو وہ کس طرح بہشت میں حلال ہو جائے۔

سوال : شراب بھی تو حرام ابدی ہے۔ وہ تو بہشت میں جائز ہوگا۔

جواب[1] : چونکہ وہ ادیان میں جائز تھا یہ اس کی نفرت کی دلیل نہیں بلکہ اس سے طبیعت کے میلان کی دلیل ہے، اس لئے اسے بہشت کی نعمتوں میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

جواب[2] : اگر لواطت کے لئے جنت میں مطلقاً موانع حرمت مرتفع ہو جائیں گے تو بھی حلت اور جواز کی دلیل نہیں اس لئے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کے موانع حرمت بھی مرتفع ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ناجائز ہیں۔ مثلاً بہشت میں جماع کرنا ہوگا۔ حالانکہ قیامت میں بہشتیوں کی عمریں خود بھی آخرت میں غیر محارم کے سامنے ظاہر نہیں ہونگی (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

لوطی کی سزا

لوطی کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لواطت کرنے والے کو قتل کر دیا جائے حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے سنگسار کیا جائے۔ اگرچہ غیر شادی شدہ ہو۔

مسئلہ : شرح وقایہ میں ہے کہ لواطت پر شرعی حد نہیں البتہ اسے سخت سزا دے کر قید خانہ میں ڈالا جائے یہاں تک کہ اس فعل سے وہ سچے دل سے توبہ کرے۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس پر زنا کی حد ہے یعنی شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے درے مارے جائیں۔

مسئلہ : احناف کے نزدیک یہ سزا اجنبی لڑکے یا کسی عورت سے لواطت کے متعلق ہے اگر اپنا زر خرید غلام یا اپنی لونڈی یا اپنی عورت سے لواطت کی ہے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ ایسے آدمی پر حد ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسطرح اتفاق کیا۔

فائدہ : لوطی کے تعزیر کے وجوہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اسے ایسی بدبو دار جگہ پہ قید کیا جائے کہ جب تک وہ مر نہ جائے اسے نہ چھوڑا جائے بعض نے کہا اس کو دیوار کے نیچے کھڑا کیا جائے پھر دیوار گرا دی جائے بعض کہتے ہیں اسے اوپر سے اونچی جگہ جیسے منارہ ہے سے نیچے گرایا جائے۔ یہاں تک کہ ٹکڑے ہو جائے۔ حضرت ابو وراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوطی کو آگ میں جلایا جائے اسی طرح شرح مجمع میں تصریح کی۔

مسئلہ: زیادات میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر کسی کو اس گندے فعل کی عادت پڑ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے یا اسے قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ مر جائے (کذا فی شرح الاکمل)

فائدہ: اس سے واضح ہوا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ فعل بہت بڑا قبیح ہے۔ زنا۔ قتل کی طرح اس کی سزا مقرر نہیں فرمائی بلکہ صرف سے لیسے بدمعاش کو قتل کرنا ضروری سمجھا تاکہ دنیا پر سرے سے یہ فتنہ اٹھ جائے۔ جیسے یمین غموس کے متعلق ہے کہ اس میں کفارہ نہیں گناہ سخت ہے وہ بھی صرف اس لئے کہ اور قسمیں تو کفارہ سے اٹھ جاتی ہے لیکن یمین غموس (جھوٹی) کا گناہ کفارہ سے نہیں اٹھتا جب تک اس سے توبہ نہ کی جائے۔

جانوروں سے وطی کرنیوالے کے متعلق مسائل:

کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی جانور سے وطی کی تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اگر جانور اسی کا اپنا ہے تو اسے کہو کہ وہ اس جانور کو ذبح کر کے جلادے اگر حرام جانور ہے اور اگر وہ جانور حلال ہے تو اسے ذبح کر کے جلایا نہ جائے۔

فائدہ: فتوحات مکیہ کے ترجمہ کی آخری جلد میں ہے کہ جانور کی وطی سے پرہیز کرنا چاہیے اس لئے کہ یہ فعل کسی شرع کا ہے اور نہ کسی دین میں جائز ہے اور نہ ہی کسی نیک مرد کی مروت میں شامل ہے۔

حکایت: ایک بے عقل نے ایک جانور خریدا جس کی اُسے ضرورت نہ تھی کسی نے چند روز کے بعد اس سے پوچھا کہ تو نے اسے کیوں خریدا حالانکہ تجھے اس کی ضرورت ہی نہیں اور خواہ مخواہ اس کے پالنے کے خرچ کا اپنے سر پر کیا ہے اس نے جواب دیا کہ چونکہ میں غیر شادی شدہ ہوں اس لئے میں اس کے ذریعہ سے زنا سے بچتا ہوں۔ اسے کہا گیا کہ اس سے وطی بھی تو حرام ہے وہ چونکہ بے خبر تھا اس لئے رو دیا اور کہا مجھے اس کا علم نہیں تھا اس لئے میں آج کے بعد توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں اس کے ساتھ وطی نہیں کروں گا اسے کہا گیا کہ تم علم پڑھ لو تاکہ تمہیں حلال وحرام کی تمیز ہو۔

زنا سے بچنے کی تدبیر

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

مشت زنی کی تحقیق

اس حدیث سے مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ مشت زنی حرام ہے وہ اس لئے کہ اگر مشت زنی جائز ہوتی تو آپ بجائے روزے رکھنے کے اس کی اجازت بخشتے جو کہ ایک آسان عمل بھی ہے اور زنا سے بچنے کی تدبیر۔

مسئلہ: حنبلیوں نے مشت کو مباح بتایا ہے اس میں بعض حنفیوں کے متعلق بھی منقول ہے ان کی دلیل

یہ ہے کہ شہوت تسکین پانے کے لئے ہے اور شہوت پھیلانے کی تدبیر شرعاً مباح ہے۔

مسئلہ: خلاصۃ الکتاب میں ہے کہ اگر کوئی روزے دار اپنے ذکر کو پکڑ کر کسی طریق سے منی نکالتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اس پر قضا ہے کفارہ نہیں (لیکن اس پر فتویٰ نہیں اور وہ بھی بعض کا خیال ہے یہ تحقیقی قول نہیں

مسئلہ: یہ فعل نہ رمضان میں جائز ہے اور غیر رمضان میں۔

مسئلہ: یہ فعل اگر شہوت توڑنے کی نیت پر کرتا ہے شہوت رانی کیلئے نہیں کرتا تو بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ یہ جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس کی نیت صحیح ہے اس لئے امید ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی بعض کا خیال ہے تحقیقی قول نہیں۔

مسئلہ: بعض حواشی بخاری شریف میں ہے کہ مشت زنی حرام ہے یہی حکم قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور یہی قول تحقیقی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ الی ان قال فاولٰئک هم العادون عادون کا معنی ظالمون ہے یعنی وہ لوگ حلال سے متجاوز ہو کر حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسئلہ: امام بغوی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ مشت زنی حرام ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن جریج نے فرمایا کہ میں نے حضرت عطاء سے مشت زنی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ قیامت میں ایک قوم ایسی اٹھائی جائے گی جن کے ہاتھ حاملہ (گابھن) ہوں گے۔ یہ وہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے۔

اعجوبہ: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو صرف اس لئے عذاب میں مبتلا کیا کہ وہ اپنے ذکروں سے کھیلا کرتے تھے یعنی مشت زنی کرتے تھے۔

مسئلہ: مشت زنی کرنے والے پر بھی تعزیر واجب ہے۔

مسئلہ: ابن الملقن وغیرہ نے فرمایا کہ ایک روایت امام اعظم سے اور امام احمد سے منقول ہے کہ مشت زنی جائز ہے اس شخص کے لئے جو اپنے نفس پر زنا کا خطرہ رکھتا ہے اسی طرح اپنی زوجہ اور اپنی لونڈی کے ہاتھ کے ذریعہ منی گرانا جائز ہے۔ (یہ قول بھی غیر تحقیقی ہے)

فائدہ: قاضی حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا رفع الکراہۃ جائز ہے کیونکہ یہ بھی عزم میں داخل ہے اور عزل مکروہ ہے۔

فائدہ: تاتار خانیہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر ایسے شخص کو نہ گناہ ہے نہ سزا ہے۔ یہ قول تحقیقی نہیں (کذا فی انوار المشارق لمفتی طلب اشبهار) واللہ اعلم۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ
اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیبؑ کو بھیجا کہا اے میری قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا
اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل

الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ
آئی تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں انتظام کے بعد

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨٥ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ
فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ

تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا
راہگیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
کجی چاہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٨٦ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ
فسادیوں کا کیسا انجام ہوا اور اگر تم میں ایک گروہ اس پر ایمان لایا جو میں لے کر بھیجا

بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ
گیا اور ایک گروہ نے نہ مانا تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ ہم میں فیصلہ

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨٧
کرے اور اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر

---

٨٥ وَ اِلٰى مَدْيَنَ ۔ اور مدین کی طرف ہم نے بھیجا۔ اس سے قبیلہ مدین مراد ہے یعنی مدین کی اولاد وہ بن ابراہیم علیہ السلام۔ اَخَاهُمْ ان کے بھائی کی طرف۔ اس سے اس کا نسبتی بھائی مراد ہے یعنی یہ بھی منجملہ ان میں سے تھے۔ شُعَيْبًا اَخَاهُمْ کا عطف بیان ہے۔

شعیب علیہ السلام کا نسب نامہ شعیب بن میکیل بن یشخر بن مدین انہوں نے ریثا بنت لوط علیہ السلام سے نکاح کیا۔ ان سے اولاد ہوئی اور ان کی نسل اس قدر پھیلی کہ ان کا مستقل قبیلہ مدین بن گیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام خوف خدا سے بہت زیادہ روتے تھے۔ یہاں تک کہ روتے روتے اپنی آنکھیں کھو بیٹھے اور علماء میں مشہور ہے کہ وہ نابینا ہو گئے (یہ قول تحقیقی ہے) آپ کو خطیب الانبیاء علیہم السلام کا لقب ملا اس لئے کہ آپ کی قوم کو آپ کا زیادہ رجوع تھا۔ آپ کی قوم بھر تول کے متعلق کمی بیشی کرتے تھے اور یہ ان کی کفر کے علاوہ بیماری تھی۔

قَالَ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ **یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کی تفسیر ہم نے پہلے کر دی۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ بے شک تمہارے ہاں معجزات آئے ہیں۔ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ جاءتکم کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے یہ فاعل کی صفت ہے اس کی ذاتی عظمت شان کی وجہ سے موکد ہے یہ اس کے نکرہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوا اور بینہ کی عظمت شان اضافی ہے یعنی وہ بینہ عظیمہ تمہارے اپنے مالک امور کی طرف سے آئی ہے۔ لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح ان کا معجزہ قرآن مجید میں بیان نہیں کیا گیا۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات
قرآن مجید میں مذکور نہیں ہوئے۔

فائدہ: شعیب علیہ السلام کے معجزات نہ صرف قرآن مجید میں نہیں بلکہ احادیث شریف میں بھی نہیں۔ (کذا قال صاحب التفسیر الفارسی)

شعیب علیہ السلام کا معجزہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ بہت بڑے اونچے پہاڑ کو حکم فرماتے تو نیچے ہو جاتا تو اس پر آپ چڑھ جاتے اس کے علاوہ بھی اور معجزات صاحب کشاف نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائے ہیں۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ پس تول کو پورا کرو۔ الکیل مصدر ہے مثلاً کہا جاتا ہے کلت الطعام کیل میں نے طعام کو تولا۔ یہاں یہ معنی مصدری نہیں بن سکتا اس لئے کہ کمی و بیشی تو اعیان میں ہوتی ہے مصدری معنی ایمان میں نہیں ہوتا۔

فائدہ : قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت فاوموا آلۃ الکیل جیسے مولانا ابو السعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے الکیال سے تعبیر کیا ہے اس قول کی تائید ہے والمیزان سے ہوتی ہے اس سے متبادر آلہ کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے اگرچہ اس میں مصدری معنیٰ میعاد کی طرح پایا جاتا ہے لیکن آلہ کے معنیٰ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس معنیٰ پر الکیل بمعنی ما یکال بہ ہے جیسے العیش بمعنی ما یعاش بہ ان کے دو پیمانے تھے ایک بڑا دوسرا چھوٹا۔ جب لوگوں سے کچھ لیتے تو اس بڑے پیمانہ کو استعمال کرتے جب کچھ کسی کو دیتے تو چھوٹے پیمانہ کو عمل میں لاتے۔

خلاصہ یہ کہ انہیں کہا گیا ہے کہ مکیال و میزان کے ساتھ مکمل طور لوگوں کے حقوق ادا کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اور لوگوں کے لئے کمی نہ کرو **اَشْيَاءَهُمْ** ان کی اشیاء میں جو ان کے ساتھ خرید و فروخت کرتے ہو۔ درآنحالیکہ تم اُن کی تکمیل پر اعتماد کرو یعنی جیسے دو جیسی شے وہ سب میں مکمل طور حقوق کو ملحوظ کرو۔ ان کی عادت تھی کہ ہر بڑی چھوٹی اچھی اور خراب شے میں کمی و بیشی کرتے تھے۔

سوال : حقوق کے بجائے اشیاء کا لفظ کیوں فرمایا۔

جواب : حقوق مخصوص باتیں ہوتی ہیں اور اشیاء ہر امر پر مشتمل ہے اور یہاں عموم مطلوب تھا اس لئے اشیاء کا لفظ فرمایا۔

نکتہ : خرید و فروخت میں کمی و بیشی کرنا حق اور نہایت ہی خسیس انسان کا کام ہے اور یہ کام وہ کرتا ہے جس پر حرص و ہوا غالب ہوں اور ہر وہ انسان جو نفس کے خواہشات کے تابع بلکہ یوں کہو کہ وہ انسان پیٹ و پیٹھ کا ظالم ہے اور یہ تمام نفس امارہ کی صفات سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے جسے تزکیۂ نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی بندے سے اچھے امور دیکھنا چاہتا ہے اور حسین افعال ہے اسے سخت نفرت ہے۔

حدیث شریف [۱] ان دو بھیڑیوں سے جو بکریوں میں چھوڑے جائیں زیادہ رذیل وہ انسان ہے جو مال کے حرص میں مبتلا ہے۔

حدیث شریف [۲] ، نماز و وضو اور وزن و کیل یہ سب امانتیں ہیں۔

حدیث شریف [۳] ، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم کو وزن وکیل کا متولی بنایا گیا ہے۔ پہلی قومیں ان کی کمی و بیشی کرنے سے تباہ و برباد ہوئیں۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ کفر و ظلم کر کے اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ **بَعْدَ اِصْلَاحِهَا** جب کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع نے زمین میں شرائع و احکام کا اجراء کر کے اصلاح کی۔

ذٰلِكُمْ یہ ان امور کی طرف اشارہ ہے جن کے متعلق اوامر و نہی فرمائے۔ **خَيْرٌ لَّكُمْ** تمہارے لئے بہتر ہیں یعنی

اوامر و نواہی پر عمل کرنا کم تولنے بیچنے اور نقصان پہنچانے اور فساد ڈالنے سے بہتر ہے۔

ف : یہاں خیر اسم التفضیل کے معنی میں نہیں بلکہ یہاں پر معنی یہ ہے کہ وہ امور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مفید ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ اگر تم اہل ایمان ہو یعنی اگر تم میرے امور کی تصدیق کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ اور نہ تم ہر ایک راستہ پر نہ بیٹھو۔ یا یہ بار الصاق یا مصاحبت کی ہے۔ اس لئے ان کا قعود مکان سے متعلق ہے اور قاعد اس سے ملص و ملابس ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بار بمعنی فی ہے اس لئے کہ قاعد اپنے قعود کے مکان میں نازل ہوتا ہے یا یہ بار بمعنی علی ہے اس لئے کہ قاعد مکان کے اوپر ہوتا ہے تُوْعِدُوْنَ ڈراتے ہو تم یہ تَقْعُدُوْا سے حال ہے۔

سوال : اس کے ڈرانے کے سبب ذکر کیوں نہیں۔

جواب : تاکہ سمجھنے والا سمجھے کہ وہ ہر طرح کے ڈرانے کے حربے استعمال کرتے تھے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے میری قوم ہر راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو دین سے مت ڈراؤ یہ تو شیطان کا کام ہے چنانچہ قرآن مجید نے شیطان کا طریقہ بتایا کہ اس نے کہا تھا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

سوال : اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ہی راستہ ہے اور یہاں پر بہت سے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے

جواب : اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ایک راستہ ہے لیکن اس کے مختلف انواع و اجناس تھیں۔ مثلاً معارف۔ حدود۔ احکام مخالفین ان ہر قسم کے راستے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے راستہ کو بکل صراط سے تعبیر فرمایا۔

فائدہ : مروی ہے کہ کفار شعیب علیہ السلام کی طرف مختلف آنے والے راستہ پر بیٹھ جاتے ہر راہگیر سے پوچھتے کہ کہاں جاتے ہو۔ اگر وہ کہتا کہ شعیب علیہ السلام کے پاس جاؤں گا تو اسے کہتے ان کے ہاں جا کر کیا کرو گے وہ تو بہت بڑے جھوٹے ہیں (معاذ اللہ) وہ تو ایسے غلط کار ہیں کہ اگر ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں تمہارے آبا کے دین سے بہکا دیں گے اسی طرح وہ ہر دین حق کے کرنے والے مومن کو طرح طرح کی باتیں سنا کر ڈراتے بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ ڈاکو تھے۔ لوگوں کا مال لوٹتے تھے۔ وَتَصُدُّوْنَ اس کا توعدون پر عطف ہے یعنی تم روکتے اور پھیرتے ہو۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی اس راستہ سے جیسا وہ بیٹھے ہوتے مَنْ اٰمَنَ بِهٖ یہ تصدون کا مفعول بہ ہے اور بہ ضمیر کل صراط کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسے جو سیدھے راستے پر ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں۔ وَتَبْغُوْنَهَا یہ باب الحذف والایصال والتعدیہ سے دراصل تبغون لها یعنی اس کے لئے طلب کرتے ہو یہ ضمیر سبیل اللہ کی طرف راجع ہے۔

سوال : لفظ سبیل مذکر ہے اور ھا ضمیر مونث ہے یہ کیسے۔

جواب : چونکہ لفظ سبیل مذکر بھی ہوتا ہے اور مونث بھی اس لئے یہاں پر اس کے لئے ضمیر مونث لائی گئی یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ کو طلب کرتے ہو۔ عِوَجًا یعنی حق سے ٹیڑھا کر کے اس پر طرح طرح کے شبہات ڈالتے ہو یا یہ کہ تم اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہو اور کہتے ہو کہ شعیب علیہ السلام کا راستہ غلط ہے حالاں کہ ان کا راستہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور اس کے ٹیڑھے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو طالبان حق سے وصول الی اللہ کا راستہ روکتے ہیں اور ان کے ساتھ کئی قسم کے حیلے اور مکر و فریب کر کے راہ حق سے انہیں دور رکھتے ہیں اور وہ اپنی شیخی بگھیر کر ان کے لئے کئی قسم کی غلط کاریاں پیدا کرتے ہیں۔ جیسے انہوں نے اپنے نفسوں کو راہ حق سے روک رکھا ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ معاصی اور جرائم کی نحوست مجرم تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر وہ اثرات خود معاصی کے مرتکب کو بہت زیادہ لپیٹ لیتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں زیادہ کثیر التعداد بنایا۔ یعنی تمہاری نسل بڑھائی اور تمہیں دولتمند بنایا۔ یعنی تمہارا ضعف قوت سے اور تمہارا فقر دولتمندی سے بدل گیا۔

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ اور دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ بس تم نے پہلے لوگ جیسے کہ نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد قوم عاد اور ثمود اور اُن جیسے اوروں کا کیا حشر ہوا۔ ان کے حالات پڑھو پھر عبرت پکڑو اور اُن کے غلط طریقوں سے بچو۔

○ **وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ** اگر ایک گروہ اس پر ایمان لائے جس کے لئے میں رسول بنایا گیا ہوں۔ یعنی ان شرائع و احکام کو ماننے اور ان پر عمل کرے جو میں تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ سے لایا ہوں **وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا** اور ایک گروہ جو اس پر ایمان نہ لایا۔

فائدہ : تفسیر فارسی میں ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی نبوۃ کا اعلان کیا تو آپ پر ایک گروہ ایمان لے آیا اور دوسرا گروہ منکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ قوت و ثروت ہمارے ہاں ہے اور ان پر ایمان لانے والے نہایت غریب اور کمزور ہیں۔ فلہذا حق ہمارے پلڑے میں ہے نہ ان کے ہاں اگر ان کے پاس حق ہوتا تو یہ دولتمند اور بہت بڑی قوت و طاقت کے مالک ہوتے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان ہر دونوں گروہوں کو فرمایا کہ ایمان لاؤ یا نہ **فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا** یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مابین یعنی ہر دونوں گروہوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کہ حق والوں کی مدد فرمائے گا اور باطل والوں کو مٹا دے گا۔ اس آیت میں اہل ایمان سے وعدہ کریمہ

اور اہل کفر کے لئے وعید ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا اور اس میں ظلم کا شائبہ تک بھی نہیں اس لئے کہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے اعدل و احکم ہے۔

آٹھویں پارہ کی تفسیر ۱۴۰۰ھ کے شوال کے اواخر میں ختم ہوئی۔

نوٹ ۔ فقیر اویسی غفرلہ کے لئے بحسن اتفاق سے شوال کے اواخر یعنی ۲۷ شوال ۱۳۹۹ھ شب اتوار (احمد پور لمہ) بموقع جلسہ سالانہ اس کا یہاں ترجمہ ختم ہوا۔

فہرست مضامین پارہ نمبر 6,7,8

پارہ نمبر 7

پارہ نمبر 7 ختم

آغاز پارہ نمبر 8